ہندوستان کا
تاریخی خاکہ
PDFBOOKSFREE.PK
کارل مارکس

ہندوستان

تاریخی خاکہ

کارل مارکس

فریڈرک اینگلز

ترتیب و تعارف

احمد سلیم

علی پلازہ، 3- مزنگ روڈ لاہور، فون: 7238014
Web Site: http://www.takhleeqat.com
E-mail: takhleeqat@yahoo.com

ناشر : تخلیقات
اہتمام : لیاقت علی
سن اشاعت : 2002
کمپوزنگ : المدد کمپوزنگ سنٹر، لاہور
فون : 7114647
ٹائٹل : ریاظ
پرنٹرز : اُجالا پرنٹرز، لاہور
قیمت : 220 روپے

حصہ سوم : ضمیمہ

حصہ اوّل

ہندوستانی تاریخ کا خاکہ

(664ء تا 1858ء)

ہندوستان میں مسلمانوں کی فتوحات

ہندوستان میں عربوں کی پہلی آمد 664ء (44 ہجری) میں ہوئی۔ مہلب ملتان میں داخل ہوا۔

632ء: (حضرت) محمد انتقال کر گئے۔

633ء: (حضرت) ابوبکر کے دور خلافت میں عربوں نے شام فتح کیا۔ 638ء میں ایران پر مکمل قبضہ کرتے ہوئے شاہ ایران کو دریائے جیحوں کے اس پار دھکیل دیا۔ انہی دنوں خلیفہ کے ایک نائب نے مصر کو فتح کر لیا۔

650ء: شاہ ایران نے اپنی سلطنت دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اسے شکست ہوئی اور مارا گیا۔ عربوں نے پورا ملک دریائے جیحوں تک اپنی عملداری میں لے لیا۔ ایران اور ہندوستان کے درمیان اب شمال میں صرف کابل، جنوب میں بلوچستان اور ان دونوں کے درمیان افغانستان رہ گیا۔

664ء: عرب کابل میں پہنچ گئے۔ اسی سال عرب جرنیل مہلب نے ہندوستان پر حملہ کیا اور پیش قدمی کرتا ہوا ملتان تک جا پہنچا۔

690ء: کابل کی تسخیر عبدالرحمن نے مکمل کی۔ اس جرنیل کو شط العرب (خلیج

فارس) کے دہانے پر واقع بصرہ کے گورنر حجاج نے بھیجا تھا۔

711ء: حجاج کے بھتیجے محمد بن قاسم نے سندھ فتح کر لیا۔ وہ بصرہ سے سمندر کے راستے سندھ کے ساحل پہ آیا۔

714ء: محمد بن قاسم کو خلیفہ ولید نے حسد میں آکر قتل کرا دیا۔ اس طرح سندھ میں اسلام کے زوال کا اشارہ دے دیا گیا۔ تیس سال بعد سندھ میں کوئی ایک عرب بھی موجود نہیں تھا۔ اسلام نے ہندوؤں کے برعکس ایرانیوں میں تیزی سے فروغ پایا کیونکہ ایران میں مذہبی پیشواؤں کا طبقہ سماج میں بہت کمتر اور عزت و وقار سے محروم تھا۔ ان کے برعکس ہندوستان کی دولت مشترکہ میں یہ طبقہ انتہائی طاقتور سیاسی عامل تھا۔

(ا) خراسان میں مسلمان حکمران خاندان

713ء: ماوراالنہر میں عربوں نے استحکام حاصل کر لیا۔ (670ء میں وہ جیحوں عبور کر گئے تھے اور کچھ عرصہ بعد انہوں نے ترکمانوں سے بخارا اور سمرقند چھین لیے تھے۔) اس زمانے میں فاطمیوں اور عباسیوں (ایک خاندان کا حضرت محمد کی بیٹی اور دوسرے کا ان کے چچا سے تعلق تھا) کے درمیان اس نئے مفتوحہ علاقے میں خلافت کے منصب کے لیے شدید کشمکش جاری تھی۔ عباسی جیت گئے۔ ہارون الرشید اسی خاندان کا پانچواں خلیفہ تھا۔

809ء: خلیفہ ہارون الرشید، ماوراالنہر میں ایک بغاوت فرو کرنے کے لیے جاتے ہوئے راستے میں وفات پا گیا۔ اس کے بیٹے مامون الرشید نے خراسان میں عرب سلطنت کو پھر سے مستحکم کیا اور بغداد میں اپنے باپ کی جگہ مسند خلافت سنبھالی۔

821ء: مامون الرشید کے وزیر طاہر نے بغاوت کر دی اور خراسان میں اپنی

خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا۔ وہاں اس کی اولاد حکمران رہی۔

870-821ء: خراسان میں طاہر کی اولاد نے کم و بیش 50 سال حکومت کی۔ طاہریوں کو سفاری خاندان نے 870ء میں اقتدار سے محروم کیا۔

903-872ء: سفاریوں کے 32 سالہ دور اقتدار کو سامانی خاندان نے آخری سفاری حکمران یعقوب کو شکست دے کر ختم کیا۔

999-903ء: خراسان میں سامانی خاندان مسلسل پوری دسویں صدی کے دوران حکمران رہا۔ اس خاندان کے مختلف ارکان کے پاس ماوراالنہر میں چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں تھیں۔ یہ لوگ دریائے جیحوں کے اس طرف ایران میں جا نکلے اور بڑے بڑے علاقوں پر تسلط قائم کر لیا۔ بویہ خاندان جسے دیلمی بھی کہا جاتا ہے ان دنوں بغداد میں خلافت پر قابض تھا، اس نے سامانیوں کو واپس خراسان میں دھکیل دیا۔

961ء: سامانیوں کے پانچویں حکمران عبدالملک کے دور میں ایک ترک غلام اپتگین درباری مسخرے کی حیثیت سے شاہی ملازمت میں آیا۔ لیکن حاکم کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد بالآخر خراسان کا گورنر بن گیا۔ عبدالملک بہت جلد انتقال کر گیا۔ اپتگین نئے بادشاہ سے مخالفت کی وجہ سے اپنے چند قریبی ساتھیوں سمیت غزنی کو فرار ہو گیا۔ وہاں اس نے خود کو حاکم بنا لیا۔ اپتگین کی موت کے بعد اس کے غلاموں میں سے ایک سبکتگین، خراسان کے دربار کی حمایت سے غزنی کا حاکم بنا۔ غزنی ہندوستان کی سرحد سے صرف 200 میل دور تھا۔ لاہور کا راجہ جے پال ایک مسلمان حکومت کی اتنی قربت پر بہت مضطرب رہتا تھا۔ اس نے غزنی کے خلاف لشکر کشی کی لیکن ناکامی کے بعد مصالحت کر لی۔ جن شرائط پر مصالحت کی گئی تھی، راجہ جے پال ان پر قائم نہ رہا تو سبکتگین نے کوہ سلیمان سے نکل کر ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ جے پال، دہلی، قنوج اور کالنجر کے

راجاؤں کی مدد سے لاکھوں کا لشکر لے کر دوبارہ سبکتگین کے مقابلہ میں آیا لیکن پھر شکست سے دوچار ہوا۔ سبکتگین نے پنجاب میں ایک مسلمان کو پشاور کا گورنر مقرر کیا اور خود غزنی پلٹ گیا۔ دریں اثناء سامانی بادشاہ نوح کے خلاف تاتاریوں نے بغاوت کر دی۔ نوح سامانی خاندان کا ساتواں حکمران تھا' اسے باغیوں نے دریائے جیحوں کے پار ایران میں دھکیل دیا۔ سبکتگین اس کی مدد کو دوڑا اور باغیوں کو کچل کر رکھ دیا۔ نوح نے ممنون ہو کر سبکتگین کے سب سے بڑے بیٹے محمود کو خراسان کا حاکم (گورنر) بنا دیا۔ سبکتگین کی موت کے وقت محمود' غزنی میں موجود نہیں تھا۔ غزنی کے تخت پر اس کے چھوٹے بھائی اسمٰعیل نے قبضہ کر لیا۔ محمود نے اسے شکست دے کر قید کر دیا۔ محمود نے نئے سامانی حکمران منصور کو ایک سفارت بھیجی اور مطالبہ کیا کہ اسے غزنی کا حاکم تسلیم کیا جائے۔ محمود کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔ اب محمود نے خود کو غزنی کا خودمختار بادشاہ قرار دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد منصور کو معزول کر دیا گیا۔

999ء: محمود نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا۔

29 اپریل 999ء سے 1030ء میں اپنی موت تک محمود نے حکومت کی۔ منصور کے ایک سردار ایلک خان نے سامانیوں کے زوال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بخارا اور ماوراالنہر کے تمام مسلمان مقبوضہ جات پر تسلط قائم کر لیا۔ محمود اور ایلک خان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

1000ء: محمود نے ایلک خان سے صلح کر کے اس کی بیٹی سے شادی کر لی۔ محمود کے اس اقدام کا مقصد ہندوستان کی مہم جوئی کے لیے یکسوئی کا حصول تھا۔

(2) محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے اور اس کی اولاد کا دورِ حکومت (999ء تا 1152ء اور 1186ء)

1001ء: ہندوستان پہ محمود کا پہلا حملہ۔ (لاہور): محمود نے کوہ سلیمان سے نکل کر پشاور کے نزدیک لاہور کے راجہ جے پال پر حملہ کیا۔ اسے شکست دے کر آگے بڑھا۔ دریائے ستلج عبور کر کے بھٹنڈہ فتح کیا اور واپس غزنی چلا گیا۔ جے پال کی موت کے بعد انندپال لاہور کا راجہ بنا۔ محمود نے اس کے ساتھ امن معاہدہ کر لیا۔

1003ء: دوسرا حملہ (بھاٹیہ): انندپال نے محمود کی مسلط کردہ امن شرائط کا مکمل احترام کیا لیکن معاہدہ کے ایک فریق راجہ بھاٹیہ نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ محمود نے اس پر حملہ کر کے شکست دے دی۔ (الفنسٹن کی "دی ہسٹری آف انڈیا" لنڈن 1866ء کے مطابق محمود نے دوسرا حملہ 1004ء میں کیا)

1005ء: تیسرا حملہ (ملتان): ملتان کے افغان سردار عبدالفتح لودھی نے بغاوت کر دی۔ محمود نے اس کی بغاوت کچل کر خراج نافذ کر دیا۔ غزنی میں محمود کی عدم موجودگی کے دوران ایلک خان دریائے جیحوں عبور کر کے تاتاریوں کی ایک بڑی فوج کے ساتھ خراسان پر حملہ آور ہو گیا۔ محمود ہندوستانی ہاتھیوں کے ساتھ غزنی سے ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ ایلک خان الٹے پاؤں بخارا کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

1008ء: چوتھا حملہ (پنجاب): انندپال نے ہندو راجاؤں کی مدد سے محمود کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بڑی فوج بنائی۔ ہندو جوش و خروش سے لڑے لیکن بالآخر میدان محمود کے ہاتھ رہا۔ اس نے نگر کوٹ کا مندر لوٹ کر مسمار کر دیا۔

1010ء: محمود نے غور کی سلطنت فتح کرلی۔ یہاں افغانوں کی اکثریت آباد تھی۔

1010ء: (موسم سرما): پانچواں حملہ (ملتان): محمود نے ملتان پہ ایک اور حملہ کیا اور عبدالفتح لودھی کو قیدی بنا کر غزنی لے آیا۔

1011ء: چھٹا حملہ (تھانیسر): اس مہم میں محمود نے دریائے جمنا کے کنارے آباد شہر تھانیسر پہ یلغار کی اور اس سے پہلے کہ ہندو راجکمار اپنی فوج اکٹھی کرتے اس نے مال و دولت سے بھرے مندر پہ قبضہ کرلیا۔

1013-1014ء: ساتواں اور آٹھواں حملہ (کشمیر): ان دونوں برسوں میں مسلسل کشمیر پہ دو حملے کیے گئے۔ ان کا مقصد لوٹ مار کے علاوہ انتظامی امور کی دیکھ بھال بھی تھا۔

ایلک خان مرگیا۔ 1016ء میں محمود نے بخارا اور سمرقند اور 1017ء میں پورا ماورا النہرا اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔

1017ء: (موسم سرما): محمود کا نواں حملہ: بہت بڑے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے محمود پشاور کے راستے کشمیر کی طرف بڑھا۔ پھر جمنا کا رخ کیا اور عبور کرکے قنوج کے قدیم شہر میں پہنچا۔ کسی مزاحمت کے بغیر شہر تسخیر ہوگیا۔ وہاں سے محمود متھرا پہنچا اور اسے زمین بوس کیا۔ مہاون اور منج کی غارت گری کے بعد واپسی کی راہ لی۔

1022ء: دسواں اور گیارھواں حملہ: قنوج کا راجہ محمود کی اطاعت کرچکا تھا، ہندوؤں نے اسے شہر بدر کردیا گیا۔ محمود نے راجہ کی مدد کے لیے دو بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ ایک حملے کے دوران مکمل طور پر لاہور کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

1024ء: بارھواں حملہ (گجرات اور سومنات): سومنات پر حملہ محمود کی آخری بڑی مہم تھی۔ وہ غزنی سے ملتان پہنچا۔ پھر صحرائے سندھ کو عبور کرکے گجرات کے علاقہ میں داخل ہوا۔ راجدھانی انہلواڑہ پہ قبضہ کیا۔ اس مہم جوئی کے دوران محمود نے راجہ اجمیر کے علاقوں کو تباہی و بربادی سے

ہمکنار کیا۔ سومنات کے مندر پر یلغار کی گئی۔ راجپوت سپاہیوں نے بڑی بہادری سے مزاحمت کی لیکن انجام کار محمود مندر پہ قبضہ کرنے میں کامیاب رہا۔ اب محمود واپس انہلواڑہ آیا جہاں اس نے ایک سال تک قیام کیا۔ غزنی کو واپسی کا سفر۔۔۔ صحرا کے دوران انتہائی تباہ کن ثابت ہوا۔

1027ء: ترک قبیلے سلجوق نے بغاوت کردی جسے محمود نے تیزی سے کچل دیا۔

1028ء: دیلمیوں سے ایرانی عراق کو دوبارہ فتح کرکے محمود نے پورے ایران پر اپنا تسلط مکمل کرلیا۔

29 اپریل 1030ء: محمود غزنوی کا انتقال ہوگیا۔ شاعر فردوسی اسی کے دربار سے وابستہ تھا۔ محمود کی فوج زیادہ تر مملوک دستوں پر مشتمل تھی۔ یہ مملوک ترک جنگجو غلام تھے جنہیں ایرانیوں کا غلام سمجھا جاتا تھا۔ تاتاری گڈریئے تھے۔ شرفاء اور آبادی کے اعلیٰ طبقات زیادہ تر عربوں پر مشتمل تھے۔ عدالتی اور مذہبی امور میں وہ مکمل اختیارات کے مالک تھے۔ شہری حکام کی اکثریت ایرانی النسل تھی۔

محمود کے تین بیٹے تھے: محمد، مسعود اور عبدالرشید۔ مرتے وقت اس نے بڑے بیٹے محمد کو سلطان بنانے کی وصیت کی۔ مسعود سپاہیوں میں بہت مقبول تھا۔ اس نے 1030ء میں ہی بڑے بھائی کو گرفتار کرلیا اور اسے اندھا کرکے قید خانے میں ڈال دیا۔ خود غزنی کے تخت پر قابض ہوگیا۔

1030-1041ء: سلطان مسعود اول: سلطان مسعود اول کے دور اقتدار میں سلجوق ترکوں نے دریائے جیحوں کے اس پار بغاوت کردی۔ مسعود نے انہیں واپس ان کے علاقے میں دھکیل دیا۔

1034ء: لاہور میں برپا شورش کچلنے کے لیے سلطان مسعود نے ہندوستان کا رخ کیا

اور پھر واپس آ کر سلجوقوں کی سرکوبی کی۔

1034-1039ء: سلجوق بار بار سر اٹھاتے رہے۔ چنانچہ مسعود اول مسلسل سلجوقوں کے خلاف معرکہ آرائی میں مصروف رہا۔ زندیقوں نے مرو کے مقام پر سلطان مسعود کو بری طرح ہزیمت سے دوچار کیا۔ وہ ہندوستان کو بھاگ گیا۔ غزنی کی فوج کے منصب داروں نے بغاوت کر دی اور تخت پر محمد کے بیٹے احمد کو بٹھا دیا۔

1041ء: سلطان احمد نے چچا مسعود کا پیچھا کیا اور اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ مقتول سلطان مسعود کے بیٹے مودود نے بلخ سے آ کر لمغان کے علاقے میں احمد پر حملہ کیا اور شکست دی۔ سلطان احمد اور اس کے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مودود سلطان بن گیا۔

1041-1050ء: سلطان مودود: سلجوقوں نے طغرل بیگ کو اپنا قائد منتخب کر لیا اور چاروں طرف فتوحات کے بعد اپنی فوجیں پھیلا دیں تاکہ سلطان مودود ماوراالنہر میں داخل نہ ہو سکے۔ ادھر دہلی کے حاکم نے بغاوت کر دی۔ مسلمانوں سے تھانیسر، نگرکوٹ اور ستلج تک تمام علاقہ چھین لیا۔ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی فوج لاہور کو بچانے میں کامیاب رہی۔

1046ء: سلطان محمود کی تمام عمر سلجوقوں سے لڑتے ہوئے گزری تھی۔ غور کے حاکم نے سلجوقوں کے خلاف سلطان مودود سے مدد مانگ لی۔ مودود بظاہر مدد کرنے کے لیے آیا لیکن اپنے حلیف کو قتل کر کے غور پہ قبضہ کر لیا۔

1050ء: سلطان مودود غزنی میں انتقال کر گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی سلطان عبدالحسن کو تخت نشین کر دیا گیا۔

1050-1051ء: سلطان عبدالحسن کے خلاف پوری سلطنت میں بغاوت پھیل گئی۔ غزنی کے سوا اس کے پاس کوئی علاقہ نہ رہا۔ عبدالحسن کا جرنیل علی ابن ربیعہ ہندوستان چلا گیا۔ وہاں اس نے کئی علاقے

فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ عبدالحسن کے چچا عبدالرشید کی مسلح حمایت کے لیے پوری مغربی سلطنت اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبدالرشید، سلطان محمود کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اس نے غزنی پہنچ کر عبدالحسن کو معزول کر دیا۔

1051-1052ء: باغی سلجوق سردار طغرل نے غزنی کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے پر یلغار ہوئی اور سلطان عبدالرشید کو نو شہزادوں کے ساتھ تہ تیغ کر دیا گیا۔ مشتعل شہریوں نے طغرل کو قتل کر کے سلجوقوں کو شہر سے باہر نکال دیا۔ سلطنت کو سبکتگین کے خاندان کے کسی شہزادے کی تلاش تھی۔ ایک قلعہ میں قید فرخ زاد مل گیا۔ اسے رہا کر کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔

1052-1058ء: سلطان فرخ زاد کا دور حکومت انتہائی پرامن رہا۔ وہ اپنی طبعی موت مرا۔ اس کا جانشین چھوٹے بھائی ابراہیم کو بنایا گیا۔

1058-1089ء: سلطان ابراہیم نیک سیرت حکمران تھا۔ اس کا دور بھی کسی ہنگامے اور شورش کے بغیر گزرا۔ اس کے انتقال پر اس کے بیٹے سلطان مسعود ثانی نے تخت سنبھالا۔

1089-1114ء: سلطان مسعود ثانی مہم جو حکمران تھا۔ اس نے دریائے گنگا تک لشکر کشی کی۔ مسعود ثانی کے بعد اس کا بیٹا ارسلان سلطان بنا۔

1114-1118ء: سلطان ارسلان نے اپنے بھائیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ ایک بھائی بہرام بچ نکلا۔ وہ فرار ہو کر سلجوقوں کے پاس پہنچ گیا۔ سلجوقوں نے اس کی مدد کی اور سلطان ارسلان کے خلاف نکل پڑے۔ ارسلان کو شکست دے کر بہرام کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔

1118-1152ء: سلطان بہرام کچھ عرصہ تک خاموشی سے حکومت کرتا رہا۔ پھر اس نے غور پہ لشکر کشی کی اور وہاں ایک شہزادے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مقتول کے بھائی سیف الدین نے بہرام کے

خلاف شورش برپا کر دی۔ غزنی پہ قبضہ کر کے اس نے بہرام کو پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا۔ سلطان بہرام نے واپس آ کر سیف الدین کو گرفتار کر لیا اور اذیتیں دے کر ہلاک کیا۔ سیف الدین کا ایک اور بھائی علاء الدین جوش انتقام میں غوریوں کا ایک لشکر لے کر غزنی پہ حملہ آور ہوا۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ صرف تین عمارتوں کو سلامت رہنے دیا گیا۔ یہ عمارتیں محمود، مسعود اول اور ابراہیم کے مقبرے تھے۔ بہرام لاہور کو فرار ہو گیا۔ افغانستان میں غزنوی خاندان کی حکومت ختم ہو گئی۔ البتہ لاہور میں غزنی خاندان مزید 34 برس (1186ء) تک حکمران رہا پھر ناپید ہو گیا۔

(3) غوری خاندان کا عروج (1152-1206ء)

1152-1156ء: سلطان علاء الدین کا دور: بہرام، ارسلان سے جان بچا کر سلجوقوں کے پاس آ گیا۔ اس نے اقتدار کی بحالی میں مدد دینے کی صورت میں کامیابی کے بعد انہیں خراج دینے کا وعدہ کیا تھا۔ دوبارہ اپنے اخراج تک وہ باقاعدگی سے خراج ادا کرتا رہا۔ بہرام کے بعد علاء الدین نے اپنے آپ کو غزنی کا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا تو سلجوقوں کے سردار سنجر نے مطالبہ کیا کہ پہلے کی طرح اب بھی انہیں خراج ادا کیا جائے۔ علاء الدین نے انکار کر دیا۔ سنجر، اپنی فوج لے کر حملہ آور ہوا اور علاء الدین کو گرفتار کر لیا، تاہم بعد ازاں اسے بحال کر دیا۔

1153ء: اوغز کے تاتاری قبیلے نے سنجر اور علاء الدین کے علاقے تاراج کر ڈالے۔ علاء الدین کے مرنے پر اس کے بیٹے سیف الدین کو حکومت

مل گئی۔

1156-1157ء: سیف الدین: سیف الدین کو اس کے ایک امیر نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیے قتل کر دیا۔ علاء الدین کے دو بھتیجے غیاث الدین اور شہاب الدین تھے۔ غیاث الدین کو حکمران بنا دیا گیا۔

1157-1202ء: غیاث الدین: غیاث الدین نے اپنے بھائی شہاب الدین کو فوج کا سالار اعلیٰ بنا دیا۔ دونوں بھائیوں نے سلجوقوں سے خراسان کا علاقہ چھین لیا اور پوری ہم آہنگی کے ساتھ امور سلطنت چلاتے رہے۔

1176ء: شہاب الدین نے لاہور کا رخ کیا اور غزنوی خاندان کے آخری حکمران خسرو ثانی کو شکست دی۔

1181ء: شہاب الدین نے سندھ فتح کر لیا۔ 1186ء میں خسرو ثانی کو گرفتار کر لیا۔ اب اس نے اپنی تمام تر توجہ ہندوستان میں طاقتور راجپوت ریاستوں کی طرف مبذول کر دی۔ دہلی پہ حملہ آور ہوا تو اسے عظیم راجہ پرتھوی نے شکست دے دی۔ پرتھوی ان دنوں دہلی اور اجمیر کا راجہ تھا۔ شہاب الدین غزنی پلٹ آیا۔

1193ء: شہاب الدین نے ایک بار پھر ہندوستان پہ حملہ کیا۔ اس دفعہ راجہ پرتھوی کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ شہاب الدین نے اپنے ایک معتمد غلام قطب الدین کو اجمیر کا گورنر بنا دیا۔ قطب الدین نے بعد میں دہلی پہ قبضہ کر لیا اور وہاں گورنر کی حیثیت سے مقیم ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد قطب الدین نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اب وہ دہلی کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔ (مشرقی حکمرانوں کے غلام دربار میں اہم عہدے حاصل کر لیتے تھے اور بعض اوقات محلاتی سازشوں کے سرخیل بن جاتے)

1194ء: شہاب الدین نے قنوج اور بنارس تسخیر کر لیے۔ بنارس کا راجہ مارا گیا۔ اس کا خاندان مارواڑ کی طرف چلا گیا، جہاں انہوں نے نئی ریاست قائم

کر لی۔ شہاب الدین نے گوالیار کو بھی اپنے مقبوضہ جات میں شامل کر لیا۔ اس دوران قطب الدین نے گجرات، اودھ، شمالی بہار اور بنگال کو روند دیا۔

1202ء: غیاث الدین مر گیا۔ شہاب الدین نے حکومت سنبھال لی۔

1202-1206ء: شہاب الدین

شہاب الدین نے خوارزم فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ہزیمت سے دوچار ہوا۔ اپنی جان بچانے کے لیے اسے میدان جنگ سے بھاگنا پڑا۔

1206ء: خوارزم پہ دوسرا حملہ کیا لیکن اپنے حفاظتی دستے سے بچھڑ گیا اور قزاق قبیلے ککار کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کا بھتیجا محمود جانشین بنا۔

1206ء: محمود، داخلی شورشوں سے سلطنت کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ متعدد علاقے شہاب الدین کے منظور نظر غلاموں کے قبضہ میں چلے گئے۔ سلطنت کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ قطب الدین نے دہلی اور ہندوستان کے علاقے لے لیے۔ (دہلی ایک چھوٹی سی اور غیر اہم ریاست کا 1200 سال سے دارالحکومت تھا۔) یلدیز، شہاب الدین کے ایک اور غلام، نے غزنی لے لیا۔ لیکن اسے شاہ خوارزم نے باہر نکال دیا اور وہ دہلی کو فرار ہو گیا۔ ایک اور غلام نذیر الدین نے سندھ اور ملتان کو اپنی خود مختار قلمرو بنانے کا اعلان کر دیا۔

دہلی کا خاندانِ غلاماں

(1206ء-1288ء)

1206ء-1210ء: قطب الدین

دہلی اور گرد و نواح میں ایک مستحکم سلطنت قائم ہو گئی۔

1210ء: قطب الدین کی موت پر اس کا بیٹا ارام تخت دہلی پہ بیٹھا لیکن ایک ہی سال بعد اس کے بہنوئی شمس الدین التمش نے تختہ الٹ کر خود حکومت سنبھال لی۔

1211ء-1236ء: شمس الدین التمش

1217ء: چنگیز خان کی قیادت میں توران سے آنے والے منگولوں کے بہت بڑے لشکر نے خوارزم پہ حملہ کیا۔ شاہ خوارزم کے بیٹے جلال نے بہادری سے اس کا دفاع کیا لیکن اسے دریائے سندھ کی طرف دھکیل دیا گیا۔ منگولوں کے خوف سے کوئی بھی حکمران جلال کی مدد کے لیے تیار نہ ہوا تو اس نے ککاروں کا ایک جتھہ لیا اور لوٹ مار کرنے لگا۔

چنگیز خان نے منگولوں کی ایک بڑی فوج نذیر الدین کے علاقے سندھ اور ملتان میں بھیجی جس نے یہ تمام علاقہ تاخت و تاراج کر دیا۔ جب منگول دریائے سندھ کے اس پار سے واپس چلے گئے تو شمس الدین التمش نے موقع غنیمت سمجھا اور حملہ کر کے یہ علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ (مارکس نے چنگیز خان کی تاریخ پیدائش 1155ء لکھی ہے جسے اب عموماً بھی تسلیم کرتے ہیں)

1225ء: التمش نے بہار اور مالوہ فتح کر لیے۔ اور

1232ء: اب اسے پورے ہندوستان کا باقاعدہ بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ 1236ء میں وہ اپنے اقتدار کے عروج میں انتقال کر گیا۔ التمش کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین تخت نشین ہوا۔

1236ء: رکن الدین کو اسی برس اس کی بہن رضیہ نے معزول کر کے خود حکومت سنبھال لی۔

1236ء-1239ء: رضیہ سلطانہ

اپنے حبشی غلام سے رضیہ کے معاشقے نے دربار کے امراء کو مشتعل کر دیا۔ بھٹنڈہ کے حاکم، التونیہ نے بغاوت کر کے حملہ کر دیا اور رضیہ کو اپنا قیدی بنا لیا۔ رضیہ التونیہ کی محبت میں گرفتار ہوگئی اور اس سے شادی کر لی۔ التونیہ اور رضیہ فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھے لیکن امرائے دہلی نے انہیں شکست دے دی۔ رضیہ قتل ہوگئی۔ دہلی کے تخت پر اس کے بھائی کو بٹھا دیا گیا۔

1239ء-1241ء: معزالدین بہرام

معزالدین بہرام انتہائی جابر و ظالم حکمران ثابت ہوا۔ بالآخر اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد رکن الدین کے بیٹے کو دہلی کا سلطان بنایا گیا۔

1241ء-1246ء: علاءالدین مسعود

رکن الدین کا بیٹا علاء الدین مسعود، پانچ سال حکومت کرنے کے بعد قتل ہوگیا۔ اب شمس التمش کے پوتے اور معزالدین بہرام کے بیٹے نذیر الدین محمود کو تخت نشین کیا گیا۔

1246ء-1266ء: نذیرالدین محمود

نذیر الدین محمود کا غلام غیاث الدین بلبن اس کا وزیر تھا۔ اسی بلبن نے سرحدی ریاستوں کا طاقتور اتحاد تشکیل دے کر منگولوں کے حملے پسپا کیے اور کئی چھوٹی چھوٹی ہندوستانی ریاستوں کو شکست دی۔

1258ء: پنجاب پہ منگولوں کا ایک اور حملہ بلبن نے پسپا کر دیا۔

1266ء: شاہ نذیر الدین محمود کوئی اولاد چھوڑے بغیر انتقال کر گیا۔ تخت اس کے وزیر بلبن کے حوالے کر دیا گیا۔

1266ء-1286ء: غیاث الدین بلبن

اس کا دربار ہندوستان بھر میں اکلوتا مسلمان دربار تھا۔

1279ء: بلبن کو بنگال میں بغاوت دبانے کے لیے دہلی سے نکلنا پڑا۔ اس کی غیر حاضری میں دہلی کے گورنر طغرل نے بغاوت کر دی اور خود کو شہر کا خود مختار حاکم اعلان کر دیا۔ بلبن نے واپس آ کر اسے شکست دی اور طغرل اور ایک لاکھ کے قریب قیدی بنائے جانے والے سپاہیوں کو قتل کرا دیا۔

1286ء: بلبن کا انتقال ہوگیا۔ اس کا جانشین دوسرے بیٹے سے اس کا پوتا بنا۔ اس کا پہلا بیٹا انتقال کر چکا تھا مگر دوسرا بیٹا بغرا خان محمود زندہ تھا لیکن اقتدار پوتے کیقباد کو دیا گیا۔

1286ء-1288ء: کیقباد

بلبن کا بڑا بیٹا محمد بھی ایک بیٹا کیخسرو چھوڑ کر مرا تھا۔ اسے ملتان کا گورنر بنایا گیا تھا۔

1287ء: کیقباد نے اپنے سازشی وزیر نظام الدین کو زہر دے دیا۔ اس نے پہلے کیخسرو کے ساتھ مل کر سازش کی اور پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نظام الدین نے کیقباد کو ورغلایا کہ وہ اپنے دربار میں موجود منگولوں کو کھانے کی دعوت دے کر دھوکے سے قتل کرا دے۔ وزیر کی موت پر دربار میں انتشار پھیل گیا۔ ان دنوں (1287ء) دربار میں قدیم غزنوی خاندان کے خلجیوں کا اثر و رسوخ زیادہ تھا۔ 1288ء میں انہوں نے کیقباد کو قتل کر دیا۔

1288ء: خلجیوں نے دہلی کے تخت پر اپنے سردار جلال الدین خلجی کو بٹھا دیا۔

1236ء-1239ء: رضیہ سلطانہ

اپنے حبشی غلام سے رضیہ کے معاشقے نے دربار کے امراء کو مشتعل کر دیا۔
بٹھنڈہ کے حاکم، التونیہ نے بغاوت کر کے حملہ کر دیا اور رضیہ کو اپنا قیدی بنا لیا۔
رضیہ التونیہ کی محبت میں گرفتار ہوگئی اور اس سے شادی کر لی۔ التونیہ اور رضیہ فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھے لیکن امرائے دہلی نے انہیں شکست دے دی۔
رضیہ قتل ہوگئی۔ دہلی کے تخت پر اس کے بھائی کو بٹھا دیا گیا۔

1239ء-1241ء: معزالدین بہرام

معزالدین بہرام انتہائی جابر و ظالم حکمران ثابت ہوا۔ بالآخر اسے قتل کر دیا گیا۔
اس کے بعد رکن الدین کے بیٹے کو دہلی کا سلطان بنایا گیا۔

1241ء-1246ء: علاءالدین مسعود

رکن الدین کا بیٹا علاء الدین مسعود، پانچ سال حکومت کرنے کے بعد قتل ہوگیا۔ اب شمس التمش کے پوتے اور معزالدین بہرام کے بیٹے نذیر الدین محمود کو تخت نشین کیا گیا۔

1246ء-1266ء: نذیر الدین محمود

نذیر الدین محمود کا غلام غیاث الدین بلبن اس کا وزیر تھا۔ اسی بلبن نے سرحدی ریاستوں کا طاقتور اتحاد تشکیل دے کر منگولوں کے حملے پسپا کیے اور کئی چھوٹی چھوٹی ہندوستانی ریاستوں کو شکست دی۔

1258ء: پنجاب پہ منگولوں کا ایک اور حملہ بلبن نے پسپا کر دیا۔

1266ء: شاہ نذیر الدین محمود کوئی اولاد چھوڑے بغیر انتقال کر گیا۔ تخت اس کے وزیر بلبن کے حوالے کر دیا گیا۔

1266ء-1286ء: غیاث الدین بلبن

اس کا دربار ہندوستان بھر میں اکلوتا مسلمان دربار تھا۔

1279ء: بلبن کو بنگال میں بغاوت دبانے کے لیے دہلی سے نکلنا پڑا۔ اس کی غیر حاضری میں دہلی کے گورنر طغرل نے بغاوت کر دی اور خود کو شہر کا خودمختار حاکم اعلان کر دیا۔ بلبن نے واپس آ کر اسے شکست دی اور طغرل اور ایک لاکھ کے قریب قیدی بنائے جانے والے سپاہیوں کو قتل کرا دیا۔

1286ء: بلبن کا انتقال ہوگیا۔ اس کا جانشین دوسرے بیٹے سے اس کا پوتا بنا۔ اس کا پہلا بیٹا انتقال کر چکا تھا مگر دوسرا بیٹا بغرا خان محمود زندہ تھا لیکن اقتدار پوتے کیقباد کو دیا گیا۔

1286ء-1288ء: کیقباد

بلبن کا بڑا بیٹا محمد بھی ایک بیٹا کیخسرو چھوڑ کر مرا تھا۔ اسے ملتان کا گورنر بنایا گیا تھا۔

1287ء: کیقباد نے اپنے سازشی وزیر نظام الدین کو زہر دے دیا۔ اس نے پہلے کیخسرو کے ساتھ مل کر سازش کی اور پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نظام الدین نے کیقباد کو ورغلایا کہ وہ اپنے دربار میں موجود منگولوں کو کھانے کی دعوت دے کر دھوکے سے قتل کرا دے۔ وزیر کی موت پر دربار میں انتشار پھیل گیا۔ ان دنوں (1287ء) دربار میں قدیم غزنوی خاندان کے خلجیوں کا اثر و رسوخ زیادہ تھا۔ 1288ء میں انہوں نے کیقباد کو قتل کر دیا۔

1288ء: خلجیوں نے دہلی کے تخت پر اپنے سردار جلال الدین خلجی کو بٹھا دیا۔

(5) خلجی خاندان

(1288ء-1321ء)

1288ء-1295ء: جلال الدین خلجی

جلال الدین خلجی نے ایک نرم خو حکومت متعارف کرائی۔ غیاث الدین کے ایک بھتیجے اور باغی سردار کو منگولوں کا حملہ پسپا کرنے پر معاف کر دیا۔ اس نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

1293ء: تین ہزار منگول اس سے آن ملے اور دہلی شہر میں آباد ہو گئے۔

جلال الدین کا بھتیجا، علاء الدین، اودھ کا گورنر بنایا گیا تھا۔ اس نے دکن پر حملے کا منصوبہ بنایا اور ایلیچ پور سے دیوگری (بعد میں اسے دولت آباد کہا گیا) کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا پرامن ہندو راجہ پہ اچانک جھپٹ پڑا۔ خزانہ اور شہر لوٹنے کے بعد اس نے مضافات کی آبادیوں پہ تاوان عائد کر دیا۔ راجہ نے اس سے صلح کر لی اور وہ واپس مالوہ اور پھر وہاں سے دہلی چلا گیا۔ دہلی پہنچتے ہی اس نے اپنے چچا جلال الدین کو اس وقت خنجر مار کر ہلاک کر دیا جب وہ (بھتیجے کی) پذیرائی کے لیے آگے بڑھ کر معانقہ کر رہا تھا۔

1295ء-1317ء: علاء الدین خلجی

علاء الدین انتہائی ظالم، سفاک اور تند خو تھا۔ چچا کو قتل کرنے کے بعد اس نے چچا کے بیٹوں اور بیوہ کو بھی ختم کر دیا۔ اس واقعہ نے لوگوں کو مشتعل کر دیا اور بغاوت بھڑک اٹھی۔ علاء الدین نے وسیع پیمانے پر باغیوں کے بیوی بچوں کو قتل کر کے بغاوت پر قابو پالیا۔

1297ء: علاء الدین نے گجرات فتح کیا اور اسی برس منگولوں کے ایک حملے کو ناکام بنایا۔

1298ء: علاء الدین شکار کھیل رہا تھا کہ پیچھے سے اس کے بھتیجے شہزادہ سلیمان نے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ سلیمان نے اسے مردہ سمجھ کر وہیں چھوڑا اور دہلی آ کر اپنی تخت نشینی کا دعویٰ کر دیا۔ لیکن علاء الدین زندہ تھا۔ صحت یاب ہونے پر وہ اپنی فوج کے سامنے آیا جو فوراً اس کی اطاعت پر تیار ہو گئی۔ سلیمان اور دو دیگر بھتیجوں کے سر قلم کر دیئے گئے۔ ایک بار پھر وسیع تر بغاوت پھیل گئی۔ علاء الدین نے بربریت کا خوفناک مظاہرہ کر کے بغاوت کو سرد کر دیا۔

1303ء: علاء الدین نے ہواڑ میں چتوڑ کا قلعہ فتح کیا۔ ہندوستان کے اس معروف پہاڑی قلعے پر ایک باغی راجپوت کا قبضہ تھا۔ اسی سال منگولوں کا ایک اور حملہ پسپا کیا گیا۔

1304ء: منگولوں نے ہندوستان میں داخل ہونے کے لیے تین مختلف حملے کیے۔ ہر حملہ ناکام بنا دیا گیا۔ فرشتہ کے مطابق ان مواقع پر جتنے بھی منگول قیدی لائے گئے ان سب کو قتل کر دیا گیا۔

1306ء: دیوگری کے راجہ نے جلال الدین کی طرف سے نافذ کردہ خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ علاء الدین نے اس پر لشکر کشی کے لیے ایک سابق غلام اور خواجہ سرا ملک کافور کو بھیجا۔ راجہ کو شکست ہوئی۔ اسے قیدی بنا کے دہلی لایا گیا۔ اس نے بقیہ زندگی یہاں زندان میں گزاری۔

1309ء: ملک کافور کو ایک بار پھر عسکری مہم پر بھیجا گیا۔ اس دفعہ جنوب میں اس کی منزل تیلنگانہ تھی۔ کافور فاتح رہا اور وارنگل کا مضبوط قلعہ اس کے ہاتھوں زیر نگیں ہوا۔

1310ء: ملک کافور کرناٹک اور پورا مشرقی ساحل راس کومورین تک فتح کر کے دہلی واپس آیا تو خزانوں سے لدا پھندا تھا۔ اس نے اپنی فتح کی یادگار--- کومورین میں مسجد کی صورت میں تعمیر کی۔ تامل سرزمین پہ مسلمانوں کا یہ پہلا تسلط تھا۔ علاء الدین نے دہلی میں رہنے والے 15 ہزار منگولوں کا

قتل عام کروا دیا۔ ملک کافور نے اقتدار پہ قبضہ کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔ پورے ملک میں علاء الدین کے ظلم و ستم کے خلاف اضطراب پھیل گیا۔

1316ء: سفاک علاء الدین کو غصے کی حالت میں مرگی کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ملک کافور نے اقتدار پہ قابض ہونے کی کوشش کی لیکن علاء الدین کے بیٹے نے اس کا کام تمام کر دیا۔

1317ء-1320ء: مبارک خلجی

علاء الدین کے بیٹے مبارک خلجی نے اپنے تیسرے بھائی کو اندھا اور دو جرنیلوں کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کیا۔ ان دو جرنیلوں نے ہی اسے تخت تک پہنچنے میں مدد دی تھی۔ مبارک خلجی نے اپنی فوج مکمل طور پر توڑ دی۔ ایک غلام خسرو خان کو وزیر بنایا اور خود پست درجے کی عیش و عشرت میں ڈوب گیا۔

1319ء: خسرو خان مالابار فتح کر کے واپس دہلی آیا۔

1320ء: سلطان مبارک خلجی کو قتل کر کے خسرو خان نے ملک کو خلجیوں سے آزاد کر دیا۔ اس نے ایک ایک خلجی کو چن چن کر ختم کیا اور دہلی کے تخت پر بیٹھ گیا--- لیکن---

1321ء: پنجاب سے ایک بڑی فوج وہاں کے گورنر غیاث الدین تغلق کی قیادت میں دہلی آن پہنچی۔ خسرو خان کو ہلاک اور دہلی کو تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ خلجیوں کا سابق گورنر--- دہلی کا حاکم بن گیا۔ اس نے تغلق خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی جو ایک سو برس سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی۔ غیاث الدین تغلق، غیاث الدین بلبن کے ایک سابق غلام کا بیٹا تھا جو وزیر اور پھر نصیر الدین محمود کا جانشین بنا۔

تغلق خاندان

(1321ء-1414ء)

1321ء-1335ء: غیاث الدین تغلق

غیاث الدین تغلق کا دور جبر و استبداد سے خالی اور انتہائی شریفانہ تھا۔

1324ء: وہ بنگال کی مہم پر روانہ ہوا اور اپنے پیچھے اپنے بیٹے جونا خان کو گورنر بنا گیا۔ واپسی پر---

1325ء: شاہی تقریبات کے دوران چبوترے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ غیاث الدین کے بیٹے جوناخان نے محمد تغلق کے نام سے اقتدار سنبھال لیا۔

1325ء-1351ء: محمد تغلق

اپنے وقت کا قابل ترین فرماں روا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو انتہائی بڑے بڑے منصوبوں میں الجھا کر تباہ کر لیا۔ اس نے سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ منگولوں کو خریدا اور انہیں اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ محمد تغلق کے دور میں کوئی حملہ نہیں کریں گے۔ پھر اس نے دکن کو اطاعت پہ مجبور کیا، پھر اس کی عالمی سلطنت کی تجاویز سامنے آئیں۔

محمد تغلق نے ایران فتح کرنے کے لیے ایک اتنی بڑی فوج تیار کی کہ سپاہیوں کو تنخواہیں دینے کے لیے خزانہ کم پڑ گیا۔ پھر اس نے چین کو تسخیر کرنے کا منصوبہ سوچا۔ ایک لاکھ افراد کو ہمالیہ کی طرف بھیجا گیا تاکہ پہاڑوں میں چین جانے کا راستہ تلاش کیا جائے۔ تقریباً سبھی لوگ جنگلوں کی ترائی میں مارے گئے۔ چونکہ اس کا خزانہ خالی ہو چکا تھا چنانچہ اس نے رعایا پر تباہ کن ٹیکس نافذ کر دیے۔ ٹیکس اتنے بھاری تھے کہ لوگ فرار ہو کر جنگلوں میں روپوش ہونے لگے۔ اس نے سپاہیوں کو جنگلوں کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجا۔ مفروروں کو گھیر کر واپس لایا گیا اور ہانکے کے شکار کی طرح وسیع پیمانے پر ان لوگوں کا قتل عام کیا گیا۔ اس "کھیل" میں خود محمد

تغلق نے بھی حصہ لیا۔ نتیجتاً فصلیں تباہ ہو گئیں اور خوفناک قحط پھیل گیا۔ ملک کے تمام حصوں میں شورشیں برپا ہو گئیں۔ مالوہ اور پنجاب کی بغاوتوں پر آسانی سے قابو پا لیا گیا لیکن ...

1340ء: بنگال کی بغاوت کامیاب رہی۔ کورو منڈل کے ساحل (دریائے کشنا سے راس کوموری تک کا مشرقی ہندوستانی ساحل) بغاوت کر کے آزاد ہو گیا۔ تلینگانہ اور کرناٹکا کی بغاوتیں بھی کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ افغانوں نے پنجاب کو تاراج کر دیا۔ گجرات بھی باغی ہو گیا۔ قحط اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ محمد تغلق نے گجرات کی طرف اپنی فوجوں کا رخ موڑا اور پورے صوبے کو روند ڈالا۔ دیگر علاقوں میں بغاوتوں کو کچلنے کے لیے واپسی اختیار کی۔

1351ء: واپسی کے سفر میں ٹھٹھہ سندھ کے مقام پر بخار کی وجہ سے مر گیا۔ (الفنسٹن، "دی ہسٹری آف انڈیا" میں کہتا ہے کہ "ایک برے بادشاہ سے نجات کے لیے عوام میں معمولی سی بھی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ چنانچہ مشرق میں ایک آدمی کی بری حکومت کے خلاف شاید ہی کبھی اتنی بڑی شورش برپا ہوئی تھی۔")

محمد تغلق کے بعد اس کا بھتیجا فیروز تغلق سریر آرائے مسند ہوا۔

1351ء-1388ء: فیروز شاہ تغلق

بنگال کی بازیابی کے لیے ناکام کوشش کے بعد، فیروز نے بنگال اور دکن کے صوبوں کی آزادی کو تسلیم کر لیا۔ فیروز کا دور معمولی بغاوتوں اور ہلکی پھلکی لڑائیوں کی وجہ سے غیر اہم قرار دیا جاتا ہے۔

1385ء: محمد تغلق بڑھاپے کی وجہ سے امور سلطنت سرانجام دینے کے قابل نہیں تھا چنانچہ اس نے ایک وزیر مقرر کر دیا۔

1386ء: اپنی جگہ اپنے بیٹے نذیر الدین کو بادشاہ بنا دیا لیکن سابق بادشاہ کے

بھتیجوں نے بغاوت کر دی۔

1387ء: نذیر کو دہلی سے نکال دیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ فیروز اپنے پوتے غیاث الدین کے حق میں دستبردار ہو گیا ہے۔

1388ء: فیروز 90 سال کی عمر میں 1388ء میں مر گیا۔

1388ء-1389ء: غیاث الدین تغلق ثانی

غیاث الدین تغلق ثانی کا اپنے عم زادوں کے ساتھ اچانک جھگڑا ہو گیا۔ انہوں نے اسے تخت تک پہنچایا تھا انہوں نے ہی اسے معزول بھی کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بھائی ابوبکر تغلق کو حکومت دے دی۔

1389ء-1390ء: ابوبکر تغلق

ابوبکر کا چچا نذیر الدین بہت بڑی فوج لے کر دہلی پر چڑھ آیا اور اسے قید کر لیا۔

1390ء-1394ء: نذیر الدین تغلق

نذیرالدین تغلق چار سال تک حکمرانی کرنے کے بعد مر گیا۔ اس کے بڑے بیٹے نے 45 دنوں کی فرماں روائی کے دوران بلانوشی کے ساتھ خود کو موت کے حوالے کر دیا۔ اس کا بھائی محمود تغلق جانشین بنا۔

1394ء-1414ء: محمود تغلق

محمود تغلق کا دور حکومت بغاوتوں، دھڑے بندیوں اور جنگوں سے عبارت ہے۔ مالوہ، گجرات اور خاندیش اچانک اطاعت سے منحرف ہو گئے۔ بذات خود دہلی مختلف گروہوں کے درمیان مسلسل تصادم اور بدامنی کا منظر پیش کر رہا تھا۔

1398ء: تیمور (تیمور لنگ) نے پہلا حملہ کیا۔ اس سے پہلے وہ چنگیز خان کی کم و بیش

تمام سلطنت کو تاراج کر کے زیر اطاعت لا چکا تھا۔ پھر اس نے ایران پہ غلبہ پایا، ماورا النہر، تاتارستان اور سائبیریا کو زیر نگیں کیا۔ تیمور ہندوستان میں کابل کے راستے داخل ہوا۔ اس دوران اس کے پوتے پیر محمد نے ملتان پر حملہ کیا۔ دونوں فوجیں ستلج پہ اکٹھی ہوئیں اور دہلی کا رخ کیا۔ راستے میں آنے والی ہر آبادی اور بستی کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ محمود تغلق گجرات کی طرف فرار ہوگیا۔ دریں اثناء تیمور کی فوجیں دہلی پہنچ گئیں۔ شہر کو لوٹ کر نذر آتش اور شہریوں کا قتل عام کر دیا گیا، پھر منگول میرٹھ پہ قابض ہوئے اور

1399ء: ہندوستان کی غارت گری کے بعد کابل کے راستے ماورا النہر کو واپس چلے گئے۔ ان کے باربرداری کے جانور اور چھکڑے لوٹ کے مال سے لدے ہوئے تھے۔ اب محمود دہلی میں واپس آگیا اور 1414ء میں اپنی موت تک وہیں رہا۔ تیمور واپس جاتے ہوئے خضر خان کو گورنر بنا گیا تھا۔ اس نے سید کے نام سے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ (پیغمبر اسلام کی اولاد اپنے آپ کو سید کہلاتی ہے)

(7) خاندانِ سادات
(1414ء-1450ء)

1414ء-1421ء: سید خضر خان

دہلی کی سلطنت محض ایک شہر اور اردگرد کے تھوڑے سے علاقہ تک محدود رہ گئی تھی۔ علاء الدین خلجی کے حاصل کردہ علاقے، چھن چکے تھے۔ خضر خان نے محض تیمور کے نائب کا کردار ادا کیا۔ واقعی وہ بہت معمولی سا حکمران تھا۔ اس نے گوالیار اور روہیل کھنڈ پہ خراج نافذ کر رکھا تھا۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا سید مبارک بنا۔

1421ء-1436ء: سید مبارک

سید مبارک کے دور میں پنجاب میں زبردست انتشار پھیلا مگر وہ لاتعلق رہا۔ 1436ء میں اپنے وزیر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بیٹے کو باپ کی جگہ حکومت دی گئی۔

1436ء-1444ء: سید محمد

سید مبارک کے بیٹے سید محمد کے دور میں مالوہ کے حکمران نے سلطنت دہلی کی سرحدوں میں دراندازی کی۔ سید محمد نے پنجاب کے گورنر بہلول خان لودھی کو مدد کے لیے بلایا اور مالوہ کے حاکم کو واپس دھکیل دیا۔ 1444ء میں سید محمد کی موت پر اس کا بیٹا سید علاء الدین تخت نشین ہوا۔

1444ء-1450ء: سید علاء الدین

سید علاء الدین نے اپنا مستقر دہلی سے بدایوں منتقل کر لیا۔ بہلول خان لودھی پنجاب سے آ کر دہلی پہ قابض ہوگیا۔

(8) لودھی خاندان
(1450ء-1526ء)

1450ء-1488ء: بہلول لودھی

بہلول نے پنجاب کو دہلی کی سلطنت میں ضم کر دیا۔ 1452ء میں جون پور کے راجہ نے دہلی کا محاصرہ کر لیا جس کے نتیجے میں چھڑنے والی جنگ 26 برس تک جاری رہی۔ (یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ مقامی ہندوستانی حکمران (راجمار) اب اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ پرانے مسلمان حکمرانوں سے ٹکر لے سکیں۔) اس جنگ میں بالآخر جون پور کے راجہ کو شکست ہوئی اور جون پور کا الحاق دہلی سے کر دیا گیا۔ بہلول نے اپنی

فتوحات کا دائرہ مزید وسیع کیا۔ اس کی موت کے وقت سلطنت کی سرحدیں جمنا سے ہمالیہ تک، مشرق کی طرف بنارس تک اور مغرب میں بندیل کھنڈ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ بہلول کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودھی حکمران بنا۔

1488ء-1506ء: سکندر لودھی

سکندر نے ایک بار پھر بہار کو لودھی سلطنت میں شامل کر لیا۔ وہ ایک قابل اور امن پسند حکمران تھا۔ سکندر کا جانشین اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تھا۔

1506ء-1526ء: ابراہیم لودھی

ابراہیم ایک تندخو اور سفاک شخص تھا۔ اس نے دربار کے تمام امراء کو قتل کرا دیا۔ پنجاب کے گورنر کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہتا تھا۔ پنجاب کے گورنر نے اپنی مدد کے لیے بابر کی قیادت میں مغلوں کو بلا لیا۔

1524ء: ہندوستان میں بابر کی آمد۔ بابر نے پنجاب کے گورنر کو گرفتار کر لیا اور لاہور پہ قابض ہو گیا۔ یہیں ابراہیم لودھی کا بھائی علاء الدین، بابر سے آن ملا۔ دہلی کو فتح کرنے کے لیے بھیجی جانے والی مغل فوج کے ہراول میں اسے شامل کیا گیا۔ ابراہیم لودھی نے آگے بڑھ کر اس فوج کا راستہ روک لیا۔ اب بابر بذات خود وہاں آ گیا۔ دونوں فوجوں کا ٹکراؤ پانی پت کے میدان میں ہوا۔ (یہ شہر دہلی کے شمال میں جمنا کے کنارے آباد ہے)

1526ء: پانی پت کی پہلی جنگ چھڑی۔ ابراہیم کو شکست ہوئی۔ وہ خود اور چالیس ہزار ہندو میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور مارے گئے۔ بابر نے دہلی اور پھر آگرہ پر قبضہ کر لیا۔

رابرٹ سیویل (مدراس سول سروس)، دی اینالٹیکل ہسٹری آف انڈیا (1870ء) میں لکھتا ہے:

ایشیا کی تین بڑی نسلیں: (1) ترک (ترکمان) بخارا اور مغرب کی طرف بحیرۂ

کیسپین تک کے علاقے میں رہتے ہیں۔ (2) تاتار، سائبیریا اور روس کے کچھ علاقوں میں آباد ہیں۔ ان کے بڑے بڑے قبائل استراخان اور کازان کے علاوہ ترکی قبائل کے شمال میں پورے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (3) مغل یا منگول، منگولیا، تبت اور مانچوریا میں آباد ہیں اور ان کے تمام قبائل چرواہے ہیں۔ مغربی مغل یا کالمق اور مشرقی مغل بہت سے قبیلوں یا اولس میں تقسیم ہیں۔ یہ اولس کئی بار باہمی اتحاد کی ایک صورت میں ایک ہی لیڈر (سردار) کے پرچم تلے متحد ہو چکے ہیں۔

1164ء: چنگیز خان پیدا ہوا۔ وہ ایک غیر اہم قبیلے کا سردار بنا جو ختن تاتاروں کو خراج ادا کرتا تھا۔ چنگیز خان نے انہیں مسلسل ہزیمتوں سے دوچار کر کے منتشر کر دیا۔ تاتار اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اس قوت کے ساتھ چنگیز خان نے مشرقی منگولیا اور شمالی چین اور پھر ماورا النہر اور خراسان کو فتح کیا۔ اس نے ترکوں کے ملک یعنی بخارا، خوارزم اور ایران کو زیر نگیں کیا اور پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ ان دنوں اس کی سلطنت بحیرۂ کیسپین سے پیکنگ تک، جنوب میں بحر ہند اور سلسلہ ہمالیہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ استراخان اور کازان اس کی مغربی سرحد تھی۔ چنگیز خان کی موت پر اس کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو گئی: کیپچاک، ایران، جگاتائی اور منگولیا بشمول چین۔ پہلی تین سلطنتوں پہ خان حکومت کرنے لگے، چوتھا حصہ چونکہ اصل اور غالب سلطنت تھی اس لیے وہاں کا حاکم خانِ اعظم تھا۔

1336ء: اس برس تیمور، کیش (جگاتائی) میں پیدا ہوا۔ یہ مقام سمرقند سے زیادہ دور نہیں۔

1360ء: وہ اپنے چچا سیف الدین کا جانشین بنا جو کیش کا حکمران اور برلاس قبیلہ کا سردار تھا۔ یہ علاقہ اور قبیلہ تغلق تیمور، خان چغتائی (جگاتائی) کے زیر نگین تھا۔

1370ء: تیمور نے اس خان کا تمام علاقہ اپنے تسلط میں لے لیا۔ وہ 1405ء میں

مرا۔ اس کی موت پر سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ بڑا حصہ پیر محمد کو ملا جو تیمور کے سب سے بڑے بیٹے کا دوسرا بیٹا تھا۔

اسی مورخ (سیویل) کے مطابق ترکمانوں کے بڑے بڑے خاندان عثمانی تھے۔ (وہ چودھویں صدی میں مغرب کی طرف نقل مکانی کر گئے۔ انہوں نے قرنیہ میں اپنی طاقت مستحکم کر لی۔ یہاں سے انہیں کبھی نہ نکالا جا سکا) سلجوق خاندان زیادہ تر ایران، شام اور قونیہ میں آباد تھے۔ ازبک (1305ء میں ابھرے) کیپچک ترک تھے۔ انہوں نے اپنا نام اپنے سردار (خان) سے لیا۔ ازبک خان 1305ء میں پیدا ہوا تھا۔ بابر کے عہد میں انہوں نے بہت طاقت پکڑ لی تھی۔

1526ء: بابر، تیمور کی چھٹی پشت میں سے تھا۔ اس کا والد عمر شیخ مرزا فرغانہ کا حاکم تھا۔ فرغانہ آج کل کوقند کا صوبہ ہے۔ بابر پہلا مغل حکمران تھا جس نے اپنی سوانح لکھی۔ اس کا ترجمہ لیڈن اور ایرسکن نے 1826ء میں کیا۔ بابر کی پیدائش 1483ء اور وفات 1530ء ہے۔

رابرٹ سیویل کی کتاب میں متعدد غلطیاں اور سقم ہیں۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ سائبیریا کے تاتار اور منگول مختلف لوگ تھے۔ دوسرا سقم چنگیز خان کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے ہے جو اس نے 1164ء درج کی ہے۔ تیسری غلطی تیمور کی وفات کے حوالے سے ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تیمور کی سلطنت کا بڑا حصہ پیر محمد کے ہاتھ آیا حالانکہ یہ تیمور کا بیٹا شاہ رخ تھا جو خراسان، سیستان اور ماژندران کا حاکم تھا اور اسی کے حصہ میں تیموری سلطنت کا وسیع تر علاقہ آیا۔ چوتھی غلطی عثمانی ترکوں کی وسط ایشیا سے ایشیائے کوچک کو منتقلی کا ذکر ہے۔ بہت سے مورخین نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ عثمانی ترک چودھویں صدی عیسوی میں بصرہ کے قریب اقتدار میں آئے جہاں سے انہوں نے اپنی عملداری کا حلقہ وسیع کر لیا تھا۔ پانچویں غلطی ازبکوں کے بارے میں ہے۔ سیویل، ازبک خان کا ذکر کرتا ہے جس نے گولڈن ہورڈی پر 1313ء سے 1340ء تک حکومت کی۔ ازبک نام اسی سے یوشی قبائل کے ایک گروہ نے

مستعار لیا تھا۔ یہ قبیلہ اسی کے اشارے پر مسلمان ہو گیا تھا۔

ہندوستان میں بابر کی آمد کے موقع پر موجود مقامی ریاستیں

1351ء: محمد تغلق کی دہلی سلطنت منتشر ہوئی تو بہت سی نئی ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ 1398ء کے قریب (تیمور کے حملے کے وقت) پورا ہندوستان ماسوائے دہلی کے اردگرد چند میل کا علاقہ --- مسلمانوں کے غلبہ سے آزاد تھا۔ بڑی بڑی ہندوستانی ریاستیں درج ذیل تھیں:

(1) دکن کی بہمنی ریاست

اس کی بنیاد ایک غریب آدمی گنگو بہمنی نے رکھی۔ اس نے گلبرگہ میں آزادی کے لیے علم بغاوت بلند کیا۔

1421ء: بہمنی بادشاہ نے تلنگانہ کے ہندو راجہ کو وارنگل سے نکالا۔ تلنگانہ، شمالی سرکارس، حیدر آباد، بالاگھاٹ اور کرناٹک کے صوبوں پر مشتمل تھا۔ تلنگا یا تیلگو زبان اب بھی گنجم اور پولی کاٹ کے درمیانی علاقے میں بولی جاتی ہے۔ ہندو راجہ نے راجندری، ماسولی پٹم اور کنجیورم کے علاقے پر قبضہ کر لیا لیکن جلد ہی شیعہ اور سنی فرقوں کے باہمی تصادم کے نتیجہ میں شیعہ فرقہ کے لوگ یوسف عادل کی قیادت میں بیجاپور چلے گئے۔ وہاں ایک نئی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس کا سربراہ بادشاہ عادل شاہ کہلایا۔

(2) بیجاپور، احمد نگر (1469ء-1579ء)

یہ زمانہ خاندانی حکومت کے دور اقتدار پر مشتمل ہے۔ اسی چھوٹی سی ریاست میں مرہٹے ابھرے اور یہیں سے ایک مشہور برہمن اپنے پیروکاروں کے ساتھ نکلا اور احمد نگر ریاست کی بنیاد رکھی۔ (مارکس نے یہاں جس دور کی بات کی ہے وہ حکمران خاندان کے آخری نمائندے کا ابتدائی دور ہے۔ اس کا عہد حکومت 1595ء میں ختم ہوا۔)

(3) گولکنڈہ-بیرر-بیدر

یہ تینوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں اسی طرح ابھریں جیسے مذکورہ بالا ریاستیں وجود میں آئیں۔ سولہویں صدی کے اواخر تک ان کا وجود برقرار رہا۔ بعد میں یہ بیجاپور اور پھر مغلیہ سلطنت کے ماتحت رہیں۔ 1687ء میں اسے مغلیہ سلطنت میں شامل کر دیا گیا۔

(4) گجرات (1351ء-1388ء)

فیروز شاہ تغلق کے دور میں مظفر شاہ نامی ایک راجپوت کو اس کا صوبیدار بنایا گیا جس نے اسے آزاد ریاست میں تبدیل کر دیا۔ بعد میں اس کے جانشینوں نے 1531ء میں زبردست معرکہ آرائی کے بعد مالوہ کو اس میں شامل کر لیا۔ یہ ریاست 1396ء سے 1561ء تک قائم رہی۔ (مارکس نے جس برس کا ذکر کیا ہے وہ آخری حکمران کا ابتدائی برس تھا۔ اس کا اقتدار 1572ء تک برقرار رہا۔)

(5) مالوہ

گجرات کے ساتھ ہی مالوہ بھی خودمختار ہوگئی۔ اس پہ غوری خاندان نے 1531ء تک حکومت کی۔ پھر گجرات کے حکمران بہادر شاہ نے اسے مستقل طور پر اپنی

ریاست میں شامل کر لیا۔

(6) خاندیش

1399ء میں یہ ریاست خودمختار ہوگئی۔ دو سو سال بعد اکبر نے اسے 1599ء میں دوبارہ دہلی کی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔

(7) راجپوت ریاستیں

وسطی ہندوستان میں متعدد راجپوت ریاستیں تھیں۔ وحشی پہاڑی قبائل اور جنگجو سپاہی ان کی پہچان تھے۔ ان ریاستوں میں زیادہ قابل ذکر ریاستیں چتوڑ، مارواڑ یا جودھپور، بیکانیر، جیسلمیر اور جے پور تھیں۔

مغلیہ خاندان

(1526ء-1761ء)

(ا) بابر کا عہد حکومت

(1526ء-1530ء)

1526ء: دہلی اور آگرہ کی فتح کے بعد صرف چند ماہ میں بابر کے سب سے بڑے بیٹے ہمایوں نے ابراہیم لودھی کی تمام سلطنت کو زیر کر لیا۔

1527ء: میواڑ کے راجپوت حاکم سنگرام نے اجمیر اور مالوہ کو اپنی عملداری میں لے رکھا تھا اور جے پور اور مارواڑ کے جاگیرداروں کا قائد سمجھا جاتا تھا۔ اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ دہلی کی ریاست کے خلاف پیش قدمی کی۔ بیانہ پہ قبضہ کرنے کے بعد آگرہ کے قریب اس نے بابر کی فوج کے ایک دستے کو شکست دی۔ بابر خود آگے بڑھا اور سیکری کی جنگ میں سنگرام کو بری طرح شکست دی۔ بابر کے لیے یہ بہت بڑی فتح تھی جس کے بعد وہ ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ (بابر نے بعد کی جنگوں میں تیروں کے ساتھ بارود استعمال کیا۔ وہ اپنے

تیراندازوں، مارٹر اور توڑے دار بندوقچیوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ خود بھی ایک اچھا تیرانداز تھا۔)

("مغل سلطنت" کی بنیاد بابر نے 1526ء میں رکھی جو 1761ء تک برقرار رہی۔ بابر خود کو مغل کہتا تھا۔ (مغل دراصل منگول کی ہی بگڑی ہوئی شکل ہے) اس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ چھٹی پشت میں مشہور تیمور لنگ کی اولاد سے تھا جبکہ ماں کی طرف سے اس کا سلسلہ نسب چنگیز خان سے ملتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو وہ خود اور نہ اس کی فوج منگولوں پر مشتمل تھی۔ وہ خود ایران سے آیا تھا اور اس کی فوج میں ترک، ایرانی اور افغان تھے۔ مغل سلطنت کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ 1707ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت منتشر ہونے لگی۔ بعد میں اگرچہ مغل شہنشاہوں کے تمام اختیارات ختم ہو گئے لیکن 1857ء تک دہلی کا تخت ان کے پاس رہا۔)

1528ء: چندیری (سندھیہ) راجپوت حاکم کا علاقہ تھا۔ اسے زبردست نقصان کے بعد حاصل کیا گیا۔ پوری گیریژن کا ایک ایک آدمی مارا گیا۔ اسی برس ہمایوں کو اودھ میں افغانوں نے شکست دی۔ بابر چندیری سے اس کی مدد کے لیے آیا۔ دشمن کو شکست دی اور واپس دہلی چلا گیا۔ جلد ہی سنگرام کے بیٹے نے رنتھمبور کا قلعہ دونوں کے حوالے کر دیا۔

1529ء: بہار پہ محمود لودھی کے قبضے کی خبر سن کر بابر نے اس کے خلاف لشکر کشی کی۔ بہار پہ قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ پھر بنگال کے حاکم کو شکست دی۔ شمالی بہار کا علاقہ اس کے پاس تھا۔ بنگال کے حاکم سے دریائے گاگرا کے پایاب میں لڑائی ہوئی۔ پھر افغانوں کے ایک نیم وحشی قبیلے کو کچل کر اپنی مہم ختم کی۔ اس قبیلے نے لاہور پہ قبضہ کر لیا تھا۔

26 دسمبر 1530ء: بابر دہلی میں بخار کے مرض میں موت سے جا ملا۔ اس کی وصیت کے مطابق کابل کے ایک پر فضا مقام پہ اسے دفن کیا گیا۔

(2) ہمایوں کا پہلا اور دوسرا دورِ اقتدار
اور سوری خاندان کی حکومت
(1530ء-1556ء)

1530ء: بابر نے چار بیٹے چھوڑے۔ ہمایوں شہنشاہ ہندوستان (بابر کا جانشین)۔ کامران (ان دنوں کابل کا گورنر تھا۔ اس نے باپ کی موت کے بعد خودمختاری کا اعلان کر دیا۔) ہندال (سانبھل کا گورنر تھا) اور مرزا عسکری۔ ہمایوں نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے جو اقدام کیا وہ جونپور کی بغاوت کچلنا تھا۔ پھر اس نے گجرات کا رخ کیا۔ گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ نے بابر کی موت کی خبر سن کر مغلوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔

1535ء: پانچ سال کی معرکہ آرائیوں میں ہمایوں نے گجرات کی فوج کو تباہ کر دیا۔ پھر اس نے چمپانیر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا جس میں بہادر شاہ نے پناہ لے رکھی تھی۔

1536ء: چمپانیر کا قلعہ بہت جلد تسخیر ہو گیا۔ بہادر شاہ نے صلح کا ناٹک رچایا۔

1537ء: ہمایوں بنگال میں شیرخان سے الجھا ہوا تھا کہ بہادر شاہ نے دوبارہ گجرات پر قبضہ کر کے مالوہ پر حملہ کر دیا۔

1537-1540ء: ان برسوں میں ہمایوں شیرخان عرف شیر شاہ سے معرکہ آرائی میں مصروف رہا۔ شیرخان دہلی کے افغان بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا۔

شیرخان

1527ء: لودھیوں کی حکومت ختم ہونے پر شیرخان، بابر سے وابستہ ہو گیا۔ اس کی

صلاحیتوں سے متاثر ہو کر بابر نے بہار میں ایک کمان اس کے حوالے کر دی۔

1529ء: محمود لودھی نے بہار پر قبضہ کیا تو شیرخان اس سے مل گیا اور محمود کی موت کے بعد بہار کا خودمختار حاکم بن گیا۔

1532ء: ہمایوں گجرات میں تھا تو شیرخان بنگال میں داخل ہو گیا۔

1537ء: ہمایوں شیرخان کی سرکوبی کے لیے بنگال پہنچا۔ بے نتیجہ جھڑپیں ہوتی رہیں۔

1539ء: دریائے گنگا کے کنارے پڑاؤ کے دوران شیرخان نے ہمایوں پہ اچانک حملہ کر دیا۔ ہمایوں تباہی سے دوچار ہو کر وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ شیرخان نے بنگال پہ قبضہ کر لیا۔

1540ء: ہمایوں نے قنوج پہ دھاوا بولا --- دوبارہ شکست ہوئی۔ فرار ہوتے ہوئے گنگا میں ڈوبنے سے بال بال بچا۔ شیرخان نے لاہور تک ہمایوں کا تعاقب کیا لیکن وہ سندھ کی طرف بھاگ نکلا۔ ایک دو بے ثمر محاصروں کے بعد مارواڑ پہنچا لیکن راجہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ جیسلمیر کے صحراؤں میں اتر گیا۔ صحرا گردی کے دوران اس کے قافلے پر مسلسل حملے ہوتے رہے۔

14 اکتوبر 1542ء: 18 ماہ تک صحرا میں بھٹکنے کے بعد ہمایوں اور اس کے ساتھی عمرکوٹ پہنچے جہاں ان کا گرمجوشی سے خیرمقدم کیا گیا۔ یہیں ہمایوں کے حرم کی ایک خوبصورت رقاصہ حمیدہ نے "اکبر" کو جنم دیا۔

سندھ کو فتح کرنے کی ایک ناکام کوشش کے بعد ہمایوں کو قندھار جانے کی اجازت دے دی گئی۔ قندھار کا صوبہ ہمایوں کے بھائی مرزا عسکری کے تسلط میں تھا لیکن مرزا عسکری نے بھائی کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ ہمایوں ہرات (ایران) کو

بھاگ گیا۔ ایران میں اس کے ساتھ ایک قیدی کا سا سلوک کیا گیا۔ شاہ طہماسپ نے اسے مجبور کیا کہ وہ صفوی مذہب اختیار کرلے۔ (صفوی یا صوفی بادشاہ...... شیعہ فرقہ کے ایک مقدس خاندان کی اولاد میں سے تھے۔ ایران میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد صفویوں نے اپنے نام سے موسوم مذہبی فرقہ بنایا جو ایران کا مذہب بن گیا۔)

1545ء: ہمایوں کے ساتھ طہماسپ کے مراسم بہتر ہوگئے اور اس نے افغانستان پہ حملے کے لیے ہمایوں کو 14 ہزار گھوڑے مہیا کر دیے۔ ہمایوں افغانستان میں داخل ہوا اور اپنے بھائی مرزا عسکری سے قندھار چھین لیا۔ مرزا عسکری کو معاف کر دیا گیا۔ اب ہمایوں نے کابل پہ لشکر کشی کی۔ وہاں ہمایوں کا تیسرا بھائی ہندال اس سے آملا۔

1548ء: کامران، ہمایوں کا دوسرا بھائی جس نے سب سے پہلے بغاوت کی تھی۔ اب دوبارہ اس کے پاس آگیا۔ 1551ء میں اس نے پھر بغاوت کر دی لیکن اسے اطاعت گزار بنالیا گیا۔ 1553ء میں جب وہ پھر سرکشی پہ اترا تو اسے قید کر کے اندھا کر دیا گیا۔

ہمایوں نے اب اپنے خاندان کے ساتھ کابل میں رہنا شروع کر دیا۔

دہلی میں سوری خاندان

(1540ء-1555ء)

1540ء-1545ء: شیر شاہ سوری

1540ء: شیر خان نے دہلی کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور شیر شاہ کے لقب سے ہمایوں کے تمام مقبوضہ جات میں اپنی عملداری کا اعلان کر دیا۔ وہ چونکہ

افغانوں کے قبیلہ "سور" سے تعلق رکھتا تھا چنانچہ شیر شاہ سوری کے نام سے معروف ہوا۔

1541ء: شیر شاہ نے اس برس مالوہ فتح کیا۔ 1543ء میں رائے سین کا قلعہ اور 1544ء میں مارواڑ زیر کیے۔

1545ء: وہ چتوڑ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ ایک گولہ پھٹنے سے ہلاک ہوگیا۔ اس کا جانشین چھوٹا بیٹا بنا۔

1545ء-1553ء: سلیم شاہ سوری

شیر شاہ کا چھوٹا بیٹا، جلال خان، سلیم شاہ سوری کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ شیر شاہ کے بڑے بیٹے عادل شاہ نے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے فوج کشی کی لیکن شکست کے بعد بھاگ گیا۔ سلیم شاہ سوری کے دور میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اعلیٰ درجہ کے کام کیے گئے۔

1553ء: سلیم شاہ مرگیا، تخت پہ بڑے بھائی عادل شاہ نے قبضہ کر لیا۔

1553ء-1554ء: محمد شاہ سور عادل

عادل شاہ نے اپنے بھتیجے، سلیم شاہ کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ عیش و عشرت میں پڑ گیا تو بغاوت ہوگئی۔ بغاوت کی قیادت اس کے اپنے خاندان کے ایک فرد ابراہیم سوری نے کی۔ ابراہیم نے عادل کو اقتدار سے الگ کر کے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ پنجاب، بنگال اور مالوہ نے محکومی کا جوا اتار پھینکا۔

1554ء: ہمایوں نے موقع مناسب سمجھا۔ اپنا دہلی کا کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل کرنے کے لیے فوجیں اکٹھی کیں اور کابل سے روانہ ہوگیا۔

جنوری 1555ء: ہمایوں نے پنجاب پہ حملہ کیا اور پھر کسی دقت کے بغیر لاہور، دہلی اور آگرہ پہ قبضہ کر لیا۔

جولائی 1555ء: ہمایوں نے اپنے تمام سابقہ مقبوضہ جات دوبارہ حاصل کر لیے۔

جنوری 1556ء: چکنے پتھر کی سیڑھیوں سے اچانک پھسل کر ہمایوں گرا اور جانبر نہ ہو سکا۔ ان دنوں ہمایوں کا تیرہ برس کا بیٹا اکبر پنجاب میں اپنے باپ کے وزیر بیرم خان کے ساتھ تھا۔ بیرم خان اسے فوراً دہلی لے آیا۔

(3) اکبر کا دورِ حکومت

(1556ء-1605ء)

1556ء: کابل کا اصل گورنر بیرم (بہرام) خان تھا لیکن جب وہ دہلی میں سلطنت کے امور سرانجام دینے میں مصروف ہو گیا تو بدخشاں کے بادشاہ مرزا سلیمان نے کابل پہ قبضہ کر لیا۔ ٹھیک انہی دنوں شاہ عادل کے وزیر ہیمو نے شورش بپا کر دی۔

پانی پت کی دوسری لڑائی: ہیمو نے آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ بیرم خان اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ پانی پت کے مقام پر دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ ہیمو کو شکست ہوئی جسے بیرم خان نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ اس طرح شیر خان کے خاندان کا مکمل سیاسی خاتمہ ہو گیا۔

بیرم فتح مندی کے بعد تکبر کے ساتھ دہلی واپس پہنچا۔ اس نے بہت سے افراد کو، جن کے بارے میں وہ سمجھتا تھا کہ اس کے مخالف ہیں، قتل کر دیا۔ ان میں اکبر کے دوست بھی شامل تھے۔ چنانچہ

1560ء: اکبر نے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔ بیرم خان راجپوتانہ میں نگر کے مقام پر چلا گیا اور جونہی اکبر نے اس کی معزولی کا باقاعدہ اعلان کیا، بیرم خان نے بغاوت کر دی۔ اکبر نے اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے فوج بھیجی۔ بیرم کو شکست ہوئی اور اسے معاف کر دیا گیا لیکن کچھ امرائے دربار کو اس نے سازش کے تحت قتل کرا دیا تھا۔ ان امراء

میں سے ایک کے بیٹے نے بیرم خان کو قتل کر دیا۔

اکبر کی عمر ابھی 18 برس تھی۔ اس کی سلطنت دہلی کے مضافات، آگرہ اور پنجاب تک محدود رہ گئی تھی۔ امورِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اس نے اجمیر، گوالیار اور لکھنؤ فتح کر لیے۔

1561ء: باغی گورنر عبداللہ خان سے مالوہ واپس چھین لیا اور اسے جلاوطن کر دیا۔ یہ خان ایک ازبک تھا۔

1564ء: عبداللہ خان ازبک کی جلاوطنی کے نتیجہ میں ازبک قبیلہ نے بغاوت کر دی۔ اکبر نے اس بغاوت کو 1567ء میں خود فرو کیا۔

1566ء: اکبر کے بھائی حکیم نے کابل پہ قبضہ کر لیا اور طویل عرصہ تک اس کا مختار کل رہا۔

1568ء-1570ء: راجپوت ریاستیں

1568ء: اکبر نے چتوڑ کا محاصرہ کیا۔ راجپوت حاکم نے دلیری اور جرات کے ساتھ مزاحمت کی۔ تیر لگنے سے اس کی ہلاکت کے بعد تسخیر ممکن ہوئی۔ زندہ بچ نکلنے والے راجپوت سردار اودھے پور کو فرار ہو گئے۔ وہاں قبیلے کے سربراہ نے ایک نئی ریاست قائم کی جہاں یہ قبیلہ آج تک آباد ہے۔

چتوڑ کی فتح کے بعد اکبر نے دو راجپوت مہارانیوں سے شادی کی تاکہ جے پور اور مارواڑ سے پرامن تعلقات برقرار رہیں۔

1570ء: اکبر نے راجپوتوں کے دو مزید قلعے رنتھمبور اور کالنجر پہ قبضہ کر لیا۔

1572ء-1573ء: گجرات میں خلفشار

بابر کے ساتھ میرزا (شہزادہ) محمد سلطان ہندوستان آیا تھا۔ اس کی اولاد اور دیگر رشتہ داروں نے تین مضبوط گروہ بنا کر مغل سلطنت پر قبضہ کرنا چاہا۔ یہ گروہ الغ مرزا، شاہ مرزا اور ابراہیم حسین مرزا کے تھے۔ انہوں نے 1566ء میں سانبھل میں

اکبر کے خلاف بغاوت کر دی اور شکست ہونے پر گجرات کو فرار ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی شرانگیزیوں پہ قابو پانے کے لیے گورنر اعتماد خان کا اصرار تھا کہ اکبر وہاں خود آئے۔

1573ء: اکبر گجرات پہنچا۔ اس صوبے کا نظم و نسق براہ راست مرکزی حکومت کے تحت کیا۔ مرزاؤں کو شکست دے کر واپس آگرہ آ گیا۔ مرزاؤں نے پھر سر اٹھایا تو اکبر نے انہیں ہمیشہ کے لیے کچل دیا۔

1575ء: بنگال...... یہاں شہزادہ داؤد نے خود مختاری کا اعلان کر کے خراج دینا بند کر دیا۔ اکبر بنگال پہنچا۔ داؤد کو اڑیسہ کی طرف بھگا دیا۔ جونہی اکبر واپس آیا، داؤد نے پیش قدمی کر کے اپنا علاقہ پھر حاصل کر لیا۔ اکبر نے اسے ایک گھمسان کے رن کے بعد شکست دی۔ داؤد لڑائی کے دوران مارا گیا۔

1595-1572ء: بہار...... یہاں 1530ء سے شیر خان کے خاندان کی حکومت تھی۔ اکبر نے 1575ء میں اسے مغل سلطنت میں شامل کر لیا لیکن تین سال تک بہار اور بنگال کی شاہی فوجوں میں بغاوت پر پوری طرح قابو نہ پایا جا سکا چنانچہ افغانوں کو بہار سے نکال دیا گیا اور اڑیسہ کے صوبہ پر قبضہ کر لیا گیا اور اسے کچھ عرصہ تک برقرار رکھا گیا۔

1592ء: اڑیسہ کے افغانوں کو بالآخر اکبر کے ایک جرنیل نے کچل دیا۔

1582ء: شہزادہ حکیم نے کابل سے آ کر پنجاب پہ حملہ کر دیا۔ اکبر نے اسے واپس دھکیلتے ہوئے کابل تک کا علاقہ قبضے میں لے لیا۔ بھائی حکیم کو معاف کر کے کابل کا صوبیدار بنایا اور دہلی کے ماتحت کر دیا۔

1585-1582ء: ان برسوں میں اکبر خود غیر متحرک رہا۔ سلطنت میں استحکام آ چکا تھا۔ مذہبی امور میں وہ غیر جانبدار تھا۔ رواداری کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اس کے بڑے علمی اور مذہبی مشیر فیضی اور ابوالفضل

تھے۔ فیضی نے قدیم سنسکرت کے گیت، مہابھارت اور رامائن کا ترجمہ کیا۔ اکبر گوا سے ایک پرتگیزی پادری کو لایا تو فیضی نے انجیلوں کا ترجمہ بھی کیا۔ ہندوؤں سے اختلاط کے بعد اکبر نے ستی کی رسم (خاوند کی چتا میں بیوہ کا جل مرنا) پہ پابندی عائد کر دی۔ اس نے جزیہ بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اس سے پہلے ہر ہندو کو یہ ٹیکس مسلمان حکومت کو ادا کرنا پڑتا تھا۔

اکبر کا مالیہ کا نظام

اکبر کے وزیر خزانہ ٹوڈر مل نے کاشت کاروں سے لگان وصول کرنے کا نیا نظام متعارف کرایا جس کے تحت:

(1) سب سے پہلے زمینوں کی پیائش کا یکساں معیار وضع کیا گیا اور پھر ایک باقاعدہ سروے سسٹم قائم کیا۔

(2) ہر بیگھہ کی جداگانہ پیداوار کا تعین کرنے اور اس پر حکومت کو ادائیگی کے لیے زمینوں کو تین مختلف درجوں میں ان کی زرخیزی کے مطابق تقسیم کیا گیا۔ پھر ہر بیگھہ پر درجہ کے مطابق اس کی اوسط پیداوار کا تعین کر کے پیدا ہونے والی جنس کا ایک تہائی حکومت کا حصہ قرار دیا گیا۔

(3) مذکورہ حصے کی ادائیگی نقدی میں کرنے کے لیے 19 برسوں سے ملک بھر میں مقررہ قیمتوں کو سامنے رکھ کر ان کی اوسط کے حساب سے نقد لگان عائد کیا گیا۔

سرکاری اہلکاروں کی طرف سے اختیارات کا ناجائز استعمال روک دیا گیا۔ مالیہ کی رقم میں کمی کر دی گئی لیکن ساتھ ہی وصولی کے اخراجات بھی کم کر دیے گئے تاکہ ریونیو (مالیہ) کی خالص آمدنی پہلے جتنی رہے۔ اکبر نے مالیہ کے عوض کھیتی باڑی کی رسم بھی ختم کر دی۔ یہ رسم انتہائی ظلم و استبداد کا ذریعہ تھی۔

پوری سلطنت کو 15 صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر صوبے کا حاکم نائب السلطنت کہلاتا تھا:

عدلیہ: قاضی عدل و انصاف کے نمائندے تھے۔ مقدمات کا فیصلہ پوری سماعت کے بعد سنایا جاتا۔ میر عدل (چیف جسٹس) اقتدار اعلیٰ کا نمائندہ ہوتا۔ وہ فیصلوں کا جائزہ لے کر سزائیں بحال یا منسوخ کرتا۔ اکبر نے تعزیرات کا ضابطہ بھی نئے سرے سے وضع کیا اور ان کی بنیاد جزوی طور پر اسلامی روایات اور جزوی طور پر منو کے قوانین پہ رکھی۔

فوج: فوج میں سپاہیوں کو ادائیگی کا نظام انتہائی مبہم تھا۔ اکبر نے خزانے سے تنخواہوں کی باقاعدہ ادائیگی رائج کر کے بدعنوانی کا خاتمہ کیا۔ ہر رجمنٹ میں سپاہیوں کی فہرست رکھی جاتی۔

اکبر نے دہلی کو اس وقت کی دنیا کا عظیم ترین اور خوبصورت ترین شہر بنا دیا۔

1585ء-1587ء: کشمیر

1585ء میں کابل میں ازبکوں کے حملوں کے خوف سے بے چینی پھیل گئی۔ اکبر نے پوری قوت سے ازبکوں کی شرانگیزیوں کو دبا دیا۔

1586ء: کشمیر پہ حملہ ناکام رہا۔ 1587ء میں کامیابی حاصل ہوئی اور کشمیر کو سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

1587ء: پشاور اور مضافات کے شمالی مغربی اضلاع: اس علاقے پر طاقتور افغان قبیلے یوسف زئی کا قبضہ تھا۔ ان کا تعلق متعصب روشنی فرقے سے تھا۔ ان لوگوں نے کابل کے لیے اتنی شدید مشکلات پیدا کر دیں کہ اکبر کو ان کے خلاف دو ڈویژن بھیجنے پڑے۔ ایک ڈویژن کی قیادت راجہ بیربل کے پاس تھی جبکہ دوسرے کی کمان زین خان کر رہا تھا۔ دونوں کو ہزیمت

اٹھانا پڑی۔ شاہی فوج کی باقیات اٹک کو فرار ہو گئی۔ اکبر نے ایک اور لشکر بھیج کر ان افغانوں کو اپنے پہاڑوں میں دھکیل دیا۔ ان کے خلاف اکبر کی یہ اکلوتی کامیابی تھی۔

1591ء: سندھ...... داخلی خلفشار کے بہانے اکبر نے سندھ پہ حملہ کیا اور اسے اپنی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔

1594ء: قندھار...... اکبر نے اس برس قندھار، ایرانیوں سے دوبارہ چھین لیا۔ ہمایوں کی موت کے بعد سے ایرانی اس پر قابض تھے۔

اس طرح 1594ء میں پورا شمالی ہندوستان مغلوں کے زیر نگیں تھا۔

1596ء-1600ء: دکن میں مہم جوئی

1596ء: مشہور چاند بی بی احمد نگر کی حاکم تھی۔ اکبر کے دوسرے بیٹے شہزادہ مراد اور مرزا خان کی قیادت میں دو لشکر احمد نگر پہ حملہ آور ہوئے۔ اس کا محاصرہ اور تسخیر ناکامی سے دوچار ہوئے۔ اکبر (مغل فوج) کو صرف صوبہ برار کے الحاق کا موقع مل سکا۔

1597ء: نئی دشمنیاں...... خاندیش کے راجہ کی اطاعت سے اکبر کو نئی قوت ملی۔ راجہ اپنی فوجوں سمیت مغلوں سے مل گیا۔ دریائے گوداوری پہ شہزادہ مراد کی کارروائی فیصلہ کن نہ ثابت ہوئی۔ اکبر زبدا کے مقام پہ اس سے آن ملا۔

1600ء: اکبر نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے دانیال کو ہراول فوج کے ساتھ احمد نگر کے محاصرے کے لیے بھیجا۔ پھر خود بھی پہنچ گیا۔ بہادر چاند بی بی کو اسکی فوج نے قتل کر دیا اور شہر کو مغلوں کے حوالے کر دیا۔

شہزادہ سلیم کی بغاوت نے اکبر کو واپسی پہ مجبور کر دیا۔ باپ کی غیر حاضری میں سلیم نے اودھ اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ اکبر نے بیٹے کو معاف

کر دیا اور بنگال اور اڑیسہ اس کی تحویل میں دے دیا۔ سلیم نے نظم و نسق ظالمانہ طریقے سے چلایا۔ اکبر اس کے خلاف کارروائی کرنے پر تیار ہوا تو سلیم نے آگرہ میں آ کر معافی مانگ لی۔

1605ء: اکبر کے بیٹوں، مراد اور دانیال کی اچانک موت سے 63 برس کی عمر میں اس کی موت بھی تیزی سے آن پہنچی۔ اس کا اکلوتا زندہ بیٹا سلیم، جہانگیر کے نام سے شہنشاہ ہندوستان بنا۔

(4) جہانگیر کا عہد حکومت

(1605ء-1627ء)

1605ء: جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت ہندوستان میں امن و امان تھا تاہم دکن میں خلفشار اور اودھے پور سے جنگ جاری تھی۔ جہانگیر نے اپنے باپ کے تمام اعلیٰ عہدیداروں کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا۔ اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت سے بحال کیا اور اسلامی قوانین کو پہلے کی طرح رائج کرنے کا اعلان کیا۔ اپنے بیٹے شہزادہ خسرو کو شکست دے کر قید کر دیا۔ خسرو نے جہانگیر کی آگرہ میں موجودگی کے دوران دہلی اور لاہور میں علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ خسرو کے سات سو باغی ساتھیوں کے جسموں میں میخیں گاڑ کر زمین سے پیوست کر دیا گیا۔ جان کنی سے دوچار ان افراد کی ہیبت ناک قطاروں میں سے خسرو کو گزارا گیا۔

1610ء: جہانگیر نے دو لشکر، دکن اور اودھے پور کی مہموں پر روانہ کیے۔ احمد نگر کے نوجوان بادشاہ کے وزیر ملک عنبر نے وہاں پہ رکھی گئی اکبر کی مغل فوج کو شکست دے کر 1610ء میں احمد نگر پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ ملک عنبر کے خلاف بھیجی جانے والی فوج کو 1617ء میں کامیابی حاصل ہوئی لیکن یہ کامیابی کھلی جنگ میں نہیں بلکہ اس کے اتحادیوں کے منحرف ہو

جانے کی بدولت ممکن ہوئی۔

1611ء: جہانگیر نے ایران سے نقل مکانی کر کے آنے والے ایک شخص کی بیٹی "نورجہاں" سے شادی کر لی۔ نورجہاں اس پر پوری طرح حاوی ہو گئی اور جہانگیر کے پہلے بیٹوں کے خلاف سازشیں کرنے لگی۔

1612ء: شہزادہ خرم (جو بعد میں شاہجہاں کے نام سے برسراقتدار آیا) اودھے پور اور مارواڑ کی مہموں پہ نکلا اور دونوں جگہ کامیابی حاصل کی۔

1615ء: سر تھامس رو پہلا انگریز تھا جو دہلی کے دربار میں انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کی سفارت لے کر آیا۔ یہ سفارت نوزائیدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے سے تھی۔

جہانگیر نے اسی برس اپنے تیسرے بیٹے خرم کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ سب سے بڑا بیٹا خسرو مسلسل اسیر زندان تھا۔ اس نے اسیری کے دوران 1621ء میں وفات پائی۔ دوسرا بیٹا پرویز، نااہل سمجھا جاتا تھا۔ اسے دکن میں نائب السلطنت بنا کر ملک عنبر کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا جس نے پھر بغاوت کر دی تھی۔

1621ء: نورجہاں نے جہانگیر کو قائل کر لیا کہ وہ خرم (شاہجہاں) کو قندھار بھیج دے تاکہ دہلی کے تخت پہ اپنے چہیتے بیٹے پرویز کو بٹھا سکے۔ شاہجہاں نے بغاوت کی لیکن ناکام رہا۔

1624ء: شاہجہاں، دہلی میں آ گیا اور اپنے کیے پہ پشیمانی کا اظہار کیا۔۔۔ شاہجہان کے خلاف بھیجے جانے کے کچھ عرصہ بعد مہابت خان نورجہاں کی حمایت سے محروم ہو گیا۔ دکن سے واپس بلا کر دہلی میں اس کے ساتھ سردمہری کا سلوک کیا گیا۔ جہانگیر کابل جانے کے لیے تیار تھا۔ مہابت خان کو بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا گیا لیکن جہانگیر اس کے ساتھ اتنی درشتی سے پیش آیا کہ مہابت خان جوش انتقام میں موقع تلاش کرنے لگا۔ اسے یہ موقع دریائے جہلم عبور کرتے ہوئے مل گیا۔ تمام شاہی دستے دریا کے

دوسرے کنارے پہ جا چکے تھے۔ مہابت خان نے جہانگیر کو گرفتار کر کے اپنے خیمے میں قیدی بنالیا۔ نورجہاں دریا کے اس پار سے واپس آئی اور مہابت خان پر حملہ کر دیا۔ لیکن اسے بھاری نقصان کے ساتھ ناکامی ہوئی۔ نورجہاں نے اطاعت کر لی اور جہانگیر کے ساتھ قیدی بن گئی۔ مہابت خان شاہی قیدیوں کو اپنے ساتھ کابل لے گیا اور ان کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا۔ نورجہاں نے اس دوران مہابت خان کی فوج میں اپنے ہمدرد بھرتی کروا دیے۔

1627ء: فوجی معائنے کے دوران نگران عملہ مہابت خان کے گرد اکٹھا ہوگیا۔ جہانگیر، نورجہاں کے مشورے پر وہاں سے خاموشی سے نکل گیا اور اپنے وفادار سپاہیوں کی مدد سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

مہابت خان کو معاف کر کے شاہجہاں کے خلاف کارروائی کے لیے بھیج دیا گیا لیکن وہ جاتے ہی شاہجہاں کا حلیف بن گیا۔

28 اکتوبر 1627ء: جہانگیر لاہور جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔ دہلی کے گورنر آصف خان نے فوراً شاہجہاں کو پیغام بھیجا۔ وہ جلد ہی مہابت خان کے ساتھ پہنچ گیا اور آگرہ میں اس کی باضابطہ تخت نشینی عمل میں آئی۔ نورجہاں کو خلوت نشینی پہ مجبور کر دیا گیا۔

(5) شاہجہاں کا دورِ حکومت

(1627ء-1658ء)

1627ء: خان جہان لودھی کی بغاوت: شہزادہ پرویز کا یہ جرنیل معزول شدہ ملک عنبر کے بیٹے کی فوج میں شامل ہوگیا۔ معافی کے وعدہ پر واپس دہلی آگیا لیکن اعتماد حاصل نہ ہونے پر دریائے چنبل کی طرف فرار ہوگیا اور شاہی فوجوں سے الجھ گیا۔ شکست کھانے پر دریا عبور کر کے بندیل کھنڈ سے

ہوتا ہوا احمد نگر چلا گیا۔

1629ء: شاہ جہاں خود دکن پہنچا۔ برہان پور میں اس کا سامنا خان جہان لودھی سے ہوا۔ لودھی کو شکست دے کر احمد نگر کی طرف پسپائی پر مجبور کر دیا۔ اپنے دوست محمد عادل شاہ کی پناہ لینے کے لیے وہ بیجاپور پہنچا لیکن عادل شاہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ مالوہ کو بھاگ گیا۔ مغلوں کا راستہ کاٹ کر بندیل کھنڈ جانا چاہتا تھا کہ گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا۔

اب شاہ جہاں نے احمد نگر کی طرف پیش قدمی کی۔

1630ء: شاہ جہاں، احمد نگر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ احمد نگر کے بادشاہ کو اس کے وزیر فتح خان نے قتل کر دیا اور شہر شاہ جہاں کے حوالے کر دیا۔ بیجاپور شہر پہ قبضہ کی ناکام کوشش کے بعد شاہ جہاں مہابت خان کو بیجاپور کے محاصرے اور دکن میں کمانڈر کے فرائض سونپ کر واپس دہلی آگیا۔

(مورخ برگیز کے مطابق یہ واقعات 1631ء میں رونما ہوئے)

1634ء: بیجاپور کے بیکار محاصرے کے بعد مہابت خان کو بھی واپس بلا لیا گیا۔

1635ء: شاہ جہاں نے ایک بار پھر خود بیجاپور کا محاصرہ کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

1636ء: شاہ جہاں نے بیجاپور کے بادشاہ، عادل شاہ سے صلح کر کے احمد نگر کے علاقے اسے دے دیے۔ چنانچہ یہ ریاست آزاد اور خودمختار ہوگئی۔ عادل شاہ نے چھ سال تک پوری مغل فوج کو ناکام بنائے رکھا تھا۔

1637ء: شاہ جہان کابل کے سفر پر روانہ ہوا۔ وہاں سے اس نے صوبہ قندھار کے نئے گورنر علی مردان خان اور اپنے بیٹے مراد کی قیادت میں ایک فوج بلخ پہ یلغار کے لیے بھجوائی۔ قندھار کا صوبہ 1594ء میں اکبر نے ایرانیوں سے چھین لیا تھا۔ (مورخ الفنسٹن کے مطابق بلخ کی کارروائی کا سال 1644ء ہے)

1646ء: بلخ کا معرکہ کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اس علاقے کو سلطنت مغلیہ میں شامل کر کے اورنگ زیب (شاہجہان کے تیسرے بیٹے) کی تحویل میں

دے دیا گیا۔

1647ء: ازبکوں نے بلخ کا محاصرہ کر لیا۔ اورنگ زیب زبردست نقصان اٹھانے کے بعد جان بچا کر ہندوستان کو فرار ہو گیا۔

1648ء: ایرانیوں نے شاہ عباس کی قیادت میں قندھار واپس لے لیا۔ اورنگ زیب کو اس کی بازیابی کے لیے بھیجا گیا۔ دشمن نے اورنگ زیب کی رسد منقطع کر دی۔ اسے مجبوراً کابل واپس آنا پڑا۔

1652ء: قندھار حاصل کرنے کی نئی کوشش بھی ناکامی سے دوچار ہوئی۔

1653ء: شاہجہان کے سب سے بڑے بیٹے دارا شکوہ کی قیادت میں قندھار پہ ایک اور حملہ کیا گیا لیکن یہ بھی حسب سابق ناکام رہا۔ مغل واپس آ گئے اور قندھار پہ ایرانیوں کا قبضہ مستقل ہو گیا۔

1655ء: گولکنڈہ کے وزیر، میر جملہ کی درخواست پر مغل فوجیں ایک بار پھر دکن میں پہنچیں۔ میر جملہ کو گولکنڈہ کے حاکم عبداللہ خان سے جان کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اورنگ زیب نے حیدر آباد پہ قبضہ کیا اور پھر

1657ء: گولکنڈہ کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ خان نے اطاعت اور سالانہ دس لاکھ پونڈ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ شاہجہاں کی بیماری کی خبر سن کر اورنگ زیب تیزی سے دہلی واپس آ گیا۔ شاہجہان کے چار بیٹے تھے۔ دارا شکوہ، شجاع، اورنگ زیب اور مراد۔ دارا اس وقت نائب السلطنت، شجاع بنگال کا گورنر اور مراد (سب سے چھوٹا بیٹا) گجرات کا گورنر تھا۔ اورنگ زیب (تیسرا بیٹا) انتہائی ٹھنڈے دل دماغ کا مالک، سود و زیاں پہ نظر رکھنے والا اور اقتدار کا متمنی تھا۔ اس نے حالات کا جائزہ لے کر اندازہ لگا لیا تھا کہ مذہب، سلطنت میں ایک اہم ترین اور طاقتور عامل ہے۔ مقبولیت حاصل کرنے کے لیے وہ اسلام کا علمبردار بن گیا۔

بیماری کے سبب شاہجہان نے امور سلطنت دارا کے حوالے کر دیئے۔ شجاع نے بغاوت کر دی اور بہار پہ چڑھ دوڑا۔ مراد نے بھی یہی

کیا اور سورت پہ قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب نے دارا شکوہ اور شجاع کو باہمی کشمکش میں کمزور ہونے دیا۔ خود اپنی فوج لے کر مراد کی طرف چل پڑا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ اقتدار سے کنارہ کشی کر کے تارک الدنیا ہونا چاہتا ہے لیکن چاہتا ہے کہ پہلے اپنے سب سے چھوٹے بھائی کی مدد کر کے اسے تخت پر بٹھا دے۔ دارا شکوہ نے شجاع کو شکست دی اور پھر مراد اور اورنگ زیب کے مقابلہ میں آیا لیکن شکست سے دوچار ہوا۔

1658ء: شاہ جہان کی واضح تنبیہہ کے باوجود، دارا شکوہ پھر میدان میں اترا۔ دونوں فوجیں آگرہ کے قریب سماگڑھ کے مقام پر ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ مراد کی شجاعت غالب آئی اور دارا فرار ہو کر باپ کے پاس آگرہ آ گیا۔ اورنگ زیب وہاں پہنچا اور بھائی اور باپ دونوں کو محل کے تہہ خانے میں قید کر دیا۔ دھوکے سے مراد کو گرفتار کیا اور اسے دہلی کے قریب دریا کے کنارے سلیم گڑھ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ پھر اسے زنجیروں میں جکڑ کر گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اورنگ زیب نے شاہجہان کی معزولی اور اپنی تخت نشینی کا اعلان کر کے "عالمگیر" کا لقب اپنایا۔

(6) اورنگ زیب کا دورِ اقتدار اور مرہٹوں کا عروج

(1658ء-1707ء)

1658ء: دارا شکوہ قید خانے سے فرار ہو کر لاہور جا پہنچا۔ اس کے بیٹے سلیمان نے ساتھ دینے کے لیے یہاں پہنچنے کی کوشش کی لیکن راستے میں پکڑا گیا اور کشمیر کے دارالحکومت سری نگر میں قید کر دیا گیا۔ دارا سندھ کی طرف نکل گیا جبکہ شجاع نے اس دوران دہلی کا رخ کر لیا۔ اورنگ زیب

مقابلے کے لیے نکلا اور راجہ جسونت سنگھ کی طرف سے فوج کے ایک
بڑے حصہ کے ساتھ دغابازی کے باوجود شجاع کو شکست دی۔ شجاع کی
شکست کے بعد راجہ جسونت سنگھ جودھ پور بھاگ گیا۔

دارا شکوہ نے کچھ دنوں کے بعد پھر طبل جنگ بجایا مگر شکست کے
بعد فرار ہو کر پہلے احمد آباد پھر کچھ، قندھار اور بالآخر سندھ میں آ پہنچا۔
یہاں اسے دھوکے سے گرفتار کر کے دہلی پہنچایا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ دہلی
کے شہریوں نے ہنگامے شروع کر دیے مگر انہیں پوری قوت کے ساتھ
دبا دیا گیا۔

1660ء: اورنگ زیب کا بیٹا محمد سلطان اور میر جملہ (گولکنڈہ کا سابق وزیر) بنگال
میں شجاع کے خلاف کامیاب رہے۔ شجاع ناکام ہو کر اراکان (برما) میں
روپوش ہو گیا تھا۔ بعدازاں اس کے بارے میں کسی کو کوئی خبر نہ ملی۔
لیکن اس سے پہلے محمد سلطان، میر جملہ سے بغاوت کر کے شجاع سے جا
ملا تھا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد واپس آ گیا۔ شجاع کا کانٹا نکل جانے کے بعد
اورنگ زیب نے محمد سلطان کو کئی برس تک قید میں رکھا یہاں تک کہ
وہ قید خانے میں مر گیا۔ سرینگر کے راجہ نے دارا شکوہ کے قیدی بیٹے
سلیمان کو آگرہ بھجوا دیا۔ اورنگ زیب نے اسے زہر دے کر مروا دیا۔
ساتھ ہی مراد کو بھی قتل کروا دیا گیا۔ اب صورت حال پوری طرح
اورنگزیب کے قابو میں تھی۔ (شاہجہان مسلسل نظر بند تھا)

میر جملہ دکن میں آسام کی مہم کے دوران 1663ء میں مارا گیا
تھا۔ اس کا منصب اس کے سب سے بڑے بیٹے محمد امین کو سونپ دیا گیا۔

1660ء-1670ء: مرہٹوں کی شورش

ملک عنبر کے منصب دار مالوجی بھونسلے کا ایک بیٹا شاہ جی تھا۔ اس نے ایک
اعلیٰ منصب دار جادو راؤ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس کے ہاں شیواجی نے جنم لیا۔

اپنے باپ کی جاگیر کے سرکش سپاہیوں کی صحبت میں رہ کر اسے رہزنی کی لت پڑ گئی۔
اس نے اپنے ہی باپ کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ پھر متعدد قلعے ہتھیا لیے۔ پھر وہ کھلی
بغاوت پر اتر آیا اور شاہی خزانہ لے جانے والے قافلے کو لوٹ لیا۔ اس کے ایک
نائب نے کون کان کے گورنر پہ حملہ کر کے اسے قید کر لیا اور پورے صوبے پہ اس
کے دارالحکومت کلیان سمیت قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی کے بعد شیواجی نے شاہجہان کو
متعدد تجاویز بھجوائیں۔ انہیں قابل اعتناء نہ سمجھا گیا۔ چنانچہ اس نے جنوبی کونکان پہ
قبضہ کر لیا۔

1655ء: شیواجی اپنی حدود کو پھیلاتا چلا گیا۔ اورنگ زیب کو مرہٹوں کی سرکوبی
کے لیے بھیجا گیا۔ شیواجی نے ریاکاری اور چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے
اورنگ زیب سے جان بچالی۔ اسے معاف کر دیا گیا۔ لیکن شاہی فوجوں
کے واپس جاتے ہی اس نے بیجاپور پر حملہ کر دیا۔ بیجاپور میں مغل فوجوں
کے کمانڈر افضل خان بات چیت کی دعوت پر شیواجی سے ملاقات کے
لیے حفاظتی دستے کے بغیر چلا گیا۔ شیواجی نے اسے اپنے ہاتھوں سے قتل
کر دیا اور پھر اس کی ہراساں فوج کو شکست دے دی۔

شیواجی کے حامیوں اور ساتھیوں کی تعداد اب بڑھتی جا رہی
تھی۔ چنانچہ بیجاپور میں نئے فوجی کمانڈر کی قیادت میں مزید شاہی فوج
بھیجی گئی۔

1660ء: نئے مغل کمانڈر نے مرہٹوں کے علاقے میں جا کر شیواجی کو شکست دی۔

1662ء: شیواجی کے ساتھ ایک سودمند معاہدہ ہوا اور باغیوں کو کونکان کی ایک
جاگیر میں محفوظ چھوڑ دیا گیا۔

1662ء: شیواجی نے ایک بار پھر مغل علاقوں میں دراندازی شروع کر دی۔
اورنگ زیب نے اس کے خلاف شائستہ خان کو بھیجا۔ وہ اورنگ آباد
سے پونا پہنچا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ پورے موسم سرما میں وہ پونا میں رہا۔
ایک رات شیواجی نے چوری چھپے شائستہ خان کو قتل کرنے کی کوشش

کی۔ خان بچ نکلا۔ بارشوں کے بعد شائستہ خان اورنگ آباد واپس چلا گیا۔ شیواجی نے فوراً سورت پر قبضہ کر لیا۔

1664ء: شیوا جی کا باپ شاہ جی مر گیا چنانچہ اس نے باپ کے وارث کی حیثیت سے اس کی جاگیر اور کونکان میں اپنا مفتوحہ علاقہ سنبھال لیا۔ اب اس نے "راجہ مراٹھا" کا خطاب اپنا لیا اور دور دور تک لوٹ مار شروع کر دی۔

1665ء: اورنگ زیب نے مشتعل ہو کر اس کے خلاف دو ڈویژن فوج بھجوائی۔ شیواجی نے اطاعت کر لی اور نئے معاہدے کے تحت اس عیار آدمی نے ایک اور جاگیر حاصل کر لی جو اس کے 32 مفتوحہ قلعوں میں سے 12 قلعوں پر مشتمل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ "چاوتھ" کا حقدار بھی بن گیا جو دکن کے مغل علاقوں سے سرکاری محاصل کا ایک چوتھائی تھا۔ یہ ایک طرح کا جبری ٹیکس تھا جو بعد میں اردگرد کی ریاستوں سے تصادم اور وہاں دخل اندازی کے لیے مرہٹوں نے جواز بنا لیا۔

1666ء: دہلی میں مہمان کی حیثیت سے شیواجی کی آمد...... اورنگ زیب انتہائی سرد مہری سے پیش آیا۔ اپنی مردم شناسی اور معاملہ فہمی کے باوجود اورنگ زیب نے اسے قتل نہ کرایا۔ اس کا رویہ شروع ہی سے ایسا تھا جیسے وہ مرہٹوں کو بے وقوف سمجھتا ہے۔ شیواجی برہم ہو کر واپس دکن پہنچا۔ اسی سال شاہجہان قید میں مر گیا۔

1667ء: اپنی سازشوں اور عیاری کے ذریعے شیواجی نے "معاہدہ" کے تحت خود کو راجہ تسلیم کرا لیا۔ اب اس نے بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستوں کو مرعوب کر کے ان پر خراج عائد کر دیا۔

1668ء: شیواجی نے اپنی ریاست مستحکم کر لی۔ راجپوتوں اور دیگر پڑوسی حاکموں سے سودمند معاہدے بھی کر لیے۔

1669ء: اب مرہٹے ایک باقاعدہ قوم تھے۔ ان کا ایک ملک تھا جس میں ان کی اپنی

خودمختار حکومت قائم تھی۔

1670ء: اورنگ زیب نے معاہدے کی خلاف ورزی کر دی۔ شیواجی نے پہل کرتے ہوئے پونا، سورت اور خاندیش پر قبضہ کر لیا جبکہ اورنگ زیب کا بیٹا معظم اورنگ آباد میں غیر متحرک بیٹھا تھا۔ مہابت خان کو روانہ کیا گیا لیکن اسے شیواجی نے بری طرح شکست دی۔ اورنگ زیب نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور شیواجی سے مخاصمت ختم کر دی۔ اس اقدام کے بعد اورنگ زیب کے اثر و رسوخ کا زوال شروع ہو گیا۔ تمام گروہ اس سے نالاں ہو گئے۔ مغل سپاہی، مرہٹوں کے خلاف بیکار اور ادھوری مہم پر مشتعل تھے۔ ہندو اس لیے برافروختہ تھے کہ اورنگ زیب نے ان پر پھر سے جزیہ عائد کر دیا تھا اور انہیں ہر طرف سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

1678ء: بالآخر اس نے اپنی فوج کے بہترین جنگجوؤں، راجپوتوں کو بھی ان کے راجہ جسونت سنگھ کی بیوہ اور بچوں کے ساتھ اپنے ناروا سلوک کے نتیجے میں برگشتہ کر دیا۔ راجہ جسونت سنگھ 1678ء میں مر گیا۔ اس کے بیٹے درگاداس اور اورنگ زیب کے بیٹے اکبر نے 70 ہزار راجپوتوں کے ساتھ دہلی کی طرف پیش قدمی کر دی۔ اس اتحاد کو سازش اور جوڑ توڑ کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔ اتحادی فوج کوئی کارروائی کرنے سے پہلے ہی انتشار کا شکار ہو گئی۔ اکبر اور درگاداس فرار ہو کر مرہٹوں کے علاقے میں چلے گئے جہاں شیواجی کے بیٹے سامبھاجی نے انہیں پناہ دے دی۔

1681ء: دونوں فریقوں کے درمیان جاری کشمکش بے ترتیبی کی نذر ہو جانے کے بعد میواڑ اور مارواڑ میں امن قائم ہو گیا۔

مرہٹوں کی کامیابیاں

1673ء: شیواجی نے کونکان پہ قبضہ کیا۔ 1674ء میں اس نے خاندیش اور برار

کے مغل صوبے فتح کر لیے۔

1677ء: شیواجی نے یکے بعد دیگرے کورنل، کڈاپہ، جنجی اور ویلور پہ قبضہ کر لیا۔ وہ مدراس کے قریب سے گزر گیا جہاں انگریزوں کی فیکٹریوں میں موجود عملے پر دہشت طاری تھی۔

1678ء: شیواجی نے میسور اور تنجور فتح کر لیے۔ 1680ء میں وہ بیجاپور پہ جھپٹا۔ مغل فوجوں کی رسد کاٹ دی۔

1680ء: بیجاپور کی مہم کے دوران شیواجی مر گیا۔ اس کے بیٹے سامبھاجی نے مرہٹوں کی فوج کی قیادت سنبھال لی۔ سامبھاجی ایک ظالم اور عیاش شہزادہ تھا' اس کے اقتدار کو فوراً ہی زوال آ گیا۔ اگر ان دنوں مغلوں کے پاس کوئی اچھا جرنیل ہوتا تو وہ مرہٹوں کی طاقت توڑنے میں کامیاب ہو جاتے لیکن اورنگ زیب کسی کولہو کے بیل کی طرح چلتا رہا۔

1683ء: سامبھاجی نے شہزادہ معظم کو پسپا کر دیا۔ وہ کونکان میں مرہٹوں کے خلاف کارروائی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ مرہٹوں نے مغل فوج کے پیٹھ پھیرتے ہی پورے علاقے کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا۔ برہان شہر کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ معظم نے حیدر آباد کو لوٹ لیا اور گولکنڈہ کے بادشاہ سے معاہدہ کیا۔ اس دوران مرہٹے شمال کی طرف بڑھنے لگے۔ انہوں نے بھروچ پہ قبضہ کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد اورنگ زیب کی قیادت میں مغل فوج نے بیجاپور کی ریاست اور شہر کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ گولکنڈہ کے ساتھ موجود معاہدۂ امن کو وحشیانہ طریقے سے توڑتے ہوئے شہر پہ قبضہ کر لیا۔

اب اورنگزیب اپنے بیٹوں سے بھی خوفزدہ رہنے لگا۔ وہ سب کو تشکیک کی نظر سے دیکھتا۔

1687ء: اورنگ زیب نیم پاگل ہو گیا۔ کسی اشتعال کے بغیر اس نے اپنے بیٹے معظم کو قید کر دیا جہاں اس نے سات سال گزارے۔

اب مغل سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ دکن میں انتشار تھا۔ مقامی ریاستیں ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں، ملک بھر میں رہزنوں اور قانون شکنوں کے جتھے دندناتے پھر رہے تھے۔ مرہٹے ایک عظیم طاقت بن چکے تھے۔ شمالی قبائل، راجپوت، سکھ سبھی مستقل دشمنی پہ اتر آئے تھے۔

1689ء: کولہاپور میں گھاٹ کے قریب ایک مغل حاکم کو اطلاع ملی کہ سامبھاجی قریب ہی شکار کھیلنے میں مصروف ہے۔ وہ اسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ سامبھاجی کو قیدی بنا کر اورنگ زیب کے پاس بھیجا گیا جس نے فوراً اس کا سر قلم کرا دیا۔

سامبھاجی کے شیر خوار بیٹے ساہو کو مراٹھہ تخت پر بٹھا دیا گیا اور دربار کے امور ایک عقلمند اور صاف گو شخص راجہ رام کے سپرد کر دیئے گئے۔

1692ء: راجہ رام نے مرہٹوں کے قزاق جتھوں کو پھر سے منظم کیا اور دو سرداروں ساتناجی اور داناجی کو ان کی قیادت دے دی۔ ان جتھوں کو مغل فوج کے خلاف چھوٹی چھوٹی مہموں پہ روانہ کیا گیا۔ یہ مخصوص انداز کی جنگ 1694ء سے 1699ء تک یعنی پانچ برس جاری رہی۔ ان میں سے تین برس جنجی کا محاصرہ رہا بالآخر جنجی مرہٹوں کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔

1694ء: اورنگ زیب نے اپنے جرنیل ذوالفقار خان کو جنجی کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ ذوالفقار خان نے مزید سپاہی بھیجنے کی درخواست کی جسے مسترد کر دیا گیا اور شہزادہ کام بخش کو فوج کی کمان دے کر بھیج دیا گیا۔ ذوالفقار خان نے جنجی کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس نے دل برداشتہ ہو کر کوئی قدم نہ اٹھایا اور وقت یونہی گزار دیا۔ اس نے مسلسل مرہٹوں سے خفیہ رابطہ رکھا اور تین سال ضائع کر دیئے یہاں تک کہ کام بخش نے تسخیر کے لیے خود کارروائیاں شروع کر دیں۔

1697ء: ساتناجی نے محاصرہ توڑ دیا اور نکل جانے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس کامیابی میں ذوالفقار خان کی سازش تھی۔

1698ء: ذوالفقار خان نے سمجھ لیا تھا کہ اورنگ زیب نالاں ہو کر تخت سلوک کرے گا چنانچہ اس نے مرہٹہ سردار کو نکل جانے کا موقع دے دیا اور پھر حملہ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس مرحلہ پر مرہٹوں میں نااتفاقی پیدا ہوگئی۔ داناجی نے اپنے ہاتھوں سے ساتناجی کو قتل کر دیا۔ مرہٹوں اور مغلوں کے درمیان کشیدگی جاری رہی۔ راجہ رام کی سربراہی میں مرہٹوں کی بہت بڑی فوج تیار کی گئی۔ ادھر اورنگ زیب خود مغل فوج کی قیادت کرتے ہوئے دکن میں پہنچا۔

1700ء: اورنگ زیب نے ستارا پر قبضہ کر لیا اور بہت سے مرہٹہ قلعوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ راجہ رام اسی سال کے دوران مرا۔

1704ء: اورنگ زیب اب 86 برس کا ہوچکا تھا۔ اس کی زندگی کے آخری چار برسوں میں پوری سلطنت انتشار کا شکار رہی۔ مرہٹوں نے اپنے قلعے دوبارہ حاصل کرنا شروع کر دیئے۔ ان کی طاقت میں اضافہ ہوگیا۔ خوفناک قحط سے فوج کی رسد معطل ہوگئی۔ خزانہ خالی ہوگیا۔ سپاہیوں نے اپنی تنخواہوں کے لیے بغاوت کر دی۔ مرہٹوں کے زبردست دباؤ سے ہراساں ہو کر اورنگ زیب احمد نگر چلا گیا۔ وہاں بیمار ہوگیا اور

21 فروری 1707ء: کو اورنگ زیب وفات پاگیا۔ (اس نے اپنے کسی بیٹے کو بستر کے قریب آنے کی اجازت نہ دی۔)

یورپی تاجروں کی ہندوستان میں آمد

1497ء: دسمبر میں پرتگیز جہازران واسکوڈے گاما راس امید کے گرد چکر لگاتا ہوا بحرہند میں داخل ہوا۔

مئی 1498ء: کالی کٹ میں لنگرانداز ہوا۔ اس کے بعد گوا، بمبئی اور سیلون میں پوائنٹ ڈی گالے میں پرتگیزی کالونیاں قائم ہوگئیں۔

1595ء: تقریباً ایک صدی بعد کلکتہ کے موجودہ شہر کے قریب ولندیزوں (ڈچ) نے اپنی کالونی قائم کر لی۔

1600ء: لندن ایسٹ انڈیا کمپنی--- شی مرچنٹس کمپنی کی بنیاد رکھی گئی۔

30 دسمبر 1600ء: ملکہ ایلزبتھ کی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مشرق کے ساتھ ریشم، سوت اور قیمتی پتھروں کی تجارت کا استحقاق دے دیا گیا۔ کمپنی کو ایک گورنر اور 24 کمیٹیوں کے زیرانتظام رکھا گیا۔

1601ء: انگریزوں کا پہلا تجارتی جہاز ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔

1613ء: مغل شہنشاہ جہانگیر نے انگریز تاجروں کو ایک فرمان کے ذریعے تجارتی چوکی، سورت کے ساحل پر قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ (برگیز کے مطابق یہ 1612ء کا واقعہ ہے)

1615ء: جہانگیر نے سرتھامس رو کو دہلی میں سفارت لانے کی اجازت دے دی۔

1624ء: کمپنی نے کسی پارلیمانی مداخلت کے بغیر درخواست کی اور جیمز اول سے ہندوستان میں اپنے ملازموں کو عسکری اور شہری قوانین کے تحت سزا دینے کے اختیارات حاصل کر لیے۔ "اس طرح کمپنی کو شہریوں کی زندگیوں اور قسمت سے کھیلنے کے لامحدود اختیارات مل گئے۔ (جیمز مل)" شاہ برطانیہ کی طرف سے کمپنی کو دیا جانے والا یہ پہلا عدالتی اختیار تھا۔ اس کے دائرۂ کار میں صرف یورپی اور برطانوی باشندے آتے تھے۔

1634ء: بنگال میں پہلی فیکٹری شاہ جہان کے فرمان سے قائم کی گئی۔

1639ء: انگریزوں کو مدراس میں تجارت کی اجازت دے دی گئی۔

1654ء: تجارت میں کمپنی کی 50 سالہ اجارہ داری ایک نئے معاشرے کی تشکیل سے خطرے میں پڑ گئی جو مہم جو سوداگروں کے ذریعے وجود میں آیا۔

1661ء: ہندوستان کی منڈی میں کوئی مقابلہ نہ ہونے کی وجہ سے کمپنی نے مہم

جوؤں کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

1662ء: انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم نے پرتگال کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ وہ اپنے جہیز میں بمبئی کی تجارتی بندرگاہ لائی جو تاج برطانیہ کی تحویل میں آگئی، لیکن

1668ء: ملکہ میری اول نے بمبئی کی بندرگاہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو تحفہ میں دے دی۔ اس سال چائے (چینی اسے چائے کہتے تھے) کی پہلی کھیپ انگلستان سے مدراس بھیجی گئی۔ ٹھیک انہی دنوں چارلس دوم نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ تاجروں کو "اجارہ داری" کا مکمل استحقاق دیتے ہوئے اختیار دے دیا کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کو گرفتار کر کے انگلستان بھجوا دیں جو لائسنس کے بغیر اپنے طور پر تجارت کرتا ہوا دکھائی دے۔

1682ء: انگلستان میں کمپنی کی کورٹ آف ڈائریکٹرز نے بنگال کو الگ پریذیڈنسی قرار دے دیا۔ (پریذیڈنسی سے مراد ایک صوبے میں موجود چند فیکٹریاں اور تجارتی منڈیاں تھیں) اس پریذیڈنسی میں ایک گورنر اور کونسل کی تقرری بھی عمل میں لائی گئی جن کا قیام کلکتہ میں رہے گا۔

1688ء: کلکتہ کے بانی، چرنوک کو مغلوں نے بنگال سے نکال دیا۔ وہ مشکل سے جان بچا کر دیگر تاجروں کے ساتھ دریا کے ذریعے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ (برگیز کے مطابق یہ سن 1687ء ہے)

1690ء: اورنگ زیب کی اجازت سے "کتے" جلاوطنی سے واپس آگئے۔ چرنوک نے اب کلکتہ میں مستقل آبادکاری پہ عمل کیا، قلعے تعمیر کیے اور چھاؤنیاں بنائیں جن میں محافظ فوجیں رکھیں۔

1698ء: اورنگ زیب نے "کتوں" یعنی "کمپنی" کو تین گاؤں کلکتہ، چٹرنٹی اور گوبندپور خریدنے کی اجازت دے دی۔ ان کی بعدازاں قلعہ بندیاں کر لی گئیں۔ سرچارلس آئر نے اس نئی قلعہ بندی کو بپتسمہ دے کر ولندیزی حریت پسند ولیم کے نام سے موسوم کیا۔ چنانچہ اب تک تمام سرکاری

کاغذات پر فورٹ ولیم بنگال لکھا جاتا ہے۔

اسی برس انگلستان میں ولیم اینڈ میری کے چارٹر 9 اور 10 کے تحت ایک نئی کمپنی کی بنیاد رکھی گئی۔ اس چارٹر کے مطابق کسی بھی تعداد میں افراد کو یہ استحقاق دیا گیا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو 8 فی صد سود پہ 20 لاکھ پونڈ کا قرضہ دے کر کمپنی کے ساتھ مل کر تجارت شروع کر سکتے تھے۔ ایسے افراد کو اپنی برآمد کمپنی کو دیئے گئے قرضہ کی مالیت میں اپنے انفرادی حصے کی مالیت سے متجاوز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس نئی کمپنی کا نام "دی انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی" رکھا گیا۔

1700ء: نئی کمپنی سرولیم نوریس کی سربراہی میں اورنگ زیب کو بھیجی جانے والی بیش قیمت مگر بیکار سفارت کے ذریعے ناکام ہو گئی۔

1702ء: پرانی لنڈن کمپنی کو نئی کمپنی میں مدغم کر دیا گیا۔ چنانچہ اب ایک ہی کمپنی رہ گئی جس کا نام "دی یونائیٹڈ کمپنی آف مرچنٹس ٹریڈنگ ٹو ایسٹ انڈیا" تھا۔

اس سال اورنگ زیب نے میر جعفر کو مرشد قلی خان کے خطاب کے ساتھ دیوان مقرر کر کے بھیجا (کسی صوبے کا دیوان، مغلوں کا ایسا منصب دار ہوتا تھا جو محاصل کی نگرانی کے علاوہ صوبے کی حدود میں دیوانی مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا) بعد میں یہی جعفرخان بنگال، بہار اور اڑیسہ کا صوبیدار بنا۔ صوبیدار کسی ڈسٹرکٹ کا نائب السلطنت بھی ہوتا تھا۔ یوں ایک فرد کو دو منصب دے دیئے جاتے۔ (رمیس بوتھم کے مطابق یہ 1704ء کی بات ہے)

میر جعفرخان دیوان، انگریزوں سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے ان کی تجارت میں مداخلت کی اور انہیں مسلسل ہراساں کرتا رہا۔ انگریزوں نے اس کے خلاف 1715ء میں فرخ سیر کو شکایت کی۔ اس نے انگریز تاجروں کو 38 شہروں کا تحفہ اور ٹیکس سے استثناء مرحمت کیا۔ انہیں

ایک "دستک" (سرکاری پاس) دیا گیا جس کی موجودگی میں مغل حکام انگریز تاجروں کے مال کی پڑتال کیے بغیر اس کی نقل و حرکت کی اجازت دے دیتے۔

مرشد قلی خان بہت مشہور مال افسر تھا۔ اس نے جبر و تشدد پہ مبنی بدعنوان مالیاتی نظام کے ذریعے بنگال کے محاصل میں اضافہ کیا اور اسے بڑی مستعدی سے دہلی روانہ کرتا رہا۔ اس نے صوبے کو "چکلوں" میں تقسیم کیا۔ ہر چکلے میں اس نے خود مالیہ جمع کرنے والے حکام مقرر کیے۔ بعد میں یہ حکام اس منصب کو موروثی بنانے میں کامیاب ہو گئے اور "زمینداری راجہ" کہلانے لگے۔

(7) اورنگ زیب کے جانشین

پانی پت کی جنگ اور مغل اقتدار کا خاتمہ

(1707ء-1761ء)

1707ء-1712ء: بہادر شاہ

اورنگ زیب کے بعد اس کا جانشین شہزادہ معظم بنا کیونکہ بظاہر وہی اس کا وارث تھا۔ معظم نے بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ شہزادہ عظیم، اورنگ زیب کا دوسرا بیٹا اور شہزادہ کام بخش تیسرا بیٹا--- تخت کے دعویدار بنے۔ انہوں نے معظم کے خلاف بغاوت کی لیکن شکست سے دوچار ہوئے۔ بہادر شاہ نے مرہٹوں کے خلاف اپنی توانائیاں مجتمع کیں۔ مرہٹہ سرداروں کے اختلافات کو آنچ دی اور بالآخر ان پر "ناپسندیدہ معاہدہ" مسلط کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

1709ء: اس نے راجپوت ریاستوں، اودھے پور، مارواڑ اور جے پور کے ساتھ معاہدے کیے اور تعلقات خوشگوار بنائے۔

1711ء: بہادر شاہ نے سکھوں کے خلاف مہم کو تیز کیا اور انہیں پنجاب سے دھکیل کر پہاڑوں میں جا چھپنے پر مجبور کیا۔ سکھ--- وحدانیت پر یقین رکھنے والے ہندوؤں کا مذہبی گروہ تھا۔ اس جماعت کو اکبر کے دور میں فروغ حاصل ہوا۔ اس کے بانی کا نام "نانک" تھا۔ یہ جماعت ایک مذہبی سلسلے میں تبدیل ہوگئی جس کے روحانی پیشوا "گرو" تھے۔ یہ لوگ خاموشی سے کام کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں نے انہیں اذیتیں دینا شروع کر دیں اور 1606ء میں ان کے مذہبی پیشوا "گرو" کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ متعصب ہوگئے اور ہر مسلمان سے نفرت کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے مشہور گرو، گوبند سنگھ کی قیادت میں عسکری قوت تشکیل دی اور پنجاب میں تباہی مچا دی۔

1712ء: بہادر شاہ، 71 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ بے تحاشا خون ریزی اور تصادم کے بعد اس کا ضعیف العقل بیٹا جہاندار شاہ تخت نشین ہوا۔

1712-1713ء: جہاندار شاہ نے ذوالفقار خان کو اپنا وزیر بنایا۔ ادنیٰ لوگوں کو ایسے منصب دیئے جو پہلے طبقہ امراء کے پاس تھے۔

جہاندار شاہ کے بھتیجے، فرخ سیر نے بنگال میں بغاوت کر دی اور دہلی کا رخ کیا۔ آگرہ کے قریب شاہی فوج کو شکست دی اور جہاندار شاہ اور ذوالفقار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

1713ء-1719ء: فرخ سیر

فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد امراء میں اس کے دو بڑے حلیفوں سید عبداللہ اور سید حسین نے اسے مجبور کیا کہ وہ انہیں دربار میں اعلیٰ مناصب دے لیکن وہ ان سے خوفزدہ تھا۔ حسین دکن چلا گیا جہاں گورنر داؤد نے شہنشاہ کے خفیہ اشارے پر اس کا راستہ روکنا چاہا لیکن کامیابی کے مرحلہ پر مارا گیا۔ اب حسین نے مرہٹوں کے ساتھ جنگ چھیڑی لیکن کچھ حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ بالآخر نوجوان راجہ ساہو سے

معاہدۂ امن کر لیا۔ فرخ سیر نے اس معاہدہ کو ہتک آمیز قرار دے کر قبول نہ کیا۔

1715ء: انگریز تاجروں کا ایک وفد مرشد قلی خان کے خلاف شکایت لے کر شہنشاہ فرخ سیر کے پاس دہلی آیا۔ وفد میں سرجن ہملٹن بھی تھا جس نے مغل شہنشاہ کا علاج کیا۔ صحت یابی پر انعام کے طور پر انگریزوں کو مراعات دیں۔

1719ء: خطرے میں گھرے سید عبداللہ نے حسین کو دکن سے بلایا۔ حسین نے قلعہ معلی میں اپنے ہاتھوں سے فرخ سیر کو قتل کیا۔ شہنشاہ کے قتل کے بعد پہلے دو ماہ میں باغی امراء نے دو کمسن شہزادوں کو تخت پر بٹھایا اور پھر معزول کر دیا، پھر شاہی خاندان کے ایک فرد محمد شاہ کو مستقل حکمران بنا دیا۔

1719ء-1748ء: محمد شاہ

1719ء: محمد شاہ کی تخت نشینی پر متعدد مقامات پہ بغاوتیں بھڑک اٹھیں۔

1720ء: مالوہ کے گورنر آصف جاہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس کا اصل نام چن قلیچ خان تھا۔ وہ اورنگ زیب کے ایک پسندیدہ منصب دار، ترک امیر غازی الدین کا بیٹا تھا۔ اسے پہلے دکن اور پھر مالوہ کا گورنر بنایا گیا۔ اسے نظام الملک بھی کہتے تھے۔ اسی کی اولاد نے نظام دکن کے خطاب سے حکومت کی۔ آصف جاہ نے سید عبداللہ اور سید حسین کی قیادت میں آنے والی فوج کو برہان پور اور بالاپور میں شکست دی۔ مغل شہنشاہ ان دونوں سیدوں سے خوفزدہ تھا۔ اس نے آصف جاہ کو اپنا وزیر بنالیا لیکن یہ شہنشاہ کے لیے تکلیف دہ آدمی ثابت ہوا۔

آصف جاہ 1723ء (الفنسٹن کے مطابق 1724ء میں) واپس دکن چلا گیا۔ سید حسین ایک قلموق کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ (شہنشاہ کے حکم پر ہی ایسا ہوا ہو گا) سید عبداللہ نے نیا شہنشاہ تخت نشین کرنے کی کوشش

کی لیکن ناکام ہوا اور قید کر دیا گیا۔ انہی دنوں راجپوتوں نے مغلوں سے گجرات چھین لیا۔

شہنشاہ محمد شاہ نے 1725ء میں حیدر آباد کے گورنر مبارز کو اشارہ دیا کہ آصف جاہ کے خلاف کارروائی کرے۔ آصف جاہ نے مبارز کو شکست دے کر قتل کر دیا اور اس کا سر دہلی بھجوا دیا۔

1720ء: بالاجی وشواناتھ مر گیا۔ وہ راجہ ساہو کا وزیر تھا۔ اسی نے مرہٹہ سلطنت کو مستحکم کیا تھا اور وہی پہلا پیشوا تھا۔ پیشوا کا خطاب مرہٹوں کے راجہ اپنے وزیر کو دیا کرتے تھے۔ بعد میں پیشوا اصل اختیارات کے مالک بن گئے اور شاہی خاندان خاموشی سے ستارا میں مقیم ہو گیا۔ اپنی اہمیت گنوانے کے بعد مرہٹہ شاہی خاندان کے وارث محض راجہ ستارا بن کر رہ گئے۔ بالاجی وشواناتھ کے بعد پیشوا کا منصب تند و تیز بیٹے باجی راؤ کے پاس آیا۔ یہ پیشوا سب سے زیادہ قابل اور مرہٹوں کو عظمت دلانے والا شیواجی تھا۔ اس نے راجہ ساہو کو مشورہ دیا کہ خود بڑھ کر مغلیہ سلطنت پر ضرب لگائی جائے۔ ساہو نے تمام اختیارات اس کو دے دیئے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے مالوہ کو تباہی سے دوچار کیا۔

1722ء: باجی راؤ نے حیدر آباد پر حملہ کیا۔ ان دنوں وہاں گورنر آصف جاہ تھا۔ آصف جاہ کو شکست دی اور پھر گجرات کو تاخت و تاراج کیا۔ (الفنسٹن کے مطابق: 1727ء)

اس دور کے مرہٹہ فوج کے کمانڈر اودے جی پوار، ملہار ہولکر اور راناجی سندھیہ دکن کے تین مشہور خاندانوں کے بانی تھے۔

1733ء: آصف جاہ اور باجی راؤ کے درمیان باہمی تعاون کے لیے خفیہ معاہدہ ہوا۔ (برگیز کے مطابق یہ 1731ء کا سن تھا)

1734ء: مرہٹوں نے مالوہ اور بندیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا۔ شہنشاہ نے مفتوحہ علاقے باقاعدہ ان کے حوالے کر دیئے اور آصف جاہ کے علاقوں سے "چاوتھ"

وصول کرنے کا اختیار دے دیا۔ آصف جاہ اور باجی راؤ کے درمیان معاہدہ ٹوٹ گیا۔ آصف جاہ نے دوبارہ مغل شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔

1737ء: باجی راؤ نے جمنا تک کا علاقہ روند ڈالا اور اچانک دہلی تک پہنچ گیا۔ لیکن دہلی پہ حملہ کیے بغیر واپس چلا گیا۔ آصف جاہ نے اس کے خلاف لشکر کشی کی لیکن قلعہ بھوپال کے قریب ہزیمت اٹھانے کے بعد نربدا اور چنبل کے درمیان کا تمام علاقہ مرہٹوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد مرہٹے شمال میں خود کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

1739-1740ء: ہندوستان پہ نادر شاہ نے حملہ کر دیا۔ وہ بنیادی طور پر ایک لٹیرا تھا۔ اس نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ جلاوطن شاہ ایران طہماسپ کی ملازمت کر لی۔ طہماسپ کو غلجیوں نے اپنے دارالحکومت سے نکال دیا تھا۔ نادر نے طہماسپ کو تاج و تخت واپس دلانے میں مدد دی، لیکن پھر اسے ہٹا کر خود بادشاہ بن گیا۔ اس نے قندھار اور کابل کو فتح کیا اور پھر ہندوستان میں داخل ہو گیا۔

1739ء: نادر شاہ نے لاہور کو فتح کیا اور پھر کرنال کے مقام پر مغل شہنشاہ محمد شاہ کو شکست دی۔ شہنشاہ نے اطاعت کر لی اور نادر کے ساتھ دہلی آ گیا۔ ہندوؤں نے دہلی میں بہت سے ایرانیوں کو قتل کر دیا، چنانچہ نادر کی طرف سے ہندوؤں کا خوفناک قتل عام عمل میں لایا گیا۔ نادر شاہ نے ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران زبردست حرص و ہوس اور جبر و تشدد کا مظاہرہ کیا۔

1740ء: نادر شاہ خزانے سے مالا مال وطن واپس روانہ ہوا اور اپنے پیچھے مغلیہ سلطنت کو اپنے انجام کی طرف لڑھکتا ہوا چھوڑ گیا۔ اس برس مرہٹوں نے اپنے حملوں کا نیا سلسلہ شروع کر دیا۔ پیشوا باجی راؤ مر گیا اور اس کی مسند پر اس کا بیٹا بالاجی راؤ بیٹھا۔

1743ء: بالاجی راؤ نے مالوہ پر چڑھائی کر دی اور دہلی دربار کو اپنے نئے مطالبات بھجوا دیئے۔ شہنشاہ نے اسے مالوہ دے دیا۔ مالوہ پہ رگھوجی خان کی حکومت تھی جس نے مغلوں سے سرکشی اختیار کر لی تھی۔

1744ء: بالاجی نے رگھوجی کو شکست دی۔ اسے مالوہ سے بھگا دیا اور خود ستارا واپس آ گیا۔

1744ء: احمد خان درانی کا پہلا حملہ۔ نادر شاہ قتل ہو گیا۔ افغان قبیلے ابدالی یا درانی (بعد میں اسے درانی کہا گیا) نے احمد خان کی سرکردگی میں پنجاب پہ قبضہ کر لیا۔ اسے مغل شہنشاہ محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ نے شکست دی۔

1748ء: آصف جاہ (نظام الملک) مر گیا۔ اسی سال مغل بادشاہ محمد شاہ بھی فوت ہو گیا۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا احمد شاہ بنا۔

1749ء: راجہ ساہو مر گیا۔ بالاجی نے مرہٹوں کا بادشاہ راجہ رام کو بنایا۔ یہ بڑے راجہ رام اور اس کی بیوی تارابائی کا پوتا تھا۔

1748ء-1754ء: احمد شاہ

مغل شہنشاہ احمد شاہ اور روہیلوں کے درمیان جلد ہی چپقلش شروع ہو گئی۔ روہیلے، اودھ کے مضافات میں رہنے والے افغان تھے۔ روہیلے بظاہر ابتداء میں کابل سے نقل مکانی کر کے شمال مغربی ہمالیائی کوہستانی علاقے میں آباد ہوئے۔ پھر سترہویں صدی کے آخر میں دہلی کے شمال مشرقی علاقے (دریائے گھاگھرا اور گنگا کا درمیانی علاقہ جسے انہوں نے روہیل کھنڈ کا نام دیا) میں منتقل ہو گئے۔ مغل شہنشاہ روہیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ الٰہ آباد میں داخل ہو گئے۔ مغل وزیر صفدر جنگ نے مرہٹوں کو مدد کے لیے بلایا۔ مرہٹوں نے روہیلوں کو پسپا کر دیا۔ اس خدمت کے عوضانے میں دہلی حکومت نے مرہٹہ سرداروں سندھیہ اور ہولکر کو جاگیریں بخش دیں۔

1753ء: احمد خان درانی کا پنجاب پر دوسرا حملہ۔ پنجاب خاموشی سے اس کے

حوالے کر دیا گیا۔ احمد خان نے شاہ کا لقب اختیار کر لیا۔

1754ء: غازی الدین...... آصف جاہ کے بڑے بیٹے کا بیٹا تھا۔ مغل شہنشاہ کے ساتھ اس کی لڑائی ہوگئی۔ اس نے مغل شہنشاہ، احمد شاہ کو گرفتار کر کے اس کی آنکھیں نکال دیں اور پھر معزول کر کے ایک مغل شہزادے کو عالمگیر ثانی کے خطاب کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا۔ اورنگ زیب خود کو عالمگیر کہتا تھا۔

1754ء-1759ء: عالمگیر ثانی

غازی الدین، عالمگیر ثانی کا وزیر بن گیا اور سبھی اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اسے لوگوں نے قتل کرنے کی بہت سی کوششیں کیں لیکن یہ بچ نکلتا رہا۔

1756ء: احمد شاہ درانی (ابدالی) نے جب دہلی پہ قبضہ کیا اور جاتے ہوئے جس شخص کو پنجاب کا گورنر بنایا اس کے بیٹے کو غازی الدین نے دھوکے سے گرفتار کر لیا۔

1757ء: احمد شاہ درانی کے واپس جاتے ہی غازی الدین نے مرہٹوں کو بلایا اور ان کی مدد سے دہلی پہ پھر قبضہ کر لیا۔

1758ء: رگھوبا، مرہٹہ سردار نے احمد شاہ درانی سے پنجاب چھین لیا اور تمام ہندوستان کو مرہٹہ اقتدار کے تحت لانے کے لیے غازی الدین سے مل کر سازشیں شروع کر دیں۔

1759ء: غازی الدین نے عالمگیر ثانی کو قتل کر دیا۔ مغل خاندان کا یہ آخری حکمران تھا جس کے پاس واقعتاً کچھ اختیار و اقتدار موجود رہا۔

1760ء: ساداشیو بھاؤ، مرہٹہ سردار، پیشوا کی فوجوں کا کمانڈر تھا۔ اس نے بھرپور تیاری کے ساتھ دہلی پہ حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ افغان روہیلوں نے احمد شاہ درانی کی قیادت میں شدید بارشوں کے موسم کے باوجود دریائے جمنا کو عبور کیا اور مرہٹوں کے مقابلے پر اتر آئے۔ ساداشیو بھاؤ

پانی پت میں خم ٹھونک کر کھڑا ہوگیا۔ حملہ آوروں کے دو دیوہیکل لشکر ہندوستان کے دارالحکومت پر قبضہ کے لیے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

6 جنوری 1761ء: پانی پت کی تیسری جنگ شروع ہوگئی۔ اس روز مرہٹہ سرداروں نے ساداشیو بھاؤ کو مطلع کیا تھا کہ فوراً طبل جنگ بجا دو، ورنہ مرہٹہ سپاہی منتشر ہو جائیں گے۔ تب تک دونوں فوجیں اپنی مستحکم لشکر گاہوں میں رہ کر ایک دوسرے کو مسلسل ہراساں کر رہی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کی رسد کاٹ دی تھی۔ مرہٹے قحط اور بیماریوں سے پریشان تھے۔ ساداشیو نے یلغار کا حکم دیا اور غضب ناک تصادم شروع ہوگیا۔ مرہٹے بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہے اور شاید کامیاب بھی ہو جاتے لیکن احمد شاہ درانی نے اپنی حکمت عملی بدلی۔ اپنے لشکر کے قلب کو سامنے رہنے اور بائیں حصہ (میمنہ) کو مرہٹوں کے پہلو سے گزر کر ان کے عقب میں حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ روہیلے، مرہٹوں کے عقب میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ اقدام فیصلہ کن ثابت ہوا۔ مرہٹے بدحواس ہو کر بھاگ اٹھے۔ ان کی فوج تقریباً نابود ہو کر رہ گئی۔ وہ دو لاکھ کے قریب لاشیں چھوڑ کر میدان سے فرار ہوئے تھے۔ ان کا بچا کھچا لشکر پسپا ہوتے ہوئے نربدا میں جا رکا۔ احمد شاہ درانی کی فوج بھی نڈھال ہو چکی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کامیابی کا ثمر سمیٹنے کی بجائے واپس پنجاب کی راہ لی۔

دہلی میں بے سروسامانی کا عالم تھا۔ کوئی حکومت سنبھالنے والا نہیں تھا۔ اردگرد کی تمام حکومتیں بھی منتشر ہو چکی تھیں۔ مرہٹے اس شکست کے بعد پھر کبھی نہ سنبھل سکے۔

پانی پت کی جنگ کے بعد ہندوستان کی حالت

مغل سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ محض نام کا شہنشاہ، علی گوہر، بہار میں بھٹک رہا تھا۔ مرہٹوں کا پیشوا، بالاجی راؤ شکست کا صدمہ نہ برداشت کر سکا اور مر گیا۔ مرہٹہ سلطنت چار سرداروں میں تقسیم ہو گئی۔ گجرات میں گائیکواڑ، ناگپور میں راجہ بھونسلے اور جنوب میں ہولکر اور سندھیہ نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حیدر آباد کا نظام خود مختار حکمران بن گیا لیکن اس کا اقتدار مسلسل نقصانات اور فرانسیسیوں کے ذریعے اپنے تحفظ کی پالیسی کے نتیجہ میں کمزور اور مفلوج ہو کر رہ گیا۔

1761ء --- یعنی پانی پت کی لڑائی کے سال میں انگریزوں نے فرانسیسیوں کو جنوبی ہندوستان سے نکال دیا۔ 16 جنوری 1761ء کو فرانسیسیوں نے پانڈی چری بھی خالی کر دیا جس کا محاصرہ انگریزوں نے کر رکھا تھا۔ پانڈی چری کا قلعہ مسمار کر دیا گیا۔ اس طرح ہندوستان میں ہر قسم کے فرانسیسی آثار مٹا دیئے گئے۔ کرناٹک کا نواب، مدراس کے انگریز گورنر کی خوشنودی کا محتاج ہو کر رہ گیا۔ اودھ کے نواب نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس کے پاس وسیع علاقہ اور اعلیٰ فوج تھی۔ جنگجو راجپوت بکھرے ہوئے تھے۔ متحدہ راجپوت ریاست کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ جاٹ اور روہیلے قوت کی علامتیں بن گئے اور انھوں نے بعدازاں ہندوستانی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حیدر علی جس سے جلد ہی انگریز ٹکرائے، میسور میں ایک بڑی قوت تھا۔ اس تمام تر منظر میں انگریز بلاشبہ ہندوستان میں عظیم ترین طاقت تھے۔ انگریزوں نے دو بڑے علاقوں میں اپنے وفادار حکمران مقرر کر رکھے تھے۔ ان میں سے ایک بنگال، بہار اور اڑیسہ کی صوبیداری اور دوسری کرناٹک کی نوابی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ان کے حلیف نظام علی نے اپنے بھائی کو گرفتار کر لیا۔ وہ دکن کا صوبیدار تھا۔ اسے اقتدار سے ہٹا کر تمام جنوبی ہندوستان انگریزوں کی عملداری میں دے دیا گیا۔

ہندوستان پہ بیرونی حملے

331 قبل مسیح

ایرانی شہنشاہ دارا کو سکندر مقدونی کے ہاتھوں کردستان کے پہاڑوں کے قریب اربیلا کی جنگ میں حتمی شکست ہوئی۔

237 قبل مسیح

سکندر نے افغانستان فتح کیا اور پھر دریائے سندھ عبور کر کے ٹیکسلا کے علاقے میں داخل ہوا۔ اس کے حکمران نے راجہ پورس یا پورو کے خلاف سکندر سے اتحاد کر لیا۔ راجہ پورس قنوج میں رہ کر پورے ہندوستان پر حکمرانی کرتا تھا۔

237 قبل مسیح

سکندر کو دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر راجہ پورس کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ گھمسان کے رن کے بعد ہندو شکست سے دوچار ہو گئے۔ فتح کے باوجود سکندر کی فوج ہندوستان میں مزید آگے نہ بڑھی، چنانچہ درخت کاٹ کر ان کے تنوں

کے بیڑے بنائے گئے اور پوری فوج دریائے جہلم کے ذریعے دریائے سندھ میں پہنچی اور پھر راستے میں متعدد مقامات پر شدید تصادم کے بعد دریائے سندھ کے دہانے پر پہنچی- یہاں سکندر نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا- ایک حصہ کو خلیج فارس کے راستے واپس جانے کا حکم دے کر خود خشکی کے ذریعے دوسرے حصے کو لے کر ایران کی طرف بڑھا- ہندوستان پر یہ بیرونی حملہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے آخری ثابت ہوا-

یہ اقتباس الفنسٹن کی کتاب سے لیا گیا ہے- ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان پہ یوشی، ساسانیوں، ہنوں اور دیگر قبائل کے حملوں سے آگاہ نہیں تھا جو چوتھی صدی قبل مسیح سے لے کر ساتویں صدیق عیسوی کے دوران کیے گئے)

ہندوستان کی پرانی ریاستوں سے بنگال کی ریاست 1203 عیسوی میں غوری خاندان (شہاب الدین) نے تباہ کی-

مالوہ کی ریاست کا خاتمہ 1231ء میں مسلمان بادشاہ شمس الدین التمش نے کیا- یہ دہلی کے غلام بادشاہوں میں سے ایک تھا-

گجرات کی ریاست مسلمان بادشاہ علاؤ الدین خلجی نے 1297ء میں ختم کی- ایک روایت کے مطابق اس ریاست کی بنیاد کرشن نے رکھی تھی-

قنوج کی ریاست 1017ء میں محمود غزنوی کے حملے کے وقت بہت امیر تھی- محمود نے اس کے دارالحکومت پر قبضہ کیا- یہ ریاست 1193ء میں غوری خاندان کے بادشاہ غیاث الدین نے تحلیل کی- حکمران راجکمار شیواج، جودھ پور (مارواڑ) کی طرف بھاگ گیا اور وہاں ایک راجپوت ریاست تشکیل دے دی، جو بعد میں خوشحال ترین ریاستوں میں سے ایک بن گئی-

دہلی کی چھوٹی سی ریاست 1050ء میں اجمیر کے بادشاہ وشال نے فتح کرلی- یہ ان دنوں زیادہ اہم نہیں تھی-

اجمیر کی ریاست اور اس کی ماتحت دہلی کی ریاست، مسلمان غوری خاندان کے بادشاہ غیاث الدین نے 1192ء میں مسخر کرلیں- پرانی ریاستیں میواڑ، جیسلمیر اور جے

پور برقرار رکھیں- میواڑ خاندان ہندوستان میں قدیم ترین حکمران خاندان ہے- سندھ مسلمانوں نے اس پر حملہ کیا لیکن سومرا قبیلے کے راجپوت سردار نے انہیں مار کر بھگایا-

کشمیر کی ریاست 1015ء میں محمود غزنوی کے ہاتھوں انجام کو پہنچی- مگدھا کی ریاست بہت دلچسپ تھی- اس کے بدھ راجاؤں نے اپنی سرحدوں کو خوب پھیلایا- ان کا تعلق کئی برس تک کھشتری طبقہ سے رہا- پھر شودر طبقہ کا ایک فرد چندر گپت، راجہ کو قتل کر کے خود حکمران بن گیا- (منو کی چار ذاتوں یا طبقوں میں شودر کمترین اور ملازمت پیشہ تھے) چندر گپت، سکندر کے دور تک زندہ رہا- بعد ازاں تین شودر حکمران خاندان برسر اقتدار آئے اور بالآخر "آندھرا" نامی حکمران کے ساتھ 436ء میں ختم ہوگئے- مالوہ کے راجاؤں میں ایک بکراجیت تھا- ہندو کیلنڈر اسی کے دور حکومت کے حوالے سے مرتب کیا گیا- 58 قبل مسیح میں وہ برسر اقتدار تھا-

دکن کی قدیم ریاستیں

دکن میں پانچ زبانیں بولی جاتی ہیں-

(1) تامل: دراوڑی علاقے کی زبان ہے- یہ علاقہ انتہائی جنوب میں واقع ہے، جسے بنگلور سے گھاٹوں کے ساتھ کالی کٹ تک کی سرحد الگ کرتی ہے-

(2) کنٹر: یہ تیلگو کے علاقہ کی ایک مخصوص مقامی زبان ہے جو جنوبی اور شمالی کنٹر میں رائج ہے-

(3) تیلگو: یہ میسور اور شمالی مضافات میں مستعمل ہے-

(4) مراٹھی: یہ دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور شمال میں ست پورہ کے پہاڑی علاقے، جنوب میں تیلگو علاقے تیلنگانہ، مشرق میں دریائے واردھا اور مغرب میں کوہستانی علاقے تک بولی جاتی ہے-

یہاں 35 کیسری راجہ ایک خاندان سے برسر اقتدار آئے یہاں تک کہ گنگاونسی خاندان نے کیسری راجاؤں کی جگہ لے لی۔ یہ خاندان 1550ء میں سلیم شاہ سوری کے ہاتھوں اقتدار سے محروم ہوا۔ پانچوں صدی عیسوی میں ہندوستان کے لوگ غیر ملکیوں کو "یاونا" کہتے تھے۔ یہ واضح نہیں کہ اس سے مراد خاص طور پر کون لوگ تھے۔ اڑیسہ کی تسخیر کی پہلی مستند تاریخ اشوک کا حملہ ہے جس نے اندازاً 270 سے 232 قبل مسیح تک حکومت کی)

آخر میں یونانی مورخ کے حوالے سے دو ریاستوں کا تذکرہ ہے۔ یونانی مورخ پیری پلس نے دو عظیم شہروں کا ذکر کیا ہے جو ساحل پہ واقع اہم تجارتی منڈیاں تھے۔ اس نے ان کے نام ناگرہ اور پلیتھانہ لکھے ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی تفصیل میسر نہیں ہے۔ ممکنہ طور پر یہ دریائے گوداوری کے نزدیک تھے۔

قدیم ہندوستان میں "ہستنا پورم" نامی چھوٹی سی ریاست تھی۔ جو "مہابھارت" جنگ کا سبب بنی۔ قدیم مذہبی شہر متھرا اور پنچالا ہیں۔

ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ

(1) بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی
(1725ء—1755ء)

مغل شہنشاہ محمد شاہ
(1719ء-1748ء)

احمد شاہ
(1748ء-1754ء)

1725ء: بنگال، بہار اور اڑیسہ کے صوبیدار اور دیوان، مرشد قلی خان کی موت کے بعد اس کے بیٹے شجاع الدین کو بنگال اور اڑیسہ کا منصب دے دیا گیا۔

1726ء: دریائے ہگلی کے راستے تجارت کرنے والوں میں انگریزوں نے کلکتہ

فرانسیسیوں نے چندر نگر، ڈلندیزوں نے چنسوراہ جرمن بادشاہ کی اوسٹینڈ ایسٹ انڈیا کمپنی نے بانکی زیر کے مقامات پر اپنی فیکٹریاں لگا رکھی تھیں- دوسری کمپنیوں نے اتحاد کر کے بنگال سے ان تاجروں کو نکال دیا جو اپنی مرضی سے تجارت کر رہے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے تھے- اسی برس (جارج اول کے دور میں) میئرز کورٹس تشکیل دی گئیں- یہ ہر پریذیڈنسی میں قائم ہوئیں- (آگے چل کر اس کی مزید تفصیلات دی جائیں گی)

1730ء: انگلستان میں آزاد تجارت کے اصولوں پر ایک نئی سوسائٹی وجود میں آئی- اس نے پارلیمنٹ سے درخواست کی کہ اسے ہندوستان کی تجارت کا استحقاق دیا جائے- ادھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی اجارہ داری میں توسیع کے لیے استدعا کر دی کیونکہ سابقہ چارٹر کا معین عرصہ ختم ہو گیا تھا- پارلیمنٹ میں زبردست بحث ہوئی- پرانی کمپنی جیت گئی- اسے 1766ء تک از سر نو استحقاق مل گیا-

1740ء: صوبیدار شجاع الدین وفات پا گیا- اس کی جگہ علی وردی خان کو بہار کا گورنر بنایا گیا- اس نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تینوں صوبوں کو دوبارہ متحد کر دیا- (برگیز اسے 1739ء کا واقعہ قرار دیتا ہے)

1741ء: علی وردی خان کے خلاف مرہٹوں نے یورش کی اور مرشد آباد کی فیکٹری لوٹ لی-

1742ء: انگریزوں نے علی وردی خان سے اجازت لے کر مشہور "مرہٹہ خندق" کھودی-

1751ء: علی وردی خان نے مرہٹوں سے سودے بازی کر لی، چنانچہ وہ دکن سے واپس چلے گئے- اس کے بعد ہگلی کے کنارے برطانوی نو آبادیوں میں 1755ء تک مسلسل امن رہا-

کرناٹک میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جنگ

(1744ء---1760ء)

1744ء: یورپ میں انگلستان اور فرانس کے درمیان بڑے پیمانے پر جنگ چھڑ گئی- مدراس پریذیڈنسی میں انگریز سپاہیوں کی تعداد صرف چھ سو تھی- پانڈی چری اور ہی ڈی فرانس میں لیبر ڈونائیس کی قیادت میں موجود فرانسیسی سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی- (ہی ڈی فرانس، ماریشس کا پرانا نام)

20 ستمبر 1746ء: لیبر ڈونائیس نے مدراس پر قبضہ کر لیا- اس نے نہ تو کسی انگریز تاجر کو گرفتار کیا اور نہ ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچایا- اس اقدام پر اس کا حریف پانڈی چری کا گورنر ڈوپلے مشتعل ہو گیا- (ڈوپلے فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کا بیٹا تھا) اسے 1730ء میں دریائے ہگلی کے کنارے چندرنگر میں ایک بڑی فرنچ فیکٹری کا گورنر اور پھر 1742ء میں پانڈی چری کا گورنر بنایا گیا- لیبر ڈونائنس کے ساتھ اس کی دشمنی ہندوستان میں فرانسیسیوں کے زوال کا سبب بنی-

لیبر ڈونائیس کی کمان میں دیا جانے والا، فرانسیسی بحری بیڑہ ایک طوفان میں تباہ ہو گیا- ڈوپلے نے اسے کوئی مدد نہ بھیجی- لیبر ڈونائیس کو انگریزوں کے ساتھ اس کی دشمنی ہندوستان میں فرانسیسیوں کے زوال کا سبب بنی-

لابیر ڈونائیس کی کمان میں دیا جانے والا فرانسیسی بحری بیڑہ ایک طوفان میں تباہ ہو گیا- ڈوپلے نے اسے کوئی مدد نہ بھیجی- لیبر ڈونائیس کو انگریزوں نے قید کر لیا- فرانس واپس

جانے کے بعد وہ 1479ء میں بیٹائل میں مرگیا- (اسے 1735ء میں ہی ڈی فرانس اور بوربون (متحدہ علاقے کا پرانا نام) کا گورنر بنا کر بھیجا گیا- مدت پوری ہونے پر اسے نو بحری جہازوں کا ایک بیڑہ دے کر 1741ء میں ہندوستان میں انگریزوں کی تجارت تباہ کرنے کی مہم سونپی گئی- 1744ء میں اعلان جنگ ہونے کے بعد وہ جنوب میں فرانسیسی کمان سنبھالنے کے لیے روانہ ہوگیا تھا)

1746ء: دکن میں مختلف فریقوں کی صورت حال- مغل شہنشاہ (محمد شاہ) کے دور 1719ء--- 1748ء میں آصف جاہ (نظام الملک) دکن کا صوبیدار تھا- اسی نے حیدر آباد میں نظام خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی- اسی کی بدولت انوارالدین 1740ء میں کرناٹک کا نواب بنا- کرناٹک کا موروثی نواب کمسن تھا چنانچہ آصف جاہ نے انوار الدین کو اس کا سرپرست مقرر کر دیا- کرناٹک کے سابق نواب دوست علی کی بیٹی سے شادی کرنے پر چندر صاحب ٹریکینو پالی کا گورنر بن گیا- اسے وہاں سے مرہٹوں نے 1741ء میں مار بھگایا اور وہ مدراس میں فرانسیسیوں کی پناہ میں آگیا-

کرناٹک کے نواب انوار الدین نے 1746ء میں دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدراس پر حملہ کر دیا- وہاں ڈوپلے فرانسیسیوں کا سربراہ تھا- نواب کو ڈوپلے نے ایک ہزار فرانسیسی سپاہیوں کی معمولی تعداد کے باوجود پسپا ہونے پر مجبور کر دیا- ڈوپلے نے شہر میں لوٹ مار مچا دی- انگریزوں کی بہت سی فیکٹریوں کو نذر آتش کر دیا- اور ممتاز انگریز مکینوں کو پانڈی چری بھجوا دیا-

19 دسمبر 1746ء: ڈوپلے نے 1700ء سپاہیوں کے ساتھ مدراس سے 12 میل جنوب میں واقع سینٹ ڈیوڈ کے قلعہ پر حملہ کر دیا- (یہاں انگریزوں کے 200 سپاہی مقیم تھے) لیکن انوار الدین نے قلعہ کا

محاصرہ کرنے والی فرانسیسی فوج پر حملہ کر کے اسے واپس پانڈی چری جانے پر مجبور کر دیا-

1747ء: ڈوپلے، انوار الدین کو اپنا حلیف بنانے میں کامیاب ہوگیا- اس نے مارچ میں پھر سینٹ ڈیوڈ کے قلعہ پر حملہ کر دیا لیکن اس دوران انگریزی بحری بیڑہ کیپٹن پیٹن کی قیادت میں وہاں پہنچ گیا ڈوپلے کو ایک بار پھر ناکام لوٹنا پڑا- پیٹن نے قلعہ میں اضافہ نفری تعینات کر دی-

جون 1746ء: انگلستان سے ایڈمرل بوسکاوین اور گرفن بحری بیڑہ لے کر مدراس پہنچ گئے- اب جنوب میں انگریز فوج کی تعداد 4 ہزار ہوگئی- انگریزوں نے پانڈی چری کا محاصرہ کیا لیکن انہیں خالی ہاتھ واپس جانا پڑا-

14 اکتوبر 1748ء: آکن معاہدہ امن کی اطلاع ملنے پر ڈوپلے نے مدراس انگریزوں کے حوالے کر دیا- تنجور کے مرہٹہ راجکمار ساہوجی (شیوا جی کے باپ) نے اپنے چھوٹے بھائی پرتاپ سنگھ کے خلاف انگریزوں کی حمایت حاصل کر لی- پرتاپ سنگھ نے ساہو جی سے اقتدار چھین لیا تھا اور دیوی کوٹا کے مقام پر اپنی طاقت مستحکم کیے ہوئے تھا-

1747ء: ساہو جی نے انگریزوں سے وعدہ کر رکھا تھا کہ کامیابی کی صورت میں وہ دیوی کوٹا ان کے حوالے کر دے گا- میجر لارنس نے اپنے ماتحت کلائیو کے ساتھ حملہ کر کے مذکورہ علاقہ فتح کر لیا چنانچہ دیوی کوٹا انگریزوں کی تحویل میں آگیا، لیکن پرتاپ سنگھ نے اپنے حصے کے لیے بالآخر ساہو جی کو مجبور کر دیا اور وہ 50 ہزار روپے سالانہ وظیفے کے وعدہ پر دیوی کوٹا سے دستبردار ہوگیا-

1748ء: دکن کے صوبیدار نظام الملک کی موت پر اس کا بیٹا نذیر جنگ جانشین بنا لیکن اس کے ایک بڑے بھائی کے بیٹے مظفر جنگ نے دعویٰ کر دیا، چنانچہ دونوں کے درمیان جانشینی کی جنگ چھڑ گئی-

1749ء: انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان نئی جنگ، مظفر جنگ نے فرانسیسیوں کا رخ کیا اور ان کی مدد لینے میں کامیاب ہو گیا۔ چندر صاحب نے بھی اس سے اتحاد کر لیا۔ مظفر جنگ نے چندر صاحب کو صوبیداری کے حصول میں مدد کے عوض ارکاٹ کا نواب بنانے کا وعدہ کیا۔ دوسری طرف سے نذیر جنگ (نظام دکن) نے انگریزوں اور نواب کرناٹک انوار الدین سے اتحاد کر لیا۔ انوار الدین پہلی جھڑپ کے دوران ہی مارا گیا۔ اس کے سپاہی ٹریکنیو پالی کو بھاگ گئے۔ ادھر فرانسیسی فوج میں تنخواہوں کی ادائیگی کے مسئلہ پر بغاوت ہو گئی۔ ڈوپلے مشکل میں پھنس گیا، نذیر جنگ نے پیش قدمی کی۔ مظفر جنگ کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ چندر صاحب نے مایوسی کے عالم میں پانڈی چری کا رخ کر لیا۔ کامیابی کے بعد نذیر جنگ نے ارکاٹ میں جشن فتح منایا اور انگریز مدراس کو پلٹ گئے۔

1750ء: انوار الدین کے بعد اس کا بیٹا محمد علی کرناٹک کا نواب بنا۔ یہ شخص انگریزوں کی خوشنودی سے اپنے منصب کو بچانے میں کامیاب رہا۔ انگریزوں کا اطاعت شعار رہ کر وہ "کمپنی کا نواب" بن گیا۔ ڈوپلے نے اس سال جنجی، ماسولی پٹم اور تریویدی کے قلعوں پر قبضے اور محمد علی کو شکست دے کر اپنی نئی مہم کا فاتحانہ انداز میں آغاز کیا۔ ڈوپلے کے اکسانے پر نظام الدین دکن، نذیر جنگ کے ساتھی پٹھان نوابوں نے سازش کی اور نظام کو قتل کر دیا۔ نذیر جنگ کی جگہ اس کے بھتیجے مظفر جنگ نے سنبھالی اور اپنے موروثی حق کے ساتھ صوبیدار بن گیا۔ اسے فرانسیسیوں کی حمایت حاصل تھی اس نے ڈوپلے کو نواب کرناٹک اور چندر صاحب کو نواب ارکاٹ بنا دیا--- لیکن---

4 جنوری 1751ء: ریاست حیدر آباد میں اپنے خدام کی بڑی تعداد کے ساتھ سفر کے دوران انہی پٹھان نوابوں کے ہاتھوں مظفر جنگ قتل ہو گیا

جنہوں نے نذیر جنگ کو ہلاک کیا تھا۔ مظفر جنگ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، چنانچہ اب وراثت نے دکن کی صوبیداری کے خالی منصب پر نذیر جنگ کے سبب سے چھوٹے بیٹے صلابت جنگ کو بٹھا دیا۔ مظفر جنگ کے قتل کے وقت وہ قید میں تھا۔

اس دوران چندر صاحب نے ارکاٹ سے نکل کر اپنی سابقہ حکومت کے علاقے ٹریکنو پالی پر حملہ کر دیا لیکن کیپٹن کلائیو نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے ارکاٹ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ چندر صاحب کو افراتفری میں واپس آنا پڑا۔ لیکن ارکاٹ کا سات ہفتوں تک بے نتیجہ محاصرہ کیے رکھنے کے بعد ٹریکنو پالی واپس چلا گیا۔

1752ء: کلائیو نے چندر صاحب کا تعاقب کیا۔ وہاں وہ میجر لارنس اور محمد علی کے پاس رہا۔ مغرور چندر صاحب کو انگریزوں کے حلیف راجہ تنجور نے دھوکے سے قتل کرا دیا۔

1753ء: انگریزوں کے اتحادی محمد علی نے میسور کے راجہ کو ٹریکنو پالی دینے کا وعدہ کر رکھا تھا لیکن اب وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس علاقے پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ ڈوپلے نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھایا اور راجہ میسور کے ساتھ اتحاد بنا لیا اور پھر اس کے ذریعے مراری راؤ کی قیادت میں مرہٹوں کو اس اتحاد میں شامل کر لیا۔

مئی 1753ء اکتوبر 1754ء: ڈوپلے نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ ٹریکنو پالی کا محاصرہ کر لیا جہاں کلائیو اور لارنس قابض تھے۔

اس سال (جارج دوم کے دور میں) میئرز کورٹس کو مدراس میں پھر سے بحال اور فعال کیا گیا۔ یہ کورٹس 1745ء میں لیبر ڈونائیس کے مدراس پر قبضہ کے بعد سے غیر فعال تھیں۔ ان کورٹس (عدالتوں) نے یورپیوں کے ساتھ ساتھ

ہندوؤں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کو بھی (ان کی مرضی کے ساتھ) اپنے دائرہ اختیار میں لے لیا۔ ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا جو ان عدالتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔ یہ منشور پہلا واقعہ بن کر سامنے آتا ہے جو ہندوستان کے لوگوں کے اپنے حقوق کا تحفظ کرتا تھا۔

(Grady's Hindu Law of Inheritance Introduction P. XLIV)

1754ء: ڈوپلے کو فرانس میں واپس بلا لیا گیا۔ یہ ہندوستان میں فرانسیسیوں کے زوال کا ابتدائیہ بن گیا۔ 1751ء سے یورپ میں کرناٹک کے نواب کے بارے میں تنازعہ پیدا ہو چکا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کمپنی کے نواب، محمد علی کو جائز حکمران تسلیم کیا جائے یا ڈوپلے کو جسے موروثی صوبیدار نے سرکاری طور پر خود مقرر کیا تھا۔ انگلستان کی حکومت کا استدلال تھا کہ جائز حکمران محمد علی ہے کیونکہ وہ سابق نواب کا وارث ہے۔ موروثی استحقاق کو اگر کوئی تبدیلی کر سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف مغل شہنشاہ، احمد شاہ (1754ء۔ 1759ء) ڈوپلے کے دشمنوں نے فرانس میں اس کے خلاف سازش کر رکھی تھی "کیونکہ اس نے بھاری اخراجات کی بدعنوانی کی تھی۔" ڈوپلے کی جگہ گوڈہیو کا تقرر کر دیا گیا۔ (1754ء) کچھ برسوں بعد ڈوپلے فرانس میں شدید غربت کی حالت میں مر گیا۔ چند فرانسیسی احمقوں کے حسد نے ایک قابل آدمی کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔

26 ستمبر 1754ء: گوڈہیو اور مدراس کے گورنر سینڈرز کے درمیان معاہدہ امن پر دستخط ہو گئے۔ محمد علی کو کرناٹک کا نواب تسلیم کر لیا گیا اس دوران ہندوستان میں موجود فرانسیسیوں میں چالاک ترین لیڈر بسی اورنگ آباد میں نظام دکن صلابت جنگ کو صوبیداری کے امور میں معاونت فراہم کر رہا تھا۔ اسی سال یعنی 1754ء میں صلابت جنگ سابق صوبیدار نذیر جنگ کے بڑے بھائی غازی

الدین نے حملہ کر دیا۔ اس کی قیادت میں مرہٹوں کے علاوہ بہت بڑا لشکر تھا۔ بسی نے غازی الدین کو شکست دے کر اسے زہر دلوا دیا۔ نظام نے اظہارِ تشکر میں فرانسیسیوں کو سرکارس (کورومنڈل ساحل کے جنوب میں ایک صوبہ) دے دیا۔

1755ء: بسی کے مشورے کے برعکس صلابت جنگ نے میسور کے راجہ پر حملہ کر دیا۔ راجہ ان دنوں فرانسیسیوں کا حلیف تھا اور اس نے صلابت جنگ کو سالانہ خراج دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حملہ ہونے پر وہ انگریزوں کے اتحاد میں شامل ہونے پر مجبور ہو گیا۔ صلابت کی مہم کامیاب رہی اور میسور کے راجہ نے ایک بڑی رقم اور بہت سے تحائف کے عوض اپنی جان چھڑائی۔ اب نظام نے پیشوا، بالا جی راؤ کی قیادت میں مرہٹوں کا ساتھ دیا اور باغی مرہٹہ سردار مراری راؤ کو شکست دی۔

1749ء۔1756ء مرہٹوں کی سرگرمیاں

1749ء میں راجہ ساہو پونا میں لاولد مرا تو پیشوا بالاجی راؤ حقیقی حکمران بن گیا۔ اس نے شاہی خاندان کے آخری راجکمار راجہ رام کو نام کا راجہ بنا دیا۔ عملاً وہ اس کا قیدی تھا۔ اس دوران پیشوا نے اپنے ضدی اور سرکش بیٹے راگھوبا کو گائیکواڑ کی ریاست گجرات میں لوٹ مار کے بہانے پونا سے دور بھیج دیا۔

1756ء: نظام صلابت جنگ نے بسی کو حکم دے دیا کہ وہ اس کے دربار سے دور رہے، چنانچہ وہ ماسولی پٹم چلا گیا۔ اسے جوں ہی معلوم ہوا کہ نظام نے صوبیداری سے فرانسیسیوں کو نکالنے کے لیے انگریزوں کا حلیف بننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس نے اپنی سپاہ کو حیدر آباد کے نزدیک چرمل کے مقام پر مورچہ بند کر لیا۔ نظام نے صلح کر لی اور انگریزوں سے اتحاد کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

1757ء: نظام نے ایک دفعہ پھر بسی کو سرکارس بھجوا دیا تاکہ مرکز سے دُور رہے

لیکن اسے جلد ہی واپس بلانا پڑا۔

بسی نے واپسی پہ دیکھا کہ حیدر آباد کو نظام صلابت جنگ کے دشمن دو بڑے بھائیوں بسالت جنگ اور نظام علی کو فوجوں نے گھیرا ہوا ہے۔ نظام علی کے ساتھ صلابت جنگ کے وزیر نے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ بسی نے بظاہر اتفاقیہ تصادم میں وزیر کو گرفتار کر لیا۔ نظام علی میدان جنگ سے بھاگ گیا جبکہ بسالت جنگ کو دولت آباد کا قلعہ پیش کر کے مفاہمت پہ آمادہ کر لیا گیا۔

1758ء: بسی اب پورے دکن کا آمر مطلق تھا لیکن فرانس کے بادشاہ لوئی پانزدہم کے کم عقل حواریوں نے حسد میں آ کر بسی کو برطرف کر دیا۔ اس کی جگہ آئرش مہم جو لالی کو مقرر کر دیا جو ایک اچھا سپاہی تو تھا مگر اچھا جرنیل نہیں تھا۔

یکم مئی 1758ء: لالی قلعہ سینٹ ڈیوڈ کے قریب لنگرانداز ہوا اور بسی کو فوراً حکم دیا کہ اپنی فوجیں لے کر جنوب کی طرف پیش قدمی کرے۔ لالی نے قلعہ سینٹ ڈیوڈ فتح کر لیا۔ اب وہ مدراس پر حملہ کرنے والا تھا کہ پانڈی چری کے فرانسیسی تاجروں نے اس کی معمولی مالی امداد کرنے سے بھی انکار کر دیا، چنانچہ لالی نے تنجور کو "لوٹنے" کا فیصلہ کر لیا۔ اس شہر میں دولت کی فراوانی کا چرچا تھا۔ تنجور کا محاصرہ کر لیا گیا۔ تنجور کے راجہ نے انگریزوں سے مدد کی درخواست کی۔ انہوں نے مدراس سے اپنا بحری بیڑہ کاری کال بھجوا دیا۔ فرانسیسیوں کی رسد کا سلسلہ منقطع کر کے بحری بیڑے سے ایک فوج خشکی پہ اتاری گئی۔ جس نے لالی کی فوجوں کے متوازی صف بندی کر لی۔ فرانسیسیوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور ان کا ایڈمرل احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ماریشس چلا گیا۔ لالی کو قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ لالی نے

ارکاٹ پر قبضہ کر لیا۔ وہیں بسی بھی اسے آن ملا۔ بسی نے لالی کو مشورہ دیا کہ فرانسیسی اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے ارکاٹ میں رہے اور انگریزوں پہ آخری حملے کے لیے رقم اکٹھی کرے لیکن "جنونی" لالی نے اپنے منصوبہ پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔

12 دسمبر 1759ء: لالی نے مدراس کا محاصرہ کر لیا جہاں گیریژن کمانڈر لارنس نے فرانسیسیوں کو روکے رکھا۔ 14 دسمبر کو فرانسیسیوں نے بلیک ٹاؤن پر قبضہ کر لیا اور قلعہ کے گرد خندق کھدوا دی۔

16 فروری 1760ء: برطانوی بحری بیڑا نظر آنے پر لالی محاصرہ اٹھا کر بھاگ گیا۔ وہ اپنے پیچھے 50 توپیں چھوڑ گیا۔ کرنل کوٹے جو بیڑے کے ساتھ آیا تھا کسی مزاحمت کے بغیر مدراس میں اتر گیا۔ اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے ونڈیواش پر قبضہ کر لیا اور لالی کی فوج کو منتشر کر دیا۔ لالی پانڈی چری کی طرف دھکیل دیا گیا۔

1760ء: لالی اور پانڈی چری فرانس سے مدد کے کبھی نہ ختم ہونے والے انتظار میں تھے۔ ان کے فوجیوں نے تنخواہوں کی ادائیگی کے مسئلہ پر بغاوت کر دی۔ سال کے آخری دنوں میں کوٹے نے پانڈی چری کا محاصرہ کر لیا۔

14 جنوری 1761ء: فرانسیسی سپاہی پانڈی چری خالی کر گئے۔ کوٹے نے قلعہ زمین بوس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں فرانسیسیوں کے اقتدار کے بچے کھچے نشانات بھی ختم ہو گئے۔ لالی کے ساتھ خوفناک سلوک کیا گیا اور بالآخر پیرس میں اسے پھانسی دے دی گئی۔ لیبرڈونائیس جیل میں مرا۔ ڈوپلے قابل رحم حالت میں اپنے انجام کو پہنچا۔ بسی ہندوستان ہی میں رہا، یہاں تک کہ سبھی اس کو بھول گئے۔

بنگال کے واقعات

(1755ء-1773ء)

1740ء میں جب صوبیدار شجاع الدین کی موت کے بعد علی وردی خان نے اقتدار میں آکر بنگال، بہار اور اڑیسہ کے صوبے متحد کیے تو انہی دنوں مرہٹہ پیشوا باجی راؤ بھی موت کی وادی میں اتر گیا۔ اس کی فوجوں کی قیادت پوار، ہولکر، سندھیہ اور طاقتور مہم جو رگھوجی بھونسلے جیسے سرداروں کے پاس تھی۔ باجی راؤ کے مرنے کے بعد رگھوجی بھونسلے کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ بقیہ سرداروں نے اسے کچلنے کے لیے خفیہ رابطے قائم کر لیے۔ انہوں نے اسے کرناٹک کی مہم پر بھجوا دیا۔ باجی راؤ پیشوا کے تین بیٹے تھے۔ بالاجی راؤ جو باپ کا جانشین بنا۔ دوسرا بیٹا رگھوناتھ راؤ تھا جو رگھوبا کے نام سے مشہور ہوا۔ تیسرا بیٹا شمشیر بہادر تھا جو بندھیل کھنڈ کا حاکم بنا۔ نئے پیشوا بالاجی راؤ کو ملنے والی زمینوں کے تحائف بھونسلے کی براہ راست دشمنی کا سبب بن گئے۔ اس نے بنگال پر حملہ کر دیا لیکن شاہی فوجوں نے اسے پسپا کر دیا۔ علی وردی خان مرہٹوں کے دونوں گروہوں سے خود کو تحفظ دینے کے لیے مرکز سے مدد کا طلبگار ہوا۔ اسے مزید شاہی فوج دے دی گئی۔ بالاجی راؤ کا ایک کمانڈر بھاسکر علی وردی کے خلاف کامیاب کارروائیاں کرتا ہوا کٹوا تک پہنچ گیا، پھر اس نے مزید پیش قدمی کی اور دریائے ہگلی پہ آگیا۔ وہاں اس نے مرشد آباد میں ایک فیکٹری لوٹ لی۔

1744ء میں بھاسکر، علی وردی خان کے خلاف ایک تصادم میں مارا گیا۔

1751ء میں علی وردی نے مرہٹوں سے سودا بازی کر کے معاہدہ کر لیا۔

1755ء: انگریزوں نے مرہٹہ پیشوا بالاجی راؤ کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیشِ نظر اس سے اتحاد کر لیا تاکہ مغل شہنشاہ کو کمزور کر دیا جائے۔

8اپریل1756ء: علی وردی خان وفات پا گیا۔ اس کا پوتا سراج الدولہ بنگال کا صوبے دار بنایا گیا۔ اس نے اقتدار میں آتے ہی کلکتہ کے گورنر ڈریک کو پیغام بھجوایا کہ تمام برطانوی قلعہ بندیاں مسمار کر دی

جائیں۔ ڈریک کے انکار پر سراج الدولہ نے کلکتہ پر دھاوا بول دیا۔ چونکہ قلعہ میں انگریز توپ خانے کے صرف 120 سپاہی تھے اور کسی قسم کی کمک کی توقع نہیں تھی، چنانچہ ڈریک نے قلعہ کے باشندوں کو اپنی جانیں بچانے کا حکم دے دیا۔

21جون1756ء: (شام) سرکاری عملہ، کلرک وغیرہ بھاگ گئے۔ رات کو ہال ویل نے "فیکٹریوں کو آگ لگا کر قلعہ کا دفاع کیا۔" سراج الدولہ کے سپاہیوں نے قلعہ پر یورش کی اور انگریز سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ سراج الدولہ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو صبح تک حفاظت سے رکھا جائے۔ لیکن 20 مربع فٹ رقبہ کے ایک کمرے میں 146 انگریز (حادثاتی طور پر) ٹھونس دیئے گئے۔ اس کمرے میں صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ اگلی صبح (ہال ویل کے بیان کے مطابق) صرف 23 افراد زندہ نکلے۔ انہیں ہگلی کے راستے واپسی کے سفر کی اجازت دے دی گئی۔ اس واقعہ کو "کلکتہ کا بلیک ہول" کہتے ہیں۔ اس واقعہ پر انگریز منافقین آج تک جھوٹ کے طومار باندھ رہے ہیں۔ سراج الدولہ مرشد آباد واپس چلا گیا۔ بنگال اب مکمل طور پر اور وقتاً انگریز مداخلت کاروں سے پاک ہو گیا۔

2جنوری1757ء: مدراس سے ایڈمرل واٹسن کی قیادت میں بھیجے جانے والے بیڑے میں کلائیو بھی موجود تھا۔ جس نے فورٹ ولیم پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ صوبیدار فوج لے کر کلکتہ پہنچا مگر کلائیو نے اس پر حملہ کر دیا اور کئی گھنٹوں پر مشتمل فیصلہ کن کارروائی کے بعد شکست دے دی۔ 3 جنوری کو سراج الدولہ نے کمپنی کی سابقہ مراعات بحال کر دیں اور انہیں تاوان جنگ ادا کیا۔ کلائیو نے چندر نگر کی فرانسیسی نو آبادی کو تباہ کر دیا۔ صوبیدار نے کلکتہ کے

قریب دریائے ہگلی کے کنارے پلاسی کے میدان میں اپنی فوج کے خیمے نصب کر دیئے۔ میر جعفر مغل فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس نے کلائیو کو خط لکھا کہ اگر اسے سراج الدولہ کی جگہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کا صوبیدار بنانے کا وعدہ کیا جائے تو وہ کسی بھی دن شاہی فوج کو چھوڑ کر انگریزوں کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔
کلائیو نے یہ پیش کش قبول کر لی۔

23جون 1757ء: جنگ پلاسی: میر جعفر جنگ کے دوران انگریزوں سے جا ملا۔ پوری مغل فوج شکست سے دوچار ہوگئی۔ صوبیدار جان بچا کر بھاگ گیا۔

29جون 1757ء: انگریز فوج مرشد آباد واپس آگئی۔ یہاں کلائیو نے غدار میر جعفر کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس شرط پر بنگال، اڑیسہ اور بہار کا گورنر بنایا کہ وہ جنگ کے اخراجات ادا کرے گا اور دریائے ہگلی کے کنارے کمپنی کی املاک کی حفاظت کرے گا۔ دُلب رام میر جعفر کا وزیر خزانہ اور رام نرائن پٹنہ کا گورنر بنایا گیا۔

30جون 1757ء: میر جعفر کے ایک بیٹے نے سراج الدولہ کو بھکاری کے بہروپ میں دیکھ لیا اور اسے وہیں ختم کر دیا۔
جنگ پلاسی کے فوراً بعد کلائیو کو کلکتہ کا گورنر بنا دیا گیا۔
اب وہ بنگال میں برطانیہ کا سول اینڈ ملٹری کمانڈر تھا۔
میر جعفر کے خلاف مدناپور، پورنیا اور بہار میں تین بغاوتیں ہوئیں جنہیں دبا دیا گیا۔

1757ء (اواخر): میر جعفر کی طرف سے 8 لاکھ پونڈ مالیت کا خزانہ لے کر جہاز کلکتہ پہنچا۔ کلکتہ کے احمق خوشی سے بے قابو ہوگئے۔

1758ء: کلائیو نے کرنل فورڈ کو اہم عسکری مہم پر بھیجا۔ اس نے وشاکھا پٹم میں

کنفلانس کی قیادت میں مقابلے پر آنے والے فرانسیسیوں کو شکست دی اور ماسولی پٹم پر قبضہ کر لیا۔

1759ء: علی گوہر (مغل شہزادہ) نے اپنے باپ شہنشاہ عالمگیر ثانی کے خلاف بغاوت کر دی۔ اودھ کا صوبیدار بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ دونوں نے مل کر پٹنہ پر حملہ کر دیا۔ رام نرائن نے بھرپور دفاع کیا، اس اثنا میں کلائیو بھی اس کی مدد کو پہنچ گیا۔ شہزادہ بھاگ نکلا۔ کلائیو کو میر جعفر نے ایک جاگیر بخش دی جس کی سالانہ آمدنی 30 ہزار پونڈ تھی۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد ایک ولندیزی بیڑہ بٹاویہ کی نو آبادیوں سے آتے ہوئے ہگلی میں نمودار ہوا اور ساحل پر کچھ ولندیزی سپاہی رات کے وقت اتارتے ہوئے دیکھا گیا۔ کلائیو نے کرنل فورڈ کو بھیجا جس نے ان پر حملہ کر کے واپس اپنی کشتیوں میں جانے پر مجبور کر دیا۔ ولندیزی کمانڈر تمام اخراجات ادا کرنے کے وعدے پر واپس جا سکا۔

25فروری 1760ء: کلائیو یورپ کے لیے عازم سفر ہوا۔ میر جعفر نے اپنے وزیر خزانہ ولب رام کو قتل کر دیا۔ اسی دوران شہنشاہ عالمگیر ثانی کو بھی اس کے وزیر غازی الدین نے قتل کر دیا۔ شہزادہ علی گوہر نے تخت کا دعویٰ کرتے ہوئے پٹنہ پر چڑھائی کر دی اور رام نرائن کو شکست دے دی۔ رام نرائن شہر میں محصور تھا کہ 20 فروری 1760ء کو کرنل کیلاڈ برطانوی فوج کے ساتھ آ پہنچا۔ اس نے نئے مغل شہنشاہ کو ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ مغل فوج دریا کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی مرشد آباد کی طرف بڑھی تو وہاں انگریزی فوج صف بستہ تھی۔ مغل واپس پٹنہ کو مڑ گئے۔ کرنل کیلاڈ نے کیپٹن ناکس کو پٹنہ آزاد کرانے کے لیے بھیجا۔ ناکس 200 یورپی سپاہیوں کی بٹالین اور گھڑسواروں کا ایک دستہ لے کر روانہ ہوا۔ مغلوں کو راہ فرار دکھا کر اس نے پٹنہ میں خیمے

گاڑ دیئے لیکن گنگا کے دوسرے کنارے پر نواب پورنیہ 30 ہزار سپاہیوں اور ایک سو توپوں کے ساتھ نمودار ہو گیا۔

20 مئی 1760ء: کیپٹن ناکس نے راجپوت راجہ شتاب رائے کی مدد سے راجہ پورنیا کا مقابلہ کیا۔ دریا عبور کر کے راجہ کی مغل فوج پر حملہ کیا گیا۔ زبردست جنگ کے بعد مغل فوج فرار ہو گئی۔ ناکس اور راجہ فتح مندی کے ساتھ اس طرح واپس پٹنا میں آئے کہ ان کے ساتھ بچ رہنے والے سپاہیوں کی تعداد صرف 300 تھی۔

6 جنوری 1761ء: شمالی ہندوستان میں پانی پت کے میدانوں میں ساداشیو بھاؤ کی قیادت میں مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی کی قیادت میں افغانوں کے درمیان شدید تصادم ہوا۔ مغل سلطنت بری طرح شکست سے دوچار ہوئی۔ مرہٹوں کی طاقت منتشر ہو گئی۔ ادھر احمد شاہ ابدالی اس حد تک کمزور ہو گیا کہ اسے واپس افغانستان جانا پڑا۔

1757ء: رگھوبا، عالمگیر ثانی کے وزیر غازی الدین کے بلانے پر، دہلی پہنچا اور احمد شاہ سے شہر چھین لیا۔ احمد شاہ کے بیٹے شہزادہ تیمور کو پنجاب میں شکست دینے کے بعد مرہٹے دکن واپس چلے گئے۔ پونا پہنچنے پر رگھوبا اور ساداشیو بھاؤ کے درمیان ناچاقی ہو گئی۔ ساداشیو بھاؤ، پیشوا کا چچا زاد بھائی تھا۔ رگھوبا کو فوج کی سالاری سے ہٹا کر ساداشیو کو مقرر کر دیا گیا۔

1759ء: احمد شاہ (ابدالی) نے ہندوستان پر چوتھی دفعہ حملہ کیا اور ٹھیک ان دنوں لاہور پر قبضہ کر لیا جب غازی الدین نے عالمگیر ثانی کو قتل کیا اور ادھر ایک افغان سردار نجیب الدولہ نے مرہٹہ سرداروں ملہار راؤ ہولکر اور داتا جی سندھیہ کو گنگا پار دھکیل دیا۔

1760ء (اوائل): احمد شاہ اپنی فوج کے ساتھ دہلی کی طرف آ رہا تھا کہ ساداشیو بھاؤ بہت بڑے لشکر کے ساتھ اس کے مقابلے پر اترا۔ حتمی فیصلہ پانی پت کے میدان میں ہوا۔

1760ء: کلائیو کی جگہ وان سٹارٹ کو بنگال کا گورنر بنایا گیا۔ یہ چونکہ مدراس کا ملازم تھا اس لیے بنگالی افسر اسے "ناپسند" کرتے تھے۔ وان سٹارٹ نے میر جعفر کو برطرف کر کے اس کے داماد میر قاسم کو صوبیدار بنا دیا۔ میر قاسم کلکتہ میں رہا اور انگریزوں کو باقاعدگی سے 2 لاکھ پونڈ کا خراج ادا کرتا رہا۔ اس نے مدنا پور، بردوان اور چٹاگانگ کے اضلاع پر مشتمل اپنا ایک تہائی علاقہ کمپنی کے حوالے کر دیا۔ میر قاسم بعد ازاں وان سٹارٹ کی مداخلت پر مشتعل ہو گیا اور اپنی فوج کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ دریں اثنا علی گوہر جو خود کو شہنشاہ شاہ عالم کہلواتا تھا، دہلی واگزار کرانے میں ناکام ہو کر بہار میں آ نکلا۔ بالآخر انگریزوں کے ساتھ اس کا اتحاد ہو گیا۔ پٹنہ میں اسے شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ شہنشاہ نے انگریزوں کی تمام تقرریوں کی توثیق کر دی۔

1762ء: میر قاسم نے رام نرائن کو گرفتار کر لیا۔ اس کے لگان وصول کرنے والے اہلکار رعیت (کاشتکاروں) کو اذیتوں میں مبتلا کرتے تھے۔ لیکن انگریزوں (کمپنی) کی نظر میں میر قاسم کا گناہ کچھ اور تھا۔ 1715ء میں احمق مغل شہنشاہ فرخ سیر نے کمپنی کو "دستک" مرحمت کی تھی۔ اس کے تحت درآمد شدہ اشیاء ٹیکس سے مستثنیٰ تھیں، لیکن تمام انگریزی تاجر جن کا کوئی تعلق کمپنی سے نہیں تھا، اس رعایت کو اپنا حق سمجھ کر فائدہ اٹھا رہے تھے۔ میر قاسم (کلرکوں) کی اس دھاندلی کے خلاف تھا۔ اس کے اہلکاروں نے حکم کی تعمیل میں اس مال کو ضبط کرنا شروع کر دیا جس کی ڈیوٹی (محصول) ادا نہ کی گئی ہو۔ کمپنی کے ملازموں نے صوبیدار کے اہلکاروں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا تو صورت حال سنگین ہو گئی۔ کلکتہ کے گورنر وان سٹارٹ نے ذاتی طور پر وعدہ کیا کہ کمپنی کے ملازم میر قاسم کو 9 فی صد محصول ادا کریں گے۔ کمپنی کی کونسل نے اس وعدے کو کالعدم قرار دے کر احکامات جاری کر دیئے کہ اگر میر قاسم کے

اہلکار محصول عائد کرنے کی کوشش کریں تو ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے۔ میر قاسم نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے تمام مغل تاجروں کو چھوٹ دے دی گئی کہ وہ بندرگاہ سے اپنا مال محصول کے بغیر اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح انھیں انگریز کلرکوں، کے مساوی مراعات میسر آ گئیں۔ پٹنہ میں انگریزی فیکٹری کے سربراہ ایلس نے کھلے بندوں جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کمپنی کے دعووں پر اصرار کے لیے دو افراد، (ہے اور ایمیاٹ) کلکتہ سے مونگیر بھیجے گئے۔ میر قاسم کے حکم پر ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہے کو یرغمال بنا لیا گیا تاکہ ایلس کا رویہ ٹھیک رہے۔ جبکہ ایمیاٹ کو قاسم کے تحریری احتجاج کے ساتھ واپس کلکتہ بھجوا دیا گیا۔ ایلس نے فوراً پٹنہ شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ میر قاسم نے اپنے افسروں کو حکم دے دیا کہ جو انگریز ان کے راستے میں رکاوٹ بنے، اسے گرفتار کر لیا جائے کلکتہ آتے ہوئے راستے میں ایمیاٹ نے مغل پولیس کے سامنے اپنی تلوار پیش کر دی لیکن پوری طرح ہتھیار ڈالنے کی بجائے پولیس پر فائرنگ کر دی۔ اسی دنگے فساد میں وہ خود مارا گیا۔

1763ء: میر قاسم نے اپنی فوج میں اضافہ کر دیا اور مغل شہنشاہ علی گوہر اور صوبیدار اودھ سے مدد مانگ لی۔ انگریزوں نے اسے برطرف کر کے اس کی جگہ دوبارہ میر جعفر کی تقرری کا اعلان کر دیا

19 جولائی 1763ء: انگریزوں نے اپنی کامیاب مہم جوئی کا آغاز کیا۔ 24 جولائی کو مرشد آباد فتح کر لینے کے بعد وہ 2 اگست کو گھیریا میں بھی کامیاب رہے۔ میر قاسم نے تمام انگریز قیدیوں کو ہلاک کر دیا۔ ان میں مرشد آباد کے بینکار اور رام نرائن بھی شامل تھے۔

نومبر 1763ء: انگریزوں نے اضوان اللہ کا کیمپ بھی میر قاسم سے چھین لیا۔ مغل (میر قاسم اور اس کے حلیف) پٹنہ کی طرف بھاگ گئے۔

وہاں مغل شہنشاہ شاہ عالم اور اودھ کا صوبیدار بھی ایک بڑی فوج کے ساتھ آ پہنچے، لیکن انگریزوں کا حملہ کامیاب رہا۔ انھوں نے پٹنہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

1764ء: پٹنہ میں تنخواہوں کے بقایاجات کے مسئلہ پر سپاہیوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ سپاہی دشمن سے جا ملنے کے لیے شہر سے باہر نکلے تو ان پر میجر منرو نے حملہ کر کے شکست دے دی۔ انھیں گھیر کر واپس پٹنہ لے جایا گیا اور وہاں باغیوں کے سرغنہ کو توپ سے باندھ کر اڑا دیا گیا۔ (انسان دوستی کا یہ عمل سپاہیوں کی پہلی بغاوت کے ساتھ ہی شروع کر دیا گیا)

22 اکتوبر 1764ء: بکسر کے مقام پر میجر منرو نے میر قاسم کی مستحکم مورچہ بندی پر حملہ کیا اور شکست دی۔ میر قاسم اودھ کو بھاگ گیا اور اپنی بقیہ زندگی وہیں بسر کی۔

1764ء: بکسر (پٹنہ کے شمال مغرب) کی فتح کے بعد گنگا کا پورا کنارہ انگریزوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ انگریز اب ہندوستان کے حقیقی مالک بننے والے تھے۔ وان سٹارٹ نے فوراً شجاع الدولہ کو نواب اودھ تسلیم کر لیا۔ میر جعفر کو بنگال، اڑیسہ اور بہار کا نواب بنا دیا گیا۔ میر جعفر کو اظہار تشکر میں 53 لاکھ روپے ادا کرنا تھے۔ شاہ عالم کو شہنشاہ ہندوستان تسلیم کر لیا گیا۔ اس کا قیام الٰہ آباد میں تھا۔

1765ء: میر جعفر مر گیا۔ اس کے بیٹے نجم الدولہ کو جانشین بنا دیا گیا۔ وان سٹارٹ کے منصب کی میعاد ختم ہو گئی۔ کلائیو کو نواب بنا کر اس کا جانشین مقرر کر دیا گیا۔ عبوری مدت کے لیے سپنسر کو کمپنی کی کلکتہ کونسل کا پریذیڈنٹ بنا دیا گیا۔

کلائیو کا دوسرا دور
(1765ء-1767ء)

(لندن میں کلائیو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں سے جھگڑ پڑا۔ انہوں نے فوراً کلکتہ میں احکامات بھجوا دیئے کہ کلائیو کی جاگیر کے کرایہ کی ادائیگی روک دی جائے)

3 مئی 1765ء: لارڈ کلائیو بے تحاشا اختیارات کے ساتھ کلکتہ میں اترا۔ اب وہ بنگال کا گورنر، کونسل کا پریذیڈنٹ اور کمانڈر انچیف تھا۔

کلکتہ میں کلائیو نے ایک بدعنوانی کا سراغ لگایا۔ کلائیو کی مدد کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ارکان میں جنرل کرنک، مسٹر ویری لیسٹ، مسٹر سمنر اور مسٹر سائیکس شامل تھے۔ کلائیو نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے عیاش نواب نجم الدولہ کو جھانسہ دیا کہ وہ 53 لاکھ روپے سالانہ کے عوض ایسٹ انڈیا کمپنی کو تمام اختیارات سونپ کر دستبردار ہو جائے۔ اس نے مغل شہنشاہ کو بھی پیش کش کی کہ ان تینوں صوبوں کی علاقائی عملداری کے عوض 26 لاکھ سالانہ کمپنی سے وصول کر لیا کرے۔ دونوں نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ کلائیو نے اس انتظام کے تحت نہ صرف کورا اور الٰہ آباد کے محاصل کا اختیار حاصل کر لیا بلکہ مغل شہنشاہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہونے والے نئے علاقوں کے قانونی اختیارات بھی سونپ دیئے۔ اس طرح انگریزی حکومت کو دیوانی امور (مالیات) کے ساتھ ساتھ نظامت (محکمہ جنگ) کے امور بھی مل گئے۔ اسی سال کلائیو نے عدالتی نظام کو آئینی بنایا۔ یہ مقامی انتظامیہ کے ذریعے حکومت کرنے کا طریقہ کار تھا۔ اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس دو کروڑ پچاس لاکھ

افراد پر مکمل حکمرانی اور چار کروڑ روپیہ سالانہ کے محاصل تھے۔

(بعد میں وارن ہیسٹنگز کو 1772ء میں اختیار دیا گیا کہ تمام تر اختیارات انگریز افسروں کے سپرد کر دے)

یکم جنوری 1766ء: کلائیو نے حکم دیا کہ آج سے دوہرے بھتہ کی ادائیگی ختم کر دی جائے۔ بھتہ سے مراد وہ اضافی تنخواہ یا معاوضہ تھا جو انگریز افسروں کو دفاتر سے باہر فرائض سرانجام دینے پر دیا جاتا تھا۔ حالیہ جنگ کے دنوں میں یہ بھتہ دوہرا یعنی دوگنا کر دیا گیا تھا۔ بنگال کے انگریز افسروں نے بغاوت کر دی اور اپنے اجتماعی استعفے بھجوا دیئے۔ اس صورت حال میں زیادہ تشویشناک بات بہار پر 50 ہزار مرہٹوں کی یلغار کی خبر تھی۔ کلائیو نے تمام استعفے منظور کر لیے اور "مجرموں" کا کورٹ مارشل کر دیا۔ ان مستعفی افسروں کی جگہ تمام کیڈٹ اور مدراس کے افسران کی تقرری کر دی گئی۔ انگریز سپاہی بھی اپنے افسروں کی تقلید میں بغاوت کرنا چاہتے تھے لیکن ان پر وفادار مقامی سپاہیوں کے ذریعے قابو پا لیا گیا۔ کلکتہ میں کمانڈر انچیف سر رابرٹ فلیچر کو بھی غلط یا درست طور پر فوراً برطرف کر دیا گیا۔ اس پر بھی سازش میں ملوث ہونے کا شبہ کیا جا رہا تھا۔

داخلی تجارت کا تنازعہ

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں نے کلائیو کی عدم موجودگی میں اپنے ملازمین کو اجازت دے دی تھی کہ وہ نمک اور چھالیہ کی داخلی تجارت پر اجارہ داری قائم کر لیں۔ تمام ملازمین اس دوڑ میں شامل ہوگئے۔ کاشتکاروں کی بوٹیاں نوچ لی گئیں۔ مقامی آبادیوں میں اضطراب پھیل گیا۔ کلائیو نے اس ستم کشی کا خاتمہ کر دیا (؟) حل یہ نکالا کہ انفرادی تجارت کی بجائے داخلی تجارت کے فروغ کے لیے ایک سوسائٹی بنا

دی جس کے ذریعے مقامی لوگوں کے خون پسینہ کی کمائی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے ایک نئی اور مستقل آمدنی کا ذریعہ بن گئی۔ دو سال بعد انگلستان میں کمپنی کے بورڈ کی ہدایت پر یہ سوسائٹی ختم کر کے ایک مستقل کمیشن بنا دیا گیا۔

1767ء: کلائیو نے اپنی علالت کے سبب استعفیٰ دے دیا۔ انگلستان واپسی پر کمپنی کے ڈائریکٹروں نے ظالمانہ طریقے سے اسے اذیت کا نشانہ بنایا۔ (1774ء میں کلائیو نے خودکشی کر لی)

1767ء-1769ء: کلکتہ میں کونسل کے پریذیڈنٹ ورلسٹ کو بنگال کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس کا جانشین وارن ہیسٹنگز (1772ء - 1785ء) تھا۔ بنگال کا یہ سویلین گورنر 1732ء میں پیدا ہوا۔ 1750ء میں اسے کلرک بنا کر کلکتہ بھیجا گیا۔ 1760ء میں کلکتہ کونسل کا ممبر بنا دیا گیا۔

1769ء: 3 لاکھ مرہٹوں کو پیشوا مادھو راؤ نے پانی پت کا انتقام لینے کے لیے شمال کی طرف بھیجا۔ انہوں نے راجپوتانہ کو تاراج کر کے رکھ دیا۔ جاٹوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا اور دہلی کی طرف بڑھے۔ دہلی پر ان دنوں نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خان کی حکومت تھی۔ 1756ء میں احمد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ روہیلہ کو دہلی کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس کا بیٹا ضابطہ خان اب بہت اچھے انداز میں حکومت کر رہا تھا۔ مرہٹوں نے شاہ عالم کو پیش کش کی کہ وہ اسے اس شرط پر دہلی کا تخت حاصل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں کہ بحالی کے بعد خود کو مرہٹوں کی مکمل اطاعت میں رکھے گا۔ شاہ عالم نے یہ پیش کش قبول کر لی۔

25 دسمبر 1771ء: پیشوا نے دہلی میں شاہ عالم کی تاج پوشی کی اور وہ (نام نہاد) مغل شہنشاہ بن گیا۔

1772ء: مرہٹوں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا۔ دوآب میں داخل ہو گئے اور پورا صوبہ اجاڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے ضابطہ خان کو گرفتار کر کے اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔

1772ء: (مہم خزاں) مرہٹوں نے روہیلوں اور اودھ کے نواب وزیر شجاع الدولہ سے معاہدہ کیا۔ شجاع الدولہ نے 40 لاکھ روپے ادا کرنے کا وعدہ کیا اور مرہٹے واپس چلے گئے لیکن یہ وعدہ پورا نہ کیا گیا۔

1773ء: مرہٹوں نے اودھ کو لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ حافظ رحمت کی قیادت میں روہیلوں نے مرہٹوں کے خلاف نواب اودھ سے اتحاد کر لیا۔ کم عقل شاہ عالم نے مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ بری طرح شکست دینے کے بعد فاتحین نے اسے کورا اور الہ آباد کے اضلاع حوالے کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن یہ اضلاع بنگال کے برطانوی علاقے میں شامل تھے۔ انگریز وحشی، خوش قسمت ثابت ہوئے کہ مرہٹوں کو پونا سے پیشوا نے واپس بلا لیا اور جنوب کی مہم پر دکن روانہ کر دیا۔

انگلستان میں ہندوستان کے حوالے سے سرگرمیاں

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کی "خوش قسمتی" انگلستان کے لوگوں کو بری طرح کھٹک رہی تھی۔ ان لوگوں کی پر تعیش زندگی نے ہم وطنوں کو حسد میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے یہ دولت چونکہ ہندوستان کے مقامی حکمرانوں کو معزول کر کے جبر و استبداد کے گندے نظام کے ذریعے حاصل کی تھی، اس لیے ان کی مذمت کی جانے لگی۔ کمپنی کے پورے نظام پر پارلیمنٹ میں شدید نکتہ چینی کی گئی۔ 500 پونڈ کی شراکت رکھنے والے کسی بھی فرد کو کورٹ آف پروپرائیٹرز کے اجلاس میں ووٹ کا حقدار بنانے والے قوانین نے نئے ڈائریکٹروں کے سالانہ انتخاب پر رشوت اور بدعنوانی کا ایک وسیع تر نظام مہیا کر دیا تھا۔ مثلاً ایک موقع پر لارڈ شیلبورن نے ایک لاکھ پونڈ خرچ کر کے مسٹر سیلوان کو ڈائریکٹر منتخب کرا لیا۔ انڈیا ہاؤس مستقل طور پر سازشیوں اور دلالوں کا مرکز بن چکا تھا۔

1771ء: پارلیمنٹ نے مداخلت کرتے ہوئے تین افراد پر مشتمل کمیٹی بنائی جسے کلکتہ جا کر کمپنی کے تمام معاملات کا جائزہ لینا اور اصلاح احوال کرنا تھی۔

یہ تین افراد وان سارٹ، سکر-فٹن اور کرنل فورڈ تھے۔ یہ لوگ جس جہاز میں ہندوستان آ رہے تھے، وہ راس امید کے بعد کہیں غرق ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کے درمیان ہندوستان میں برطانوی مقبوضہ جات کی حقیقی ملکیت کا تنازعہ پیدا ہو گیا تھا۔

تنازعے پر بحث و تکرار کے دوران انکشاف ہوا کہ کمپنی اس وقت دیوالیہ ہونے کو ہے اور ہندوستان میں دس لاکھ پونڈ اور انگلستان میں پندرہ لاکھ پونڈ کے خسارے میں ہے۔ کمپنی کے ڈائریکٹروں نے پارلیمنٹ سے درخواست کی کہ سرکاری قرضہ جاری کرنے کی اجازت دی جائے کبھی نہ ختم ہونے والی ہندوستانی دولت کے دعووں پر یہ ایک کاری ضرب تھی۔

1772ء: پارلیمنٹ نے ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر کی۔ دھوکہ دہی، تشدد اور جبر کا وہ پورا نظام بے نقاب ہو گیا جس کے ذریعے کئی افراد بے تحاشا دولت کے مالک بن گئے تھے۔ پارلیمنٹ میں گرما گرم بحث ہوئی۔ لارڈ کلائیو نے ہندوستان کے امور کے بارے میں اپنی شہرت یافتہ تقریر کی۔

1773ء: ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے سے "ری کنسٹرکشن ایکٹ" دونوں ایوانوں نے منظور کر لیا۔ ایک ووٹ کی اہلیت کے لیے حصص کی رقم 500 پونڈ سے بڑھا کر 1000 پونڈ کر دی گئی۔ کسی پروپرائٹر کو کورٹ آف پروپرائٹرز میں 4 سے زیادہ ووٹ رکھنے کی اجازت ختم کر دی گئی۔ کلکتہ کے گورنر کا منصب گورنر جنرل میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس منصب پر پانچ سال کے لیے تقرری کا اختیار پارلیمنٹ کے پاس تھا۔ گورنر جنرل ہندوستان میں تمام پریذیڈنسیوں کا سپریم کمانڈر بنا دیا گیا۔ کورٹس کے لیے نیا آئین بھی بنا۔ وارن ہیسٹنگز کے منصوبہ کو جزوی طور پر قبول کرتے

ہوئے مقامی لوگوں کو ان کے اپنے قوانین کے تحت زندگی گزارنے کا حق دیا گیا۔ وارن ہیسٹنگز کے 23 ویں قانون کے مطابق ہر کورٹ میں مسلمانوں کے معاملات کے لیے مولوی اور ہندوؤں کے معاملات کے لیے پنڈت مقرر کیے گئے۔ 1780ء میں کونسل کے گورنر جنرل کو ہندوستان میں حاصل ہونے والے نئے علاقوں میں قوانین و ضوابط بنانے کے اختیارات پارلیمنٹ نے تفویض کر دیے۔ انہی دنوں وارن ہیسٹنگز کا 23 واں ضابطہ قانون بنا۔ 27 ویں دفعہ کے تحت مسلمانوں کے لیے قانون کا پیمانہ قرآن اور ہندوؤں کے لیے دھرم شاستر قرار دیا گیا۔

مدراس اور بمبئی کی صورت حال
(1761ء-1770ء)

1761ء: دکن کے صوبیدار صلابت جنگ کو اس کے بھائی نظام علی نے گرفتار کر کے قید کر دیا اور خود نظام دکن بن گیا۔ مدراس کے پریذیڈنٹ نے کرناٹک کے کمپنی کے نواب محمد علی سے اسے فراہم کی گئی انگریزی سپاہ کے اخراجات کے لیے 50 لاکھ روپیہ طلب کیا۔ محمد علی نے انگریزوں سے کہا کہ وہ تنجور سے مطلوبہ رقم لے لیں۔ مدراس کے پریذیڈنٹ نے تنجور کے راجہ کو دھمکی دی کہ یہ رقم ادا کر دی جائے ورنہ اس کے علاقے ضبط کر لیے جائیں گے۔ راجہ رضامند ہو گیا۔ چنانچہ کرناٹک کے سپاہیوں کے اخراجات تنجور نے ادا کیے۔

1763ء: پیرس کے معاہدۂ امن میں محمد علی کو کرناٹک کا نواب اور صلابت جنگ کو دکن کا صوبیدار تسلیم کیا گیا۔ نظام علی نے مشتعل ہو کر اپنے قیدی بھائی صلابت جنگ کو قتل کر دیا اور محمد علی کو کرناٹک کا نواب تسلیم کرنے سے

انکار کر دیا۔ اب وہ چونکہ دکن کا صوبیدار تھا اس نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ بھی کر دیا لیکن انگریز فوج کی کچھ رجمنٹوں کی نقل و حرکت دیکھ کر نظام خوف زدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ ادھر کٹھ پتلی شہنشاہ دہلی نے ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے کرناٹک کے نواب کو دکن کے موجودہ صوبیدار اور آئندہ حکمرانوں کی محکومی سے آزاد کر دیا گیا۔ یوں کرناٹک ایک خود مختار ریاست بن گئی۔

12 اگست 1765ء: کلائیو نے کٹھ پتلی مغل شہنشاہ کو آمادہ کر لیا کہ وہ شمالی سرکارس انگریزوں کے حوالے کر دے نظام نے اس سمجھوتے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مدراس کے پریذیڈنٹ کو دھمکی آمیز پیغام بھیجا کہ یہ علاقے فرانسیسیوں کو دیئے جا چکے ہیں (حقیقت بھی یہی تھی) مدراس پریذیڈنٹ نے بات چیت کے لیے کرنل کیلاڈ کو نظام کے پاس حیدر آباد بھیج دیا۔

12 نومبر 1766ء: نظام کے ساتھ پہلا معاہدہ عمل میں آیا۔ اس کے مطابق شمالی سرکارس نظام سے انگریزوں کو منتقل کیا جانا تھا۔ اس کے بدلے میں کمپنی نظام کو 8 لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے کی پابند تھی۔ شہر کی حفاظت کے لیے انفنٹری کی دو بٹالین تعینات کرنے اور چھ توپیں نصب کرنے کی ذمہ داری ٹھہری۔

1761ء: حیدر علی میسور کا حاکم بن گیا۔ اس نے 1763ء میں بیدنور اور 1764ء میں شمالی کنارا فتح کر لیے۔

(حیدر علی 1702ء میں پیدا ہوا۔ وہ ایک مغل افسر فتح محمد کا بیٹا تھا۔ فتح محمد پنجاب کی ایک مہم کے دوران مارا گیا۔ اس وقت حیدر علی نائیک کے عہدے پر فائز تھا۔ نائیک کی کمان میں 200 سپاہی ہوتے تھے۔ حیدر علی اپنے 200 آدمیوں سمیت 1750ء میں میسور کی فوج میں شامل ہو گیا۔ ان دنوں میسور کے راجہ نے اپنے تمام اختیارات اپنے وزیر

نندراج کو سونپ رکھے تھے۔ 1755ء میں حیدر علی کو ڈنڈی گل کے قلعہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اس کو حکم دیا گیا کہ سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ کرے اور اخراجات کا انتظام خود کرے، چنانچہ اس نے لوٹ مار شروع کر دی اور تمام مجرموں اور رہزنوں کو دعوت دی کہ قلعہ کے اردگرد آباد ہو جائیں۔ ایسے افراد کی ایک بہت بڑی تعداد حیدر علی کے گرد اکٹھی ہو گئی۔ جب 1757ء میں پیشوا نے میسور پر حملہ کیا تو حیدر علی کے پاس دس ہزار آدمی، بہت سی توپیں اور اسلحہ تھا۔ اسے انعام میں بہت سا علاقہ بھی مل چکا تھا۔ مرہٹوں کو خریدنے سے میسور کا خزانہ خالی ہو گیا۔ سپاہیوں کو تنخواہیں نہ ملیں تو انہوں نے شورش بپا کر دی۔ حیدر علی نے یہ بغاوت فرو کرنے میں حکومت کی بہت مدد کی۔ 1759ء میں حیدر علی کو میسور کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا۔

اس منصب کے ساتھ اسے مزید علاقہ تحفے میں دیا گیا۔ اب میسور کے آدھے علاقے کا وہ خود مالک تھا۔ نندراج نے حیدر علی سے مرعوب ہو کر استعفیٰ دے دیا، چنانچہ حیدر علی راجہ میسور کا بااختیار وزیر بن گیا۔ نندراج نے وزارت، فوج کے پاس چلی جانے پر کھانڈے راؤ کو آکسایا۔ کھانڈے راؤ نے حیدر علی پر حملہ کر دیا۔ حیدر علی نے اسے شکست دے کر --- لوئی یازدھم کی طرح --- لوہے کے پنجرے میں طوطے کی طرح بند کر دیا اور کھانے کے لیے چاولوں کے ریزے اور بیج (تضحیک آمیز انداز میں) کھانے کو دیئے۔ پرندہ اس سلوک کے نتیجہ میں جلد ہی مر گیا۔ 1761ء میں حیدر علی نے راجہ میسور اور نندراج کو اپنے حق میں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔

1765ء: پیشوا مادھو راؤ نے اپنے بھائی رگھوبا اور رگھوجی بھونسلے کی قیادت میں مرہٹوں کا ایک لشکر حیدر علی کے خلاف روانہ کیا۔ رگھوجی بھونسلے ان دنوں بیرار کا راجہ تھا۔ مرہٹوں کو دو دفعہ شکست ہوئی۔ حیدر علی نے

مرہٹوں سے سودے بازی کر لی۔ انہیں 32 لاکھ روپیہ اور میسور کی سرحدوں سے باہر فتح کیا گیا علاقہ سونپ دیا۔

1766ء: حیدر علی نے ایک دفعہ پھر جارحانہ حکمت عملی اپنائی اور کالی کٹ اور مالا بار پر قبضہ کر لیا۔ پیشوا نے حیدر علی کے خلاف نظام اور انگریزوں سے اتحاد قائم کر لیا۔

1767ء: میسور کی پہلی جنگ ہوئی۔ پیشوا نے دریائے کشنا عبور کیا اور شمالی میسور میں داخل ہو گیا۔ اس کے مرہٹہ سپاہیوں نے زبردست لوٹ مار مچائی۔ حیدر علی کی طرف سے ایک بڑی رقم کی پیش کش پر پیشوا اپنے سپاہیوں کو لے کر واپس پونا جانے پر آمادہ ہو گیا۔ نظام، حیدر علی کا حلیف بن گیا۔ کرنل سمتھ کی قیادت میں انگریزی سپاہ کو واپسی کا راستہ دیکھنا پڑا۔ ستمبر کے مہینے میں کرنل سمتھ پر میسور اور حیدر آباد کی متحدہ فوجوں نے ارکاٹ کے جنوب میں چنگامہ کے مقام پر حملہ کر دیا۔ کرنل سمتھ نے انہیں شکست دی اور خود مدراس واپس آ گیا۔

1768ء: انگریزوں اور نظام کے درمیان دوسرا معاہدہ تحریر کیا گیا۔ یہ معاہدہ انتہائی شرمناک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مخصوص کردار کا عکاس تھا طے پایا کہ انگریز شمالی سرکار کے علاقے کے لیے نظام کو خراج ادا کریں گے۔ بالائی سرکار کا علاقہ جو اس وقت نظام کے بھائی بسالت جنگ کے پاس تھا، اس پر کمپنی بسالت جنگ کی موت تک کوئی دعویٰ نہیں کرے گی۔ انگریز مرہٹوں کو چاوتھ ادا کریں گے۔ اس کی ادائیگی صرف گرد و نواح کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی طرف سے کی گئی تاکہ ان لٹیروں کی تجاوزات ختم کرائی جا سکیں۔ (یہ حکمت عملی سکاٹ لینڈ کے قدیم کوہستانی قبائلیوں جیسی تھی) چاوتھ ادا کرنے کے لیے انگریزوں نے وعدہ کیا کہ وہ حیدر علی سے کرناٹک بالا فتح کر کے وہاں سے حاصل ہونے والی رقم سے یہ باج ادا کریں گے۔

1768ء (موسم خزاں): بمبئی سے آنے والی انگریزی فوج نے منگلور اور اونور فتح کر لیا۔ حیدر علی نے یہ علاقے ڈیڑھ دو ماہ کے بعد انگریزوں سے واپس لے لیے لیکن جب وہ مغربی ساحل پر مصروف جنگ تھا، کرنل سمتھ مشرق کی جانب سے میسور میں داخل ہو گیا۔ تقریباً آدھے علاقے پر قبضہ کرتا ہوا بنگلور پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل میسور نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے اسے واپس کولار تک دھکیل دیا۔

1769ء: کولار میں انگریزوں نے کئی ماہ تک خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اس دوران حیدر علی نے کرناٹک کو روند کر رکھ دیا۔ ترچنا پلی، مدھرا اور تینولی پر قبضہ کر لیا۔ 1769ء کے آخر تک حیدر علی نے اپنے تمام علاقے واپس لے لیے اور اپنی فوج کو زیادہ طاقتور بنایا۔ کرنل سمتھ ایک دفعہ پھر میسور پر حملہ آور ہوا لیکن حیدر علی نے جھانسہ دے کر اس پر پہلو سے حملہ کر دیا۔ مدراس میں جب وہ اچانک انگریزی فوج کے سامنے پہنچا تو کمپنی کے "آفس بوائز" میں کھلبلی مچ گئی۔

انگریزوں نے حیدر علی کے ساتھ مدافعانہ اور جارحانہ دونوں قسم کا ملا جلا معاہدہ کیا۔ کمپنی کے حکم پر سمتھ کو مجبور ہونا پڑا کہ حیدر علی کو کچھ کیے بغیر واپس جانے دیا جائے۔

1770ء: اب حیدر علی نے مرہٹوں کا رخ کیا۔ مادھو راؤ نے اسے مغرب میں شکست دے کر تاوان جنگ کے طور پر ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ حیدر علی نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا اور مرہٹوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ حیدر علی کو مغربی گھاٹ پر پھر جنگ میں الجھا دیا گیا۔ وہ فرار ہو کر سرنگا پٹم چلا گیا اور انگریزوں سے 1769ء کے معاہدہ کے مطابق مدد مانگی۔ لیکن سرجان لنڈسے، جسے پارلیمنٹ نے مدراس کے معاملات پر قابو پانے کے لیے بھیجا تھا، اس نے حیدر علی کو مشکل میں چھوڑ دیا اور مرہٹوں کے ساتھ

اپنے معاہدے پر زور دیا۔ عہد شکنی کی اس شعوری حرکت پر حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو نے قرآن پر حلف اٹھایا کہ وہ زندگی بھر انگریزوں سے نفرت کریں گے اور انہیں کچل کر رکھ دیں گے۔ حیدر علی نے مرہٹوں کو 35 لاکھ روپیہ نقد ادا کر کے اور 14 لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا ایک علاقہ تحویل میں دے کر اپنے لیے امن خرید لیا۔

(5) وارن ہیسٹنگز کا نظم و نسق

(1772ء-1785ء)

13 اپریل 1772ء: وارن ہیسٹنگز نے بنگال کے گورنر کی حیثیت سے اپنا منصب سنبھالا۔ پارلیمنٹ نے جنرل کلیورنگ، کرنل مونسن، مسٹر بارویل اور مسٹر فرانسس کو کونسل کے ارکان مقرر کیا۔ ہیسٹنگز کو ریونیو ایڈمنسٹریشن کے مرکزی دفتر مرشد آباد سے کلکتہ بھیج دیا گیا۔ 1765ء میں کلایو کی طرف سے قائم عدالتوں میں کچھ ردوبدل کیا گیا۔ لیکن رعیت (کاشت کاروں) سے مالیہ وصول کرنے کا تباہ کن نظام ختم نہ کیا گیا۔

1773ء: ری کنسٹرکشن ایکٹ منظور کیا گیا۔ چنانچہ ہیسٹنگز پہلا گورنر جنرل بن گیا۔ انہی دنوں میں جارج سوم نے سپریم کورٹ آف کلکتہ تشکیل دینے کا فرمان جاری کیا۔ اسی سال کے آخر میں سپریم کورٹ کے جج انگلستان سے آئے۔ یہ لوگ ہندو رسم و رواج سے قطعاً ناآشنا تھے لیکن خود کو ہندوستان کی پوری حکومت کے برابر سمجھتے تھے۔ اسی سال بدنام زمانہ روہیلہ جنگ ہوئی۔ اودھ کے نواب نے ہیسٹنگز کو مطلع کیا کہ مرہٹوں کی (1773ء) دکن کو پسپائی کے وقت روہیلوں نے 40 لاکھ روپے خراج دینے کا جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا گیا۔ نواب اودھ نے کہا کہ اگر

روہیلوں کا سر کچلنے کے لیے اس کی مدد کی جائے تو یہ رقم انگریزوں کو مل سکتی ہے۔ کلکتہ کونسل کے مشورہ پر ہیسٹنگز نے نواب اودھ کی پیشکش قبول کر لی اور اس سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت جنگ کی کامیابی کی صورت میں نواب اودھ کو 50 لاکھ روپے کے عوض کورا اور الہ آباد کے اضلاع خریدنے کی اجازت ہو گی۔ ان دونوں اضلاع پر کمپنی کے اخراجات بہت زیادہ ہو رہے تھے جبکہ آمدنی کم تھی۔ روہیلوں کے بہادر سردار نے نواب اودھ کو پیشکش کی کہ وہ مرہٹہ جنگ کے حوالے سے تمام بقایا جات ادا کرنے کو تیار ہے لیکن نواب اودھ نے 200 لاکھ روپے کی خطیر رقم کا مطالبہ کر دیا جسے روہیلوں نے مسترد کر دیا۔

23 اپریل 1774ء: اودھ اور انگریزوں کی متحدہ فوج روہیل کھنڈ میں داخل ہو گئی۔ زبردست جنگ ہوئی جس میں جری روہیلے تقریباً ختم ہو کر رہ گئے۔ حافظ رحمت مارا گیا۔ متحدہ فوج کے لٹیرے روہیل کھنڈ کو کھنڈر بنا کر واپس چلے گئے۔

1775-1774ء: کلکتہ میں بدامنی۔ کونسل کے ارکان (جن میں فرانسس پیش پیش تھا) ججوں اور کمپنی کے ڈائریکٹوریٹ نے ہیسٹنگز کے خلاف سازش پر عملدرآمد کیا۔

1775ء: ہیسٹنگز نے اودھ کے نواب کے ساتھ جس ریزیڈنٹ کی تقرری کی تھی ڈائریکٹروں نے اسے تبدیل کر کے مسٹر ایڈم بریسٹو کو تعینات کر دیا۔ نئے ریزیڈنٹ نے اپنے پہلے اقدام میں نواب اودھ سے مطالبہ کیا کہ چودہ روز کے اندر کمپنی کے تمام بقایا جات ادا کر دیے جائیں۔ ہیسٹنگز نے اس ناشائستگی کی شدید مذمت کی۔ لیکن ایڈم بریسٹو نے برطانوی سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فوراً روہیل کھنڈ سے واپس چلے جائیں۔ ہیسٹنگز نے احتجاج کیا تو بریسٹو نے اسے خفیہ ہدایات دکھا دیں جو لندن ڈائریکٹوریٹ سے موصول ہوئی تھیں۔ ہیسٹنگز نے زبردست احتجاج کیا اور

ڈائریکٹوریٹ کو لکھا کہ ایسی ہدایات صرف گورنر جنرل کی وساطت سے ہی بھجوائی جانی چاہئیں۔

اسی سال شجاع الدولہ نواب اودھ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بیٹے آصف الدولہ نے کلکتہ کو درخواست کی کہ کمپنی اس کی مدد کرے۔ فرانسس نے کونسل میں اپنی اکثریت کے ساتھ ہیسٹنگز کو مجبور کیا کہ وہ آصف الدولہ کو لکھے کہ شجاع الدولہ کے ساتھ ہی اودھ کے کمپنی کے ساتھ تمام پرانے تعلقات ختم ہوچکے ہیں۔ آصف الدولہ کو اپنی جانشینی کے بعد کمپنی کے ساتھ از سرِ نو معاہدہ کرنا ہوگا اور اس معاہدے کے تحت ہندوؤں کا مقدس ترین شہر بنارس مکمل طور پر کمپنی کے حوالے کیا جائے گا۔ نواب اودھ کو احتجاج کے باوجود بنارس انگریزوں کے حوالے کرنا پڑا۔

اودھ کی بیگمات

نواب شجاع الدولہ کی تدفین کے بعد اس کے "زنانہ" کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے 20 لاکھ پونڈ مالیت کی نقدی روپوں کی صورت میں ملی۔ نواب آصف الدولہ نے یہ رقم سرکاری خزانے کی حیثیت سے ضبط کرلی لیکن بریسٹو کا مطالبہ تھا کہ اسے بیگمات کو واپس کر دیا جائے کیونکہ یہ ان کے بقول ذاتی میراث تھی۔ ایسا ہی کیا گیا لیکن اس کے نتیجہ میں آصف الدولہ سپاہیوں کے واجبات نہ ادا کر سکا۔ چنانچہ بغاوت بھڑک اٹھی جس میں مبینہ طور پر 20 ہزار آدمی مارے گئے۔

کلکتہ کونسل میں فرانسس نے کلیورنگ اور مونسن کے ساتھ مل کر ہیسٹنگز کا مضحکہ اڑانے اور اسے مشتعل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہاں تک کہ مقامی لوگوں کو بھی اس کام میں ملوث کیا۔ انگلستان میں فرانسس کو ڈائریکٹروں کی اعانت حاصل تھی جو ہیسٹنگز کے خلاف

فرانسس کے بے ہودہ الزامات کی فہرست تیار کیے بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک الزام ایسا تھا جس کے بارے میں ہندوستان میں کسی کو کچھ علم نہیں تھا۔ یہ کسی برہمن نند کمار کی پھانسی کی سزا تھی جو اسے جعل سازی پر دی گئی (لیکن یہ حماقت سپریم کورٹ کی تھی جس نے اس جرم پر انگریزی قانون لاگو کردیا اور سزائے موت دے دی۔ ہندو قانون میں یہ معمولی مجرمانہ فعل تھا) فرانسس نے الزام لگایا کہ دراصل ہیسٹنگز نند کمار کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا کیونکہ مذکورہ شخص نے ہیسٹنگز پر غبن کا الزام عائد کیا تھا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ نند کمار والا الزام من گھڑت تھا اور جس خط کو ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا تھا وہ سراسر جعلی تھا۔

1776ء: لندن میں اپنے نمائندے کو ذاتی خط میں ہیسٹنگز نے لکھا کہ وہ مستعفی ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن کرنل مونسن کی موت سے ہیسٹنگز کو کونسل میں کاسٹنگ ووٹ مل گیا۔ چنانچہ اس نے لندن میں اپنے نمائندے کو لکھا کہ ابھی وہ اپنے عہدے پر کام کرتا رہے گا لیکن ڈائریکٹروں نے اعلان کر دیا کہ ہیسٹنگز نے استعفیٰ دے دیا ہے۔

1777ء: ڈائریکٹروں کے من مانے ظالمانہ اقدام کو بنیاد بنا کر کونسل کے سینئر ممبر کی حیثیت سے جنرل کلیورنگ نے اقتدار کے اس منصب پر قبضہ کرنا چاہا۔ ہیسٹنگز نے اسے غاصب قرار دے کر سخت مزاحمت کی۔ اس نے فورٹ ولیم کے دروازے بند کروا دیئے۔ سپریم کورٹ نے ہیسٹنگز کی حمایت کی۔ کلیورنگ غضبناک ہو کر میدان چھوڑ گیا۔ بارویل نے بھی استعفیٰ دینے کا اعلان کر دیا۔ فرانسس نے ہیسٹنگز کو بارویل کے مستعفی ہونے کے راستے میں رکاوٹ بننے سے روکنے کے لیے وعدہ کیا کہ بارویل کے بعد ملنے والی اکثریت کو اپنے لیے استعمال نہیں کرے گا۔ بارویل کے وطن روانہ ہوتے ہی فرانسس نے اپنے وعدے کے برعکس کردار ادا

کرنا شروع کر دیا۔ ہیسٹنگز نے اس پر دھوکہ دہی کا الزام عائد کیا۔ دونوں میں تلخ کلامی اور پھر ہاتھا پائی ہوئی جس میں فرانسس زخمی ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد جلد ہی فرانسس انگلستان روانہ ہو گیا۔ ہیسٹنگز کو سکون کے کچھ لمحے نصیب ہو گئے۔

1772-1773ء: مرہٹوں کے معاملات

مرہٹہ پیشوا، مادھو راؤ 1772ء میں مر گیا۔ اس کا بھائی نارائن راؤ جانشین بنا لیکن اسے فوراً ہی رگھوبا نے قتل کر دیا۔

1773ء: رگھوبا نے مرہٹہ تخت پر قبضہ کر لیا اور نظام کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ نظام نے 20 لاکھ روپیہ دے کر امن خرید لیا۔ مرہٹوں کے دو سرداروں نانا فرنویس اور سکارام باپو نے ایک شیر خوار کو تخت نشین کر دیا جس کے متعلق کہا گیا کہ یہ مادھو راؤ کا بیٹا ہے اور اس کی موت کے بعد پیدا ہوا ہے۔ مادھو راؤ دوم کے نام سے اس بچے کی تخت نشینی کے ساتھ دونوں مرہٹہ سردار سلطنت کے قائم مقام کی حیثیت سے مختار کل بن گئے۔

1774ء: رگھوبا نے ان دونوں کے مزاج درست کرنے کا فیصلہ کیا لیکن براہ راست پونا پر حملہ آور ہونے کی بجائے وہ پہلے برہان پور پہنچا اور پھر وہاں سے گجرات کا رخ کیا تاکہ اپنے ہم وطن گائیکواڑ سے مدد لے سکے۔

گجرات کا گائیکواڑ خاندان

پیلا جی گائیکواڑ، پیشوا کی ماتحتی میں گجرات کا حاکم بنا۔ 1732ء میں اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا دھاما جی گائیکواڑ جانشین بنا۔ اس نے اپنے علاقے میں توسیع کی اور پیشوا کی محکومی سے آزاد ہو گیا۔ اس کی موت پر

اس کے تین بیٹوں گوبند راؤ، سایا جی اور فتح سنگھ کے درمیان جانشینی کا تنازعہ پیدا ہو گیا۔ گوبند راؤ اور فتح سنگھ نے سایا جی کی حکمرانی تسلیم نہ کی۔ رگھوبا نے فتح سنگھ کی حمایت کر دی۔ اسے مرہٹہ سردار رولس ہولکر اور سندھیہ کی مدد بھی مل گئی۔

1775ء: نانا فرنویس نے سازش کر کے ہولکر اور سندھیہ کا اتحاد توڑ دیا۔ وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے۔ رگھوبا نے بمبئی میں انگریزوں کو اپنی تجاویز بھیجیں۔ بمبئی کی حکومت نے اپنی صوابدید پر رگھوبا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

6 مارچ 1775ء: سورت کا معاہدہ طے پایا۔ اس کی رو سے (1) انگریزوں نے پیشوا کا تخت دوبارہ حاصل کرنے کے لیے رگھوبا کی مدد کرنا تھی (2) رگھوبا نے جزیرہ سیلسٹ اور بمبئی کے نزدیک ایک عمدہ بندرگاہ بسین انگریزوں کے حوالے کرنا تھی۔ مزید برآں بمبئی حکومت کو سالانہ 37 لاکھ روپیہ ادا کرنا تھا۔ یہ معاہدہ کمپنی کے آئین کی خلاف ورزی تھا۔ ریگولیٹنگ ایکٹ آف 1773ء کی روشنی میں ماتحت پریزیڈنسیاں (بمبئی اور مدراس) (جنت جارج) بالخصوص معاہدات کرتے ہوئے لگان عائد کرتے ہوئے، افواج تعینات یا استعمال کرتے ہوئے اور بالعموم تمام سول اور ملٹری انتظامی اُمور میں بنگال کے گورنر جنرل کی اجازت اور توثیق کی پابند تھیں۔ چنانچہ بمبئی حکومت ہیسٹنگز اور کلکتہ کونسل کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی قدم اٹھانے کی مجاز نہیں تھی۔ اسی طرح رگھوبا سے ملنے والا خراج بمبئی حکومت نے نہیں بلکہ کمپنی نے وصول کرنا تھا۔ ان بنیادوں پر فرانسس نے ہیسٹنگز کو مجبور کیا کہ وہ اس معاہدہ کو کالعدم قرار دے دے۔ انگریز مشکلات میں پھنس گئے۔

1775ء: پہلی مرہٹہ جنگ: بمبئی کی انگریز فوج کے سربراہ کرنل کیٹنگ کو حکم دیا گیا

کہ وہ رگھوبا سے جا ملے۔ اس پہ مرہٹہ قائم مقاموں کی فوج نے دریائے مہئے کے کنارے پہ حملہ کر دیا۔ کیٹنگ کو بروودا کے قریب اراس کے مقام پر مکمل فتح نصیب ہوئی۔ مرہٹہ فوج نربدا کی طرف فرار ہو گئی۔ فتح سنگھ بھی گجرات سے اپنی فوج لے کر کیٹنگ کا ساتھ دینے کے لیے نکلا۔ کامیاب کارروائی مکمل ہو گئی لیکن ہیسٹنگز کی مخالفت کے باوجود کونسل کی اکثریت نے معاہدہ سورت کو کالعدم قرار دے دیا۔ اس ضمن میں ایک سرکلر تمام مقامی ریاستوں کے حاکموں کو بھجوا دیا گیا۔ چنانچہ پونا میں قائم مقام حکومت نے سیلسٹ اور بسین کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ کرنل اپٹن نے کمپنی کی طرف سے یہ کہتے ہوئے مطالبہ مسترد کر دیا کہ رگھوبا جائز پیشوا ہے۔ ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے کرنل اپٹن نے بمبئی حکومت کی طرف سے مرہٹوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ چنانچہ پونا کی قائم مقام حکومت نے معاہدہ کی پیشکش کر دی۔ احمق اپٹن جو رگھوبا کو جائز پیشوا قرار دے چکا تھا یہ پیشکش قبول کرنے پر فوراً آمادہ ہو گیا۔ نانا فرنویس اور سکارام باپو نے مرہٹہ ریاست کی نمائندگی کی اور معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔

یکم مارچ 1776ء: پورندھر معاہدہ کے مطابق انگریزی فوج اس شرط پر میدان چھوڑنے پہ تیار ہو گئی کہ وہ سیلسٹ کا علاقہ اپنے پاس رکھے گی جبکہ بقیہ تمام علاقے جو ماضی میں مرہٹوں کے قبضہ میں رہے تھے انہیں واپس مرہٹوں کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ انگریزوں کو 12 لاکھ روپیہ سالانہ اور ضلع بھروچ کا مالیہ اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک وہ مادھو راؤ دوم کو جائز پیشوا تسلیم کرتے رہیں گے۔ رگھوبا کو معزول کر دیا گیا۔ اسے مرہٹوں کی طرف سے سالانہ 3 لاکھ روپیہ اس صورت میں دینے کا وعدہ کیا گیا کہ وہ دریائے گوداوری کے اس پار رہے گا۔ لیکن بمبئی حکومت

نے معاہدہ پورندھر توڑ دیا اور معاہدہ سورت پر اصرار کیا۔ رگھوبا کو سورت میں پناہ دینے کی پیشکش کی اور اپنی فوجیں ضلع بھروچ کی طرف روانہ کر دیں۔ پونا کی قائم مقام حکومت نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں نے بمبئی میں رگھوبا اور اس کی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ کچھ دنوں بعد بمبئی حکومت کو کورٹ آف ڈائریکٹرز (لندن) سے پیغام ملا کہ پورندھر کا معاہدہ مسترد اور سورت کا معاہدہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔

1778ء: ماروبہ فرنویس، نانا فرنویس کا چچازاد بھائی تھا۔ اس نے مرہٹہ دربار میں ہولکر سے مل کر اپنا نیا گروہ بنا لیا۔ اس گروہ کو سکارام باپو کی آشیرواد حاصل تھی۔ پس پردہ سکارام باپو نے رگھوبا سے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ مذکورہ گروہ نے بمبئی حکومت کو مدد دینے کی درخواست کی۔ بمبئی حکومت نے کلکتہ کو مثبت ردعمل کے لیے سفارش کی۔ ہیسٹنگز نے اسے قبول کر لیا کیونکہ نانا فرنویس، فرانسیسیوں کا حامی تھا اور کمپنی رگھوبا کو سورت معاہدہ کے مطابق پیشوا تسلیم کرتی تھی۔ نانا فرنویس واپس پورندھر آیا اور ہولکر کو رشوت دے کر نئے اتحاد سے کنارہ کشی اختیار کرنے کو کہا۔ مادھو راؤ کے نام پر فوج اکٹھی کی اور ماروبہ اور سکارام پر حملہ کر دیا۔ ماروبہ مارا گیا جبکہ سکارام کو پونا میں قید کر دیا گیا۔ بمبئی حکومت نے رگھوبا سے معاہدہ کی پابندی میں نانا فرنویس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

1779ء: مرہٹوں کے ساتھ دوسری جنگ: کرنل ایجرٹن کو پونا پہ حملہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ لیکن سویلین اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ ان کا سربراہ جنرل کارنک تھا۔ پونا پہنچنے سے پہلے ہی سویلین کمشنرز پریشان ہو گئے اور رگھوبا اور کرنل ایجرٹن کی مرضی کے خلاف فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ مرہٹوں کی قائم مقام حکومت کے گھڑ سواروں نے اچانک ان پر حملہ کر

دیا۔ بہادر کیپٹن ہارٹلے عقبی صفوں میں ڈٹ گیا لیکن سویلین بھاگ کھڑے ہوئے۔ رات کو ان کی فوج ورگاؤں میں خیمہ زن ہوئی۔ ان کے خیموں پر گولہ باری کی گئی۔ حواس باختہ کمشنر، سندھیا کی منت سماجت پر اتر آئے کہ ان کی زندگیاں بخش دی جائیں اور جانیں بچانے کے لیے پسپا ہونے دیا جائے۔

جنوری 1779ء: معاہدہ ورگاؤں: بمبئی کی فوج کو واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ رگھوبا کو مرہٹوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے کمشنروں کی بزدلی دیکھتے ہوئے اپنی مرضی سے سندھیا کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں انگریزوں نے جو علاقے قبضے میں لیے تھے وہ بھی واپس کر دیئے گئے۔ کلکتہ کی مرکزی حکومت یہ خبر سن کر بہت برافروختہ ہوئی۔ نئے معاہدے کی تجویز دی گئی۔ اس دوران رگھوبا سورت کو فرار ہو گیا۔ سورت میں کرنل گوڈرڈ کو فوج کی کمان دے دی گئی تھی۔ نانا فرنویس نے رگھوبا کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ گوڈرڈ نے انکار کر دیا۔ چنانچہ نئی جنگ چھڑ گئی۔

1779ء: مرہٹوں کے ساتھ تیسری جنگ: کرنل گوڈرڈ نے گجرات کا رخ کیا۔ وہاں فتح سنگھ اور رگھوبا بھی اس کے پاس آ پہنچے۔ انہوں نے احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ہولکر اور سندھیہ کی قیادت میں مرہٹوں نے جوابی حملہ کیا لیکن شکست سے دوچار ہوئے اور برسات کے موسم میں دریائے نربدا کے کنارے مورچہ زن ہو گئے۔

1780ء: ہیسٹنگز نے حکم دیا کہ میجر پوفم کی قیادت میں ایک چھوٹی سی فوج تشکیل دی جائے جو آگرہ کے قریب سندھیہ کے مقبوضہ جات کے سامنے طاقت کا مظاہرہ کرے۔ پوفم نے گوالیار کا قلعہ فتح کر لیا۔ اب پوفم کی چھوٹی سی فوج میں اضافہ کر دیا گیا اور جنرل کارنک کی کمان میں مرہٹوں کی لشکر گاہ پر

کامیاب شب خون مارا گیا۔ سندھیا اپنا تمام سازوسامان پیچھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔

1780ء (اواخر): انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے مرہٹوں اور میسور کے درمیان بہت بڑا اتحاد قائم کیا گیا۔ ہولکر، سندھیا اور پیشوا (جو حقیقت میں نانا فرنویس ہی تھا) نے بمبئی پہ حملہ کرنا تھا۔ میسور کے حیدر علی نے مدراس پر اور مادھوجی بھونسلے، ناگپور (بیرار) کے راجہ نے کلکتہ پر حملہ آور ہونا تھا۔ (لیکن نتیجہ کیا نکلا، اس کا ذکر آگے آئے گا)

17 مئی 1782ء: معاہدہ سلبئی (گوالیار) کے تحت انگریزوں نے معاہدہ پورندھر 1776ء کے بعد حاصل کیے گئے علاقے واپس کرنا قبول کر لیا۔ رگھوبا نے دشمنی ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اسے سالانہ 3 لاکھ روپیہ دیا جانا طے پایا۔ اس نے رہائش کے لیے اپنی پسند کا مقام منتخب کیا۔ حیدر علی نے چھ ماہ کے اندر تمام انگریز قیدی رہا کرنا تھے۔ اس نے اپنے مفتوحہ علاقوں سے دستبردار ہونا قبول کیا۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں مرہٹوں کو حملہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔

حیدر علی

حیدر علی نے 1770ء میں مرہٹوں سے سمجھوتہ کر لیا تھا اور اس کے نتیجے میں امن و آشتی میں رہا۔ 1772ء میں رگھوبا کے ہاتھوں نارائن راؤ کے قتل اور نتیجتاً پیدا ہونے والے خلفشار کے بعد اس نے غیر ضروری مظالم کے ساتھ کرگ کو محکوم بنایا۔ 1774ء میں اس نے وہ تمام علاقے دوبارہ فتح کر لیے جو مرہٹوں نے چھین لیے تھے۔ 1775ء میں اس نے نظام حیدر آباد کے بھائی بسالت جنگ سے بیلاری لے لیا تھا۔ 1776ء میں

حیدر علی نے بمبئی پریذیڈنسی میں دھرواس کے قریب ساونور کو تباہ کیا۔ یہاں مرہٹہ سردار مراری راؤ کا راج تھا۔ پونا کی قائم مقام مرہٹہ حکومت نے حیدر علی کو کچلنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔

1778ء: میسور کی سلطنت دریائے کشنا تک پھیل گئی۔

1779ء: انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ حیدر علی نے فرانس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں نے فرانسیسیوں سے پانڈی چری اور ماہے چھین لیا۔

1780ء: حیدر علی انگریزوں کے خلاف بڑے اتحاد میں شامل ہو گیا اور مدراس پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔

1780ء: میسور کی دوسری جنگ: 20 جولائی کو حیدر علی درہ چینگامہ سے ہوتا ہوا کرناٹک میں داخل ہوا۔ اسے تباہ و برباد کر دیا۔ مظالم کیے، جلتے ہوئے دیہات کا دھواں مدراس سے دیکھا جا سکتا تھا۔ انگریز فوج کی تعداد صرف 8000 تھی اور یہ اس طرح تین جگہ منقسم تھی کہ ان کا آپس کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ کرنل بیلے بالائی علاقے سے ہو کر کمانڈر انچیف، سر ہیکٹر منرو سے جا ملنے کی کوشش میں تھا کہ ٹیپو نے مرہٹہ گھڑسواروں کے ایک بہت بڑے دستے کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ بیلے نے بڑی مشکل سے ٹیپو کو پسپا کیا اور آگے بڑھا لیکن اب حیدر علی اس کے اور منرو کے درمیان حائل ہو گیا۔

6 ستمبر 1780ء: حیدر علی نے بیلے کی فوج کو پالی لور کے گاؤں کے قریب کچل کر رکھ دیا۔ 1780ء کے آخر میں حیدر علی نے ارکاٹ پر قبضہ کر لیا۔

جنوری 1781ء: آئرکوٹ، تازہ کمک کے ساتھ سمندر کے ذریعے کلکتہ پہنچا۔ پورٹ نوو کے مقام پر اس نے حیدر علی پہ حملہ کیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔

جولائی 1781ء: کرنل پرسے کی قیادت میں بنگالی فوج، راجہ ناگپور کی فوج کے ساتھ اڑیسہ سے ہوتی ہوئی پولی کاٹ کے مقام پر کوٹے سے آ ملی۔ متحدہ فوج پالی لور میں (پولی کاٹ کے قریب) حیدر علی سے ٹکرائی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

27 ستمبر 1781ء: مدراس پریذیڈنسی میں شمالی ارکاٹ کے علاقے سولینگر گڑھ میں کوٹے کو نتیجہ خیز کامیابی حاصل ہوئی۔ بعد ازاں وہ برسات کے موسم میں مدراس کی چھاؤنی میں چلا گیا۔

1781ء اواخر: مدراس میں سر تھامس رمبولڈ کی جگہ لارڈ میکارٹنی کا تقرر ہوا۔ اس نے سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ نیگاپٹم کے ولندیزی قلعے پر حملہ کر کے اسے اور ولندیزی فیکٹریوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ کارروائی کورٹ آف ڈائریکٹرز کے خفیہ احکامات پر ہوئی جو جنوبی ایشیا میں ولندیزوں کی بڑھتی ہوئی تجارت پہ حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ تیلی چری میں بھی انگریزوں کو کچھ کامیابی ملی۔ حیدر علی کرناٹک کی مہم کو چھوڑ کر مالابار ساحل پہ حملے کے لیے روانہ ہو گیا۔

1782ء: سیلون میں ٹرنکومالی کی ولندیزی بندرگاہ کو تباہ کرنے کے بعد انگریزی بحری بیڑہ واپس آ رہا تھا تو پورٹ نوو کے قریب اس کا سامنا فرانسیسی بحری بیڑے سے ہوا۔ یہ بحری تصادم فیصلہ کن ثابت نہ ہوا۔ ایک مختصر سی فرانسیسی فوج پانڈی چری میں اتر گئی اور حیدر علی سے جا ملی۔

جولائی 1782ء: نیگاپٹم کے قریب دو بحری تصادم ہوئے۔ ایک فرانسیسی فوج پوائنٹ ڈیگال (سیلون) پہ اتری۔ اس نے ٹرنکومالی کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے یہ شہر دوبارہ فرانسیسی قبضہ میں لے لیا۔ انگریزی فوج بالکل تباہ ہو گئی۔ ایڈمرل ہیوز نے فرانسیسی بحری بیڑے کو سیلون سے نکالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ ہیوز اپنا

بحری بیڑہ لے کر بمبئی آ گیا۔ اب سیلون کے سمندروں میں فرانس کا راج تھا۔

1782ء اواخر: ٹیپو صاحب نے کوئمبتور کے قریب پال گھاٹ کے انگریزی مورچوں پر حملہ کیا۔ وہ اپنی پہلی یلغار میں ناکام رہا چنانچہ انگریزی مورچوں کا محاصرہ کر کے بیٹھ گیا۔ یہ محاصرہ 7 دسمبر تک برقرار رہا لیکن پھر حیدر علی کی اچانک موت کی خبر سن کر وہ اپنی فوج لے کر میسور واپس چلا گیا۔

6 دسمبر 1782ء: حیدر علی 80 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کے مشہور وزیر پورنیا نے ٹیپو کی آمد تک حیدر علی کی موت کی خبر صیغہ راز میں رکھی۔

دسمبر 1782ء: ٹیپو صاحب میسور کا فرمانروا بنا۔ اسے ورثے میں ایک لاکھ افراد پر مشتمل شاندار فوج، نقدی اور زر و جواہر کا بہت بڑا خزانہ ملا۔

یکم مارچ 1783ء: ٹیپو نے خاموشی سے اپنی طاقت مستحکم کی اور پھر منگلور پہ حملہ کرنے کے لیے مغربی ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔

جون 1783ء: بسی اب راس امید کے مشرق میں تمام فرانسیسی فوجوں کا کمانڈر تھا۔ وہ ایک فرانسیسی فوج کے ساتھ کڈالور کے ساحل پہ اترا۔ وہاں اسے پتا چلا کہ حیدر علی وفات پا چکا ہے اور ٹیپو مغربی ساحل کی مہم پر ہے۔ بسی پر اچانک جنرل سٹیوراٹ نے حملہ کر دیا۔ (جنرل سٹیوارٹ، سر آئرکوٹ کا جانشین تھا)

7 جون 1783ء: انگریزوں نے کڈالور کی ایک بیرونی چوکی شدید نقصان کے بعد حاصل کر لی۔ اسی دن کڈالور سے کچھ ہی دور سمندر میں ایڈمرل ہیوز اور فرانسیسیوں کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی۔ ہیوز کو بری طرح ہزیمت کے بعد مدراس واپس آنا پڑا۔ فاتح فرانسیسی امیر البحر "سفرین" نے 2400 ملاح اور جانبازان ساحل

پہ اتارے جو بسی کی فوج کا حصہ بن گئے۔

18 جون 1783ء: سارجنٹ برناڈو کی قیادت میں فرانسیسیوں کا ایک زوردار حملہ انگریزوں نے پسپا کر دیا۔ (سارجنٹ برناڈو، بعد میں سویڈن کا بادشاہ بنا) انہی دنوں خبر پہنچی کہ فرانس اور انگلستان کے درمیان امن قائم ہو گیا ہے چنانچہ جنرل سٹیوارٹ واپس مدراس چلا آیا۔ بسی نے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ دریں اثناء بمبئی حکومت نے ایک جنگی مہم میں بیدنور اور مالابار ساحل پہ متعدد مقامات پر قبضہ کر لیا۔ ٹیپو نے ادھر کا رخ کیا اور بیدنور واپس لیتے ہوئے پوری انگریزی فوج کو قیدی بنا لیا۔ پھر آگے بڑھ کر منگلور کا محاصرہ کر لیا۔ منگلور میں صرف 18 سو سپاہی تھے جبکہ ٹیپو کے پاس ایک لاکھ سپاہی اور ایک سو توپیں تھیں۔ لیکن بھرپور مزاحمت کی وجہ سے اسے منگلور تسخیر کرنے میں نو ماہ لگ گئے۔ ادھر کرنل فلرٹن نے مدراس سے نکل کر میسور پہ چڑھائی کر دی۔ اس نے کائمبتور پہ قبضہ کر لیا اور سرنگاپٹم کی طرف بڑھا۔ لیکن اسے لارڈ میکارٹنی نے واپس بلا لیا۔ میکارٹنی نے احمقانہ طور پر امن مذاکرات شروع کر دیے تھے۔ مذاکرات میں زیر بحث پہلی تجویز باہمی مخاصمت کا خاتمہ تھا۔ میکارٹنی نے انگریزی سپاہ واپس بلا لی لیکن ٹیپو نے ارد گرد کے علاقے میں اپنی پیش قدمیاں جاری رکھیں۔ اس نے کمشنروں پہ قابو پا لیا اور انہیں اس وقت تک واپسی کی اجازت نہ دی جب تک انہوں نے ٹیپو کی مرضی کے مطابق معاہدہ منگلور پر دستخط نہ کر دیے۔ اس کے تحت ایک دوسرے کے مقبوضہ علاقوں کی باز یابی پرامن طریقے سے عمل میں لانا طے پایا۔

1770-1775ء: مدراس کے پریذیڈنٹ مسٹر وانتش نے تنجور کے معاملات بگاڑ

دیئے۔ (وانٹش کے عہد میں کرناٹک کے نواب نے کمپنی کے سپاہیوں کی مدد سے تنجور پہ قبضہ کیا اور خوب لوٹ مار کی۔ لیکن عملاً لوٹ مار کا بڑا حصہ نواب کے "ساہوکاروں" کے ہاتھ لگا۔) لندن میں کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اس پر شدید برہمی کا اظہار کیا۔

1775-1777ء: مدراس کا نیا پریزیڈنٹ لارڈ پگٹ، معمر فرد تھا۔ اس نے ڈائریکٹروں کے حکم پر نہ صرف تنجور کے راجہ کو بحال کر دیا۔ (1776ء میں کرناٹک کے کمپنی کے نواب "محمد علی" نے راجہ سے اقتدار چھین لیا تھا۔) بلکہ مختلف سرکاری محکموں میں بدعنوانی اور غبن کے معاملات کی چھان بین شروع کر دی۔ اس کی چھان بین کا خصوصی نشانہ "پال بن فیلڈ" نامی شخص تھا جس پر تنجور کے محاصل میں خرد برد کا الزام تھا۔ مقامی کونسل نے ہمیشہ پریزیڈنٹ کی مخالفت کی تھی۔ کونسل کے ارکان نے سرعام پریزیڈنٹ کی بے عزتی کر دی۔ لارڈ پگٹ نے دو ارکان کو معطل کر دیا۔ کونسل کے ارکان کی اکثریت نے پگٹ کو جیل میں ڈال دیا اور اس کی موت تک کڑی نگرانی میں رکھا۔ ایک پریزیڈنٹ کے قتل پر کسی کو کوئی سزا نہ دی گئی۔

1777-1780ء: سر تھامس رمبولڈ کو مدراس کا پریزیڈنٹ بنایا گیا۔ اس کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس کا جانشین لارڈ میکارٹنی تھا جو 1781ء کے آخر میں ہندوستان پہنچا۔

1783-1785ء: وارن ہیسٹنگز کے نظم و نسق کا خاتمہ--- ہیسٹنگز کو چاروں طرف سے تنگ کیا جانے لگا چنانچہ اس کے مزاج میں بھی برہمی اور شدت پسندی آ گئی۔ مکروہ سپریم کورٹ جو خود کو انتظامیہ کے تمام شعبوں سے بالاتر سمجھتی تھی حکومت کے اقدامات کی

ناظر بن گئی۔ حکومت نے قانون منظور کیا تھا کہ زمینداروں کو محض مالیہ وصول کرنے والے عامل سمجھا جائے گا اور انہیں صرف اس صورت میں گرفتاری یا سزا کے قابل سمجھا جائے گا جب وہ کوتاہی اور غفلت کے مرتکب ہوں، لیکن انگریز ججوں نے اس قانون کا اندھا دھند استعمال شروع کر دیا۔ اکثر اوقات بڑے بڑے زمینداروں (نام نہاد زمینداری راجاؤں) کو محض معمولی کوتاہی پر عام لوگوں کی طرح اٹھا کر جیلوں میں پھینکنا شروع کر دیا--- چنانچہ زمینداروں کی ساکھ کو نقصان پہنچا۔ رعیت (کاشتکار) انہیں لگان دینے سے بعض اوقات انکار کر دیتے۔ جواب میں زمینداروں کا رعیت پہ ظلم و ستم بڑھ گیا۔

جارج اول کے منشور (1726ء) اور جارج سوم کے منشور (1773ء) کے تحت سپریم کورٹ تشکیل دیتے ہوئے انگلستان کے عمومی قوانین ہندوستان میں بھی نافذ العمل ہو گئے۔ ہندوستان میں انگریز احمقوں نے ان قوانین پر سختی سے عمل کیا۔ چنانچہ مقامی لوگ ان باتوں پہ پھانسی چڑھائے جانے لگے جو ان کے قوانین کے مطابق جرائم نہیں تھے۔

کوسی جراہ کا مقدمہ اسی پیچیدگی کی مثال بن گیا۔ ملزمان سے ضمانت طلب کرنے کے انگریزی عدالتی نظام میں مقدمہ کی سماعت، ضمانت مہیا کیے جانے تک التوا میں پڑی رہتی ہے۔ اس مقدمہ میں راجہ کوسی جراہ کے خلاف لگان کی وصولی میں بے قاعدگی کا الزام تھا۔ سپریم کورٹ کا بیلف راجہ کے گھر زنانہ میں گھس گیا اور ملزم کی حاضری یقینی بنانے کے لیے ضمانت کے طور پر خاندانی مورتی اٹھا لایا۔ ہیسٹنگز نے راجہ کو تحفظ فراہم کیا اور حکم جاری کیا کہ دیوانی مقدمات میں مقامی لوگ اس وقت تک

سپریم کورٹ میں حاضری سے مستثنیٰ ہیں جب تک وہ خود اپنی آزادانہ مرضی سے اس کے دائرۂ کار کو تسلیم نہ کریں۔ سپریم کورٹ نے من مانی کرتے ہوئے کونسل اور گورنر جنرل کو توہین عدالت کے الزام میں طلب کر لیا۔ ہیسٹنگز نے سپریم کورٹ کی طلبی کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

ریونیو ایڈمنسٹریشن اور "وارن ہیسٹنگز کوڈ" میں ردوبدل کیا گیا۔ دوسری باتوں کے علاوہ اس نے ریونیو کو سول انتظامیہ سے الگ کر دیا۔ پہلے انتظام کو "عبوری" اور نئے کو ضلعی قرار دے کر ان دونوں پہ ایک کورٹ آف اپیل یعنی "صدر۔۔۔ دیوان عدالت" کو بٹھا دیا گیا۔ اس منصب پہ چیف جسٹس سرالیجاہ امپے کا تقرر کیا گیا۔

1784ء: چیت سنگھ کے مقدمہ کا شور مچا۔ ہیسٹنگز نے چیت سنگھ کو بنارس کا راجہ بنایا تھا۔ اسی سال فیض اللہ خان روہیلہ کا معاملہ سامنے آیا۔

اودھ کے نواب آصف الدولہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا جس کے تحت انگریزی فوج کی اودھ میں تعیناتی تھی۔ فوج کی تعداد کم کر کے کچھ باہمی مفادات کا تعین کر لیا گیا۔ معاہدے کی تیسری شق حافظ رحمت روہیلہ کے بھتیجے فیض اللہ خان کے بارے میں تھی۔ اسے یہ معاہدہ پابند کرتا تھا کہ جب وہ روہیلہ سردار بن جائے گا تو 3 ہزار سپاہی مہیا کرے گا تاکہ کمپنی کی فوج کی طاقت میں اضافہ کیا جا سکے۔ ہیسٹنگز نے بعد میں 5 ہزار آدمیوں کا مطالبہ کر دیا۔ فیض اللہ نے جواب دے دیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اودھ کے ساتھ ہیسٹنگز کے معاہدہ کی تیسری شق کے مطابق دعویٰ کیا گیا کہ روہیل کھنڈ چونکہ نواب اودھ کی جاگیر ہے اس لیے نواب اودھ کو یہ فیض اللہ خان سے واپس لے لینی چاہیے۔ ایسا ہی کیا گیا لیکن فیض اللہ نے 15 لاکھ روپیہ دے کر دوبارہ اس کا قبضہ لے

لیا۔ ہیسٹنگز واپس کلکتہ چلا گیا۔

1785ء: ہیسٹنگز کلکتہ میں گورنر جنرل کے منصب سے استعفاء دے کر واپس انگلستان چلا گیا۔ وطن میں اس کے ساتھ بہت بدسلوکی ہوئی۔ وزیراعظم انگلستان مسٹر پٹ اس کا دشمن تھا چنانچہ ہیسٹنگز بری طرح بدنام ہوا۔ پٹ کے ساتھی اور پارلیمان کے رکن مسٹر برک نے پارلیمنٹ میں ہیسٹنگز پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس پر عائد کیے جانے والے الزامات میں سے ایک اس کی الحاق کی پالیسی تھی جسے پٹ ناپسند کرتا تھا۔ لیکن بڑا الزام یہ تھا کہ اس نے ہندوستان میں کمپنی کے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ تنخواہوں میں اضافہ کر کے ہیسٹنگز دراصل یہ چاہتا تھا کہ کمپنی میں ادنیٰ طبقے کے لوگ مقامی لوگوں کو لوٹ مار کا نشانہ نہ بنائیں جو ہندوستان میں آتے ہی اپنی قسمت بنانے کے لیے تھے۔ ہیسٹنگز 86 سال کی عمر میں 1818ء میں مر گیا۔

برطانیہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات

مارچ 1780ء: ایسٹ انڈیا کمپنی کے استحقاق و مراعات میں ہر تین سال کے بعد توسیع کر دی جاتی تھی۔ یہ مدت ایک دفعہ پھر ختم ہو گئی۔ پارلیمنٹ کے ذریعے 1883ء تک تجدید نو کا ایکٹ منظور کر لیا گیا۔ کمپنی کو 4 لاکھ پونڈ کے بقایا جات سرکاری خزانے میں جمع کرانے تھے جو اس کے ذمہ سرکاری قرضے کی صورت میں چلے آ رہے تھے۔ ایک خفیہ پارلیمانی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ذمہ حیدر علی کے ساتھ جنگ کی تحقیقات اور مقامی بنگالیوں کی طرف سے سپریم کونسل کلکتہ کے ناروا سلوک کے خلاف درخواستوں کا جائزہ لینا تھا۔

19 اپریل 1782ء: ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ایک رکن ہنری ڈنڈاس نے ہندوستان میں کمپنی کے طرز عمل کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس نے وارن ہیسٹنگز کی واپسی کے لیے تحریک پیش کی جسے پارلیمنٹ نے منظور کر لیا۔ لیکن پروپرائیٹرز کورٹ نے اپنے ایک اجلاس میں ڈائریکٹرز کو "واپس طلب کرنے" کے احکامات جاری کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ (ہنری وہی بدکردار شخص تھا جس پر پارلیمنٹ میں 1806ء میں ارل آف میلوئیل کی حیثیت سے بدعنوانی کا مقدمہ چلا۔ یہ پہلے نارتھ اور فاکس کا حلیف تھا' پھر پٹ (وزیراعظم) سے مل گیا)

1782ء: لارڈ نارتھ کی وزارت عظمیٰ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد شیلبورن وزیراعظم بنا۔ اپریل 1783ء میں نارتھ اور فاکس کی مخلوط حکومت اقتدار میں آ گئی۔

1783ء: نارتھ اور فاکس کی مخلوط حکومت: فاکس کا انڈیا بل پیش کیا گیا۔ کمپنی نے ایک اور سرکاری قرضے کے لیے درخواست کی۔ پہلا قرضہ پارلیمنٹ نے 1772ء میں منظور کیا تھا۔ دوسرے قرضے کے معاملے پر ملک بھر میں شور مچ گیا۔ اپنے بل میں فاکس نے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں: کمپنی کا چارٹر چار سال کے لیے معطل کر دیا جائے۔ اس دوران ہندوستان میں حکومت کے فرائض پارلیمنٹ کے نامزد کردہ سات کمشنر سرانجام دیں۔ تجارت کے تمام امور نو اسسٹنٹ کمشنر سنبھالیں۔ ان اسسٹنٹ کمشنروں کی نامزدگی کورٹ آف پروپرائٹرز کرے۔ "زمینداروں" کو موروثی مالکان اراضی تسلیم کیا جائے۔ جنگ اور معاہدوں کے تمام معاملات میں ہندوستان کی حکومت' انگلستان میں قائم بورڈ آف کنٹرول کے ماتحت ہو۔ (اس آخری شرط کو بعدازاں مسٹر پٹ کے بل میں شامل کر لیا گیا۔ تاہم لارڈ ویلزلی نے ہندوستان میں اپنے دور

اقتدار میں اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی) فاکس کا بل ایوان زیریں نے منظور کر لیا لیکن جارج سوم نے ایوان بالا کو حکم دیا کہ اس بل کو پھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

جنوری 1784ء: جارج سوم نے فاکس اور اس کے حلیفوں کی حکومت برطرف کر دی۔ مسٹر پٹ نئی وزارت کا سربراہ بنا۔ وہ کمپنی کے لیے دوستی اور خیرخواہی کے جذبات رکھتا تھا۔ اس نے کئی طرح سے کمپنی کی تجارت کو فائدہ پہنچایا۔

13 اگست 1784ء: "پٹ کا انڈیا بل" منظور ہوا۔ پریوی کونسل کے چھ ارکان پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا جسے ہندوستان میں ریونیو کے امور سنبھالنا تھے۔ تین ڈائریکٹروں پر مشتمل ایک کمیٹی آف سیکریسی بنائی گئی۔ بورڈ سے احکامات وصول کرنا اور جاری کرنا اس کمیٹی کی ذمہ داری تھی۔ کورٹ آف پروپرائٹرز کے پاس حکومت کے کوئی اختیارات نہ تھے۔ جنگ اور امن کے معاملات بورڈ آف کمشنرز کے احکامات کے تابع تھے۔ نئے مقبوضہ جات کے الحاق کی پالیسی کو ترک کر دیا جانا تھا۔ ہندوستان کی حکومت کے ماتحت ہر افسر کو انگلستان واپسی پر اپنی جائیداد کی تفصیل پیش کرنے کا پابند بنایا گیا۔ یہ جائیداد جس طریقے یعنی ذرائع سے بنائی گئی اس کی وضاحت بھی ضروری تھی۔ پٹ کا انڈیا بل 1784ء میں زبردست اکثریت کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ اب بورڈ آف کمشنرز کا پریذیڈنٹ ہی حقیقی معنوں میں حکومت ہندوستان کا آمر مطلق تھا۔ اس منصب پر سب سے پہلے جس شخص کو بٹھایا گیا وہ "ناکارہ ڈونڈاس" تھا۔

ڈونڈاس (میلوئیل) کے سامنے جو معاملہ سب سے پہلے لایا گیا وہ نواب ارکاٹ (محمد علی) کے قرضوں سے متعلق تھا۔ یہ

محمد علی ایک بدترین عیاش، بدقماش اور شرابی شخص تھا۔ اس نے مختلف لوگوں سے بڑی بڑی رقموں کے قرضے لے رکھے تھے۔ ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے وہ قرض خواہوں کو مختلف علاقوں سے مالیہ وصول کرنے کا اختیار دے دیتا۔ یہ قرض خواہ فریبی، سود خور انگریز تھے۔ ان کے لیے یہ سودا انتہائی منفعت بخش رہتا۔ یہ وبا جلد ہی بڑے زمینداروں میں پھیل گئی۔ نواب کو قرضہ دینے کے بعد وہ رعیت پر جبر و تشدد کر کے ان کا خون نچوڑنے کا اختیار حاصل کر لیتے۔ اس بہیمانہ سلوک میں نودولتے یورپی (انگریز) زمیندار سب سے آگے تھے۔ مقامی کاشت کار اور پورا کرناٹک ان لوگوں کے ہاتھوں تباہ ہو کر رہ گیا۔

1785ء: خون آشام ڈونڈاس اور اس کی سربراہی میں بورڈ کے کمشنروں نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے خون چوسنے والے انگریز بے ایمانوں کے بہترین مفاد میں طے کیا۔ قرض خواہوں کے شکنجے سے کرناٹک کا علاقہ نکالنے کے بہانے نواب کے قرض خواہوں کو 4 لاکھ 80 ہزار پونڈ سالانہ کرناٹک کی آمدنی سے ادائیگی کی تجویز بل کی صورت میں پیش کی گئی۔ دارالعوام میں "بے چارے ڈونڈاس" کو بتایا گیا کہ اس منصوبہ کے تحت بن فیلڈز اور دیگر قرض خواہوں کو ایک خطیر رقم ملے گی جو پہلے ہی ناجائز ذرائع سے کرناٹک کی آمدنی ہڑپ کر چکے ہیں۔ وزیراعظم پٹ کی رذیل حکومت نے یہ بل فاتحانہ انداز میں منظور کر لیا۔ اس طرح ایوان کے ذریعے صرف پال بن فیلڈز کو کرناٹک کی آمدنی سے 6 لاکھ پونڈ وصول ہوئے۔ یہ "ہنرمندی" ڈونڈاس کی تھی جو بعد میں اسی بکروہ دھندے کے سبب سیاسی انجام کو پہنچا۔ (1806ء میں ڈونڈاس کے خلاف بحریہ کے لیے مختص رقم میں ایک بڑے غبن کا مقدمہ دارالامراء میں چلایا گیا۔ وہ 1804ء سے 1805ء تک بحریہ کے امور کا نگران رہا تھا۔)

1785ء میں نواب ارکاٹ کے قرضوں کے حوالے سے اس بدعنوان شخص نے قرضوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا۔ سب سے بڑا مجموعی قرضہ 1777ء کا تھا۔ وارن ہیسٹنگز کے بھیجے گئے منصوبہ کے مطابق یہ قرضہ 15 لاکھ میں بیباق کر دیا جاتا لیکن ڈونڈاس کی سکیم کے تحت 50 لاکھ ادا کیے گئے۔ بیس برس بعد 1805ء میں جب آخری قرضہ چکایا گیا تو --- توقع کے مطابق --- معلوم ہوا کہ اس دوران محمد علی نے 3 کروڑ کے مزید قرضے حاصل کر لیے ہیں۔ چنانچہ نئی تحقیقات شروع ہو گئیں جو 50 سال تک چلتی رہیں اور اس پر 10 لاکھ پونڈ اخراجات آئے تب جا کر نواب محمد علی کے قرضوں کا معاملہ ختم ہوا۔ برطانوی حکومت نے (کمپنی نے نہیں) کچھ اس طرح ہندوستان کے غریب عوام کا خون وزیراعظم پٹ کے بل کے بعد بے رحمی سے نچوڑا۔

لارڈ کارنوالس کی انتظامیہ
(1785-1793ء)

1785-1786ء: وارن ہیسٹنگز کی ریٹائرمنٹ کے بعد سر جان میکفرسن کو ہندوستان میں گورنر جنرل بنایا گیا۔ وہ کلکتہ کونسل کا سینئر ممبر تھا۔ اس نے اقتصادی اصلاحات کے ذریعے حکومت کا قرضہ [illegible]0 لاکھ پونڈ تک کم کر دیا۔ گورنر جنرل کے عہدے پر لارڈ میکارٹنی کی نامزدگی کی جانے والی تھی لیکن پارلیمنٹ میں ڈونڈاس کی مخالفت کی وجہ سے میکارٹنی کا نام واپس لے لیا گیا۔

1786ء: کارنوالس کلکتہ پہنچا۔ اودھ کے نواب آصف الدولہ نے استدعا کی کہ اس کے علاقے میں موجود انگریزی فوجوں کے اخراجات میں کمی کی جائے۔ کارنوالس نے انہیں 74 لاکھ سے کم کر کے 50 لاکھ کر دیا۔

حالانکہ اودھ کا ریزیڈنٹ اس کمی کا مخالف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آصف الدولہ رقاصاؤں اور شکار کی مہموں پہ بے جا اخراجات کر رہا ہے۔
نانافرنویس نے نظام حیدر آباد سے اتحاد کر کے کھلم کھلا ٹیپو کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ٹیپو نے نانافرنویس کو 45 لاکھ روپے دے کر مطمئن کر دیا۔

1788ء: برطانوی سپاہیوں نے گنتور سرکار کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ 1768ء کے معاہدہ میں نظام نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اس صوبے کے گورنر بسالت جنگ کی موت کے بعد یہ علاقہ کمپنی کے حوالے کر دیا جائے گا۔ بسالت جنگ 1782ء میں وفات پاچکا تھا۔ نظام نے مطالبہ کیا کہ انگریز اب معاہدے کی دیگر شرائط بھی پوری کریں جن میں کرناٹک بالاگھاٹ کا علاقہ حیدر علی کے خاندان سے بزور حاصل کرنا تھا تاکہ وہ اس علاقے کی آمدنی سے مرہٹوں کو چاوتھ ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ لیکن انگریزوں نے مسلسل دو معاہدوں میں حیدر علی اور پھر ٹیپو کو کرناٹک بالاگھاٹ کا جائز فرمانروا تسلیم کر لیا۔

1788ء: کارنوالس نے نظام سے وعدہ کیا کہ انگریزوں کے اتحاد میں شامل کسی بھی طاقت کے علاوہ نظام پہ حملہ آور ہونے والوں کے خلاف عسکری امداد دی جائے گی اور جوں ہی کرناٹک بالاگھاٹ کا علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں آئے گا اسے فوراً نظام کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔
کارنوالس کی اس منافقت پر ٹیپو سلطان بہت برہم ہوا۔
ٹراونکور کا راجہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا حلیف تھا۔ اس نے کوچین کے علاقے میں ولندیزوں سے دو شہر خرید لیے۔ کوچین کا سردار، ٹیپو سلطان کا باج گزار تھا۔ اس نے ٹیپو کے حکم پر اعلان کر دیا کہ یہ دونوں شہر اس کی ملکیت ہیں۔ راجہ نے انگریزوں سے اور سردار نے ٹیپو سے مدد کی درخواست کر دی۔ ٹراونکور کی سرحدوں پر حملہ کر دیا گیا لیکن راجہ نے

اسے پسپا کر دیا۔ ٹیپو اور انگریزوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

1790ء: کارنوالس نے نانا فرنویس اور نظام کے ساتھ سہ فریقی معاہدہ کیا جو بیک وقت مدافعت اور جارحیت کے لیے اتحاد تھا۔

1790-1792ء: میسور کی تیسری جنگ: 1791ء میں کارنوالس نے بذات خود کمان سنبھالی۔ فروری 1792ء میں سرنگا پٹم کی فصیل پناہ سے انگریزوں کی یورش پر ٹیپو نے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ امن شرائط کے مطابق اسے اپنا آدھا علاقہ اور تینوں اتحادیوں کو تیس لاکھ پونڈ تاوان جنگ ادا کرنا تھا۔ اسے اپنے دو بیٹے بطور یرغمال انگریزوں کے حوالے کرنا پڑے۔ اسے مرہٹوں کو بھی تیس لاکھ روپے ادا کرنا تھے۔ کمپنی نے اپنے لیے ڈنڈی گل اور بارا محل مضافاتی علاقوں سمیت اپنے قبضہ میں لے لیا۔ بمبئی کے قریب ٹیپو کے علاقے میں سے بھی کچھ انگریزوں نے اپنی تحویل میں رکھنے کا اعلان کر دیا۔ ٹیپو کے بقیہ علاقوں میں سے ایک تہائی (جس میں کرناٹک بالاگھاٹ بھی شامل تھا) پیشوا کو اور مزید ایک تہائی نظام حیدر آباد کو مل گیا۔ کارنوالس کی توسیع پسندی کے خلاف دارالعوام میں آوازیں بلند ہوئیں لیکن بے اثر ثابت ہوئیں۔ کارنوالس کو مارکوئیس بنا دیا گیا۔ برطانوی امراء کا یہ خصوصی نوابی رتبہ تھا۔

ستمبر 1783ء: فرانسیسیوں کا آخری اور اہم ترین مقبوضہ علاقہ پانڈی چری، انگریز کرنل برتھ ویٹ نے چھین لیا۔ کارنوالس نے قانونی اصلاحات متعارف کرائیں۔ اسی برس کے آخر میں وہ انگلستان واپس چلا گیا۔

1784-1794ء: مرہٹہ سردار سندھیا: 1782ء میں معاہدہ سلبئی (گوالیار) کے ذریعے سندھیا کو جنوبی ہندوستان میں زبردست قوت و اختیار

ملا۔

1784ء: سندھیا نے دہلی جاکر شاہ عالم کو کٹھ پتلی مغل شہنشاہ بنا لیا۔ شاہ عالم، عالمگیر ثانی کا بیٹا ایک زمانے میں جری شہزادہ کہلاتا تھا۔ شاہ عالم نے سندھیا کو سلطنت کا "مدار المہام" اور شاہی فوجوں کا کمانڈر انچیف بنا دیا۔ ان مناصب کے ساتھ ساتھ اسے دہلی اور آگرہ کے صوبے بھی دے دیئے گئے۔ سندھیا نے راجپوتوں پر حملہ کیا لیکن بری طرح شکست سے دوچار ہوا۔ اس کی "شاہی" فوجیں فرار ہو کر دشمن سے جا ملیں۔

1787ء: سندھیا پر سابق مدار المہام محمد بیگ کے بھتیجے اسماعیل بیگ نے حملہ کر دیا۔ اسماعیل نے آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اسے غلام قادر روہیلہ کے مضبوط جتھے کی معاونت بھی میسر آ گئی۔ سندھیا دشمنوں پہ حملہ آور ہونے کے لیے دہلی سے نکلا مگر ناکام رہا۔ روہیلے شمال کی طرف پیش قدمی کر گئے۔ سندھیا نے موقع غنیمت جانا اور اسماعیل بیگ کی مختصر سی فوج کو روند ڈالا۔ روہیلے پلٹ کر جھپٹے اور دہلی پہ قابض ہو گئے۔ دو ماہ تک شہر میں لوٹ مار جاری رہی۔ بالآخر شاہ عالم کو اندھا کر کے قیدی بنا لیا گیا۔ اب اسماعیل بیگ نے سندھیا سے اتحاد کر لیا۔

1788ء: ان دونوں نئے اتحادیوں نے مشترکہ مہم کے دوران دہلی حاصل کر لیا۔ شاہ عالم کو دہلی کے تخت پر بحال کر دیا گیا اور غلام قادر کو اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اسماعیل بیگ کو ایک قیمتی جاگیر مل گئی۔ سندھیا اب دہلی کا حقیقی حکمران تھا۔ اس نے فرانسیسیوں، انگریزوں اور آئرستانی افسروں کی قیادت میں ایک شاندار سپاہ تیار کی۔ فاؤنڈریاں قائم کی گئیں جہاں ان گنت توپیں تیار ہوئیں۔

1791ء: سندھیا نے راجپوتوں کے خلاف کامیاب مہم جوئی کی۔ اب اس نے مغل سلطنت مرہٹوں کو منتقل کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا۔

1792ء: شاہ عالم کو مجبور کیا گیا کہ موروثی نائبین کا خطاب سندھیا اور اس کے ورثاء کو منتقل کر دے اور وکیل المطلق (قائم مقام سلطنت) کا خطاب پیشوا کو دے دے۔ وہ خود پونا گیا اور پیشوا کو یہ عزت بخشی جس نے اپنی سلطنت میں اسے نانا فرنویس کے ہم مرتبہ وزیر بنایا۔ اس واقعے کے بعد اپنے وقت کے گہرے سیاست دان نانا فرنویس اور سندھیا کے درمیان سازشیں شروع ہو گئیں جو بعد میں مرہٹوں کی تاریخ کا رخ تبدیل کر گئیں۔

1793ء: مرہٹہ سرداروں میں ہولکر قوت و اختیارات کے حوالے سے دوسرے نمبر پر تھا۔ سندھیا نے ایک جنگ میں اسے بھی شکست دی اور ہندوستان کا مختار کل بن گیا۔

1794ء: مہتہ جی سندھیا اچانک مر گیا۔ اس کے تمام خطابات اور عہدے اس کے بھتیجے دولت راؤ سندھیا کو ملے۔

پارلیمانی کارروائیاں
(1793-1786ء)

1786ء میں برطانیہ کی پارلیمنٹ نے قانون منظور کیا جس کے تحت گورنر جنرل کو اختیارات مل گئے کہ وہ کونسل سے مشورہ کیے بغیر ذاتی طور پر قانون بنا سکتا ہے۔

1788ء: ڈیکلیریٹری ایکٹ، کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز اور تاج برطانیہ کے نمائندے بورڈ آف کمشنرز کے درمیان محاذ آرائی کا شاخسانہ تھا۔ وزارت نے ہندوستان میں خصوصی خدمات کے لیے چار نئی رجمنٹیں قائم کرنے کے احکامات جاری کیے۔ کمپنی نے ان کے اخراجات برداشت کرنے سے انکار کر دیا۔ بورڈ آف کمشنرز نے کمپنی کو فنڈز مہیا کرنے کا حکم دیا۔

جواب میں ڈائریکٹرز نے اعلان کیا کہ مالی امور کی نگرانی کے حتمی اختیارات ان کے پاس ہیں۔ وزیراعظم پٹ نے بیان دیا کہ کابینہ مستقبل قریب میں ہندوستان میں حکومت کے تمام اختیارات قوم کے ہاتھوں میں دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ایسا اعلان 1784ء میں بھی کیا جا چکا تھا۔ ایوان میں ہنگامہ خیز بحث ہوئی۔ ڈیکلیریٹری ایکٹ صرف 1784ء کے ایکٹ کو ہی نافذ کر سکا۔ بورڈ آف کمشنرز کو اختیارات دے دیے گئے کہ وہ تمام ریاستی امور میں کمپنی کا طرز عمل متعین کرے گا۔ 1793ء میں کمپنی کی مراعات و استحقاق میں ایک نئے چارٹر کے تحت بیس سال کے لیے توسیع کر دی گئی۔

رعیت کی زمینیں زمینداروں کے حق میں ضبط کرنے کا اختیار

بنگال کی اراضی گورنر جنرل کی طرف سے پہلے سروے کے دوران زمینداروں کی ذاتی ملکیت تسلیم کر لی گئیں۔

1793ء: یہ سروے بنگال کے گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کے حکم پر مرتب کیا گیا۔ (1765ء میں انگریزوں نے دیکھا کہ زمیندار (سرکاری محاصل جمع کرنے والے زمیندار) زمینداری راجاؤں کے درجے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ یہ درجہ انہیں مغل اقتدار کے دوران بتدریج حاصل ہو گیا تھا۔ اس منصب کی موروثی نوعیت اس لیے بن گئی کہ مغل کوئی عرصہ یا مدت طے کرنے کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ چونکہ سالانہ محاصل متعین کر دیئے جاتے تھے چنانچہ انہیں جمع کر کے حکومت کو پیش کرنے والے زمیندار کا متعلقہ ضلع اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ طے شدہ آمدنی سے زائد چونکہ زمیندار کی تجوری میں جاتا تھا چنانچہ وہ رعیت کی کھال اتار لیتا۔ یہ زمیندار لوٹی ہوئی دولت، چھینی ہوئی زمینوں، سرکاری منصب اور حفاظتی دستوں کے بل بوتے پر راجہ کا درجہ حاصل کر لیتے۔

1765ء کے بعد سے انگریزی حکومت نے انہیں محض ماتحت ٹیکس کلکٹر بنا دیا جو مخصوص قانونی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے اور انہیں معمولی غفلت یا ادائیگی میں بے قاعدگی پر جیل میں ڈال دیا جاتا۔ زمینداروں کو تو لگام ڈال دی گئی لیکن رعیت کی بہتری کے لیے کچھ نہ کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلسل افلاس اور مصیبت میں تھے۔ پورا ریونیو سسٹم ہی کسی نظم و ضبط سے عاری ہو گیا۔

1786ء: کمپنی کے ڈائریکٹروں نے پالیسی کے طور پر زمینداروں میں ایک نئی "وابستگی" داخل کی۔ طے کیا گیا کہ زمینداروں کو جو مراعات حاصل تھیں وہ انہیں استحقاق کے طور پر نہیں بلکہ کونسل کے گورنر کی خوشنودی اور حمایت کے ذریعے میسر آ سکتی ہیں۔ زمینداروں کی حقیقی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا۔ رعیت نے زمینداروں کے انتقام کے خوف سے کوئی شہادت یا بیان دینے سے انکار کر دیا۔ زمینداروں نے تمام تحقیقات سے خود کو بچا لیا۔ چنانچہ جائزہ کمشنروں کا کام ٹھپ ہو کر رہ گیا۔

1793ء: لارڈ کارنوالس نے تحقیقاتی کمیشن ختم کر دیا اور اچانک کسی احتجاج کے بغیر کونسل کے ذریعے ایک قانون نافذ کر دیا کہ تمام زمیندار ان علاقوں کے مالک تصور کیے جائیں گے اور یہ ملکیت موروثی ہو گی جن علاقوں سے وہ حکومت کو سالانہ ٹیکس نہیں بلکہ خزانے میں ایک طرح کا خراج جمع کراتے ہیں۔

مسٹر شور، جو بعد میں سر جان شور اور ناکارہ کارنوالس کا جانشین بنا، کونسل میں ہندوستان کی روایات کی تباہی پر چیخ اٹھا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ کونسل میں ارکان کی اکثریت مسلسل قانون سازی کے بوجھ اور ہندوؤں کے جاہ و منصب کے دائمی تنازعات سے جان چھڑانے کے لیے زمینداروں کو مالکان اراضی بنانا چاہتی ہے تو اس نے دس سال کے

عرصہ کی تجویز پیش کی لیکن کونسل نے دائمی ملکیت کا اعلان کر دیا۔ بورڈ آف کمشنرز نے اس حل پہ داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے اور۔۔۔ وزیراعظم پٹ کی سرپرستی میں پارلیمنٹ نے "ہندوستان کے زمینداروں کو موروثی مالکان اراضی کی مستقل حیثیت" دینے کا قانون منظور کر لیا۔ یہ قانون کلکتہ میں مارچ 1793ء میں حیرت زدہ زمینداروں کے لیے بے پناہ خوشی کے ساتھ نافذ کر دیا گیا۔ مذکورہ اقدام جتنا اچانک تھا اتنا ہی غیر قانونی کیونکہ توقع یہ تھی کہ انگریز ہندوؤں کے لیے ممکنہ حد تک ان کے اپنے قوانین کے مطابق یہ قانون مرتب کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزوں نے متعدد ایسے قوانین بھی منظور کیے جو رعیت کو عدالتوں میں زمینداروں کے خلاف شکایات کا ازالہ کرتے تھے اور لگان میں اضافے سے تحفظ دیتے تھے۔ لیکن یہ قوانین عملاً بے کار اور مردہ تھے۔ موجودہ صورت حال میں رعیت اس طرح زمینداروں کے رحم و کرم پر تھی کہ وہ اپنے دفاع میں عدالت میں جانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ مذکورہ بالا اقدامات میں سے ایک زمینوں پر ہمیشہ کے لیے لگان عائد کرنے کا قانون تھا۔ اس کے مطابق ایک تحریری "پٹہ"۔۔۔ لگان داری کی مدت اور سالانہ ادائیگی کی رقم وغیرہ پہ مشتمل دستاویز۔۔۔ رعیت کو دی جائے گی۔ اسی ضابطہ کے تحت زمیندار کو اختیار اور اجازت حاصل تھی کہ وہ نئی زمین پہ کاشتکاری شروع کر کے اس زمین کی قیمت کا ازسرنو تعین کر سکے اور غلے کی زیادہ سے زیادہ قیمت کے مطابق کھیتوں پہ لگان میں اضافہ کر سکے۔

1793ء: کارنوالس نے وزیراعظم پٹ کے ساتھ مل کر مصنوعی طریقے سے بنگال کی دیہی آبادی کو بے دخل کر دیا۔

1784ء: برطانوی قانون ساز اداروں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات اور ہندوستان میں برطانوی مقبوضہ جات کے امور کو باقاعدہ بنانے کے لیے

فیصلہ کن انداز میں مداخلت کی۔ اس مقصد کے لیے جارج سوم کے 24 ویں ایکٹ کی منظوری دی گئی جو برطانوی ہند کے آئین کی بنیاد بنا۔ اس ایکٹ کے تحت "امور ہند" کے لیے ایک بورڈ آف کمشنرز تشکیل دیا گیا جسے عام طور پر بورڈ آف کنٹرول کہا گیا۔ اس بورڈ کے فرائض میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی سرگرمیوں پہ نظر رکھنا اور انہیں مطلوبہ سمت دینا تھا۔ اس ایکٹ کی دفعہ 29 کے مطابق کمپنی کو مختلف شکایات کی حقیقت تک پہنچنا تھا۔ یہ شکایت برطانوی ہند میں سبکدوش ہونے والے راجاؤں، زمینداروں، پالیگاروں اور دیگر مالکان اراضی پہ ہونے والے ظلم و ستم کے بارے میں ہوتی تھیں۔ شکایات کے ازالے کے علاوہ اعتدال اور انصاف کے اصولوں پر مبنی اور ہندوستان کے آئین اور قانون کے مطابق علاقائی محاصل کے حصول کے لیے مستقل اصول و ضوابط طے کرنا تھا۔

1786ء: کارنوالس گورنر جنرل کی حیثیت سے ہندوستان پہنچا۔ اس نے آتے ہی اپنی آمد کے ساتھ ہی کورٹ آف ڈائریکٹرز اور بورڈ آف کنٹرول کی ہدایات پر سختی سے عملدرآمد شروع کر دیا۔ وہ لندن سے اپنے ساتھ کئی ہدایات لے کر آیا تھا۔

1787ء: ان ہدایات کے مطابق اس نے سول جسٹس اور کرمنل جسٹس، پولیس کے شعبوں کو مالیات کے شعبے میں مدغم کر کے ایک ہی عہدیدار یعنی کلکٹر کے فرائض میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ عہدیدار مجسٹریٹ اور پراونشل سول کورٹ کا جج (مفصل دیوان عدالت) بن گیا۔ لیکن مالیات کے مقدمات کے لیے کورٹ آف کلکٹر علیحدہ جج کی سربراہی میں علیحدہ ہی رکھی گئی۔ اس عدالت سے اپیلیں صدر دیوان عدالت کو بھیجی جاتیں اور کلکٹرز ریونیو کورٹ کی اپیلیں کلکتہ میں موجود بورڈ آف ریونیو میں دائر کی جا سکتی تھیں۔

1793ء: بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تینوں صوبوں کے لیے کارنوالس کے مستقل انتظام (سیٹلمنٹ) کے مطابق علاقائی محاصل کا تعین (تینوں صوبوں کے لیے) ماضی کے محاصل کی اوسط کی بنیاد پر کیا جاتا۔ نادہندگی کی صورت میں متعلقہ اراضی کا متناسب حصہ فروخت کر کے مطلوبہ رقم وصول کی جاتی جبکہ زمیندار اپنے واجبات کاشتکار سے صرف قانونی چارہ جوئی کے ذریعے حاصل کر سکتا تھا۔ مالکان اراضی نے شکایت کی کہ اس طرح وہ ادنیٰ کاشتکاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ حکومت ان سے تو سالانہ مطالبات زمین ضبط کر کے وصول کر لیتی ہے لیکن وہ کاشتکاروں سے عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ نئے قوانین وضع کیے گئے جن کے تحت متعدد مخصوص مقدمات میں زمینداروں کو ایسا اختیار دیا گیا جس کے تحت وہ اپنے مزارعوں کو ادائیگی پہ مجبور کرنے کے لیے گرفتار کر سکتے تھے جبکہ اسی طرح کلکٹر کو بھی زمینداروں سے وصولی کے لیے اختیارات تفویض کیے گئے۔ یہ سب کچھ 1812ء میں کیا گیا۔

سیٹلمنٹ کے نتائج

رعیت کی اجتماعی اور نجی املاک کی اس لوٹ مار کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلط کیے جانے والے "مالکان اراضی" کے خلاف رعیت نے جگہ جگہ بغاوت کر دی۔ کچھ معاملات میں زمینداروں کو ہٹا کر ان کی جگہ مالک کی حیثیت کمپنی نے لے لی۔ دیگر واقعات میں زمینداروں کو قلاش کر دیا گیا۔ رضاکارانہ یا زبردستی ان کی اراضی بیچ کر محاصل کے واجبات اور نجی قرضے بیباق کیے گئے۔ اس طرح صوبے کی زیادہ تر اراضی تیزی سے چند شہری سرمایہ داروں کے قبضہ میں چلی گئی۔ ان کے پاس وافر سرمایہ تھا اور وہ زمینوں میں سرمایہ کاری کرنے پر تیار بیٹھے تھے۔

(7) سرجان شور کا نظم و نسق
(1793ء-1798ء)

کارنوالس کی واپسی پر کونسل کے سینئر ممبر سرجان شور کو عبوری طور پر ہندوستان میں گورنر جنرل بنایا گیا۔ بورڈ آف کمشنرز نے اس عہدے پر پانچ سال کے لیے سرجان شور کی تقرری کی توثیق کر دی۔

1793ء: گورنر جنرل کے حکم پر 1790ء کے سہ فریقی معاہدہ کے فریقین کو ضمانت کے ایک معاہدہ پر بھی دستخط کرنا تھے۔ سہ فریقی معاہدہ ٹیپو سلطان کے خلاف کیا گیا تھا۔ ضمانت کے معاہدے میں شرط رکھی گئی کہ اگر معاہدہ کے فریقوں میں سے کوئی ایک فریق غیر قانونی مقصد کے لیے ٹیپو سلطان کے خلاف جنگ چھیڑے گا تو بقیہ دونوں فریق ایک ایسی جنگ میں اس کا ساتھ دینے کے پابند نہیں ہوں گے۔ نانافرنویس نے اس معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ نظام نے اسے قبول کر لیا۔

1794ء: پیشوا اور مرہٹوں نے نظام کے علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ سہ فریقی معاہدے کا فریق ہونے کے ناطے نظام، سرجان شور کے پاس مدد کے لیے پہنچا۔ سرجان شور نے مرہٹوں کی بہت بڑی فوج سے خائف ہو کر نظام کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ انگریزوں سے مایوس ہو کر نظام نے فرانسیسیوں سے مدد طلب کی۔ انہوں نے دو بٹالین بھجوا دیں۔ علاوہ ازیں فرانسیسی افسر بھجوائے گئے جن کی قیادت میں 18 ہزار سپاہی بھرتی کر کے ان کو تربیت دی گئی۔

نومبر 1794ء: پیشوا کے حکم پر نوجوان مادھو راؤ دوم ایک لاکھ تیس ہزار مرہٹہ سپاہی اور 151 توپیں لے کر وسطی ہندوستان سے ہوتا ہوا نظام پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلا۔ دولت راؤ سندھیا کے 25 ہزار سپاہی جنرل ڈی بوئین کی قیادت میں مرہٹہ فوج کے ساتھ تھے۔

اس لشکر میں بیرار کے راجہ کے 15 ہزار آدمی' ہولکر کے دس ہزار' گوبند راؤ گائیکواڑ کے 5 ہزار اور پیشوا کے 65 ہزار سپاہی شامل تھے۔ حریف فوجیں ہردا کے مقام پر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں۔

نومبر1794ء: نظام علی کو زبردست شکست ہوئی۔ اس نے فوری طور پر 30 لاکھ پونڈ نقد ادا کرنے کے علاوہ 35 ہزار پونڈ سالانہ آمدنی دینے والی زمینیں اور اپنا قابل ترین وزیر یرغمال کے طور پر مرہٹوں کو دینے کا وعدہ کیا۔ انگریزوں کی بدکار غیرجانبداری پہ مشتعل ہو کر نظام نے جائز طور پر ان تمام انگریزی سپاہ کو برطرف کر دیا جو اس کے اخراجات پر حیدرآباد میں متعین تھی۔ اس نے کچھ اور فرانسیسی بٹالین ریمنڈ کی سربراہی میں بھرتی کر لیں۔ ایک فرانسیسی فوجی دستہ حیدرآباد میں تعینات کر دیا جس کے اخراجات کے لیے کرپا کا منافع بخش صوبہ فرانسیسیوں کو دے دیا گیا۔ شور نے مداخلت کی کیونکہ مذکورہ صوبہ کمپنی کے علاقے کی سرحدوں سے متصل تھا۔ کچھ جھڑپوں کے بعد معاملے کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا۔

اکتوبر1795ء: مادھو راؤ دوم نے خودکشی کر لی۔ اس کا جانشین اس کا چالاک اور بددیانت چچازاد بھائی (رگھوبا کا بیٹا) باجی راؤ بنا۔ باجی راؤ' نانا فرنویس اور سندھیا کے درمیان سازشوں کا کھیل ختم ہو گیا۔

4 دسمبر1796ء: باجی راؤ کو کچھ عرصہ کے لیے اس کے بھائی جمناجی نے معزول کر دیا۔ نظام اور نانا فرنویس کی مدد سے پونا میں برسراقتدار آنے کے بعد اس نے سب سے پہلے نانا فرنویس کو برطرف کیا اور اسے اسی کے محل کی گھڑی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اب اسے سندھیا (دولت راؤ) سے جان چھڑانا تھی۔ سندھیا سے وعدہ کیا

گیا تھا کہ اسے جاگیر دی جائے گی۔ باجی راؤ نے کھلے بندوں جاگیر دینے سے انکار کر دیا۔ سندھیا کے دھوکہ [illegible] افسر سرجی راؤ گھٹکے کے ذریعے سندھیا کے سپاہیوں میں بغاوت کرا دی گئی۔ پونا میں ہونے والی اس بغاوت سے سندھیا [illegible] ظلم تھا۔ پھر پونا کے لوگوں کو سندھیا کے خلاف بھڑکایا گیا ــــ چنانچہ اسے واپس شمال میں بھیج دیا گیا۔

1796ء: کلکتہ میں کمپنی کے فوجی افسروں نے بغاوت کر دی۔ برطانوی سرکاری افسروں نے اس میں حصہ نہ لیا۔ انہیں کمپنی کے سول سروس کے افسروں سے کم تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تنخواہوں میں اضافے کے مطالبہ کے ساتھ بغاوت کر دی گئی۔ اسے کانپور میں متعین کمانڈر سر رابرٹ ایبرکرومبے کی مداخلت سے دبایا گیا۔ کلائیو کے دور میں 1766ء میں ہونے والی بغاوت کے بعد یہ دوسرا واقعہ تھا۔

1797ء: جارج اول کے حکم سے 1726ء میں مدراس میں قائم کی جانے والی میئرز کورٹ کو جارج سوم کے 36 ویں ایکٹ کے تحت ختم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ لندن شہر کی کوارٹر سیشن کے طرز پر ایک ریکارڈرز کورٹ قائم کر دی گئی۔ میئر برائے نام جبکہ ریکارڈر حقیقی جج تھا۔

1797ء: اودھ کا نواب آصف الدولہ' عیاشی اور آرام کوشی کی زندگی گزارنے کے بعد انتقال کر گیا۔ اس کا ایک مشہور بیٹا وزیر علی اس کا جانشین بنا۔ وزیر علی کو انگریزوں نے اودھ کے تخت پر بٹھایا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انگریزوں نے اسے معزول کر کے آصف کے بھائی سعادت علی کو اودھ کا نواب بنا دیا۔ سعادت علی کے ساتھ انگریزوں نے معاہدہ کیا جس کے تحت دس ہزار انگریزی فوج اودھ میں متعین کی گئی۔ اس کے اخراجات کے لیے نواب نے سالانہ 76 لاکھ روپیہ اور فوج کے ہیڈ کوارٹرز کے لیے الٰہ آباد کا قلعہ انگریزوں کی تحویل میں دینا منظور کیا۔ نواب سعادت

علی کو گورنر جنرل کی اجازت کے بغیر کسی سے کوئی معاہدہ نہ کرنے کا پابند کر دیا گیا۔

مارچ 1798ء: گورنر جنرل سر جان شور واپس انگلستان چلا گیا جہاں اسے لارڈ ٹینن ماؤتھ بنا دیا گیا۔

(8) لارڈ ویلزلے کا دور
(1798ء-1805ء)

لارڈ ویلزلے گورنر جنرل بن کر ہندوستان پہنچا تو ٹیپو سلطان آتش انتقام میں سلگ رہا تھا۔ نظام کے پاس حیدر آباد میں ریمنڈ کی قیادت میں 14 ہزار فرانسیسی سپاہ اور 36 توپیں تھیں۔ سندھیا 40 ہزار سپاہیوں کے ساتھ دہلی پہ حکومت کر رہا تھا۔ اس کی فوج میں فرانسیسی افسر جنرل ڈی بوئنے کی سربراہی میں کام کر رہے تھے۔ دہلی کی فوج کے پاس 460 توپیں تھیں لیکن خزانہ خالی تھا۔

1799ء: میسور کی چوتھی اور آخری جنگ: ٹیپو سلطان کے پیغام پر ماریشس سے اسے فرانسیسی سپاہیوں کا ایک دستہ مہیا کر دیا گیا۔ ویلزلے نے ٹیپو کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ویلزلے نے نظام کو حیدر آباد میں فرانسیسی سپاہیوں کی جگہ انگریزی سپاہ رکھنے پر آمادہ کر لیا۔ پیشوا اور نظام دونوں سہ فریقی معاہدہ کے تحت اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سندھیا اور ناگپور کے راجہ نے ویلزلے کی مدد اور اتحاد سے انکار کر دیا۔ انگلش بورڈ آف کمشنرز نے ٹیپو کے خلاف جنگ کے فیصلے کی توثیق کر دی۔

5 فروری 1799ء: ویلزلے نے 20 ہزار انگریزوں، 100 توپوں اور 20 ہزار مقامی سپاہیوں اور گھڑ سواروں کے ساتھ میسور کی طرف پیش قدمی کا

آغاز کر دیا۔ ہیرس کمانڈر انچیف تھا۔ مالاولی (میسور) کی لڑائی میں ٹیپو کو شکست ہوئی۔ کرنل ویلزلے جو بعد میں ڈیوک آف ویلنگٹن بنا، پہلی مرتبہ ہندوستان کی سرزمین پہ نمودار ہوا۔

3 مئی 1799ء: سرنگا پٹم تسخیر کر لیا گیا۔ ٹیپو سلطان کی لاش فصیل کے شگاف کے پاس پڑی ملی۔ اس کے سر پر گولی لگی تھی۔ اس کامیابی کے صلے میں ویلزلے کو مارکوئیس (خطاب یافتہ نواب) بنا دیا گیا۔

ویلزلے نے میسور کے ایک سابق حکمران ہندو خاندان کے پانچ سالہ بچے کو راجہ بنا کر پورنیا کو اس کا وزیر مقرر کر دیا۔ (یہ کمسن راجہ 1868ء تک زندہ رہا اس کا جانشین لے پالک چار سالہ بیٹا بنا) پورنیا کے ساتھ انگریزوں نے معاہدہ کیا لیکن عملاً ریاست پر انگریزوں کی ایک کونسل کی حکومت تھی۔ میسور کو انگریزی نظم و ضبط اور احکامات کے تحت ایک فوج رکھنا پڑی۔ راج کو انگریزی حکومت کا تحفہ قرار دیا گیا۔ بد نظمی یا فوج کے اخراجات کے لیے سالانہ ادائیگی میں بے قاعدگی کی صورت میں کمپنی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اتنا علاقہ ضبط کر لے جو فوج کے اخراجات کے لیے مناسب ہو۔ ریاست میسور سے کمپنی کو سالانہ 3 لاکھ دس ہزار پونڈ ادا کرنا تھے جس میں سے 96 ہزار پونڈ کمپنی کے ذریعے ٹیپو کے ورثاء کو وظیفہ کی صورت میں ادا کیے جانے تھے۔ میسور کی طرف سے نظام کو سالانہ 2 لاکھ 40 ہزار پونڈ کی ادائیگی طے پائی۔ اس رقم میں سے 28 ہزار پونڈ میسور کے چیف کمانڈر کے لیے وقف کیے گئے کیونکہ اس شخص نے کسی شرط کے بغیر ہتھیار ڈال دیے تھے۔ پیشوا کے لیے سالانہ 92 ہزار پونڈ طے کیے گئے لیکن پیشوا نے یہ رقم ناکافی قرار دے کر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میسور کا وہ علاقہ

جس کی آمدنی پیشوا کو دی جاتی تھی، کمپنی اور نظام کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ اب میسور میں ایک کے سوا کوئی اہم باغی موجود نہیں تھا۔ ڈھنڈیا واگھ کی بغاوت کو بھی چند ماہ بعد کچل دیا گیا۔ اس نے خود کو ہلاک کر لیا۔ نظام نے مطالبہ کیا کہ مزید انگریزی فوج حیدر آباد میں بھجوائی جائے۔ اس کے اخراجات کے لیے کچھ اضلاع انگریزوں کو دے دیئے گئے۔

1799ء: تنجور کا الحاق: تنجور کی ریاست 120 برس پہلے شیواجی کے بھائی وینکو جی نے قائم کی تھی۔ میسور سے فارغ ہونے کے بعد کمپنی نے اسے بھی اپنی عملداری میں لے لیا۔

کرناٹک کا الحاق: 1795ء میں کمپنی کے نواب فضول خرچ محمد علی نے وفات پائی۔ 1799ء میں اس کے جانشین اور بیٹے عمدۃ الامرا کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ بھی انتہائی فضول خرچ حکمران ثابت ہوا۔ اب کرناٹک کی حکومت اس کے بھتیجے اعظم الامرا کو دی گئی۔ ویلزلے نے اعظم الامرا کی رضامندی سے کرناٹک کا الحاق کمپنی کے علاقے سے کر دیا اور نواب کو اس کے اخراجات کے لیے صوبے کی آمدنی کا پانچواں حصہ دیا جانا منظور کر لیا۔

1799-1801ء: اودھ کے کچھ علاقوں کا شرمناک الحاق عمل میں لایا گیا۔

1800ء: ویلزلے نے اودھ کے نواب سعادت علی کو حکم دیا کہ اپنی فوج ختم کر کے اس کی جگہ انگریزی سپاہ رکھے جس کی قیادت انگریز افسروں کے پاس ہو۔ انگریزی فوج کے اخراجات کا بھی انتظام کیا جائے۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اودھ کی تمام فوج اور اس کی کمان کمپنی کو منتقل کر دی جائے اور اپنی غلامی کا اہتمام خود ہی کر لیا جائے۔ سعادت علی نے ویلزلے کو ایک خط بھجوایا جس میں کہا گیا کہ وہ اس انداز میں اپنے ملک کی آزادی کو قربان کرنے کی بجائے اپنے کسی بیٹے کے حق میں مستعفی

ہونے کو تیار ہے۔ جواب میں ویلزلے نے ایک جھوٹ تراشا۔ اس نے لکھا کہ سعادت علی درحقیقت دستبردار ہو چکا ہے۔ اب اودھ کا تمام علاقہ انگریزی عملداری میں ہے۔ شاہی خزانہ بھی کمپنی کی تحویل میں دے دیا جانا چاہیے۔ آئندہ جو بھی نواب اقتدار میں آئے گا اسے اودھ کا تخت انگریز گورنر جنرل کی طرف سے تحفے کے طور پر ملا کرے گا۔ چنانچہ ویلزلے کے اس خط کے بعد نواب سعادت علی نے دستبرداری کی سابقہ پیشکش واپس لے لی۔ ویلزلے نے فوج بھیج دیا۔ نواب کو سر جھکانا پڑا۔ اس نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ تحلیل کر کے اس کی جگہ انگریز سپاہ کو دے دی۔

نومبر1800ء: ویلزلے نے نواب اودھ سے باقی ماندہ مقامی فوج توڑنے اور اس کی جگہ نئی برطانوی رجمنٹیں رکھنے کے ساتھ ساتھ سالانہ رقم 55 سے بڑھا کر 75 لاکھ روپے کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ نواب نے احتجاج کرتے ہوئے اتنا بڑا خراج ادا کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ پھر اس نے خراج سے جان چھڑانے کے لیے انگریزوں کے حوالے الہ آباد، اعظم گڑھ، گورکھ پور، جنوبی دوآب اور کچھ دوسرے علاقے کر دیئے۔ ان سب کی سالانہ آمدنی 13 لاکھ باون ہزار پاؤنڈ سے زیادہ تھی۔ نئے علاقوں کی تحویل کا کام گورنر جنرل کے بھائی کرنل ہنری ویلزلے کی نگرانی میں ہوا۔ کرنل ویلزلے کو وطن واپسی پر لارڈ کاولے کا خطاب دیا گیا۔

1800ء: کابل کا حکمران زمان خان، احمد خان ابدالی (احمد شاہ درانی) کا پوتا تھا۔ ابدالی نے 1757ء اور پھر 1761ء میں دہلی پر قبضہ کیا تھا۔ اس نے پانی پت کی لڑائی کے بعد کابل کو دوبارہ فتح کر کے وہاں درانی خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی۔ (اس حوالے سے مارکس نے جس کتاب سے

استفادہ کیا ہے وہ غلط معلومات دے رہی ہے۔ مذکورہ شہر کابل نہیں قندھار ہے۔ جیمز مل جیسے بہت سے برطانوی مورخین بوجوہ احمد شاہ درانی کا دارالحکومت کابل سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قندھار ہی میں اس نے حکومت کی اور وہیں وفات پائی)

احمد شاہ درانی ٹیپو سلطان سے رابطے رکھے ہوئے تھا۔ کمپنی کو خطرہ تھا کہ وہ ہندوستان میں آ کر اس کے علاقے پر حملہ نہ کر دے۔ اسی خطرے کے سدباب کے لیے ویلزلے اودھ کا علاقہ جلد از جلد اپنے انتظام میں لینا چاہتا تھا۔ زمان خان متعدد بار ہندوستان کے مسلمانوں کی درخواست پر "اسلام کے محافظ" کی حیثیت سے اپنی فوجیں سرحدوں پہ لا چکا تھا۔ ہندو راجاؤں نے اس سے وعدے بھی کر رکھے تھے۔ نپولین بھی مشرق میں حکمرانی کا خواہش مند تھا۔ کلکتہ کے "آفس بوائز" بھی فرانس، ایران اور افغانستان کے اتحاد کے تصور سے کانپ اٹھتے تھے۔ اسی پس منظر میں کیپٹن میلکم کی قیادت میں ایک سفارت ایران بھجوائی گئی۔ یہ سفارت کامیاب رہی۔ اس نے "شاہ سے ساربان کے لیے سب کچھ خرید لیا"۔ ایران کے ساتھ ایک معاہدہ تہران میں طے پا گیا۔ شاہ ایران نے اپنے ملک سے ایک ایک فرانسیسی کو ملک بدر کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ہندوستان پہ ہونے والے ہر حملے کو نہ صرف ناپسندیدہ قرار دیئے بلکہ انگریزوں کی سرپرستی کرنے کا عندیہ دیا۔

1802ء: ویلزلے نے بورڈ آف کمشنرز کو اپنا استعفیٰ بھجوا دیا لیکن بورڈ کے حکم پر 1805ء تک ہندوستان میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ پس پردہ حقیقت یہ تھی کہ وہ کمپنی کے ساتھ جھگڑ پڑا تھا کیونکہ وہ ہندوستان میں نجی تجارت کرنے والوں کے حقوق میں توسیع چاہتا تھا۔

نئی صدی کے آغاز میں انگریزوں کے علاوہ ہندوستان میں ایک ہی طاقت تھی اور وہ مرہٹے تھے۔ مرہٹے پانچ گروہوں میں تقسیم تھے اور ہر

گروہ ایک دوسرے سے محاذ آرائی میں مصروف تھا۔ (1) پیشوا باجی راؤ مرہٹوں کا رسمی سربراہ اعلیٰ تھا۔ پونا میں باجی راؤ کی حکومت تھی۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جن کا یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا، نیم خودمختار مگر پیشوا کی محکوم تھیں۔ (2) دولت راؤ سندھیا، مرہٹہ سرداروں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس کا مرکز گوالیار تھا جبکہ دہلی اور اردگرد کے علاقے اس کے قبضے میں تھے۔ (3) جسونت راؤ ہولکر، اندور کا حاکم اور سندھیا کا زبردست دشمن تھا۔ (4) رگھو جی بھونسلے، ناگپور کا راجہ تھا اور مسعود سے مفاد کے لیے کسی سے بھی برسرپیکار ہونے کو تیار رہتا۔ (5) فتح سنگھ گائیکواڑ کی حکومت گجرات میں تھی۔ وہ مرہٹہ سیاست میں بہت کم دخل دیتا تھا۔

1800ء: نانا فرنویس قید میں مر گیا۔ ہولکر نے سندھیا کے مقبوضہ شہر ساگر میں لوٹ مار شروع کر دی۔ ہولکر تے روہیلہ سردار امیر خان سے مل کر مالوہ میں بھی غارت گری کی۔ مالوہ بھی سندھیا کا علاقہ تھا۔ سندھیا، ہولکر سے نمٹنے کے لیے پونا سے نکلا۔ ہولکر اور سندھیا کی فوجیں اجین کے مقام پر ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ سندھیا کو شکست ہوئی۔ اس نے مدد کے لیے پونا کو پیغام بھجوایا۔

1801ء: پونا سے سرجی راؤ کی قیادت میں سندھیا کے لیے مدد آ گئی۔ دونوں فوجوں نے مل کر ہولکر پر حملہ کیا اور شکست دے دی۔ ہولکر کے دارالحکومت اندور پر قبضہ کر لیا گیا۔ ہولکر فرار ہو کر خاندیش چلا گیا۔ خاندیش کے مضافات میں تباہی پھیلا کر چندور کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ وہ پیشوا کو سندھیا سے بچانے کے لیے اپنی پوری فوج کے ساتھ پونا پہنچ رہا ہے۔

1802ء: باجی راؤ نے کچھ عرصہ پہلے ہولکر کے بھائی اور نوجوان قزاق سردار وٹھا جی کو اذیتیں دے کر ہلاک کیا تھا۔ اس نے ہولکر کے پیغام کو کھلے اعلان

جنگ کی آڑ قرار دیا- پونا میں برطانوی ریذیڈنٹ کرنل کلور نے ہولکر کے خلاف کمپنی کی طرف سے مسلح امداد کی پیشکش کی- پیشوا نے اسے ہٹ دھرمی میں آکر مسترد کر دیا- سندھیا تیزی سے واپس آیا اور پونا کے قریب پڑاؤ ڈال دیا-

25 اکتوبر 1802ء: شدید قسم کی جنگ ہوئی- ہولکر فتح مند رہا- پیشوا بھاگ کر سنگار چلا گیا- یہ مقام احمد نگر سے 50 میل دور ہے- وہاں سے وہ کمپنی کے علاقے بسین چلا گیا- پونا میں اپنے دو ماہ کے عارضی قیام کے دوران ہولکر نے پیشوا کے بھائی امرت راؤ کو تخت پر بٹھایا- اس دوران سندھیا فرار ہو کر شمال کی طرف چلا گیا-

1802ء: پیشوا باجی راؤ اور کرنل کلوز کے درمیان معاہدہ بسین طے پایا- پیشوا نے 6 ہزار برطانوی انفنٹری توپوں سمیت رکھنے اور کمپنی کی مدد کے عوضانہ میں دکن کے کئی اضلاع کمپنی کی تحویل میں دے دیئے- ان اضلاع سے سالانہ 25 لاکھ روپے کی آمدنی ہوتی تھی- معاہدہ کے مطابق پیشوا باجی راؤ انگریزوں کے علاوہ کسی یورپی کو اپنے ہاں رکھنے کا مجاز نہ رہا- نظام اور گائیکواڑ کے خلاف اپنے تمام دعوے ثالثی کے لیے اسے گورنر جنرل کو پیش کرنا تھے- گورنر جنرل کی اجازت کے بغیر وہ کوئی سیاسی تبدیلی نہیں لا سکتا تھا- دونوں فریقوں کے لیے لازمی تھا کہ وہ ایک دوسرے کو باہمی دفاعی اتحاد کے پابند سمجھیں- اس "سب سیڈی ایری ٹریٹی" پہ تمام مرہٹے آگ بگولا ہو گئے- اس معاہدہ کا مطلب مرہٹوں کی خود مختاری و آزادی کا خاتمہ اور انگریزوں کو بالاتر قوت تسلیم کرنا تھا- سندھیا اس معاہدے کے خلاف متحرک ہو گیا-

1803ء: انگریزوں کے خلاف مرہٹوں کا اتحاد قائم ہو گیا- اس میں سندھیا، امرت راؤ اور بھونسلے (راجہ آف ناگ پور) شامل تھے- ہولکر نے اپنی شمولیت کی رضامندی تو ظاہر کی لیکن بعد میں اپنے وعدہ پر قائم نہ رہ سکا-

گائیکواڑ غیر جانبدار رہا-

1803-1805ء: مرہٹہ جنگ

17 اپریل 1803ء: سندھیا اور بھونسلے کی فوجیں ناگپور میں ایک دوسرے سے مل گئیں اور امرت راؤ سے ملاپ کے لیے فوراً پونا کو روانہ ہو گئیں- لارڈ ویلزلے نے انگریزی سپاہ کو تیاری کا حکم دیا- پہلی مرتبہ جنرل ویلزلے (ویلنگٹن) فوجوں کی کمان سنبھال کر میسور کے 12 ہزار سپاہیوں سمیت پونا پہ حملہ کرنے کے لیے نکلا- اس مہم کے لیے باجی راؤ کو پونا کے تخت پر بحال کرنے کا عذر تراشا گیا- ہولکر واپس جندور چلا گیا- ویلزلے نے پونا پر قبضہ کر لیا- امرت راؤ بھاگ کر سندھیا کے لشکر میں پہنچ گیا- مرہٹوں کی متحدہ فوج نے پونا کی طرف پیش قدمی کی- باقاعدہ جنگ سے پہلے مذاکرات ہوتے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا- کئی مہینے اسی طرح گزر گئے- تمام تیاریاں مکمل کر کے جنرل ویلزلے نے مرہٹوں کے ساتھ مذاکرات میں مصروف کرنل کولنز کو واپس بلا لیا اور پھر جنگ شروع ہو گئی-

جنرل ویلزلے کے حکم پر جنرل لیک نے گوالیار میں سندھیا کی محفوظ فوج پر حملہ کرنا تھا اور اس دوران دو الگ الگ فوجوں نے سندھیا کے مقبوضہ جات بھروچ اور ہولکر کے علاقہ کٹک پر قبضہ کرنا تھا- تقریباً 3 ہزار سپاہی حیدر آباد اور کمپنی کی تحویل میں اودھ کے تین اضلاع کے دفاع کے لیے رہ گئے- مرکزی فوج کے 17 ہزار سپاہی جنرل ویلزلے کے ساتھ تھے-

اگست 1803ء: ویلزلے نے احمد نگر فتح کر لیا اور کرنل ویلنگٹن نے بھروچ- جنرل لیک نے علی گڑھ کے قلعہ پر حملہ کر دیا اور 2 ستمبر کو اس

پر قبضہ کر لیا۔ علی گڑھ دہلی کے صوبہ میں شامل تھا۔ 4 ستمبر کو پورا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

3 ستمبر 1803ء: آسئی کے مقام پر زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ مرہٹے جنرل ویلزلے کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔

انہی دنوں میں ہرکورٹ نے خلیج بنگال میں کٹک حاصل کر لیا۔ سٹیفن سن نے برہان پور اور اسیر گڑھ کے قلعے فتح کر لیے۔ یہ دونوں قلعے ست پورہ کی پہاڑیوں میں تھے۔ سندھیا نے ویلزلے کے ساتھ عارضی جنگ بندی کر لی۔ ویلزلے بھروچ میں سٹیفن سن کی فوج کو ساتھ لے کر بھونسلے کے مضبوط ترین قلعے کاویل گڑھ پر حملہ آور ہوا۔ (برگیز کے مطابق آسئی کی لڑائی 23 ستمبر کو ہوئی)

28 نومبر 1803ء: ایلچ پور کے قریب ارگاؤں کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ ویلزلے جیت گیا اور بھونسلے نے راہ فرار اختیار کی۔ کرنل سٹیفن سن کو بیرار کے دارالحکومت ناگپور پہ حملہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ بھونسلے صلح پر اتر آیا۔ (برگیز کے مطابق ارگاؤں کی لڑائی 29 نومبر کے روز ہوئی)

18 دسمبر 1803ء: بھونسلے اور الفنسٹن (نمائندہ ایسٹ انڈیا کمپنی) کے درمیان معاہدہ دیوگاؤں پر دستخط ہوئے۔ انگریزوں نے بیرار کے علاقے واگزار کر دیئے۔ بھونسلے نے کٹک انگریزوں کے حوالے کرتے ہوئے کئی اضلاع نظام کو دے دیئے۔ جنگ میں ملوث تمام فرانسیسی اور یورپی باشندے علاقہ بدر کر دیئے گئے۔ بھونسلے نے تمام اختلافات ثالثی کے لیے گورنر جنرل کو پیش کرنے کی پابندی قبول کر لی۔ (برگیز کے مطابق یہ تاریخ 17 دسمبر ہے)

14 ستمبر 1803ء: جنرل لیک علی گڑھ فتح کرنے کے بعد سیدھا دہلی کی طرف بڑھ

رہا تھا۔ شہر سے چھ میل دور فرانسیسی افسروں کی کمان میں سندھیا کے سپاہیوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ فرانسیسی شکست سے دوچار ہوئے اور اسی شام دہلی پہ قبضہ ہو گیا۔ 83 سالہ بوڑھے اور نابینا شاہ عالم کو برطانوی تحفظ میں تخت نشین کر دیا گیا۔

17 اکتوبر 1803ء: آگرہ پہ راجہ بھرت پور کا قبضہ تھا۔ جنرل لیک نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ دشمن کی بہت بڑی فوج دکن اور دہلی سے مقابلہ پر اتر آئی۔ دہلی کے جنوب میں 128 میل دور لسواری کے مقام پر زبردست لڑائی ہوئی۔ لیک فاتح رہا۔ سندھیا نے سر جھکا دیا۔

4 دسمبر 1803ء: (برگیز کے مطابق یہ تاریخ 30 دسمبر ہے) کمپنی کی طرف سے لیک اور سندھیا کے درمیان معاہدہ انجان گاؤں ہوا۔ سندھیا نے جے پور اور جودھ پور کے شمال میں اپنا تمام علاقہ کمپنی کی تحویل میں دے دیا۔ اسی طرح بھروچ اور احمد نگر بھی کمپنی کے حوالے کر دیئے۔ نظام، پیشوا، گائیکواڑ اور کمپنی سے متعلقہ تمام دعووں سے دستبردار ہو کر اختیار کر لی۔ جن ریاستوں کو کمپنی نے خود مختار قرار دیا تھا انہیں سندھیا کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ تمام غیر ملکیوں کو ان کے عہدوں سے برطرف کرنا اور تمام تنازعات میں کمپنی کو ثالث بنانا طے ہوا۔ گورنر جنرل نے بیرار، نظام کو سونپ دیا۔ احمد نگر، پیشوا کو دے دیا جبکہ کٹک کمپنی کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ بھرت پور، جے پور، جودھ پور اور گوہد کے راجاؤں سے بھی معاہدے کیے گئے۔ گوہد، سندھیا کے علاقے گوالیار میں واقع تھا۔ گوہد کے راجے کو گوالیار شہر دینے کا وعدہ ہوا۔ سندھیا کے جنرل امباجی سے بھی معاہدہ کیا گیا۔

1804ء (اوائل): ہولکر نے مرہٹوں کے اتحاد میں شامل رہنے کا وعدہ ایفا کرنے کی بجائے اپنے 60 ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ سندھیا کے علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ اب اس نے برطانویوں کے حلیف راجہ جے پور کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ ویلزلے اور لیک کی فاتح فوجیں آگے بڑھیں تو ہولکر جے پور سے پسپا ہو کر دریائے چھانبل کی دوسری طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے کرنل مونسن کو شکست دی اور اس کے تعاقب میں کچھ نفری لگا دی۔ کرنل مونسن کو اتنی بری طرح شکست ہوئی تھی کہ وہ متعدد توپیں، ساز و سامان اور اسلحہ چھوڑ کر فرار ہوا۔ انفنٹری کی پانچ بٹالین گنوانے کے بعد بالآخر بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ آگرہ پہنچا۔ ہولکر نے اب دہلی پہ حملہ کیا لیکن ناکام رہا۔ اس نے دہلی کے مضافات میں خوب تباہی پھیلائی۔ جنرل لیک نے عجلت میں اس کا پیچھا کیا اور بھرت پور میں اسے جالیا۔

13 نومبر 1804ء: ڈیگ (بھرت پور) کے مقام پر لیک اور ہولکر میں تصادم ہوا۔ ہولکر شکست کے بعد متھرا (دریائے جمنا کے کنارے آگرہ کے شمال میں واقع شہر) کو بھاگ گیا۔ فاتح فوج نے یلغار کر کے ڈیگ کا قلعہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ یہ قلعہ راجہ بھرت پور کا تھا اور لڑائی کے دوران یہاں سے انگریزوں پر فائرنگ کی گئی تھی۔

1805ء: جنرل لیک نے بھرت پور پر ناکام حملہ کیا۔ لیکن اتنی کامیابی ضرور ہوئی کہ راجہ، انگریزوں کے ساتھ دوستی پر اتر آیا۔ ہولکر، سندھیا سے جاملا جس نے پھر سے اپنی فوج جمع کر لی تھی۔ اب اس کے ساتھ ہولکر، بھرت پور کا راجہ اور روہیلہ سردار امیر خان تھا۔ دراصل جب گورنر جنرل نے گوھد کے راجہ کو اس کا آبائی شہر گوالیار دیا تو سندھیا نے احتجاج کیا تھا کہ اس کے جنرل امبھاجی انگلیہ نے انگریزوں سے معاہدہ کر کے اسے

بتائے بغیر گوالیار ان کے حوالے کر دیا تھا۔ ویلزلے نے سندھیا کا مطالبہ مسترد کرتے ہوئے اسے گوالیار واپس کرنے سے انکار کر دیا اور شدید قسم کی تادیب و سرزنش کی۔ اس واقعہ نے سندھیا کی قیادت میں مرہٹوں کے ایک نئے اتحاد کو جنم دے دیا۔ وہ چالیس ہزار مرہٹوں کے ساتھ ایک بار پھر انگریزوں کے خلاف میدان میں اتر آیا لیکن ویلزلے کے جانشین سر جارج بارلو نے سندھیا کو گوالیار واپس دے دیا اور اس سے نیا معاہدہ کر لیا۔

(مارکس نے جس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ وہ یہاں پھر غلطی پر ہے۔ ویلزلے نے یقیناً گوھد کے راجہ کو گوالیار دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس پر عملدرآمد کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ دراصل یہاں انگریزی فوج کا ایک حصہ رکھنا چاہتا تھا)

20 جولائی 1805ء: گورنر جنرل ویلزلے اپنی تقرری کی مدت پوری ہونے پر واپس انگلستان روانہ ہو گیا۔

ویلزلے کی انتظامی اصلاحات: صدر دیوانی عدالت کی جگہ 1793ء میں لارڈ کارنوالس نے ایک عدالت قائم کی تھی جو سپریم کورٹ کا متبادل تھی اور جس میں گورنر جنرل اور کونسل کے ارکان بند کمرے میں سماعت کیا کرتے تھے۔

1801ء: ویلزلے نے عوام کے لیے ایک الگ کھلی عدالت قائم کی جس کی صدارت باقاعدہ مقرر کردہ چیف جسٹس کیا کرتے تھے۔ اس کا سب سے پہلا چیف کول بروک تھا۔ اسی سال مدراس میں صدر دیوانی عدالت کی جگہ ایک سپریم کورٹ قائم کی گئی۔ اس کی بنیاد کلکتہ میں کارنوالس سے پہلے سے موجود تھی۔ یہ عدالت 1862ء تک قائم رہی اور ہائی کورٹ کی تشکیل کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ جارج سوم نے ریکارڈرز کورٹ متعارف کرائی تھی۔ اس کو تحلیل کر کے اس کے اختیارات نئے چیف

جسٹس اور چھوٹے ججوں کو دے دیئے گئے۔ (جارج سوم کا 39 واں اور 40 واں ایکٹ) اسی ایکٹ نے دیوالیہ قرضداروں کے بارے میں نئی عدالتی اختیارات دیئے۔ (ہندوستان میں ابھی تک اس قسم کے جرم یا تقصیر پر کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی) اسی ایکٹ نے وائس ایڈمرل کے دائرہ اختیار میں ہندوستان کی پریذیڈنسیوں کی چیف کورٹس بھی شامل کر دیں۔ یہ نیا یورپی (انگریزی) عنصر ہر جگہ پھیل گیا۔

لارڈ ویلزلے نے کلکتہ میں ایک عظیم درسگاہ، کالج آف فورٹ ولیم کے نام سے قائم کی۔ اس کے اغراض و مقاصد میں (1) انگلستان سے آنے والے ان پڑھ سویلین نوجوانوں کو تعلیم دینا اور (2) مقامی لوگوں کو مذہب اور قانون کے معاملات پر بحث کے لیے حال مہیا کرنا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں نے اس کالج کو محکمہ تعلیم تک محدود کر دیا لیکن ساتھ ہی انگلستان میں کالج آف ہیلبری قائم کر دیا جو ہندوستان روانہ ہونے والے ادیبوں اور قلم کاروں کو ضروری تعلیم مہیا کرتا تھا۔

(9) لارڈ کارنوالس کا دوسرا دور

(1805ء)

لارڈ کارنوالس 20 جولائی 1805ء کو کلکتہ پہنچا۔ یکم اگست کو اس نے اپنا منصب سنبھالا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ الحاق کی پالیسی نہیں رکھے گا اور دریائے جمنا کے مغرب میں تمام علاقہ سے دستبرداری عمل میں لائی جائے گی۔ جنرل لیک (جسے پہلے بیرن اور پھر 1807ء میں وسکونٹ بنایا گیا تھا) کارنوالس کی اس پالیسی پر سراپا احتجاج بن گیا۔

15 اکتوبر 1805ء: بوڑھا کارنوالس مر گیا۔ اس کی جگہ کونسل کے سینئر ممبر سر

جارج بارلو کو گورنر جنرل بنایا گیا۔ وہ سخت گیر اور الحاق کا شدید مخالف تھا۔

سر جارج بارلو کی انتظامیہ

(1805ء-1806ء)

1805ء (اواخر): سندھیا کے ساتھ معاہدہ کیا گیا۔ سندھیا کو معاہدہ انجان گاؤں برقرار رکھنے کی شرط پر گوہد اور گوالیار مل گئے۔ بارلو نے ضمانت دی کہ انگریز حکومت سندھیا کی رضامندی کے بغیر راجپوت علاقے میں اس کی باجگزار کسی بھی ریاست سے کوئی معاہدہ نہیں کرے گی۔ سندھیا کی اطاعت کے بعد ہولکر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنی پرانی وحشیانہ روش پہ چلتے ہوئے ستلج کے قریب غارت گری شروع کر دی۔ جنرل لیک نے راجہ رنجیت سنگھ کی مدد سے اس کا پیچھا کیا۔ ہولکر کو مکمل شکست ہوئی۔ وہ بھاگ نکلا اور انگریزوں سے مفاہمت پہ اتر آیا۔ (راجہ رنجیت سنگھ دریائے ستلج کے پار ایک طاقتور حکمران تھا)

جنوری 1806ء: لارڈ لیک اور ہولکر کے درمیان ایک معاہدے پہ دستخط ہو گئے۔ معاہدے کے تحت یہ مرہٹہ سردار رام پورہ، ٹونک، بندی اور بندی کی پہاڑیوں کے شمال میں تمام علاقے پہ اپنے دعوے سے دستبردار ہو گیا۔ سر جارج بارلو نے اس معاہدے کی توثیق سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے تحت بندی کا الحاق کمپنی کے علاقے سے ہو جاتا تھا۔ بارلو نے حکم دیا کہ انگریزی فوج دریائے چھانبل کے اس پار سے واپس آ جائے۔ انگریزی فوج کے واپس آتے ہی ہولکر نے بندی کے راجہ کے علاقوں پر فوراً حملہ کر دیا۔ اسی

طرح بارلو نے انگریزوں کے حلیف جے پور کے راجہ کو بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ بھی مرہٹوں کی مہم جوئی کا شکار ہو گیا۔ جرل لیک نے احتجاجاً سیاسی اختیارات بارلو کو واپس کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ آئندہ اگر ہیڈ کوارٹر نے معاہدہ طے ہو جانے کے بعد اس کی تنسیخ کی تو وہ مستقبل میں کوئی نیا معاہدہ نہیں کرے گا۔

ہولکر نے طیش میں آ کر اپنے بھائی اور بھتیجے کو قتل کر دیا اور پھر ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ 1811ء میں اندور میں دیوانگی کی حالت ہی میں مر گیا۔

1807ء: جارج بارلو کی جگہ لارڈ منٹو کو گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ اس نے عدم مداخلت کی پالیسی کا عہد کیا۔ منٹو 31 جولائی 1807ء کو کلکتہ میں پہنچا۔ بارلو کو حکومت مدراس میں بھیج دیا گیا۔

لارڈ منٹو کا دور
(1807ء-1813ء)

جولائی 1807ء: ویلور (مدراس پریذیڈنسی) کی بغاوت: جس قلعہ میں ٹیپو سلطان کے بیٹے قیدی بنا کر رکھے گئے تھے۔ وہاں میسور کے سپاہیوں نے بغاوت کر دی اور ٹیپو کا پرچم لہرا دیا۔ کرنل گیلسپی نے ارکاٹ کی ڈریگون رجمنٹ کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کی۔ بہت سے باغی مارے گئے۔ تاہم لارڈ منٹو نے باغیوں کے ساتھ "شریفانہ" سلوک کیا۔

1808ء: دریائے ستلج کے مغرب میں تمام علاقے کا حکمران، راجہ رنجیت سنگھ تھا۔ اس نے اپنی حکمرانی کا آغاز لاہور کے راجہ کی حیثیت سے کیا۔ لاہور کا

ضلع اسے افغان فاتح زمان شاہ نے بخشا تھا۔ راجہ رنجیت سنگھ دریائے ستلج عبور کر کے سرہند میں داخل ہو گیا۔ یہ علاقہ برطانوی تحفظ میں تھا۔ رنجیت سنگھ نے مزید پیش قدمی کرتے ہوئے پٹیالہ کے راجہ کے ایک صوبے پر حملہ کر دیا۔ منٹو نے رنجیت سنگھ کو روکنے کے کرنل مٹکاف کو روانہ کیا۔ مٹکاف نے رنجیت سنگھ کے ساتھ پہلے معاہدے پر دستخط کیے۔ رنجیت سنگھ اس معاہدے کے مطابق دریائے ستلج کے اس پار واپس چلا گیا۔ اس نے دریا کے جنوب میں قبضہ میں لی جانے والی تربیتیں واپس کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اس کے بدلے میں انگریزوں کو پابند کیا گیا کہ وہ ستلج کے شمالی کنارے پہ سکھ علاقے کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ رنجیت سنگھ نے ایمانداری کے ساتھ اپنے وعدے نبھائے۔

1809ء: امیر خان--- پٹھانوں کے رہزن قبیلے کا مسلمہ سردار تھا۔ اس نے انگریزوں کے حلیف بیرار کے راجہ بھونسلے کے علاقے کو لوٹ مار کا نشانہ بنا لیا۔ بھونسلے نے انگریزوں سے مدد کی درخواست کی لیکن جب تک انگریزوں کی ست رو فوج ناگپور پہنچی، اس نے خود امیر خان کو ست پورہ کی پہاڑیوں کے پیچھے دھکیل دیا۔

ایران کی دوسری سفارت: نپولین کے خوف میں مبتلا انگریزوں نے سر ہرفورڈ جونز کو 1808ء میں سفیر بنا کر لندن سے اور سر جان میلکم کو کلکتہ سے تہران بھجوایا تھا۔ دونوں میں بالا تر حیثیت کا تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ یہ تنازعہ ختم کرنے کے لیے دونوں کی جگہ لندن سے سر گور اوسلے کو تہران میں ریزیڈنٹ امبیسیڈر بنا کر بھجوا دیا گیا۔ انہی دنوں کابل میں بھی تیسری سفارت روانہ کی گئی۔

کابل میں تیسری سفارت لارڈ منٹو نے بھجوائی۔ شاہ زمان کا بھائی اور اس کا جانشین، شاہ شجاع ان دنوں کابل کے تخت پر تھا۔ ہندوستان سے بھیجا جانے والا سفیر ماؤنٹ سٹوارٹ الفنسٹن جب کابل پہنچا تو ایک

بغاوت میں شاہ شجاع کو معزول کر دیا گیا۔ نئے حکمران محمود نے فرانسیسی اور روسی تحفظ قبول کر لیا چنانچہ الفنسٹن کی سفارت ناکام ہو گئی۔

مدراس پریزیڈنسی: یہاں بھی مسلسل فرانسیسی خطرے کی گونج سنائی دے رہی تھی اور پھر خیموں کا قضیہ کھڑا ہو گیا۔ ایک ضابطہ نافذ کیا گیا جس کے تحت کمانڈنگ آفیسروں کو اپنی رجمنٹوں کے استعمال کے لیے خیمے مہیا کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ یہ "یافت" کا بہترین ذریعہ تھا۔ سر جارج بارلو نے مدراس کا پریزیڈنٹ بننے کے بعد اس طریقہ کار کو سختی سے ختم کر دیا اور کمانڈر انچیف جنرل میکڈویل کو برطرف کر دیا کیونکہ اس نے کوارٹر ماسٹر جنرل کرنل منرو کو گرفتار کر لیا تھا۔ کرنل منرو نے بارلو کے حکم پر ایک رپورٹ میں خیموں کی خریداری کو دھوکہ دہی سے مشابہ قرار دے کر اس کی مذمت کی تھی اور پھر چار اعلیٰ افسروں کو معطل کر دیا تھا۔ تمام فوج میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ فوجی افسروں نے گورنر سے شدید احتجاج کیا جسے گستاخی پر محمول کیا گیا۔ بارلو نے دیسی سپاہیوں کی مدد سے انگریز افسروں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔

1807ء: ایرانی قزاقوں کے خلاف مہم: 1810ء کے اوائل سے خلیج فارس میں بحری قزاقوں کا ایک جتھہ انگریزی تجارت کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس جتھے نے کمپنی کے ایک جہاز منروا پر قبضہ کر لیا۔ منٹو نے بمبئی سے ایک مہم خلیج فارس میں بھجوائی جس نے مالیہ (گجرات) میں قزاقوں کے ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر لیا اور پھر مسقط کے امام (حکمران) کی مدد سے شیراز (ایران) میں ان کے مضبوط گڑھ پر حملہ کر کے اسے نذر آتش کر دیا۔ یوں ڈاکوؤں سے خلیج فارس کو پاک کر دیا گیا۔

میکاؤ کی مہم: کمپنی کی تجارتی رقابت کے زیر اثر منٹو نے میکاؤ میں

پرتگیزیوں کی نو آبادیاں تباہ کرنے کے لیے جہاز بھجوایا۔ پرتگیزیوں کو شہنشاہ چین کا تحفظ حاصل تھا۔ وہاں بھیجی جانے والی رجمنٹ کسی کامیابی کے بغیر واپس بنگال آ گئی۔ شہنشاہ چین نے میکاؤ میں انگریزوں کی تجارت پر فوراً پابندی عائد کر دی۔

ماریشیس اور بوربن پر قبضہ: فرانس اور انگلستان کے درمیان جنگ کے دوران کمپنی کی تجارت کو ماریشیس اور بوربن جزائر سے فرانسیسیوں کے حملوں نے بہت نقصان پہنچایا تھا۔ منٹو نے شرانگیزی کا یہ دروازہ بند کرنے کے لیے کرنل کیٹنگ کی کمان میں ایک مہم روانہ کی جس نے سب سے پہلے جزیرہ راڈرجز پر قبضہ کیا جو ماریشیس سے دو سو میل دور ہے۔

مئی 1810ء: جزیرہ راڈرجز کو مرکز بنا کر کرنل کیٹنگ نے جزیرہ بوربن پر پہلا حملہ کیا۔ انگریز سپاہی جزیرہ پر اترے اور سینٹ پال کے شہر اور بندرگاہ پر حملہ آور ہوئے۔ توپ خانے کی چار بیریوں نے گولہ باری شروع کی۔ تین گھنٹے کی لڑائی کے بعد شہر اور بندرگاہ پر قبضہ ہو گیا۔ دشمن کے بحری بیڑے کا راستہ انگلش بیڑے نے روک رکھا تھا۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

جولائی 1810ء: بوربن جزیرے میں متعدد فرانسیسی چوکیوں پہ قبضہ ہونے پر صدر مقام سینٹ ڈینس سرنگوں ہو گیا۔ پوری فرانسیسی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ بوربن کا علاقہ کرنل ویلوبی کی کمان میں چھوڑ کر انگریزی توپ خانہ واپس مرکز میں آ گیا اور ماریشیس (ال ڈی فرانس) پہ حملے کی تیاری شروع کر دی گئی۔ سمندر میں انگریزوں کے 11 جہاز فرانسیسیوں نے قبضہ میں لے لیے۔

29 اکتوبر 1810ء: ماریشیس کے خلاف کارروائی: انگریزوں نے ایک ہزار آدمی ساحل پہ اتار دیے۔ 30 اکتوبر/بر گیز کے مطابق 9 [illegible] کو

فرانسیسی کمانڈر نے ہتھیار ڈال کر جزیرہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ ماریشیس پر انگریز بعد ازاں بھی قابض رہے لیکن 1814ء میں بوربن فرانسیسیوں کو واپس دے دیا گیا۔

1811ء: منٹو نے جاوا کے خلاف جنگی مہم روانہ کی۔ سب سے پہلے گرم مسالوں کے جزیرہ ایمبوائنیا پر قبضہ کیا جہاں 1623ء میں ولندیزیوں نے خوفناک قسم کا قتلِ عام کیا تھا۔ ایمبوائنیا کی تسخیر کے بعد جلد ہی پانچ چھوٹے ملوکہ جزائر پر قبضہ کر لیا گیا۔ پھر بنڈا نیرا (ملوکہ جزیرہ) ہاتھ آیا۔ یہ ساری مہم جوئی ولندیزی تجارت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حریصانہ نظر کی وجہ سے تھی۔

14 اگست 1811ء: انگریز رات کی تاریکی میں جاوا کے دارالحکومت بٹاویہ میں اتر گئے۔ ولندیزی فوج دفاع کے لیے فورٹ کارنیلس میں جمع ہو گئی۔

15 اگست 1811ء: باقاعدہ حملہ کے نتیجہ میں کرنل گیلیسی نے بٹاویہ فتح کر لیا۔ بعد ازاں مہم کے کمانڈر سر سیموئیل آکٹی نے جاوا کے تمام اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں اور ولندیزیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ سر سٹمفورڈ ریفلز کو جاوا کا گورنر مقرر کیا گیا۔

پنڈاریوں کی شورش: مالوہ (ہولکر، سندھیا اور بھوپال کے علاقہ) وندھیا کے پنڈاری کوہستانی قزاق، مفرور مجرم اور پیشہ ور لٹیرے تھے۔ یہ سب سے پہلے 1761ء میں پانی پت کی لڑائی میں نمودار ہوئے اور مرہٹوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ پیشوا باجی راؤ کے دور میں انھوں نے ہمیشہ اس فریق کا ساتھ دیا جس نے انہیں زیادہ معاوضہ ادا کیا۔

1808ء: دو بھائیوں ہیرن اور بیرن کی قیادت میں پنڈاریوں نے زور پکڑ لیا۔ ان کی موت پر چیتو نام کے ایک جاٹ نے پنڈاریوں کی قیادت سنبھال لی

اور راجہ بن گیا۔ اس کی مدد کے لیے سندھیا نے اسے تھوڑا سا علاقہ دے دیا۔ اسی طرح دوسرے پنڈاری سردار بھی چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے مالک بن گئے۔ دو سال بعد چیتو نے روہیلہ سردار امیر خان سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ 60 ہزار سپاہیوں کے ساتھ انھوں نے وسطی ہندوستان میں لوٹ مار شروع کر دی۔ بورڈ آف کنٹرول نے لارڈ منٹو کو ان پر حملہ کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ (بورڈ) کارنوالس کی عدم مداخلت کی پالیسی پر کاربند تھا۔

مدراس میں رعیت واری نظام سر تھامس منرو نے نافذ کیا تھا۔ اسے پہلے مدراس پریزیڈنسی میں مالیاتی انتظام کی بنیاد کے طور پر تسلیم کیا گیا لیکن 1820ء تک اسے مستقل حیثیت نہ دی گئی۔ اس کے تحت حکومت کے ریونیو افسران سال کے شروع میں سالانہ لگان کا ایک سمجھوتہ کر لیتے۔ پھر جب فصلیں اس قابل ہو جاتیں کہ ان کی پیداوار اور معیار کا درست اندازہ لگایا جا سکتا تو پھر حکومت پیداوار کے ایک تہائی کے برابر ٹیکس لگا دیتی۔ کاشتکار پٹہ یا لینز میں درج اور تخمینہ شدہ ٹیکس کا ذمہ دار ہوتا۔ یہ پٹہ یا لینز سال کے شروع میں سمجھوتہ کے تحت منظور کی جاتی تھی۔ اگر موسم یا ناگہانی آفت کی وجہ سے فصل خراب ہو جاتی تو اور ٹیکس ادا نہ کیا جاتا تو پورا گاؤں مل کر اس ٹیکس کی ادائگی کرتا۔ اگر نادہندگی رعیت (کاشتکار) کی ذاتی غفلت یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوتی۔ مثلاً سالانہ پٹہ حاصل کرنے کے بعد کاشتکار اپنی زمین پہ کاشت کاری سے انکار کر دیتا تو ٹیکس کلکٹر کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کاشتکار کو جرمانہ کرے یا اہل کاروں سے جسمانی سزا دلوائے۔ چونکہ کلکٹر کے پاس پٹہ دینے یا روک لینے کا مکمل اختیار ہوتا تھا اس لیے سال بھر وہ ضلع کا مختار کل بنا رہتا۔

اکتوبر 1813ء: لارڈ منٹو واپس انگلستان چلا گیا۔ اس کی جگہ لارڈ ہیسٹنگز کو گورنر

جنرل مقرر کیا گیا۔ ان دنوں وہ ارل آف موئیرا کہلاتا تھا۔

پارلیمانی کارروائی

یکم مارچ 1813ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کی مدت ایک بار پھر ختم ہو گئی۔

22 مارچ 1813ء: دارالعوام نے تمام معاملات کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے پارلیمانی کمیٹی قائم کر دی۔ لندن میں انڈیا ہاؤس کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے استدلال پیش کیا کہ مفتوحہ ملک تاج برطانیہ کا نہیں بلکہ بنیادی حق کے طور پر کمپنی کا ہے۔ کمپنی کی تجارتی اجارہ داری پہلے کی طرح ضروری ہے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز نے مزید بیس سال کے لیے نئے چارٹر کا مطالبہ سابقہ بنیادوں پر کیا۔ بورڈ آف کمشنرز کے صدر ارل آف بکنگھم شائر نے تمام استدلال مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کمپنی کی نہیں انگلستان کی ملکیت ہے۔ اس نے کہا کہ برطانیہ کی تمام رعایا کے لیے ہندوستان کی آزاد تجارت ہونی چاہیے۔ کمپنی کی اجارہ داری ختم ہونی چاہیے اور تاج برطانیہ کے لیے مناسب ترین اقدام یہی ہو گا کہ وہ ہندوستان کی باگ ڈور براہ راست خود سنبھال لے۔

23 مئی 1813ء: لارڈ کیسلرہ نے وزارت کی طرف سے تحریک پیش کی کہ کمپنی کو مزید 20 برسوں کے لیے چارٹر کی تجدید کر دی جائے۔ کمپنی کو چین میں تجارت کی اجارہ داری حاصل ہو گی لیکن ہندوستان کی تجارت چند پابندیوں کے ساتھ پوری دنیا کے لیے کھول دی جائے گی۔ یہ پابندیاں کمپنی کو نقصان سے بچانے کے لیے عائد کی جائیں گی۔ کمپنی کے پاس عسکری قیادت اور اپنے لیے سول اور دیگر ملازمین کے تقرر کا اختیار برقرار رہے گا۔

جولائی 1813ء (اواخر): لارڈ کیسلرہ کا بل معمولی رد و بدل کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ لارڈ گرینول نے حکومت پر زور دیا کہ پورے ہندوستان کو خود سنبھال لے اور سول سروس کے لیے تقرریاں کھلے مقابلے کے ذریعے کرے۔

1813ء ہی کے دوران کلکتہ میں ایک بشپ کی تقرری کے بعد ہندوستان میں کھلے بندوں عیسائیت کی تبلیغ شروع ہو گئی۔

(12) لارڈ ہیسٹنگز کا دور
(1813ء-1822)

اکتوبر 1813ء: لارڈ ہیسٹنگز کلکتہ میں پہنچا۔ 1811ء میں جسونت راؤ ہولکر مر گیا تھا۔ اس کی بیوی تلسی بائی متعدد سرداروں کی حمایت اور پھر رہزن پٹھانوں کے سردار غفور خان کی اعانت سے چار برس تک اقتدار میں رہی۔ اندور کی حکومت پوری طرح اس کے قبضے میں تھی۔ 1813ء میں سندھیا نے اس علاقے میں اودھم مچایا لیکن انگریزوں کی ہلکی سی دھمکی پر دبک کر بیٹھ گیا۔ روہیلہ سردار ہندوستان کی بہترین فوجوں میں سے ایک کا سربراہ تھا۔ اس فوج میں اس کے اپنے مہم جو اور ہولکر کے سپاہی بھی شامل تھے۔ 1811ء میں پنڈاری سردار چیتو سے الگ ہو جانے کے بعد امیر خان مذکورہ فوج کا کمانڈر انچیف بن گیا تھا۔ ادھر پیشوا باجی راؤ انگریزوں کی محکومی میں آ چکا تھا۔ پونا میں انگریز ریزیڈنٹ ماؤنٹ سٹوارٹ الفنسٹن نے باجی راؤ کو کٹھ پتلی بنایا ہوا تھا۔ احمد آباد کے علاقے کے بارے میں گائیکواڑ سے تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔

معاہدہ کے مطابق انگریزوں سے ثالثی کے لیے کہا گیا۔ چنانچہ گائیکواڑ کو پونا اور گنگا دھر شاستری کو گجرات بھیج دیا گیا۔ بمبئی کے پریزیڈنٹ نے فیصلے کی توثیق کر دی۔ لیکن پیشوا کے ایک گماشتے ترمباک جی ڈانگلیہ نے گنگادھر کے خلاف سازش کی اور گجرات پہنچنے پر اس کے ساتھیوں نے اسے بے رحمی سے قتل کر دیا۔ پیشوا کی مزاحمت کے باوجود الفنسٹن نے ڈانگلیہ کو گرفتار کرلیا اور مزید تفتیش کے لیے قید میں ڈال دیا۔ ہیسٹنگز کے منصب سنبھالنے کے وقت یہ صورت حال تھی اور خزانہ خالی تھا۔

1814ء: نیپال کے گورکھے: یہ دراصل راجپوتوں کی ایک نسل تھی جو عرصہ ہوا راجپوتانہ سے نکل کر نیپال میں آگئی اور ہمالیہ کی ترائی میں علاقہ فتح کر کے وہیں بس گئی۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں ان کا حکمران خود کو نیپال کا راجہ کہلاتا تھا۔ اس نے اپنی ریاست کی سرحدوں میں اتنی توسیع کی کہ ایک زمانے میں وہ رنجیت سنگھ کی ریاست تک پہنچ گیا۔ اسی طرح وہ کئی بار برطانوی تحفظ میں حکمرانی کرنے والے راجاؤں کی سرحدوں تک بھی پہنچ گیا۔ چنانچہ وہ کئی دفعہ سر جارج بارلو اور لارڈ منٹو سے الجھ چکا تھا۔ 1913ء کے آخری مہینوں میں گورکھوں نے اودھ کے علاقہ میں برطانوی تحفظ کے 200 دیہات پر مشتمل ایک ضلع پر قبضہ کر لیا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے 25 دنوں کے اندر مذکورہ ضلع کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ گورکھوں نے جواب میں بٹوال کے انگریز مجسٹریٹ کو قتل کر دیا۔

1 اکتوبر 1814ء: گورکھوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا۔ طے شدہ منصوبہ کے تحت جنرل گیلیپی نے ستلج کے علاقہ میں گورکھا فوج پر حملہ کرنا تھا جس کی قیادت امر سنگھ کر رہا تھا۔ جبکہ جنرل ووڈ کی قیادت میں ایک اور ڈویژن نے بٹوال کی طرف پیش قدمی کرنا

تھی۔ تیسری فوج نے جنرل اوکٹرلونی کے ماتحت شملہ پر اور جنرل مارلے کی زیر قیادت چوتھی فوج نے براہ راست نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو پہ چڑھائی کرنا تھی۔ جنگ کے اخراجات کے لیے اودھ کے نواب سے 20 لاکھ روپے کا قرضہ لیا گیا۔

29 اکتوبر 1814ء: گیلیپی نے کالنگا کے قلعہ پر حملہ کیا۔ یہاں پانچ سو گورکھے دفاع کر رہے تھے۔ گیلیپی نے فوراً حملے کا حکم دیا اور خود قیادت کی لیکن اسے گولی لگ گئی۔ 700 افسر اور جوان مارے جانے پر ڈویژن واپس آگیا۔ اب کمان جنرل مارٹن ڈیل کے سپرد کی گئی جس نے بے مقصد ناکہ بندی میں کئی ماہ ضائع کر دیے۔ بالآخر قلعے پر حملہ کر کے اس کی فصیل توڑی گئی تو پتہ چلا کہ قلعہ پہلے سے خالی کیا جا چکا ہے۔ گورکھے حملہ سے ایک رات پہلے اپنے اسلحہ و سامان کے ساتھ نکل گئے تھے۔

جنرل ووڈ اپنے سے کہیں کمزور فوج کو شکست دینے کے بعد خوفزدہ ہو گیا اور برطانوی علاقے کی سرحدوں میں واپس آ کر بقیہ تمام عرصہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔

1815ء: جنرل مارلے سرحد پہ آ کر 1815ء کے آغاز تک خاموش بیٹھا رہا۔ وہ کھٹمنڈو پہ حملے کے لیے قلعہ شکن توپوں کے انتظار میں تھا۔ اس نے اپنے ڈویژن کو دو کمزور حصوں میں تقسیم کر کے پیش قدمی کی۔ دونوں پہ گورکھوں کا حملہ ہوا اور دونوں بری طرح ہزیمت سے دوچار ہوئے۔ مارلے کبھی آگے بڑھتا اور کبھی پیچھے ہٹتا رہا۔ 10 فروری 1875ء کو سرحد پر ڈٹ گیا۔

15 مئی 1875ء: کئی ماہ کے کامیاب محاصرے اور جھڑپوں کے بعد امر سنگھ ستلج کے بائیں کنارے پر قلعہ مالون میں واپس آگیا۔ جنرل آکٹرلونی ایک ماہ تک مالون پہ گولہ باری کرتا رہا۔ 15 مئی کو یہ قلعہ فتح

ہوگیا۔ امر سنگھ محاصرہ کے دوران مارا گیا۔ اس دوران ضلع کماؤں میں الموڑہ فتح ہوگیا۔ گورکھوں کی رسد منقطع ہوگئی وہ صلح پر مجبور ہوگئے۔ (ل کے مطابق امر سنگھ نہیں بلکہ اس کا جرنیل بختی سنگھ ہلاک ہوا تھا)

1816ء: طویل مذاکرات کے بعد نئی معرکہ آرائی کا فیصلہ ہوا۔ سر ڈیوڈ آکٹرلونی نے دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کرکے مکون پر حملہ کیا اور گورکھوں کو بھاری نقصان کے بعد میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اب اس نے گورکھوں کے ساتھ معاہدہ کیا جس پر وہ نیک نیتی کے ساتھ کاربند رہے۔ معاہدہ کے تحت انہیں پابند کر دیا گیا کہ وہ اپنی سرحدوں سے تجاوز نہیں کریں گے۔ قبضہ میں لیا ہوا زیادہ تر علاقہ انہوں نے واپس کر دیا۔ اس جنگ نے انگلستان اور نیپال کے درمیان روابط پیدا کر دیے۔ بے شمار گورکھوں نے انگریزی فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ ان کو گورکھا رجمنٹس میں بھرتی کیا گیا۔ انہی رجمنٹوں نے بعد میں 1857ء کی بغاوت میں انگلستان کے لیے زبردست خدمات سرانجام دیں۔

گورکھوں کے ساتھ جنگ میں کمپنی کی ابتدائی ہزیمتوں نے دیسی ریاستوں میں بے چینی پھیلا دی۔ خصوصاً دہلی کے صوبوں بریلی اور متھرا کے حکمران کمپنی کی گرفت سے نکلنے کے لیے پر تول رہے تھے۔

1816-1818ء: پچاس ساٹھ ہزار پنڈاریوں نے 1815ء وسطی ہندوستان میں لوٹ مار شروع کر دی۔ امیر خان نے سرحدوں پہ خطرہ کھڑا کر دیا۔ مرہٹہ سردار دشمنی پر اتر آئے اور فوجیں اکٹھی کرنے لگے۔ ہیسٹنگز نے امیر خان کے خلاف اتحاد بنانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

14 اکتوبر 1815ء: پنڈاریوں کے بہت بڑے لشکر نے نظام کے علاقے پر حملہ کیا اور زبردست لوٹ مار کی۔

فروری 1816ء: تقریباً آدھی پنڈاری فوج نے کمپنی کے علاقے گنتور سرکار پر حملہ کیا اور پورے علاقے کو برباد کرکے رکھ دیا۔ مدراس سے انگریزی فوج ان کے خلاف کارروائی کے لیے نکلی لیکن وہ اس کے پہنچنے سے پہلے غائب ہوگئے۔

بیرار کا راجہ، رگھو جی بھونسلے مر گیا۔ اس کا جانشین، چچازاد بھائی اپا صاحب بنا۔ اس نے بھونسلے کے بیٹے کو قتل کر دیا اور کمپنی سے سودے بازی کرکے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت انگریزوں کی 8 ہزار افراد پہ مشتمل ایک امدادی فوج کی چھاؤنی ناگپور میں قائم کرنا منظور کر لیا۔

نومبر 1816ء: کمپنی کے علاقے میں پنڈاریوں نے نئی دخل اندازی کی۔ ناگپور کی فوج نے ان کا پیچھا کیا تو وہ ایک بار پھر بھاگ نکلے اور منتشر ہو کر اپنے علاقے میں چلے گئے۔

1817ء: سال کے شروع میں ہیسٹنگز خود میدان میں اترا۔ اس کی کمان میں ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی تھے۔ ہندوستان میں برطانوی پرچم کے نیچے اتنی بڑی فوج کا اجتماع پہلی دفعہ ہوا تھا۔ ہیسٹنگز نے بندی، جودھ پور، اودے پور، جے پور اور کوٹہ کے راجاؤں کے ساتھ ایک اتحاد قائم کیا اور سندھیا کو غیر جانبداری کے ایک معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کیا۔

مرہٹہ قوت کا خاتمہ: ترمباک جی ڈانگلیا قید سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا اور پونا میں باجی راؤ کا مشیر اعلیٰ بن گیا۔ باجی راؤ نے انگریزوں کے خلاف زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ بظاہر وہ یہ سب کچھ پنڈاریوں سے تحفظ کے لیے کر رہا تھا۔ الفنسٹن نے بمبئی سے فوج کو پونا کے لیے کوچ کا حکم دیا اور باجی راؤ سے دو ٹوک انداز میں کہا کہ چوبیس گھنٹے میں امن یا جنگ کا فیصلہ کر لے۔ علاوہ ازیں اپنے تین بڑے قلعے اور ترمباک جی ڈانگلیا انگریزوں کے حوالے کر دے۔ باجی راؤ

نے ہچکچاہٹ سے کام لیا۔ دریں اثنا انگریزی فوجیں نمودار ہو گئیں۔ باجی راؤ پیشوا نے تمام قلعے کمپنی کے حوالے کر دیے اور ڈانگلیہ کو پکڑ کر پیش کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ب ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت پیشوا نے پابندی قبول کر لی کہ وہ کسی مرہٹہ ریاست یا غیر ملکی طاقت کی سفارت اپنے دربار میں نہیں رکھے گا اور خود مکمل طور پر برطانوی ریزیڈنٹ کے احکام کے تابع رہے گا۔ چنانچہ مرہٹوں کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو گیا۔ پونا کا دربار ناگپور اور اندور کی طرح مختصر کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں پیشوا کو ساگر، بندھیل کھنڈ اور کئی دوسرے علاقے کمپنی کے حوالے کرنا پڑے۔ الفنسٹن اپنے تحفظ کے لیے پونا سے دو میل دور انگریزی چھاؤنی میں چلا گیا جبکہ فوج کا ایک حصہ شہر میں تعینات کر دیا گیا۔ ایک ماہ بعد پیشوا انگریزوں کے خلاف فوج منظم کرتا ہوا پکڑا گیا۔

نومبر1817ء: پیشوا دیسی فوج کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ برطانوی رجمنٹوں کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔ پونا میں برطانوی ریزیڈنسی پہ حملہ کر کے اسے جلا دیا گیا۔ جوابی کارروائی میں پیشوا کی ناتجربہ کار فوج پٹ گئی۔

نومبر1817ء: باجی راؤ نے ہتھیار ڈال دیے۔ مرہٹہ سلطنت جو 1669ء میں شیواجی کے ہاتھوں وجود میں آئی تھی، ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

ناگپور کے راجہ (اپا صاحب) کا انجام: اپا صاحب نے بھی باجی راؤ کی طرح انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے فوج تیار کرنا شروع کر دی۔ برطانوی ریزیڈنٹ مسٹر جینکنز نے اسے تنبیہ کی۔

ستمبر1817ء: اپا صاحب نے اپنے دربار میں پنڈاریوں کے سفیر کی کھلے بندوں پذیرائی کی۔

نومبر1817ء: اپا صاحب نے ریزیڈنٹ کو بتایا کہ پیشوا اسے مرہٹہ فوجوں کا

کمانڈر انچیف مقرر کر چکا ہے۔ ریزیڈنٹ نے جواب دیا کہ چونکہ پیشوا کمپنی کے خلاف جنگ کی حالت میں تھا چنانچہ اس طرح کی تقرری کا مطلب ناگپور کا کمپنی کے خلاف جنگ میں شریک ہونا ہے۔ اپا صاحب نے برطانوی ریزیڈنسی پہ حملہ کر دیا۔ سیتابلدی پہاڑیوں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ انگریز زبردست نقصانات کے بعد بالآخر کامیاب ہو گئے۔ ناگپور پر قبضہ کر لیا گیا۔ اپا صاحب کو معزول کر دیا گیا۔ وہ فرار ہو کر جودھ پور چلا گیا اور وہیں مر گیا۔ ناگپور ریاست پر انگریزوں نے 1826 سے تک براہ راست حکومت کی اور پھر سابق حکمران خاندان کے ایک نوجوان کو برطانوی سرپرستی میں تخت نشین کر دیا۔

ہولکر خاندان کی حکومت کا خاتمہ: تلسی بائی نے اپنے عاشق، غفور خان کو حقیقی گورنر بنا دیا۔ وہ پٹھان سردار، کمپنی کا گہرا دشمن تھا۔ سر جان میلکم اور سر تھامس ہسلپ نے غفور خان کی برطرفی کا مطالبہ کر دیا۔ رانی تلسی بائی جنگ پہ تیار ہو گئی۔ لیکن ایک رات مخالف گروہ نے اسے اندھیرے میں گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دیا اور لاش دریا میں پھینک دی۔

1817ء: نوجوان ملہار راؤ نے فوراً اپنی حکمرانی کا دعویٰ کر دیا۔ بظاہر اس کی قیادت میں فوج میدان میں اتر آئی جبکہ حقیقی قیادت غفور خان کی تھی۔

21دسمبر1817ء: انگریزی فوج نے مرہٹوں کی زبردست گولہ باری کے باوجود دریا کے سپرا عبور کر لیا اور حملہ کر کے ان کی توپیں قبضہ میں لے لیں۔ ماہد پور میں فیصلہ کن لڑائی ہوئی۔ انگریز بڑی مشکل سے کامیاب ہوئے۔ ملہار راؤ کی بہن کو گرفتار کر کے اس کے بھائی کے پاس بھیج دیا گیا۔ ایک معاہدہ عمل میں لایا گیا جس کے تحت ملہار راؤ ہولکر کو راجہ تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن اقتدار و اختیار

میں کمی کر کے اسے چھوٹی سی ریاست دے دی گئی۔

1817ء کے اختتام تک پنڈاری منڈلاتے رہے لیکن انھوں نے کوئی انتہائی اقدام نہ کیا۔ مرہٹہ راجاؤں کے زوال کے بعد پنڈاریوں کے تین سرداروں، کریم خان، چیتو اور واصل محمد نے صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کیا۔ انھوں نے اپنی فوجیں ایک جگہ جمع کر دیں۔ لارڈ ہیسٹنگز بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے پریذیڈنسی کی فوجوں کو حکم دیا کہ ان لٹیروں کے مرکز مالوہ کو گھیرے میں لے کر کاری ضرب لگائی جائے۔ پنڈاریوں کے تینوں سردار فرار ہو گئے۔ ان کی فوجیں انگریزی سپاہ کا نشانہ بن گئیں۔ کریم خان کی فوج کو جنرل ڈونکن نے تباہ کیا۔ چیتو کے سپاہیوں کو جنرل براؤن نے ختم کیا۔ جبکہ تیسری فوج انگریزوں کے حملہ سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئی۔ اس کے سردار محمد واصل نے خودکشی کر لی۔ لڑائی کے بعد چیتو جنگل میں مردہ حالت میں پایا گیا۔ کریم خان کو واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ امن قائم رکھنے کے وعدہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی ریاست میں جا بیٹھا۔ پنڈاری منتشر ہو گئے اور پھر کبھی متحد نہ ہو سکے۔ امیر خان اور غفور خان کی قیادت میں پٹھانوں نے سر اٹھایا لیکن انھیں بھی کچل دیا گیا۔

سندھیا ہی اب ایک ایسا مقامی حکمران رہ گیا تھا جس کے پاس فوج تھی یا وہ نام نہاد خود مختاری کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنا آپ کمپنی کے حوالے کر دیا تھا۔ ہندوستان اب انگریزوں کا تھا۔

اگست 1817ء: ہندوستان میں پہلی مرتبہ ہیضے کی خوفناک وبا پھوٹ پڑی۔ یہ سب سے پہلے کلکتہ کے قریب ضلع جیسور میں نمودار ہوئی۔ پھر

پورے ایشیا کو متاثر کرتی ہوئی براعظم یورپ میں جا پہنچی۔ یورپ میں اس نے ہر دسویں فرد کو ہلاک کیا۔ یورپ میں پھیلتی ہوئی یہ وبا انگلستان میں پہنچی اور یہاں سے امریکہ منتقل ہو گئی۔

نومبر 1817ء میں ہیسٹنگز کی فوج پہ اس کا حملہ ہوا۔ اس کی آلودگی کلکتہ سے آنے والے ایک دستہ کے ساتھ وارد ہوئی اور فوج کو اس وقت اپنا نشانہ بنایا جب وہ بندیل کھنڈ کے زیریں علاقے سے گزر رہی تھی۔ کئی ہفتوں تک شاہراہ لاشوں اور دم توڑتے ہوئے سپاہیوں سے اٹی رہی۔

یکم جنوری 1818ء: پیشوا باجی راؤ پونا سے فرار ہو کر جنوب کو نکلا اور رڑمباک جی ڈانگلیہ سے جا ملا۔ دونوں نے 20 ہزار سپاہیوں کے ساتھ انگریزوں کی ایک نفری پہ حملہ کر دیا جو کیپٹن سٹاٹن کی قیادت میں سفر کر رہی تھی۔ سٹاٹن بڑی مشکل سے کامیاب ہوا۔ مرہٹے منتشر ہو کر بھاگ گئے۔ جنرل سمتھ نے کمان سنبھالی اور ستارا کا رخ کیا۔ جس نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ باجی راؤ بھاگ گیا لیکن بالآخر اسے سرجان میلکم کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑے۔ باجی راؤ کو باقاعدہ معزول کر دیا گیا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے ستارا کا راجہ اس خاندان کے ایک فرد کو بنایا جسے پیشواؤں نے اقتدار سے نکالا تھا۔ باجی راؤ کو سرکاری قیدی بنا دیا گیا۔ 1708ء میں بچھائی جانے والی بساط الٹ گئی۔ جب ستارا کے راجہ ساہو نے بالاجی وشوا ناتھ کو اپنا پیشوا بنایا تھا اور پیشوا خود ہی حکمران بن بیٹھے تھے۔ (1857ء کی بغاوت میں سامنے آنے والا نانا صاحب باجی راؤ کا لے پالک بیٹا تھا۔ نانا صاحب کی موت کے بعد مرہٹہ خاندان کو دیا جانے والا سالانہ وظیفہ انگریزوں نے بند کر دیا) مرہٹوں کے ساتھ اس آخری جنگ میں مالی گاؤں، تالنیر اور

اسیر گڑھ کے اہم قلعے بھی انگریزوں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔
لارڈ ہیسٹنگز نے ہندوستان میں پریس کی آزادی کا باضابطہ اعلان کر دیا۔

1819ء: سر سٹمفورڈ ریفلز نے گورنر آف جوھور (تومان گوئے) سے سنگاپور کا قبضہ لے لیا۔

1820ء: نظام حیدر آباد، فوجوں کے بھاری اخراجات اور اپنے وزیر چندر لال کی رسوائے زمانہ بدانتظامی کی وجہ سے قرضوں کے بوجھ تلے دب گیا۔ میسرز پالمر اینڈ کو اسے بڑے اشتیاق سے قرضہ دیتی رہی۔ یہاں تک کہ یہ رقم اتنی بڑھ گئی کہ اس کی واپسی مایوسی کی حد تک ناممکن ہو گئی۔ پالمر ہاؤس کے حصہ داروں نے حیدر آباد میں غیر ضروری اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ ان دنوں حیدر آباد میں انگریز ریزیڈنٹ مٹکاف تھا۔ اس نے ہیسٹنگز سے مداخلت کے لیے کہا۔ ہیسٹنگز نے پالمر اینڈ کو کو مزید قرضہ دینے سے روک دیا۔ اس نے حکم دیا کہ شمالی سرکار کے محاصل اور لگان فوراً ضبط کر لیے جائیں اور انہیں قرضہ بیباق کرنے کے لیے استعمال میں لایا جائے۔ کچھ عرصہ بعد پالمر اینڈ کمپنی ڈوب گئی۔ ہیسٹنگز اس معاملے میں بہت بدنام ہوا۔ کیونکہ پالمر خاندان سے اس کے مراسم تھے۔ اس پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ پالمر اینڈ کو، کی متعدد قابل اعتراض کارروائیوں کی اجازت دیتا رہا مگر مداخلت اس وقت کی جب مٹکاف کی وجہ سے معاملہ زبان زد خاص و عام ہو گیا اور اس کے لیے پالمر خاندان کو مزید خراب کرنا ممکن نہ رہا۔

1822ء (اواخر): لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیا اور یکم جنوری 1823ء کو واپس انگلستان چلا گیا۔ وہ "عدم الحاق" کی پالیسی لے کر ہندوستان آیا تھا۔

کمپنی کا آخری دور
(1823ء-1858ء)

لارڈ امہرسٹ:(1823ء-1858ء)

لارڈ ہیسٹنگز کی روانگی کے بعد کونسل کا سینئر ممبر مسٹر ایڈم [illegible] گورنر جنرل بنا۔ بورڈ آف کنٹرول نے لارڈ امہرسٹ کو وائسرائے [illegible] بنا دیا۔

اگست 1823ء: امہرسٹ کلکتہ پہنچا۔ وقتی طور پر برمیوں سے جنگ [illegible] مصروف ہو گیا۔ آوا کے برمی پہلے سلطنت پیگو کے محکوم تھے [illegible] پھر آزاد ہو گئے۔ ان کی قیادت ایک مہم جو الوم پرا کر رہا تھا [illegible] نے ہمیشہ اپنی فوج کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ اس نے سیام [illegible] سے تیناسیرم چھین لیا۔ چینیوں کو متعدد مواقع پر شکست دی۔ [illegible] میں اپنے حکمرانوں کو اطاعت پر مجبور کیا اور پھر پوری آبنائے [illegible] کا حاکم بن گیا۔ اس کا دارالحکومت آوا تھا۔ برما کا بادشاہ [illegible] کو "سفید ہاتھیوں کا دیوتا اور بحر و بر کا حاکم" کہلاتا تھا۔

1818ء: آوا کے دربار میں یقین کر لیا گیا تھا کہ اوندھے منہ [illegible] ہوئے ہندوستان کے خلاف فتح کے نشے میں مست انگریز اب [illegible] تسخیر برمیوں کے سامنے ہی سرنگوں ہوں گے۔ ان کے بادشاہ نے [illegible] کو خط لکھا اور مطالبہ کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی چٹاگانگ اور کچھ دیگر [illegible] اضلاع برما کے حوالے کر دے کیونکہ یہ ارکان کا حصہ ہیں اور ارکان [illegible] کا علاقہ ہے۔ ہیسٹنگز نے اس کے خط کا جواب انتہائی شائستگی سے دیا۔ آوا کا بادشاہ اس خط سے خاموش ہو کر بیٹھ گیا لیکن یہی اس کی غلطی تھی۔

1822ء: برمی سپاہی مہا بندولا (کمانڈر انچیف) کی قیادت میں آسام پر حملہ آور ہوئے اور اسے فتح کر کے الحاق کر لیا۔

1823: ارکان کے ساحل پر انگریزوں کے جزیرے شاہ پوری پر برمیوں نے قبضہ

کرلیا۔ وہاں موجود مختصر سی فوج کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ ایمہرسٹ نے شاہ پوری سے برمیوں کو نکالنے کے لیے ایک فوج روانہ کی اور آوا کے بادشاہ کو بڑے مہذب انداز میں درخواست کی کہ جزیرے پہ حملہ آور ہونے والے شرپسندوں کو مناسب سزا دی جائے جو ایمہرسٹ کے نزدیک محض لٹیرے تھے۔

جنوری 1824ء: برمیوں نے اسے انگریزوں کی کمزوری سمجھتے ہوئے برطانوی تحفظ کے ہندوستانی صوبے کچھار پہ حملہ کر دیا۔ انگریز سپاہیوں نے برمیوں کو شکست دے کر انھیں منی پور میں دھکیل دیا۔

اب کلکتہ سے دو فوجیں روانہ کی گئیں۔ ایک نے آسام پر اور دوسری نے رنگون اور برما کی دوسری بندرگاہوں پر قبضہ کرنا تھا۔

1824ء: رنگون کسی مزاحمت کے بغیر ہاتھ آ گیا۔ برمی فوج بھاگ گئی۔ انگریزی فوج نے سر کیمبل کی قیادت میں آسانی سے مضافاتی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ رنگون سے چار میل دور کیمنڈائن کے مقام پر انھیں طویل مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم انجام کار انگریز کامیاب رہے۔ گرم موسم کے پیش نظر سپاہیوں کو واپس رنگون کی چھاؤنی میں بلا لیا گیا۔ نامناسب سہولتوں کی وجہ سے سپاہیوں میں ہیضہ پھیل گیا۔

دسمبر 1824ء: مہابنڈولا اپنے 60 ہزار سپاہیوں کے ساتھ کیمبل کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ انگریزوں نے اسے دو مرتبہ شکست دی۔ بالآخر وہ دوناپیو کی طرف پسپا ہو گیا۔ انگریزوں نے تعاقب کیا اور شہر کو محاصرے میں لے لیا۔

اپریل 1825ء: مہابنڈولا ایک راکٹ لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ دوناپیو نے ہتھیار ڈال دیے۔ کیمبل نے آگے بڑھ کر پروم شہر پہ بھی قبضہ کر لیا۔ یہاں اسے ایک بھی کارتوس استعمال نہ کرنا پڑا۔ کیمبل نے یہاں رک کر آسام کی مہم کے نتائج کا انتظار کیا۔ وہاں کرنل

رچرڈز کی کمان میں بھیجی جانے والی فوج نے رنگ پور اور سلہٹ فتح کر لیے آسام سے برمیوں کو نکال دیا اور پھر جنرل میک بین کی کمان میں آگے بڑھ گئی۔

مارچ 1825ء: جنرل میک بین اراکان میں داخل ہو گیا۔ برمیوں نے پہاڑی علاقے کا بہادری سے دفاع کیا لیکن جنرل میدانی علاقہ میں داخل ہونے کے لیے اپنا راستہ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ انگریز اراکان کے دارالحکومت کے سامنے پہنچ گئے۔ آوا کے دربار سے مذاکرات کیے گئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔

نومبر 1825ء: کیمبل نے آوا پہ یلغار کر دی۔ برمیوں نے مزاحمت کی بجائے راہ فرار اختیار کر لی۔

فروری 1826ء: دو فیصلہ کن کارروائیاں کی گئیں۔ برمی شکست سے دوچار ہوئے۔ آوا سے دو دن کی مسافت پہ یاندابو تھا۔ انگریز وہاں پہنچے۔ برمی بادشاہ نے اطاعت کر لی۔

1826ء: برما کے ساتھ معاہدہ کیا گیا۔ برمیوں نے آسام، بسمہ (تیناسیرم کا ایک صوبہ) تیناسیرم اور اراکان کا ایک حصہ کمپنی کے حوالے کر دیا۔ صوبہ کچھار میں عدم مداخلت کا وعدہ کیا گیا۔ دس لاکھ پونڈ تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور آوا میں برطانوی ریزیڈنٹ کی آمد قبول کر لی۔

برما کی اس پہلی جنگ (1824 - 1826ء) پر حکومت برطانیہ کو 13 لاکھ پونڈ اخراجات اور انگلستان میں عوام کی ناپسندیدگی برداشت کرنا پڑی۔

اکتوبر 1824ء: جنگ کے دوران بنگال کی 37 ویں دیسی انفنٹری جسے بیرک پور میں متعین کیا گیا تھا۔ رنگون بھیجے جانے کے احکامات کے خلاف بغاوت پر اتر آئی۔

1826ء: جنگ کے خاتمہ پر اسی مقام پہ دوبارہ کھلی بغاوت برپا ہو گئی۔

18 جنوری 1826ء: لارڈ کومبرمیئر کی قیادت میں کمپنی کی فوج نے بھرت پور کے قلعہ پر حملہ کیا جسے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ بھرت پور کی ریاست ملک کے قدیم باشندوں یعنی جاٹوں نے مغل سلطنت کے انتشار کے دنوں میں قائم کی تھی۔ ان دنوں اس پر درجن سال کی حکومت تھی۔ (1826ء) اس نے یہ حکومت ریاست کے جائز وارث کمسن بلدیو سنگھ سے چھین لی تھی۔ بلدیو سنگھ کے حامیوں نے انگریزوں کو مدد کے لیے بلا لیا۔ چنانچہ کومبرمیئر کو روانہ کیا گیا۔ بھرت پور کی تسخیر کے بعد درجن سال کو برطانوی قیدی بنا کر بنارس بھیج دیا گیا۔ برطانوی تحفظ میں بلدیو سنگھ کا راج قائم ہوگیا۔

1827ء: ایمہرسٹ کو پارلیمنٹ نے برما کی فتح کے صلہ میں ارل بنا دیا۔ وہ فروری 1828ء کو واپس انگلستان روانہ ہوگیا۔

لارڈ بنٹنگ کا دور: (1828ء-1835ء)

4 جولائی 1828ء: لارڈ بنٹنگ کی تقرری کمپنی کی رضامندی کے خلاف ہوئی تھی۔ تاہم وہ 4 جولائی کو کلکتہ پہنچ گیا۔ راجپوت ریاست جودھپور میں باغی سرداروں کی مرضی کے خلاف انگریزوں نے راجہ مان سنگھ کو بحال کر دیا۔

گوالیار (1827ء): دولت راؤ سندھیا لاولد مر گیا۔ بنٹنگ نے اس کی بیوہ رانی کو حکم دیا کہ کوئی لے پالک بیٹا اپنا لے۔ رانی نے قریبی عزیزوں میں سے ایک لڑکے عالی جاہ جنکوجی سندھیا کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ 1833ء میں یہ لے پالک رانی سے جنگ پر اتر آیا۔ بنٹنگ نے رانی کو حکم دیا کہ پوری طرح حکومت جنکوجی سندھیا کو منتقل کر

دے۔

جے پور میں وزیر نے راجہ اور اس کی ماں (رانی) کو زہر دے کر ہلاک کر دیا اور خود حکومت کرنے لگا۔ برطانوی ریزیڈنٹ نے مداخلت کی اور حکمران خاندان کے واحد زندہ مگر کمسن وارث کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے بالغ ہونے تک ریزیڈنٹ نے امورِ حکومت خود سنبھالے رکھے۔

اودھ (1834ء): مسٹر میڈاک نے نواب اودھ کی بد نظمی اور حکومت کی خرابیوں کی چھان بین کی۔ نواب اودھ تمام محاصل خود ہڑپ کر گیا تھا۔ نواب اودھ کو گورنر جنرل نے سختی کے ساتھ تنبیہہ کی۔

بھوپال (1820ء): بھوپال کے راجہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کی بیوی سکندر بیگم حکومت کرنے لگی۔ جائز وارث، راجہ کا بھتیجا 1835ء میں برطانوی حکومت سے مدد کا طالب ہوا۔ بنٹنگ نے مداخلت کی اور اسے تخت نشین کر دیا۔

کورگ (1834ء): بنٹنگ نے مالابار کے جنوبی ساحل، کورگ کا الحاق کمپنی کے علاقے سے کر دیا۔ اس علاقے میں ویرا راجہ 1820ء میں موروثی حکمران بنا تھا۔ اس نے تخت نشینی کا آغاز ہی اپنے رشتے داروں کے اجتماعی قتل سے کیا تھا۔ 1834ء میں ویرا راجہ نے کمپنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ مدراس سے کمپنی کی فوج نے حملہ کر کے اس کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ حکمران خاندان کا کوئی فرد موجود نہیں تھا اس لیے بنٹنگ نے کورگ کا وسیع علاقہ کمپنی کی مملکت میں شامل کر لیا۔

کچھار (1830ء): کچھار کا علاقہ برما کی جنگ کے دوران برطانوی تحفظ میں تھا۔ 1830ء میں اس کا راجہ گووند چندرا لاولد

مر گیا۔ چنانچہ اس علاقے کا الحاق بھی کمپنی کے علاقے سے کر دیا گیا۔

میسور 1811ء: ویلزلے نے میسور کے سابق حکمران خاندان کے ایک کمسن کو 1799ء میں تخت نشین کیا تھا۔ تب راجہ کی عمر محض پانچ برس تھی۔ چنانچہ پورنیا کو اس کا وزیر اور مملکت کا نگران بنایا گیا تھا۔ راجہ نے بالغ ہونے پر امور مملکت سنبھالے اور پورنیا کو برطرف کر دیا۔ نوجوان راجہ نے خزانہ بے دردی سے لٹایا اور مقروض ہو گیا۔ رعیت کو جبر و تشدد سے دبایا۔ 1830ء میں راجہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر تقریباً آدھی مملکت میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ برطانوی سپاہیوں نے بغاوت کچل دی اور بنٹنگ نے میسور کے الحاق کا اعلان کر دیا۔ راجہ کو سالانہ 40 ہزار پونڈ پنشن اور ریاست کے محاصل کے پانچویں حصہ کے ساتھ معزول کر دیا گیا۔ انگریزوں نے محاصل بڑھانے کے لیے غریب ہندوؤں پر بوجھ ڈالا تو وہ معزول حکمرانوں کے حق میں بغاوت پہ مجبور ہو گئے۔

بنگال میں بغاوت: جنوب مغربی بنگال کے علاقوں رام گڑھ، پالاماؤ، چھوٹا ناگپور اور بنکورا میں جنگلی قبیلوں کولی، ڈھانگر اور سنتال نے شورش برپا کر دی۔ اسے پوری سفاکی سے دبایا گیا۔ کلکتہ کے قریب باراست کے علاقے میں بھی زبردست فسادات بھڑک اٹھے۔ یہاں تیتومیر کی قیادت میں جنونی مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خونریز تصادم ہوئے۔ برطانوی رجمنٹوں نے فسادات پہ قابو پایا۔

1827ء: لارڈ ایمہرسٹ نے رنجیت سنگھ (شیر لاہور) سے مراسم بڑھائے۔ لارڈ بنٹنگ نے بھی 1831ء میں اس کا اعادہ کیا۔

1832ء: امیرانِ سندھ کے ساتھ تجارتی معاہدہ کیا گیا جس کے تحت راجہ رنجیت سنگھ کی مدد سے پہلی دفعہ دریائے سندھ کو آمدورفت کے لیے کھول دیا گیا۔ سندھ کے آبی سفر کی اجازت نے سندھ، پنجاب اور افغانستان میں کمپنی کے لیے راہ ہموار کر دی۔

بنٹنگ اور کلکتہ کے افسران کے درمیان چپقلش شروع ہو گئی جس کا سبب تنخواہوں میں تخفیف تھی۔ ستی کی رسم پر پابندی عائد کر دی گئی۔ قانونی اصلاحات متعارف کرائی گئیں۔ ٹھگی کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ عدل و انصاف کا معیار بہتر بنایا گیا۔ 1835ء میں بنٹنگ نے مقامی لوگوں کے لیے کلکتہ میں میڈیکل کالج کی بنیاد رکھی۔

1833ء: شمال مغربی صوبوں کے لیے الگ پریذیڈنسی قائم کی گئی۔ ان کے لیے نئی سپریم کورٹ اور بورڈ آف ریونیو کا قیام الٰہ آباد میں عمل میں لایا گیا۔ ان صوبوں میں 30 سال کے لیے بندوبست اراضی کیا گیا۔ اس کام کو رابرٹ برڈ نے سرانجام دیا۔

پینن سولر اینڈ اورینٹل کمپنی نے بحر احمر کے ذریعے دخانی جہازوں کی آمدورفت شروع کی تو ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان فاصلہ دو ماہ کم ہو گیا۔ یہ کمپنی 1842ء میں قائم ہوئی تھی۔ برطانیہ اور کلکتہ کی حکومتوں نے بھرپور مدد دی۔

پارلیمانی کارروائیاں: ایسٹ انڈیا کمپنی کا چارٹر ایک بار پھر اپنی مدت پوری کر چکا تھا۔ پرانی بحث، پرانے نکات سے پھر چھڑ گئی۔ لیکن اس دفعہ آزاد تجارت جزوی طور پر فوقیت لے گئی۔ چین کے ساتھ تجارت سبھی تاجروں کے لیے کھول دی گئی۔ نجی تجارت کے خلاف کمپنی کی آخری تجارتی اجارہ داری بھی ختم ہو گئی۔ ہندوستان میں شمال مغربی صوبوں کے لیے چوتھی پریذیڈنسی کی منظوری پارلیمنٹ سے حاصل کر لی گئی۔ پارلیمنٹ کے ایک اور ایکٹ نے گورنر جنرل کو صوبوں میں

لوکل گورنمنٹ کے معاملات میں مداخلت کے لیے وسیع اختیارات مہیا کر دیئے۔ مقامی گورنروں کو کسی کونسل یا قانون سازی کی اجازت نہیں تھی۔ گورنر جنرل ہی تمام لوگوں کے لیے قوانین رائج کرنے کا مجاز تھا۔ ان میں مقامی، یورپین اور تمام عدالتیں بھی شامل تھیں۔ پورے ہندوستان کے لیے ایک ہی ضابطہ قوانین تشکیل دینے کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے کمیشن قائم کیا گیا۔

سر چارلس مٹکاف (عارضی گورنر جنرل)

(1835ء-1836ء)

چارلس مٹکاف، آگرہ کا گورنر تھا۔ عبوری انتظام کے لیے اسے گورنر جنرل بنایا گیا۔ کورٹ آف ڈائریکٹرز کی خواہش تھی کہ پارلیمنٹ اسے نئی مدت کے لیے مستقل گورنر جنرل بنا دے لیکن حکومت اس منصب کے لیے نامزدگی کا اختیار قطعی طور پر اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتی تھی۔ حکومت نے لارڈ ہیٹز بری کو نامزد کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا منصب سنبھالتا، ٹوریوں (قدامت پسندوں) کی حکومت ختم ہوگئی اور ان کی جگہ وہگز (لبرل) برسراقتدار آ گئے۔ بورڈ آف کنٹرول میں وہگ پارٹی کے پریذیڈنٹ سر جان ہاب ہاؤس نے ہیٹز بری کا تقرر منسوخ کر کے لارڈ آک لینڈ کو نامزد کر دیا۔

1835ء: چارلس مٹکاف نے ہندوستان میں آزادی صحافت کا اعلان کر دیا۔ لندن میں انڈیا ہاؤس (کورٹ) کے ڈائریکٹر بہت برہم ہوئے۔ انہوں نے ہندوستان میں بہترین خدمات سرانجام دینے والے اس عہدیدار سے اتنا ناروا سلوک کیا کہ وہ سول سروس سے مستعفی ہوگیا اور آک لینڈ کے ہندوستان پہنچتے ہی وہ واپس انگلستان چلا گیا۔

لارڈ آک لینڈ کا دور

(1836ء-1842ء)

20 مارچ 1836ء: آک لینڈ نے کلکتہ میں حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور پالمرسٹن کی ترغیب پر افغانستان کے ساتھ جنگ چھیڑ دی۔

افغان حکمران خاندان

1757ء میں احمد شاہ درانی نے دہلی فتح کیا۔ 1761ء میں اس نے پانی پت میں مرہٹوں کے خلاف خوفناک جنگ کی۔ وہ ابدالی یا درانی افغان قبیلے کا سردار تھا۔ 1761ء میں واپس افغانستان آ کر اس نے کابل میں حکومت کی۔ (مارکس نے جو کتاب استعمال کی ہے وہ غلط طور پر کابل کو احمد شاہ درانی کا دارالحکومت بتاتی ہے۔ درانی کا دارالحکومت قندھار تھا۔ اس نے وہیں وفات پائی۔) درانی کے انتقال پر 1773ء میں اس کا بیٹا تیمور شاہ (1773ء-1792ء) برسراقتدار آیا۔ (دی کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے مطابق تیمور شاہ 1793ء تک حکمران رہا) تیمور شاہ کے دور میں بارک زئی خاندان کو بہت عروج ملا۔ بارک زئی قبیلے کا سربراہ پائندہ خان کمزور تیمور شاہ کا وزیر تھا۔ تیمور نے ایک دفعہ طیش میں آ کر بارک زئیوں کے ایک فرد کو قتل کرا دیا۔ بارک زئی مشتعل ہوگئے۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔

تیمور نے پائندہ خان کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ بارک زئیوں نے سدوزئیوں (تیمور شاہ کے حکمران خاندان) سے خون کا بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ تیمور مارا گیا اور تخت اس کے بیٹے زمان شاہ کے پاس چلا گیا۔ (مارکس نے یہ بات جس کتاب سے اخذ کی ہے وہ اس مرحلہ پر بھی غلط معلومات مہیا کرتی ہے۔ تیمور کی موت پر پائندہ خان نے زمان شاہ کو تخت پر بٹھایا تھا۔ زمان شاہ نے وزیر کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے چھٹکارا پانے کے لیے اسے (پائندہ خان کو) قتل کرا دیا۔ اس موقع پر بارک زئیوں اور سدوزئیوں کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی۔ حوالہ:

ہسٹری آف دی افغانیز بائی فریزر--- دی کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد پنجم وغیرہ)

1792ء-1802ء: زمان شاہ

ہندوستان کی سرحد پر غیر معمولی عسکری سرگرمیوں کے ذریعے زمان شاہ نے کمپنی کو ناراض کر لیا۔ ہندوستان کے بارے میں اس کے منصوبوں کو بارک زئیوں اور اس کے چار بھائیوں نے عملی صورت نہ اختیار کرنے دی۔ یہ بھائی شجاع الملک، محمود، فیروز اور قیصر تھے۔ پائندہ خان کے بعد بارک زئی قبیلے کا سردار اس کا بیٹا فتح خان بنا۔

1801ء: زمان شاہ ہندوستان پہ حملہ آور ہونے کے لیے پشاور پہنچا تو فتح خان نے زمان کے بھائی محمود سے مل کر سازش کی اور محمود کی حکمرانی کا علم بلند کر کے قندھار پہ قبضہ کر لیا۔ زمان شاہ کو الٹے پاؤں واپس آنا پڑا۔ واپسی پر اسے گرفتار کر کے اندھا کر دیا گیا۔ اس کی بقیہ زندگی بے چارگی کے ساتھ قید میں گزری۔ شجاع الملک جائز جانشین تھا۔ اس نے فوراً کابل پر حملہ کر دیا لیکن فتح خان نے اسے شکست دے کر واپس بھگا دیا اور محمود شاہ کو باقاعدہ تخت نشین کر دیا۔ محمود شاہ 1818ء تک برسراقتدار رہا۔

1802ء: زمان شاہ کے تیسرے بھائی فیروز نے اس دوران ہرات اور چوتھے بھائی قیصر نے قندھار پہ قبضہ کر لیا۔

1808ء: کابل میں درانی خاندان کے عمائدین کی انگیخت پر شجاع الملک واپس آ گیا۔ اس نے ناجائز قابضین کو شکست دی اور کابل کا تخت سنبھال لیا۔ شجاع نے بھائیوں کو معاف کر دیا اور انہیں ہرات اور قندھار کے گورنر بنا دیا۔ فتح خان فرار ہو گیا۔ اس نے قیصر کے ساتھ مل کر نئی سازش کی اور شجاع کے خلاف علم بغاوت بلند کروا دیا۔ شجاع نے سازش کچل دی اور قیصر کو معاف کر دیا۔ اب فتح خان نے محمود شاہ کے بیٹے کامران کو اپنے دام فریب میں لیا اور اس سے بغاوت کرا دی۔ دھوکہ دے کر قیصر

سے قندھار لے لیا۔ ایک بار پھر بغاوت کچل دی گئی اور شجاع نے ایک بار پھر اپنے بھائیوں اور باغیوں کو معاف کر دیا۔ فتح خان نے دوبارہ قیصر کو شجاع کے خلاف بغاوت پہ آمادہ کر لیا۔ دونوں نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ باغیوں کو ایک مرتبہ پھر شکست ہوئی اور انہیں معاف کر دیا گیا۔ 1810ء میں فتح خان کی بغاوت کامیاب ہو گئی اور شاہ شجاع کو فرار پہ مجبور ہونا پڑا۔ وہ کشمیر میں پکڑا گیا۔ کشمیر کے راجہ نے اس سے "کوہ نور" ہتھیانا چاہا لیکن شجاع بھاگ نکلا اور لاہور میں رنجیت سنگھ کے پاس پہنچ گیا۔ رنجیت سنگھ نے اسے دوستی کا فریب دے کر ابتداء میں خوب آؤ بھگت کی لیکن پھر بدسلوکی پہ اتر آیا اور شجاع سے مشہور عالم ہیرا کوہ نور چھین لیا۔ شجاع لدھیانہ کو بھاگ گیا۔ وہاں سے اس نے کشمیر پہ حملہ کیا لیکن ناکام ہو کر واپس لدھیانہ آ گیا۔

1816ء: محمود شاہ کمزور اور احمق حکمران نکلا۔ تمام اختیار و اقتدار فتح خان اور بارک زئیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ فتح خان نے چھوٹے بھائی دوست محمد سے مل کر تخت بارک زئیوں کو منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن پہلے انہوں نے تمام افغانستان کو ایک مرکز کے تحت لانے کی حکمت عملی طے کی۔ انہوں نے ہرات پر حملہ کیا جہاں فیروز حکومت کر رہا تھا۔ ہرات پہ قبضہ ہو گیا اور فیروز بھاگ گیا۔ لیکن اس کے بھتیجے شہزادہ کامران نے بارک زئیوں سے انتقام لینے کی قسم کھا لی۔ خصوصاً فتح خان سے انتقال لینے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے کابل جا کر اپنے باپ محمود شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ فتح خان کی سرگرمیاں بغاوت کے مترادف ہیں۔ محمود شاہ نے اسے فتح خان کو گرفتار کر کے کابل لانے کی اجازت دے دی۔ کامران نے ایسا کر دکھایا۔ پھر محمود شاہ اور اس کے بیٹے کامران کے سامنے فتح خان کو انتہائی وحشیانہ طریقے سے ذبح کیا گیا۔ دوست محمد بہت بڑی فوج لے کر کابل پہ حملہ آور ہو گیا۔ تمام بارک زئی اس کی حمایت کر

رہے تھے۔ کابل فتح ہوگیا اور محمود اور کامران کو جلاوطن کر دیا گیا۔ دونوں نے ہرات میں فیروز کے پاس پناہ لی۔ بارک زئیوں نے افغانستان کی سلطنت اپنی گرفت میں لے لی۔ دوست محمد کے چھوٹے بھائی محمد نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ (لیکن فتح خان اور دوست محمد کا سب سے بڑا بھائی عظیم خان، خاندان کا سربراہ ہونے کی بنیاد پر کابل کا دعویدار بن گیا اور کابل پہ حملہ کے لیے آ گیا۔) فتح خان کے دیگر بھائیوں پر دل خان، کوہان دل خان اور شیر علی خان نے قندھار اور غلجیوں کے علاقے مسخر کر لیے۔ دوست محمد نے کابل بڑے بھائی عظیم خان کے حوالے کر دیا اور خود غزنی چلا گیا۔ عظیم خان نے سابق حکمران خاندان سدوزئیوں کے ایک فرد شہزادہ ایوب کو کٹھ پتلی بادشاہ بنا کر کابل کے تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن دوست محمد نے اسی خاندان کے ایک اور فرد سلطان علی کو جائز وارث بنا کر پیش کر دیا۔ سلطان علی، ایوب کے ہاتھوں مارا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب عظیم خان اور دوست محمد، رنجیت سنگھ کے خلاف عسکری مہم پر نکلے تو عظیم خان کو پتا چلا کہ اس کے بھائی دوست محمد نے رنجیت سنگھ سے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ عظیم خان خوف زدہ ہو کر جلال آباد کو فرار ہوگیا جہاں اس نے 1823ء میں وفات پائی۔ رنجیت سنگھ نے پشاور دوست محمد کے حوالے کر دیا۔ اب دوست محمد افغانستان کا حقیقی حکمران بن گیا۔ قندھار کے بارک زئیوں نے غلط فہمی کا شکار ہو کر کابل پہ قبضہ کر لیا۔

1826ء: دوست محمد نے تمام دعویداروں کو کابل سے نکال کر تخت پر قبضہ کر لیا اور احسن طریقے سے حکومت چلانے لگا۔ اس نے جہاں تک ممکن ہو سکا درانی قبائل کو کچل دیا۔

1834ء: شاہ شجاع نے سندھ میں رہ کر فوج اکٹھی کی اور اپنی سلطنت واپس لینے کے لیے کوشاں ہوگیا۔ اسے دوست محمد کے حاسد بھائیوں کی مدد بھی حاصل ہوگئی۔

شاہ شجاع کو لارڈ بینٹنک سے متوقع مدد نہ مل سکی۔ رنجیت سنگھ نے اپنی مدد کی پیشکش کی لیکن اسے اتنی بڑی قیمت سے مشروط کیا کہ شجاع نے انکار کر دیا۔ شجاع افغانستان میں داخل ہوگیا۔ قندھار کا محاصرہ کر لیا گیا لیکن شہر والوں نے بہادری سے اس کا دفاع کیا۔ کابل سے دوست محمد فوج لے کر شجاع کے سر پہ پہنچ گیا۔ مختصر سی لڑائی کے بعد شکست خوردہ شجاع کو واپس ہندوستان واپس آنا پڑا۔ دریں اثناء رنجیت سنگھ نے پشاور کا الحاق پنجاب سے کر دیا۔ دوست محمد نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا اور بہت بڑی فوج لے کر پنجاب میں داخل ہوگیا۔ رنجیت سنگھ کے امریکی تنخواہ دار جرنیل ہرلان نے دوست محمد کی مہم ناکام بنا دی۔ وہ سفیر بن کر افغان لشکر میں پہنچ گیا اور اتنی کامیاب سازش کی کہ افغان فوج منقسم ہوگئی۔ آدھی فوج ساتھ چھوڑ کر مختلف راستوں سے واپس چلی گئی، مجبوراً دوست محمد کو بھی کابل کا رخ کرنا پڑا۔

1837ء: رنجیت سنگھ نے کشمیر اور ملتان فتح کر لیے۔ دوست محمد کے بیٹے اکبر خان نے ہندوستان کی ناکام مہم کے دوران خود کو باپ سے الگ کر لیا۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد پنجم کے مطابق رنجیت سنگھ نے کشمیر پہ 1818ء اور ملتان پہ 1818ء میں قبضہ کیا تھا)

ایران

آغا محمد اور اس کا بھتیجا فتح علی، علی الترتیب ایران کے بادشاہ بنے۔ فتح علی کے دو بیٹے شہزادہ عباس مرزا اور محمد تھے۔

1834ء: عباس مرزا نے بوڑھے فتح علی کو مجبور کیا کہ ہرات پہ قبضے کے لیے لشکر کشی کی جائے لیکن فتح علی اسی سال انتقال کر گیا۔ ("اے ہسٹری آف پرشیا" کے مصنف سائیکس کے مطابق یہ واقعہ 1833ء کا ہے) عباس مرزا قتل کر دیا گیا اور محمد تخت نشین ہوگیا۔ اس نے تہران میں مقیم

روسی سفیر کاؤنٹ سائمونچ کی ترغیب پر ہرات کا محاصرہ کر لیا۔

1837ء: ہرات کا محاصرہ انگریزوں کی خواہش کے خلاف تھا۔ محاصرے کے لیے عذر تراشا گیا کہ محمد شاہ (شاہ ایران) نے خراج طلب کیا تھا جسے کامران نے مسترد کر دیا۔ کامران اب شاہ ہرات کہلاتا تھا۔

ستمبر 1838ء: ایرانیوں نے بظاہر انگریزوں کی درخواست پر ہرات کا محاصرہ اٹھا لیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ افغان سپاہیوں کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے تھے۔ ایلڈرڈ پوٹنگر نامی نوجوان لیفٹیننٹ نے ہرات کے محاصرہ کے دوران افغانوں کی طرف سے نمایاں کارکردگی دکھائی۔

1836ء: ایران کے دربار میں برطانوی نمائندے نے آک لینڈ کو ہرات کی مہم سے باز رہنے کا پیغام بھجوایا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ سب کچھ روسی شرارت ہے۔

1837ء: آک لینڈ نے کیپٹن الیگزینڈر برنز کو تجارتی معاہدے اور افغانستان سے مفاہمت کے لیے کابل بھجوایا۔ برنز نے کابل پہنچنے پر دیکھا کہ قندھار کے سردار، روس سے رنجیت سنگھ کے خلاف مدد کی درخواست کر چکے ہیں۔ اب دوست محمد بھی ان کی تقلید میں روسیوں کو مدد کے لیے بلانے پر تیار ہے۔ برنز کے کابل میں قیام کے دوران بارک زئیوں نے روسیوں کی ہدایت پر ایران سے معاہدہ کر لیا اور تہران میں برطانوی سفیر مسٹر میک نیل سے "اہانت آمیز" سلوک کیا گیا۔ برنز کا کابل مشن ناکام ہو گیا۔ دوست محمد نے اعلان کر دیا کہ جو فریق اسے رنجیت سنگھ سے پشاور واپس دلائے گا--- وہ اسی کا ساتھ دے گا۔ روسی سفیر نے ایسا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ برنز ایسا کوئی وعدہ کرنے کی حیثیت میں نہیں تھا چنانچہ دوست محمد نے روسیوں سے اتحاد کا اعلان کر دیا۔ برنز افغانستان سے واپس آ گیا۔

26 جون 1838ء: لاہور میں لارڈ آک لینڈ، راجہ رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع کے

درمیان سہ فریقی معاہدہ طے پایا۔ شاہ شجاع کو پشاور اور دریائے سندھ کے کنارے واقع ریاستوں سے رنجیت سنگھ کے حق میں دستبردار ہونا تھا۔ معاہدے کی دیگر شرائط کے مطابق کہا گیا کہ افغانوں اور سکھوں کے درمیان باہمی تعاون عمل میں آئے گا۔ شاہ شجاع کو افغانستان کا تخت واپس دلایا جائے گا۔ گورنر جنرل کی طرف سے طے کردہ رقم کے بدلے میں شجاع سندھ پہ اپنے دعووں سے دستبردار ہو جائے گا۔ ہرات کو چھوئے بغیر اس کے بھتیجے کامران کے پاس رہنے دیا جائے گا۔ برطانوی یا سکھ علاقوں پہ غیر ملکیوں کے حملوں کو رد کیا جائے گا۔

یکم اکتوبر 1838ء: شملہ میں آک لینڈ نے انگریزوں کے حلیف شاہ شجاع کے اقتدار کی بحالی کے لیے افغانستان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں ناکام مخالفت کی گئی۔ اس مخالفت کو مسٹر پام نے ناکام بنایا جو کھلا روس دشمن اور اس ڈھونگ کا حقیقی محرک تھا۔ پام نے اسی دوران ایران کو مرعوب کرنے کے لیے تہران میں روسی سفیر سائمونچ سے گہرے مراسم کے باوجود خلیج فارس میں جزیرہ کھرک پر قبضہ کر لیا تھا۔ جنگی کونسل کا اجلاس آک لینڈ کی صدارت میں ہوا۔ کونسل کے فیصلے کے مطابق انگریزوں کی مرکزی فوج نے فیروزپور کے مقام پر رنجیت سنگھ کی فوج سے جاملنا تھا۔ بمبئی کی فوج کو سمندر کے ذریعے سفر کرتے ہوئے دریائے سندھ کے دہانے پر پہنچنا تھا۔ تینوں فوجوں نے سندھ میں شکارپور کے مقام پہ اکٹھے ہو کر افغانستان کی طرف پیش قدمی کرنا تھی۔ اس مرحلے پہ امیران سندھ کا تعاون درکار تھا۔

1786ء: ان امیران سندھ، بلوچ تالپور سرداروں نے افغانوں سے سندھ فتح کر

کے ملک کو اپنے لیے تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ اب وہاں ان کی قیادت میں جاگیرداری نظام قائم تھا۔

1831ء: کیپٹن برنز نے رنجیت سنگھ کے دربار کو جاتے ہوئے سندھ کے سفر کے دوران امیران سندھ سے مفاہمت کی بات چیت کی تھی اور پھر 1832ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ نے ان کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کیا تھا جس کے تحت دریائے سندھ میں انگریز تاجروں کو سفر کی اجازت مل گئی تھی۔

1835ء: رنجیت سنگھ نے امیران سندھ کے ساتھ جنگ چھیڑی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے رنجیت سنگھ کو روک دیا۔

1838ء: سہ فریقی معاہدے نے امیران سندھ کے لیے اپنے علاقے پر امن و امان کے ساتھ حکومت کو یقینی بنا دیا تھا۔ اس کی رو سے انہیں شاہ شجاع کو ایک مخصوص رقم ادا کرنا تھی اور اس رقم کا تعین گورنر جنرل نے کرنا تھا۔

1838ء (اوائل): پوٹنگر کو امیران سندھ سے ایک بڑی رقم خراج کے طور پر لینے کے لیے بھیجا گیا۔ وصولی کا شرمناک بہانہ وہ قرضہ تھا جو امیران سندھ کے ذمہ شاہ شجاع کے افغانستان میں حکمرانی کے دور سے تعلق رکھتا تھا۔ امیران سندھ نے جواب دیا کہ شاہ شجاع نے جلاوطنی کے دوران ایک فوری رقم کے عوض یہ قرض معاف کر دیا تھا اور یہ رقم 1833ء میں اسے ادا کر دی گئی تھی۔ لیکن پوٹنگر نے اس بڑی رقم پر اصرار کرتے ہوئے دھمکی دی کہ نادہندگی کی صورت میں امیران کو اقتدار سے ہٹا دیا جائے گا۔ امیران سندھ نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے یہ رقم ادا کر دی۔

نومبر 1838ء: بنگال سے آنے والی فوج ستلج پہ پہنچ گئی۔ رنجیت سنگھ کی فوج بھی وہیں اس سے مل گئی۔

10 دسمبر 1838ء: متحدہ فوج سر ویلوبی کاٹن کی قیادت میں فیروزپور کی طرف بڑھی

تاکہ شکارپور کے طے شدہ مقام پر بمبئی سے آنے والی فوج کو ساتھ لے کر افغانستان کا رخ کرے۔ (کمانڈر انچیف سر ہنری فین اس تمام کارروائی کے خلاف برہم ہو کر مستعفی ہو چکا تھا)

14 جنوری 1839ء: متحدہ فوج پنجاب سے سندھ کے علاقے میں داخل ہو گئی۔ وہاں خبر ملی کہ سر جان کینی، بمبئی سے اپنے سپاہی لے کر بحفاظت ٹھٹھہ پہنچ چکا ہے۔

29 جنوری 1839ء: سر الیگزینڈر برنیز کو امیران سندھ کے پاس بھیجا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ بھکر کا قلعہ کمپنی کے حوالے کر دے۔ دریائے سندھ کے کنارے اس قلعہ کو انگریز اپنی فوجوں کے لیے ڈپو بنانا چاہتے تھے۔ امیران سندھ کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ متحدہ فوج سندھ کے بائیں (مشرقی) کنارے پہ سندھ کے علاقے کو روندتی ہوئی حیدر آباد جا پہنچی۔ ادھر بمبئی کی فوج دائیں کنارے پہ پیش قدمی کرتی ہوئی حیدر آباد کی دوسری سمت پہ آ رکی۔ کراچی پہ ایک انگریز جہاز میں موجود ریزرو فورس نے قبضہ کر لیا۔ شہر کو انگریزی قلعہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ امیران سندھ نے ہر معاملہ میں کمپنی کی اطاعت کر لی۔ مرکزی فوج شکارپور پہنچ گئی۔

فروری 1839ء: فروری کے آخری دنوں میں مرکزی فوج سر جان کینی اور شاہ شجاع کا انتظار کیے بغیر سر ویلوبی کاٹن کے حکم پر درۂ بولان میں داخل ہو گئی۔ اسے 146 میل لمبا جھلسا دینے والا صحرا عبور کرنا پڑا تھا۔ صحرا میں باربرداری کے بہت سے جانور ہلاک ہو گئے۔

10 مارچ 1839ء: مرکزی فوج درۂ بولان کے علاقے میں دادر کے مقام پر پہنچی۔ کاٹن نے فوج کو کچھ دن آرام کا حکم دیا۔ قلات کے امیر محراب خان نے معاندانہ رویہ اپنایا چنانچہ کمپنی کی فوج کو کسی طرح کی رسد نہ مل سکی۔

مارچ 1839ء: درۂ بولان کسی مزاحمت کے بغیر 6 دنوں میں عبور کر لیا گیا۔ کائن نے کوئٹہ میں رک کر سرجان کینی کا انتظار کیا۔ اس دوران محراب خان سے دوستی کا معاہدہ کیا گیا۔

اپریل 1839ء: سرجان کینی اپنی فوج کے ساتھ کوئٹہ پہنچ گیا۔ مہم کی پوری قیادت نے شاہ شجاع کے خیمے میں اگلے مرحلہ کا لائحہ عمل طے کیا۔ اگلے مرحلے میں متحدہ افواج کو سفر کی شدید مشکلات کا سامنا رہا۔ قندھار پہنچنے پر شہر کسی لڑائی کے بغیر تسخیر ہو گیا۔

مئی 1839ء (اوائل): شجاع کو قندھار میں شاہ افغانستان کا تاج پہنا دیا گیا۔

جون 1839ء (اواخر): فوج نے غزنی پہ دھاوا بولا۔ قلعہ بہت مضبوط تھا لیکن کیپٹن تھامسن کے انجینئروں نے دروازے بارود سے اڑا دیے۔ اگلی صبح شہر پہ قبضہ ہو گیا۔ مقامی سپاہی فرار ہو گئے۔ دوست محمد کابل سے بھاگ کر ہندوکش میں چلا گیا۔ انگریز کابل پہنچے اور کسی مزاحمت کے بغیر اس پر قبضہ کر لیا۔

17 اگست 1839ء: شاہ شجاع اپنے والد کے مضبوط محل بالاحصار میں منتقل ہو گیا۔ شجاع کا بیٹا تیمور اور ایک تازہ دم سکھ فوج درۂ خیبر کے راستے کابل پہنچ گئے۔ اس دوران 27 جون کو رنجیت سنگھ مر گیا۔ سکھ ریاست اس کے بڑے بیٹے کھڑک سنگھ کو اور وصیت کے مطابق کوہ نور ہیرا جگن ناتھ کے مندر کو ترکہ میں ملے۔ موجودہ صورت حال میں فیصلہ کیا گیا کہ فی الحال کابل میں انگریزوں اور سکھوں کی ایک بڑی فوج رہے گی۔ یہاں وہ 1839ء سے 1841ء تک کسی داخلی و خارجی مداخلت کے بغیر رہی۔ افغانستان کی خوشگوار آب و ہوا اور اطمینان و تحفظ کے پیش نظر پولیٹیکل ایجنٹ سر ولیم میک ناٹن نے ہندوستان سے اپنی بیوی اور بیٹی اور فوج کے دیگر افسران کی بیگمات کو کابل بلا لیا۔

15 اکتوبر 1839ء: بمبئی کی فوج نے جنوب کی سمت واپسی کے سفر کے دوران قلات پہ قبضہ کر لیا۔ محراب خان کو قتل کر دیا گیا اور علاقے میں خوب لوٹ مار کی گئی۔

1840ء (اوائل): میک ناٹن اور کاٹن ایسے گدھے ثابت ہوئے کہ انہوں نے کابل میں بالاحصار کا مضبوط مرکز شاہ شجاع اور اس کے حرم کے حوالے کر دیا اور اپنی فوجیں چھاؤنی میں منتقل کر دیں۔ یوں ملک کا مضبوط ترین قلعہ "زنان خانے" میں تبدیل ہو گیا۔ انہی دنوں کابل میں شاہ شجاع کے خلاف پے درپے بغاوتیں سر اٹھانے لگیں۔ یہ سلسلہ سارا سال جاری رہا۔

نومبر 1840ء: دوست محمد، گھڑسواروں کے ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ ہتھیار ڈالنے کے لیے کابل پہنچا۔ اس سے پہلے وہ خاموشی سے بخارا چلا گیا تھا جہاں اس کے ساتھ سرد مہری کا سلوک ہوا چنانچہ اسے واپس افغانستان آنا پڑا۔ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اس نے بخارا سے واپسی پر ازبکوں اور افغانوں کی ایک سپاہ تیار کی لیکن میدان جنگ میں بریگیڈیئر ڈینی نے اسے بری طرح شکست دی۔ انجام کار اس نے شجاع کی اطاعت کر لی۔

1841ء: 1840ء کے آخری دنوں اور 1841ء کے موسم گرما کے دوران قندھار میں زبردست خلفشار پیدا ہوا۔ باغیوں کو اتنی بے رحمی سے کچلا گیا کہ قندھار کے عوام کھلم کھلا انگریزوں کے خلاف ہو گئے۔ پورا ملک "برطانوی قابضین" کے خلاف شعلہ بداماں ہو گیا۔

اکتوبر 1841ء: درۂ خیبر کے غلجی قبائلیوں نے بغاوت کر دی۔ ہندوستان جانے والے بہت سے سپاہی درۂ خیبر سے گزرتے ہوئے غلجیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ بڑی مشکل سے اس بغاوت پہ قابو پایا گیا۔

2 نومبر 1841ء: کابل میں ایک خفیہ سازش کے بعد برنیز کے گھر پہ باغیوں نے

حملہ کر دیا۔ وہ متعدد افسران کے ساتھ وحشیانہ طریقے سے قتل ہوگیا۔ شورش کو دبانے کے لیے بہت سی رجمنٹیں چھاؤنی سے روانہ کی گئیں لیکن وہ غلطی سے کابل کی تنگ گلیوں میں پھنس گئیں۔ چنانچہ کئی دنوں تک بپھرا ہوا گروہ بلاروک ٹوک دندناتا رہا۔ انہوں نے ایک قلعہ پر حملہ کر دیا جو سٹور کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ جنرل الفنسٹن نے اتنے بے ڈھب انداز میں مدد کی کہ آفیسر انچارج اور اس کی محدود سی نفری کو قلعہ چھوڑنا پڑا۔ الفنسٹن کو بعد میں کاٹن کی جگہ افغانستان میں کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ میک ناٹن نے جنرل سیل کو درۂ خیبر میں اور جنرل ناٹ کو قندھار میں ہنگامی پیغامات بھجوائے کہ کابل کی فوج کے لیے مدد بھجوائیں لیکن برف باری کے موسم میں شدت آگئی اور کسی طرح کا رابطہ ممکن نہ رہا۔ کابل کی فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک حصہ بالاحصار میں بریگیڈیئر شیلٹن کی کمان میں اور دوسرا کابل چھاؤنی میں جنرل الفنسٹن کی قیادت میں تھا۔ دونوں کے درمیان ناچاقی کی وجہ سے کچھ نہ کیا جا سکا۔

نومبر 1841ء: افغانوں نے باقاعدہ حملے شروع کر دیے۔ کابل کے قریب کچھ پہاڑوں پہ ان کا قبضہ ہوگیا۔ انہیں ہٹانے کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔

23 نومبر 1841ء: کھلے تصادم میں انگریزوں کو شکست ہوئی۔ وہ واپس چھاؤنی میں آ گئے۔ افغان حملہ آوروں سے مذاکرات کیے گئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دوست محمد کا تندخو بیٹا اکبر خان کابل میں داخل ہوگیا۔

11 دسمبر 1841ء: کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا۔ مضافات کے باشندوں نے بیک آواز کسی طرح کی رسد سے انکار کر دیا۔ میک ناٹن کو باغیوں

سے معاہدہ کرنا پڑا جس کے تحت برطانویوں اور سکھوں کو افغانستان سے واپس جانا تھا۔ دوست محمد کی رہائی اور شاہ شجاع کو اقتدار سے الگ کیا جانا طے پایا تاہم شاہ شجاع کو افغانستان یا ہندوستان میں جہاں وہ رہنا پسند کرے، چھیڑا نہیں جائے گا۔ افغانوں نے انگریزوں کو واپسی کے لیے تحفظ، اخراجات اور اشیائے خورد و نوش فراہم کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ چنانچہ 15 ہزار برطانوی سپاہی افغانستان سے خستہ حال واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ افغانوں نے ہر مرحلہ پر برطانوی سپاہیوں کو تنگ کیا۔ ان پر حملے ہوتے رہے اور وہ راستے میں لٹتے رہے۔ کابل سے سپاہیوں کی روانگی سے پہلے اکبر خان نے میک ناٹن کو نئے معاہدہ کی تجویز بھیجیں اور اسے تنہائی میں ملنے کی دعوت دی۔

23 دسمبر 1841ء: میک ناٹن نے یہ دعوت قبول کر لی تاکہ فوج کے لیے بہتر صورت حال پیدا کی جا سکے۔ ملاقات کے دوران اکبر خان نے میک ناٹن کے سینے میں پستول کی گولی اتار دی۔

جنوری 1842ء: میجر پوٹنگر نے میک ناٹن کی جگہ سنبھال لی، وہ مایوس جرنیلوں کو کسی طے شدہ حکمت عملی پہ رضامند نہ کر سکا۔ مجبوراً اس نے فوج کی محفوظ واپسی کا معاہدہ کیا اور کابل سے نکل کھڑا ہوا۔ لیکن اکبر خان نے برطانویوں کو ذلیل کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ سپاہی کابل چھاؤنی سے ابھی نکلے ہی تھے کہ شدید برف باری شروع ہوگئی۔ ناگفتہ بہ حالت میں سفر کرتے ہوئے مصیبت زدہ سپاہی تین روز کے سفر کے بعد ایک درے کے دہانے پر پہنچے تو اکبر خان گھڑسواروں کے ایک دستے کے ساتھ نمودار ہوا اور لیڈی میک ناٹن اور لیڈی سیل سمیت تمام عورتوں اور بچوں کو افغانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ کچھ برطانوی

افسروں کو یرغمال کے طور پر حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ واپسی کے سفر میں انگریز فوج کسی علاقے میں شرارت نہ کرے۔ مطالبہ پورا کر دیا گیا۔ لیکن افغان عذاب ختم نہ ہوا۔ ایک تنگ گھاٹی میں افغان قبائلیوں نے "برطانوی کتوں" پہ بلندی سے فائرنگ کر دی۔ سینکڑوں سپاہی مارے گئے۔ ان گنت زخمی پڑے رہ گئے، یہاں تک کہ جب درے سے باہر نکلے تو محض 5 یا 6 سو انگریز سپاہی بھوک اور موسم کی شدت سے نڈھال واپسی کے سفر پہ تھے۔ ہندوستان کی سرحد کی طرف گھسٹتے ہوئے باقی ماندہ انگریزوں کو بھی بھیڑوں کی طرح ذبح کر دیا گیا۔

13 جنوری 1842ء: جلال آباد کی دیواروں پہ کھڑے افغان سنتریوں نے ایک شخص کو دیکھا جو انگلش یونیفارم کے چیتھڑوں میں ملبوس ایک تھکے ماندے گھوڑے پہ سوار چلا آ رہا تھا۔ گھوڑا اور سوار دونوں بری طرح زخمی تھے۔ یہ خستہ حال شخص ڈاکٹر بریڈن تھا جو تین ہفتے قبل کابل سے نکلنے والے 15 ہزار برطانویوں میں سے بچنے والا واحد فرد تھا۔ بھوک اور پیاس سے اس کا دم نکلنے والا تھا۔

لارڈ آک لینڈ نے جلال آباد میں محصور جنرل سیل کی فوج کو چھڑانے کے لیے ایک تازہ دم بریگیڈ کو کوچ کا حکم دیا۔

آک لینڈ رسوا ہو کر انگلستان واپس پہنچا۔ اس کا جانشین بڑے منہ والا ہاتھی لارڈ ایلن برو بنا جسے امن پالیسی کے حلف کے ساتھ بھیجا گیا تھا لیکن اسکے دو سالہ دور اقتدار میں تلوار کبھی نیام میں نہ رہی۔

لارڈ ایلن برو (ہاتھی) کا دور
(1842ء-1844ء)

1842ء (اوائل): "ہاتھی" نے ہندوستان کی سرزمین پہ قدم رکھتے ہی سنا کہ جلال آباد میں برطانوی فوج کی مدد کے لیے جنرل وائلڈ کی قیادت میں جانے والے بریگیڈ کو درۂ خیبر میں افغانوں نے تباہ کن شکست دی ہے۔ مزید یہ کہ سکھ فوج نے انگریزوں سے مزید تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہے جبکہ جنرل وائلڈ کے بریگیڈ میں سپاہی (مقامی فوجی) بھی انتشار کی حالت میں ہیں۔

27 جون 1839ء کو رنجیت سنگھ کی موت کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا کھڑک سنگھ پنجاب کا حکمران بنا تھا۔ اس نے چیت سنگھ کو اپنا وزیر بنایا۔ چیت سنگھ کو سابق وزیر دھیان سنگھ نے قتل کر دیا۔ دھیان سنگھ نے کھڑک سنگھ کو معزول کر کے اس کے بیٹے نونہال سنگھ کو پنجاب کے تخت پر بٹھا دیا۔

1840ء میں کھڑک سنگھ قید کے دوران مر گیا جبکہ نونہال ایک حادثے میں مارا گیا۔ دھیان سنگھ نے رنجیت سنگھ کے بہادر بیٹے شیر سنگھ کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا جو انگریزوں کا حامی اور ان کے لیے قابل قبول تھا۔

1842ء: جنرل پولاک کی قیادت میں ایک اور بریگیڈ، وائلڈ کی مدد کے لیے بھیجا گیا۔ آزاد وائلڈ کے ساتھ اسے درۂ خیبر میں داخل ہونا پڑا تاکہ جلال آباد میں جنرل سیل کی جگہ لے سکے۔

15 اپریل 1842ء: پولاک نے دو بریگیڈوں کو درۂ خیبر کی دونوں طرف کی چوٹیوں پر متعین کیا تاکہ مرکزی فوج حفاظت کے ساتھ آگے بڑھ سکے۔ خیبر کے قبائلیوں کو ان کے علاقے میں شکست دی گئی، وہ گھاٹی

کی افغانستان والی سمت میں بھاگ گئے۔ انگریزی فوج کسی مداخلت کے بغیر درے سے گزر گئی اور دس دن کے بعد (15 اپریل کو) جلال آباد پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ اکبر خان نے شہر کے محاصرے کی نگرانی خود سنبھال رکھی تھی لیکن انگریزوں کی محصور فوج کا بلہ کامیاب رہا اور اکبر خان شکست کے بعد پسپا ہو چکا ہے۔

جنوری 1842ء میں جنرل ناٹ نے اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ قندھار پر حملہ کیا اور افغانوں کو شکست دے دی لیکن بعد میں وہ محصور ہو گیا تاہم اس نے بڑی ذہانت کے ساتھ شہر کا دفاع کیا۔ ادھر غزنی پہ دشمنوں کا قبضہ ہو گیا۔ جنرل انگلینڈ ایک کانوائے لے کر کوئٹہ سے جنرل ناٹ کی مدد کے لیے روانہ ہوا لیکن اسے افغانوں نے روک لیا اور شکست دے کر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

"ہاتھی" ایلن برو --- اب خفیف ہو رہا تھا --- اس نے پولاک کو حکم دیا کہ وہ اکتوبر تک جلال آباد میں رہے اور پھر افغانستان سے سب کے ساتھ واپس آ جائے --- جنرل ناٹ نے بھی قندھار کو تباہ کرنے کے بعد دریائے سندھ کا رخ کرنا تھا۔ ہندوستان میں مقیم تمام انگریز غصے سے چلا رہے تھے، چنانچہ ---

جولائی 1842ء: "ہاتھی" نے افغانستان میں انگریزی فوج کو کابل پہ قبضہ کرنے کی اجازت دے دی۔ کابل میں اکبر خان شاہ افغانستان بن بیٹھا تھا۔ کابل سے انگریزوں کی واپسی پر شاہ شجاع کو سفاکی سے قتل کیا جا چکا تھا۔ اکبر خان نے انگریز افسروں اور بیگمات کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ تیجین کے قلعہ میں بھجوا دیا تھا جہاں ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جا رہا تھا۔ وہیں جنرل الفنسٹن کو موت نے آ لیا۔

اگست 1842ء: قندھار اور جلال آباد کی فوجیں دو مختلف سمتوں سے کابل کی طرف روانہ ہوئیں۔ پولاک نے بار بار خلجیوں کو شکست دی۔

ستمبر 1842ء: دونوں فوجیں جلال آباد کے قریب تیزن کے مقام پر اکٹھی ہو گئیں۔ اکبر خان کو شکست دے دی گئی۔

15 ستمبر 1842ء: کابل ایک بار پھر انگریزوں کے قبضہ میں تھا لیکن اس سے پہلے جب پولاک کی فوج نے پیش قدمی کی --- انگریز قیدیوں کو ہندوکش میں بامیان کے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ قیدیوں کی منتقلی افغان سردار صالح محمد کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اس نے اکبر خان کی شکست کی خبر سنی تو پوٹنگر کو پیشکش کی کہ اگر معقول رقم اور ذاتی تحفظ کی ضمانت دی جائے تو وہ تمام قیدیوں کو رہا کر دے گا اور انہیں خود کابل پہنچا دے گا۔ پوٹنگر نے وعدہ کر لیا، چنانچہ

20 ستمبر 1842ء: انگریز قیدیوں کو کابل میں ان کے ہم وطنوں کے پاس پہنچا دیا گیا۔

اکتوبر 1842ء: کابل کے زیادہ تر قلعے تباہ کرنے کے بعد برطانوی فوج کسی نقصان کے بغیر درۂ خیبر عبور کر کے پشاور کے علاقہ میں داخل ہو گئی۔

1842ء (اواخر): سر نیپیر چارلس کی قیادت میں ایک فوج امیران سندھ کے خلاف روانہ ہوئی۔ اس فوج کا کچھ حصہ قندھار کی رجمنٹوں پہ اور کچھ بنگال اور بمبئی میں بھرتی کیے جانے والے نئے سپاہیوں پہ مشتمل تھا۔ دریائے سندھ کے کنارے سکھر کے مقام پر ڈپو قائم کیا گیا۔ ادھر حیدر آباد میں مشتعل بلوچیوں نے برطانوی ریزیڈنٹ کرنل آوٹ رم کی رہائش گاہ پر حملہ کر دیا۔ آوٹ رم بڑی مشکل سے جان بچا کر نیپیر کے پاس پہنچا۔ وہ پیش قدمی کرتا ہوا ہالہ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔

17 فروری 1843ء: حیدر آباد کے قریب میانی کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ امیران سندھ کے پاس 20 ہزار سپاہ تھی جبکہ نیپیر کے ساتھ 3 ہزار سپاہی تھے۔

تین گھنٹے کی خوفناک جنگ کے بعد نپیئر جیت گیا۔ دشمن ابتری کے عالم میں فرار ہو گیا۔ چھ امیروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔ حیدر آباد پہ قبضے کے بعد شہر کو خوب لوٹا گیا۔ انگریزوں نے شہر کو چھاؤنی میں تبدیل کر دیا۔

مارچ 1843ء: بنگال کی کچھ دیسی رجمنٹیں سندھ میں بھجوا کر انگریزی فوج کی قوت بڑھائی گئی۔ اس طرح نپیئر کے پاس 6 ہزار سپاہی ہو گئے۔

24 مارچ 1843ء: نپیئر نے میرپور کے امیر کو شکست دی۔ دارالحکومت کے قریب جنگ ہوئی۔ فتح کے بعد میرپور پر قبضہ کر لیا گیا۔ نپیئر کا اگلا نشانہ صحرا کا مضبوط ترین قلعہ عمرکوٹ تھا۔ قلعہ کے بلوچی سپاہی مقابلہ کیے بغیر اطاعت پر اتر آئے۔

جون 1843ء: کرنل جیکب نے شیر محمد کو شکست دی جس کے بعد سندھ کی تسخیر مکمل ہو گئی۔ لیکن برطانوی صوبہ سندھ حکومت کو بہت مہنگا پڑا' یہاں کے اخراجات سالانہ محاصل سے زیادہ تھے۔

گوالیار: دسمبر 1843ء

انگریز سپاہی اپنے قدیم دشمنوں سے معرکہ آرائی میں مصروف تھے۔ اس کا پس منظر کچھ اس طرح تھا:

1827ء: لارڈ ہیسٹنگز نے 1814ء میں دولت راؤ سندھیا سے انتہائی مفید معاہدہ کیا جس کے بعد دولت راؤ مر گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

1827-1843ء: دولت راؤ کی موت کے بعد مگٹ راؤ نام کا وارث ملا جو علی جاہ جنکوجی سندھیا کے نام سے تخت پر بٹھایا گیا۔ وہ بھی لاولد مرا۔ اس کی تیرہ برس کی بیوہ تارابائی نے بھگیرت راؤ نامی آٹھ سالہ بچے کو گود لے لیا' اسے علی جاہ جیاجی سندھیا کا خطاب دیا گیا۔
قائم مقام حکمرانی کے دو دعویدار تھے: ان میں سے ایک

جنکوجی سندھیا' ماموں کے رشتہ کے حوالہ سے "ماما صاحب" کہلایا جبکہ خاندان کا نگرانِ خاص (مرنے والے سندھیا کا دور کا رشتہ دار) دادا صاحب کہلایا۔ ایلن برو نے ماما صاحب کو قائم مقام مقرر کیا جبکہ تارا بائی نے دادا کو قائم مقام بنانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ دربار میں دو گروہ بن گئے۔ کافی پریشانی اور خون ریزی کے بعد ماما صاحب کو برطرف کر کے دادا کو مہارانی تارابائی نے واحد قائم مقام مقرر کر دیا۔ ہاتھی ایلن برو نے ماما صاحب کے لیے اصرار کیا اور ریذیڈنٹ کو حکم دیا کہ گوالیار سے واپس آ جائے۔ دادا نے ہاتھی کا مقابلہ کرنے کے لیے فوج کی تیاری شروع کر دی۔ ہاتھی ایلن برو نے سرہیو گوگ کو گوالیار کی مہم سنبھالنے کا حکم دیا۔

1843ء: سرگوگ نے دریائے چانبل عبور کیا اور سندھیا کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ رانی اور دادا نے اطاعت پیش کر دی لیکن ان کی فوج کے 60 ہزار سپاہیوں نے 200 توپوں کے ساتھ انگریزوں کو واپس دریا پار دھکیل دیا۔

29 دسمبر 1843ء: مہاراج پور (گوالیار) کے قریب سرگوگ پر 14 ہزار بہترین مرہٹہ سپاہیوں نے توپ خانے کے ساتھ زبردست حملہ کر دیا۔ مرہٹے بے جگری اور بہادری سے لڑے لیکن زبردست نقصان کے باوجود انگریز جیت گئے۔

31 دسمبر 1843ء: مہارانی اور نوجوان سندھیا برطانوی لشکرگاہ میں آئے اور مکمل اطاعت پیش کر دی۔ گوالیار کی ریاست سندھیا کے پاس رہنے دی گئی لیکن رانی کو پنشن دے کر سبکدوش کر دیا گیا۔ مرہٹہ فوج میں کمی کر کے اسے 6 ہزار سپاہیوں تک محدود کر دیا گیا۔ برطانوی فوج گوالیار کی مدد سے 10 ہزار کر دی گئی۔ سندھیا کے

بالغ ہونے تک امور مملکت کے لیے کونسل تشکیل دے دی گئی۔

1844ء: سال کے شروع میں ہاتھی کو مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اس کے جنگی جنون کی وجہ سے برطرف کر دیا۔ ہاتھی کی جگہ سر ہنری ہارڈنگ کو ہندوستان میں گورنر جنرل بنا کر بھیج دیا گیا۔

لارڈ ہارڈنگ کا دور
(1844ء-1848ء)

جون1844ء: ہارڈنگ کلکتہ پہنچا۔ اپنی آمد کے وقت وہ لارڈ نہیں محض سر ہارڈنگ تھا۔

1842ء: پنجاب کا حاکم شیر سنگھ (رنجیت سنگھ کا ایک بیٹا) اپنے وزیر دھیان سنگھ کی سازش کے نتیجے میں اجیت سنگھ نامی شخص کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اجیت سنگھ نے شیر سنگھ کے بڑے بیٹے پرتاپ سنگھ اور پھر دھیان سنگھ کو بھی قتل کر دیا۔ دھیان سنگھ کے بھائی سوچیت سنگھ اور بیٹے ہیرا سنگھ نے اپنی فوجوں کی مدد سے لاہور کا محاصرہ کر لیا اور اجیت سنگھ سمیت تمام باغیوں کو گرفتار کر لیا۔ بغاوت کچلنے کے بعد ہیرا سنگھ خود وزیر بن گیا اور شیر سنگھ کے زندہ بچ رہنے والے بیٹے دلیپ سنگھ کو پنجاب کا راجہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ دس برس کا کمسن دلیپ سنگھ لاہور کا آخری مہاراجہ ثابت ہوا۔ ہیرا سنگھ کے لیے سب سے بڑی مشکل سکھوں کی قوت پہ قابو پانا یا خالصہ فوج کی تعداد کم کرنا تھا۔ بلاشبہ خالصہ فوج ہی ریاست میں غالب قوت تھی۔

(خالصہ سے مراد برادری یا سکھ اخوت تھی۔ یہی نام بعد میں سکھ ریاست اور سپاہیوں کی تنظیم کو دیا گیا۔ اسی نے سکھ حکومت کی پالیسیوں

پر جمہوری اثرات مرتب کیے۔ چنانچہ سکھ جاگیردار اور عمائدین خالصہ قوت کو توڑنا چاہتے تھے)

ہیرا سنگھ اپنے افسروں کی سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ رانی کا منظور نظر برہمن لال سنگھ وزیر بنا دیا گیا۔ اس نے مسلسل کئی معرکہ آرائیوں کے بعد نتیجہ اخذ کیا کہ خالصہ قوت کو پرسکون کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی جائے۔

1845ء(موسم بہار): لاہور میں جنگی تیاریاں دیکھ کر سر ہنری ہارڈنگ نے ستلج کے مشرقی کنارے پر 50 ہزار سپاہی بھجوا دیے۔

سکھوں کی پہلی جنگ: (1845ء-1846ء)

نومبر کے اختتام پر ساٹھ ہزار خالصہ فوجیوں نے دریائے ستلج عبور کر کے فیروزپور کے قریب انگریزی فوج کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ گورنر جنرل ہارڈنگ اور کمانڈر انچیف سر ہیوگف نے فوراً تصادم کا حکم دے دیا۔ انگریزوں کو شکست ہوئی۔ اس شکست کے اسباب میں سکھوں کی بہادری کے علاوہ سر ہیوگف کی حماقت بھی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سکھوں کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ (اسے یہ غلط فہمی جنوبی ہندوستان کی مہموں کے دوران ہوئی تھی جہاں خوف زدہ ہندوؤں کو اس نے محض سنگینوں کے ذریعے سرنگوں کر دیا تھا)

18دسمبر1845ء: فیروزپور سے 20 میل دور مود کے گاؤں کے مقام پر جنگ ہوئی۔ انگریزوں نے فتح پائی حالانکہ ان کی کئی دیسی رجمنٹیں ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔ لال سنگھ اپنی فوج کے ساتھ رات کو کوچ کر گیا۔

21دسمبر1845ء: فیروز شاہ کی جنگ ہوئی۔ سکھ لشکر یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ انگریزوں نے حملہ کیا تو انہیں چاروں طرف سے شدید جوابی حملوں کا نشانہ بننا پڑا۔ زبردست نقصان کے ساتھ پسپائی ہوئی۔

22 دسمبر 1845ء: اگلے روز پھر جنگ شروع ہوئی۔ اس دفعہ انگریز فاتح رہے تاہم انھیں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔۔۔ سکھوں کی شکست کی وجہ ایک روز پہلے کی انگریزوں کی شکست تھی۔ سکھوں کو توقع نہیں تھی کہ شکست کے بعد اگلے ہی روز انگریز پھر حملہ آور ہو جائیں گے۔ مشرقی اقوام میں شکست کا مطلب، شکست خوردہ فوج میں ابتری اور فرار ہوتا ہے۔

شکست کے بعد سکھ پسپا ہو گئے لیکن انگریز بھی نڈھال ہو چکے تھے چنانچہ تعاقب نہ کر سکے۔ لاہور پہ حملہ کے لیے انگریزی فوج توپ خانے کا انتظار کرتی رہی جس کے بارے میں اطلاعات تھیں کہ وہ راستے میں ہے اور دسمبر کے وسط میں کسی وقت پہنچ جائے گا۔

کانوائے پر علی وال میں مورچہ زن سکھوں کے حملہ کی پیش بندی کے لیے اقدامات کیے گئے۔

28 جنوری 1846ء: لدھیانہ کے قریب علی وال میں لڑائی ہوئی۔ زبردست مزاحمت کے بعد سکھ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ انھیں دریا پار دھکیل دیا گیا۔ دہلی سے کانوائے انگریزی فوج کے پاس پہنچ گیا۔ اس اثناء میں سکھوں نے سبراؤں کے مقام پر مضبوط قلعہ بندی کر لی۔ وہاں چالیس ہزار سکھ پہنچ گئے۔ یہ سب کچھ لاہور کے دفاع کے لیے تھا۔

10 فروری 1846ء: سبراؤں کے مقام پر جنگ ہوئی۔ سکھ فوج نے جرأت و بہادری کا عمدہ مظاہرہ کیا لیکن انجام کار شکست سے دوچار ہو گئے۔ انگریز کامیاب تو ہوئے لیکن انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں انگریزوں کو پہلی بار دست بدست لڑائی کا خوفناک تجربہ ہوا۔ انگریزوں نے کسی مزاحمت کے بغیر ستلج پار کیا اور قصور کے

مضبوط قلعے پر قبضہ کر لیا۔ نوجوان راجہ دلیپ سنگھ، گلاب سنگھ کی قیادت میں بااثر سکھ سرداروں کے ساتھ قصور میں اطاعت کے لیے آ گیا۔ گلاب سنگھ راجپوت تھا اور انگریز اسے سکھوں کے دشمن کی حیثیت سے جانتے تھے۔ معاہدہ ہوا جس کے تحت ستلج اور بیاس کے درمیان تمام علاقہ کمپنی کے حوالے کیا جانا تھا۔ 15 لاکھ پونڈ تاوان جنگ ادا کیا جانا تھا اور سردست لاہور میں انگریز چھاؤنی کا قیام عمل میں آنا تھا۔

20 فروری 1846ء: فاتح انگریزی فوج لاہور میں داخل ہو گئی۔ چونکہ خزانے میں کچھ نہیں تھا 15 لاکھ پونڈ ادائیگی کے لیے ہارڈنگ نے کشمیر کا الحاق کمپنی کے علاقے سے کرنے کا اعلان کر دیا۔ لیکن گلاب سنگھ نے یہ رقم فراہم کر دی اور کشمیر اس کے حوالے کر دیا گیا۔ ہارڈنگ نے اس طرح جنگ کے اخراجات وصول کر لیے۔ خالصہ فوج کے سپاہیوں کو تنخواہیں دے کر رخصت کر دیا گیا۔ دلیپ سنگھ کو خودمختار حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ میجر ہنری لارنس کو انگریزی فوج کے ساتھ لاہور میں تعینات کر دیا گیا۔ مرکزی انگریزی فوج قبضہ میں لی گئی توپوں کے ساتھ لدھیانہ واپس چلی گئی۔ ہارڈنگ اور گف کو پارلیمنٹ سے تحسین ملی اور ان کے نوابی درجہ میں اضافہ کر دیا گیا۔ مارچ 1848ء میں ہارڈنگ واپس انگلستان چلا گیا اور اس کی جگہ لارڈ ڈلہوزی کو گورنر جنرل بنا دیا گیا۔

لارڈ ڈلہوزی کا نظم و نسق
(1848ء-1856ء)

اپریل 1848ء: ملتان میں مولراج اپنے باپ ساون کے بعد 1844ء میں حاکم بنا تھا۔ اسے دلیپ سنگھ نے برطرف کر دیا۔ اس کی جگہ سردار خان کو وانس ایگنیو (ایک سویلین) اور لیفٹیننٹ اینڈرسن کے ساتھ ملتان بھیج دیا گیا۔

20 اپریل 1848ء: مولراج نے شہر کی چابیاں سردار خان کے حوالے کر دیں۔ تین دن بعد سپاہیوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور سکھ سپاہی یلغار کرتے ہوئے شہر میں پھیل گئے۔ اینڈرسن اور وانس ایگنیو کو قتل کر دیا گیا۔ نوجوان لیفٹیننٹ ایڈورڈز لاہور کے قریب متعین تھا۔ اس کی سکھ رجمنٹ نے فرار ہونا شروع کر دیا۔ بہاولپور کے راجہ کو مدد کے لیے کہا گیا جس نے فوراً عملدرآمد کر دیا۔

20 مئی 1848ء: لیفٹیننٹ ایڈورڈز دریائے سندھ پہ ڈیرہ غازی خان میں کرنل کورٹ لینڈت سے جا ملا۔ کورٹ لینڈت کے پاس 4 ہزار آدمی تھے۔ ان کے ساتھ بلوچوں کے دو لشکر بھی شامل ہو گئے چنانچہ اب مجموعی تعداد 7 ہزار ہو گئی۔ ملتان پہ حملہ کا فیصلہ کیا گیا۔ کئی جھڑپوں میں خوش قسمت رہنے کے بعد ستمبر 1848ء تک انگریز ملتان سے دور رہے۔ پھر جنرل وش کی سربراہی میں ایک بڑی فوج ان کی مدد کے لیے پہنچ گئی۔ انہوں نے ملتان کو ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا لیکن انکار کر دیا گیا۔ شیر سنگھ جو دو ماہ پہلے حلیف بن کر لاہور سے آیا تھا منحرف ہو کر دشمنوں سے جا ملا۔ پورا پنجاب اب بغاوت کی کیفیت میں تھا۔ لاہور حکومت نے

پشاور کے وعدہ پر دوست محمد کی حمایت اور مدد حاصل کر لی۔ سر جارج لارنس، سر ہنری لارنس کا بھائی، پشاور میں ریذیڈنٹ تھا۔ 24 اکتوبر 1848ء کو سکھوں نے پشاور ریذیڈنسی پہ قبضہ کر لیا اور انگریز قیدی بنا لیے گئے۔

سکھوں کے ساتھ دوسری جنگ: اکتوبر 1848ء

فیروز پور میں جمع ہونے والی فوج میں ڈلہوزی بھی شامل ہو گیا۔ اکتوبر کے اختتام تک سر ہیو گف ستلج عبور کر کے جنرل وہیلر کے پاس جالندھر میں پہنچ گیا۔ سکھ راوی اور چناب کے درمیان دو آبے کے علاقے میں اکٹھے ہو گئے۔

22 نومبر 1848ء: شیر سنگھ کی قیادت میں سکھوں سے رام نگر کی لڑائی ہوئی۔ سکھ چناب کی دوسری طرف پسپا ہو گئے۔ گف نے سکھ توپ خانے سے بچتے ہوئے جنوب کو جا کر دریا عبور کرنے کا راستہ تلاش کر لیا۔

2 دسمبر 1848ء: سادل پور کی لڑائی شروع ہوئی۔ شیر سنگھ کی قیادت میں سکھ دریائے جہلم کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ وہاں انہوں نے مضبوط مورچہ بندی کر لی۔ انگریزی فوج چھ ہفتوں تک کچھ نہ کر سکی۔

14 جنوری 1849ء: دریائے جہلم کے قریب چیلیانوالہ گاؤں کے مقام پر تند و تیز تصادم ہوا۔ اس لڑائی میں انگریزوں کو زبردست نقصان ہوا۔ 2300 سپاہی مارے گئے۔ تین رجمنٹوں کے علم سرنگوں ہو گئے۔ مرنے والوں کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ سکھ پسپا ہو کر نئے مورچوں میں چلے گئے۔

22 جنوری 1849ء: جنرل وش اور لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے ملتان پر قبضہ کر لیا۔ مولراج کو شہر چھوڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ انگریز فوج گف کی مدد کے لیے کوچ کر گئی جبکہ لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو کچھ

انگریز سپاہیوں کے ساتھ ملتان میں متعین کر دیا گیا۔

26 جنوری 1849ء: گف کی فوج کو اطلاع ملی کہ ملتان پہ قبضہ ہو گیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد شیر سنگھ نے بھی اطاعت کی پیشکش کر دی لیکن انگریزوں نے اسے ٹھکرا دیا۔

12 فروری 1849ء: شیر سنگھ نے پہلو سے نکل کر اچانک لاہور پر حملہ کرنے کے لیے عیاری سے کوچ کیا جبکہ تمام تر برطانوی فوج شمال میں تھی۔ گف نے اسے دریائے چناب کے کنارے گجرات میں جا لیا۔

20 فروری 1849ء: گجرات میں تصادم ہوا۔ انگریزوں کے پاس 24 ہزار سپاہیوں کی مضبوط فوج تھی۔ معمولی خون ریزی کے بعد انگریز غالب آ گئے۔

12 مارچ 1849ء: شیر سنگھ اور اس کے جرنیلوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ گجرات کی لڑائی کے بعد لاہور پر قبضہ کر لیا گیا۔ اب ڈلہوزی نے پنجاب کے الحاق کا اعلان کر دیا۔ دلیپ سنگھ نے خود کو برطانوی تحفظ میں دے دیا۔ خالصہ فوج توڑ دی گئی۔ کوہ نور ہیرا ملکہ وکٹوریہ کو بھجوا دیا گیا۔ سکھ عمائدین کی نجی زمینیں ضبط کر لی گئیں۔ انہیں کہہ دیا گیا کہ وہ اپنی رہائش گاہ سے چار میل کے دائرہ میں خود کو قیدی تصور کریں۔ مولراج کو عمر قید کی سزا دے دی گئی۔ سر ہنری لارنس کی سربراہی میں پنجاب کا سیٹلمنٹ کمیشن تشکیل دے دیا گیا۔ اس کی معاونت کے لیے چھوٹے بھائی سر جان لارنس کو مقرر کیا گیا۔ یہ شخص بعد میں گورنر جنرل بنا۔ سکھ سپاہیوں کی ایک مختصر سی فوج بنائی گئی جس کے افسران انگریز تھے۔ پنجاب میں سڑکیں تعمیر کی گئیں۔

مئی 1849ء: جنرل گف کی جگہ سر چارلس نیپیر کا تقرر عمل میں آیا۔ ڈلہوزی اور نیپیر کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ نیپیر نے استعفیٰ

دے دیا۔

1848ء: ستارہ کا الحاق کمپنی کے علاقے سے کر دیا گیا۔ شیواجی کے خاندان کے ایک فرد کو ہیسٹنگز نے 1818ء میں راجہ بنایا تھا وہ لاولد مر گیا۔ بستر مرگ پہ اس نے ایک لے پالک کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ڈلہوزی نے اس کی جانشینی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ستارہ کے الحاق کا اعلان کر دیا۔

1849-1851ء: متعدد کوہستانی قبائلیوں نے شورش برپا کر دی۔ سر کولن کیمبل، کرنل کیمبل اور مسٹر سٹریچ وغیرہ نے شورش پہ قابو پا لیا۔ ڈکیتی، ٹھگی، بچوں کے قتل، انسانی قربانی اور ستی وغیرہ کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان ہوا۔

1852ء-1853ء: برما کی دوسری جنگ 12 اپریل 1852ء کو شروع ہوئی اور دونابیئو کے مقام پر 17-18 مارچ 1853ء کی لڑائی کے ساتھ ختم ہوئی۔ 20 دسمبر 1853ء کے اعلان کے تحت پیگو کا الحاق عمل میں آیا۔

1853ء: بیرار کا الحاق بھی کر لیا گیا۔ یہاں 1840ء میں آک لینڈ نے راجہ ناگپور کو تخت نشین کیا تھا۔ راجہ حقیقی یا لے پالک اولاد کے بغیر چل بسا۔ کرناٹک کا حتمی الحاق بھی عمل میں آ گیا۔ 1801ء میں "کمپنی کا نواب" سیاست سے کنارہ کش ہو کر نجی زندگی میں مشغول ہو گیا تھا۔ 1819ء میں اس کی موت پر اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ 1825ء میں اس کے انتقال پر شیر خوار بچے کو نواب بنایا گیا۔ وہ 1853ء میں فوت ہوا جس کے بعد اس کا چچا عظیم جاہ اقتدار میں آیا۔ (برگیز کے مطابق یہ واقعہ 1855ء کا ہے) عظیم جاہ کو پنشن دے کر سبکدوش کر دیا گیا۔ وہ مدراس کے تمام امراء کے لیے مثال بنا۔ وکٹوریہ نے اسے پرنس آف ارکاٹ کا خطاب دیا۔

1854ء: بندیل کھنڈ کے علاقے جھانسی کا الحاق کیا گیا۔ جھانسی کا راجہ بنیادی طور پر پیشوا کا باج گزار تھا۔ 1832ء میں اسے خود مختار حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ جب وہ مرا تو اس کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی تاہم ایک لے پالک بیٹا زندہ تھا۔

ڈلہوزی نے لے پالک کو نیا راجہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جھانسی کی رانی مشتعل ہو گئی۔ یہی عورت بعد میں سپاہیوں کی بغاوت (1857ء) میں نمایاں قائد بن کر دنیا کے سامنے آئی۔

دھندو پنت المعروف نانا صاحب معزول اور پنشن یافتہ باجی راؤ کا لے پالک بیٹا تھا۔ پیشوا باجی راؤ کی موت 1853ء میں ہوئی تھی۔ نانا صاحب نے اپنے منہ بولے باپ کی سالانہ ایک لاکھ پونڈ پنشن کا دعویٰ کیا۔ دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ نانا صاحب نے ابتداء میں سر جھکا دیا لیکن پھر بعد میں "انگریز کتوں" سے خوب انتقام لیا۔

1855-1856ء: بنگال کی راج محل پہاڑیوں کے نیم وحشی قبیلے سنتال نے بغاوت کر دی۔ فروری 1856ء میں سات ماہ کی گوریلا جنگ کے ذریعے اسے دبایا گیا۔

1856ء (اوائل): ڈلہوزی نے میسور کے معزول شدہ راجہ کی بحالی کی التجا مسترد کر دی۔

1856ء: نواب کی بری حکومت کی وجہ سے اودھ کا الحاق بھی فیصل ہو گیا۔ پنجاب کے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے عیسائیت قبول کر لی۔ ڈلہوزی قابل تعریف خدمات کے بعد خوبصورت یادیں چھوڑ کر واپس روانہ ہو گیا۔ اس کے دور میں دیگر باتوں کے علاوہ نہریں، ریلوے، ٹیلی گراف وغیرہ کی تعمیر ہوئی۔ محاصل میں 40 لاکھ پونڈ کا اضافہ ہوا۔ اودھ کا الحاق کیا گیا۔ کلکتہ کے ساتھ ہونے والی تجارت میں ٹنوں کے حساب سے اضافہ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکاری خزانے میں خسارا دیکھنے میں آیا لیکن اس کی وجہ پبلک ورکس کے بھاری اخراجات تھے۔ لیکن ان شیخیوں کا جواب 1857ء میں سپاہیوں کی بغاوت کی صورت میں سامنے آیا۔

لارڈ کیننگ کا دورِ حکومت

(1856ء-1858ء)

29 فروری 1856ء: کیننگ نے اختیارات سنبھال لیے۔ ہندوؤں، مسلمانوں اور یورپین کے لیے یکساں قابلِ عمل تعزیری قوانین کا ضابطہ 1861ء تک مکمل نہ ہو سکا۔

اگست 1856ء: ہیضے کی وباء نے وسطی ہندوستان کو موت کی وادی بنا دیا۔ صرف آگرہ میں 15000 افراد ہلاک ہوئے۔

ایران سے جنگ (1856ء-1857ء)

برطانوی کمشنر نے "توہین آمیز" سلوک کیے جانے پر 1855ء میں تہران چھوڑ دیا تھا۔

1856ء: ایرانی حکومت نے افغان عیسیٰ خان سے ہرات چھین لیا۔

یکم نومبر 1856ء: کیننگ نے اعلان جنگ کر دیا۔ 13 نومبر کو متعدد جہاز مسقط پر حملہ آور ہونے کے لیے بمبئی سے روانہ ہوئے۔

دسمبر 1856ء (اوائل): خلیج فارس میں بشائر (ابوشہر) پہ قبضہ کر لیا گیا۔

اس دوران پنجاب کے چیف کمشنر سر جان لارنس نے امیر کابل دوست محمد سے مذاکرات شروع کیے۔ 1857ء کے شروع میں مفاہمت ہو گئی۔ اتحاد برقرار رکھا گیا۔

جنوری 1857ء: سر جیمز آوٹ رم ایرانی مہم کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے بشائر میں انگریزی فوج سے آن ملا۔

7 فروری 1857ء: خوشاب کی لڑائی میں 8 ہزار کے قریب ایرانی سپاہیوں کو آوٹ رم کے لشکر نے مکمل طور پر کچل دیا۔

8 فروری 1857ء: آوٹ رم اپنی فوج کے ساتھ واپس بشائر کے مرکز میں آگیا۔

اپریل 1857ء: موہامرا پہ قبضہ کر لیا گیا۔ چنانچہ امن معاہدہ وجود میں آیا۔ ایرانیوں کو ہمیشہ کے لیے ہرات اور افغانستان چھوڑ دینا تھا۔ ایرانیوں نے وعدہ کیا کہ وہ برطانوی کمشنر کو تہران میں پورے امتیاز و اعزاز کے ساتھ رکھیں گے۔

1857ء: سپاہیوں کی بغاوت

کئی برسوں سے "سپاہی آرمی" (مقامی دیسی سپاہیوں پہ مشتمل فوج) غیر منظم تھی۔ اس میں اودھ سے چالیس ہزار سپاہی تھے جو قومیت اور ذات کے حوالے سے آپس میں مربوط تھے۔ فوج کی ایک عام روایت ہے کہ اعلیٰ حکام کی طرف سے کسی رجمنٹ کی توہین سب کی توہین سمجھی جاتی ہے۔ افسران بے اختیار تھے۔ نظم و ضبط کا فقدان تھا۔ کھلی بغاوت کی کارروائیاں مسلسل جنم لے رہی تھیں۔ انہیں بڑی مشکل کے ساتھ دبایا جا رہا تھا۔ بنگال کی دیسی فوج نے سمندر کے ذریعے رنگون پر حملہ کے لیے جانے سے انکار کر دیا' چنانچہ 1852ء میں ان کے متبادل سکھ رجمنٹوں کی ضرورت پڑی۔ (1849ء میں پنجاب کے الحاق کے بعد یہ تمام تر صورت حال سنگین ہو رہی تھی۔ اودھ کے الحاق (1852ء) نے اسے سنگین تر کر دیا۔) لارڈ کیننگ نے اپنا دور اقتدار ظالمانہ انداز میں شروع کیا۔ تب تک مدراس اور بمبئی کے سپاہیوں کی بھرتی دنیا بھر میں کہیں بھی خدمات سرانجام دینے کے ضابطہ کے تحت ہوتی تھی۔ بنگالیوں کی بھرتی صرف ہندوستان میں خدمات کے لیے کی جاتی تھی۔ کیننگ نے جنرل سروس (بمبئی اور مدراس کی طرز پر) بھرتی کو بنگال میں بھی لازمی قرار دے دیا۔ "فقیروں" نے اسے مذہب ختم کرنے کی کوشش قرار دے کر مذمت کر دی۔

1857ء (اوائل): دیسی سپاہیوں کو رائفلوں کے لیے جو کارتوس دیئے گئے ان پر مبینہ طور پر سور اور گائے کی چربی چڑھائی گئی تھی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے ان دونوں جانوروں کی چربی مذہبی طور پر

ممنوعات میں شامل تھی۔ استعمال سے پہلے ان کارتوسوں کی چربی دانتوں سے کاٹنا پڑتی تھی۔ "فقیروں" نے اسے مذہب خراب کرنے پر محمول کیا۔

بیرک پور (کلکتہ کے قریب) اور رانی گنج (بنکورہ) کی چھاؤنیوں میں سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔

26 فروری 1857ء: ہگلی کے کنارے' مرشد آباد کے جنوب میں بہرام پور کی چھاؤنی میں بھی سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔ مارچ میں بیرک پور کے سپاہی پھر مشتعل ہو گئے۔ بنگال میں اس شورش کو پوری قوت کے ساتھ دبا دیا گیا۔

مارچ' اپریل 1857ء: انبالہ اور میرٹھ کے سپاہیوں نے اشتعال میں آکر بیرکوں کو آگ لگا دی۔ اودھ اور شمال مغرب کے اضلاع میں "فقیروں" نے عوام کو انگلستان کے خلاف بھڑکا دیا۔ نانا صاحب (راجہ بھور) نے کارتوسوں کے مسئلہ پر سپاہیوں میں پھیلنے والی بے چینی سے فائدہ اٹھانے کے لیے روس' ایران' دہلی کے شہزادوں اور اودھ کے سابق نواب کے ساتھ سازباز کر لی۔

24 اپریل 1857ء: لکھنؤ میں 48 ویں بنگال رجمنٹ' تیسری نیٹو کیولری' ساتویں اودھ بے قاعدہ فوج نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ سرہنری لارنس نے انگریز سپاہی لا کر اسے دبا دیا۔

میرٹھ (دہلی کے شمال مشرق) میں 11 ویں اور 20 ویں نیٹو انفنٹری کے سپاہیوں نے انگریزوں پہ حملہ کر دیا۔ اپنے افسروں کو گولیاں مار دیں' شہر کو آگ لگا دی' انگریزوں کی بیگمات اور بچوں کو قتل کر دیا اور دہلی کو روانہ ہو گئے۔

دہلی میں رات کو کچھ باغی شہر میں پھیل گئے۔ 54 ویں' 74 ویں اور 38 ویں نیٹو انفنٹری کے سپاہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

انہوں نے انگریز کمشنر چیلین اور کئی افسروں کو قتل کر دیا۔ نو انگریز افسر جو اسلحہ خانہ کا دفاع کر رہے تھے انہوں نے اسے آگ دکھا دی۔ دو افسر جھلس کر مر گئے۔ شہر میں موجود دیگر انگریز افسر جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ ان میں سے بہت سے مقامی لوگوں کے ہاتھوں یا موسم کی شدت سے مارے گئے۔ کچھ جان بچا کر میرٹھ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن دہلی اب باغیوں کے قبضہ میں تھا۔

فیروزپور میں 45 ویں اور 57 ویں نیٹو رجمنٹوں نے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن 61 ویں انگلش رجمنٹ نے انہیں واپس دھکیل دیا۔ سپاہیوں نے واپس آ کر شہر کو لوٹ لیا اور پھر اسے آگ لگا دی۔ اگلے روز قلعے سے کیولری نے آ کر باغی سپاہیوں کو شہر سے نکال دیا۔

لاہور میں میرٹھ اور دہلی کے واقعات کی خبریں پہنچیں تو سپاہی پریڈ پہ تھے۔ جنرل کاربٹ نے انہیں غیر مسلح کرنے کا حکم دے دیا۔ اس دوران انگریز سپاہیوں نے توپ خانے کے ساتھ گھیرا ڈال دیا۔

20 مئی 1857ء: لاہور کی طرح پشاور میں بھی 64 ویں، 55 ویں اور 39 ویں نیٹو انفنٹری کو غیر مسلح کر دیا گیا۔ دستیاب انگریزی فوجیوں اور وفادار سکھ سپاہیوں کی مدد سے نوشہرہ اور مردان کو باغیوں سے صاف کر دیا۔

کارل مارکس

ہندوستان میں برطانوی راج[1]*

(لندن: جمعہ، 10 جون 1853ء)

ویانا سے تار برقی کے مراسلات یہ اعلان کرتے ہیں کہ ترک، سارڈینیائی اور سوئس سوالات[2] کا پُرامن حل وہاں یقینی خیال کیا جاتا ہے۔

گزشتہ شب دارالعوام میں ہندوستان پر مباحثہ[3] حسب معمول پھیکے پن سے جاری رہا۔ مسٹر بلیکٹ نے سرچارلس وڈ اور سرھاک کے بیانات پر یہ الزام لگایا کہ ان پر رجائیت پسندانہ دروغ کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ وزیروں اور بورڈ آف ڈائرکٹرس[4] کے جوشیلے نمائندے الزام کی جتنی لعنت و ملامت کرسکتے تھے، وہ انہوں نے کی اور ناگزیر مسٹر ہیوم نے مباحثے کا خلاصہ کرتے وقت وزرا سے اپنے مسودہ قانون کو واپس لینے کی اپیل کی، مباحثہ ملتوی ہوگیا۔

* قوسین میں ہندسے ان نوٹوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو کتاب کے آخر میں دیے گئے ہیں۔(ایڈیٹر)

ہندوستان ایشیائی پیمانے کا اطالیہ ہے۔ جس میں کوہ الپس کی جگہ کوہ ہمالیہ ہے، لم بارڈی کے میدان کی بجائے بنگال کا میدان ہے، اپینائنس کی جگہ دکن ہے اور جزیرہ سسلی کی بجائے لنکا کا جزیرہ ہے۔ یہاں دھرتی سے حاصل ہونے والی پیداوار میں وہی فراوانی اور رنگا رنگی ہے اور ہیئت سیاسی میں وہی انتشار۔ جس طرح اطالیہ میں اکثر فاتح کی تلوار نے صرف بزور قوت مختلف قومیتوں کو دبا کر یکجا کر دیا ہے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان پر جب کبھی مسلمانوں یا مغلوں یا انگریزوں کا غلبہ نہیں رہا تو وہ اتنی ہی خود مختار اور برسرِ پیکار ریاستوں میں تقسیم ہو گیا جتنے شہر بلکہ گاؤں اس کے اندر ہیں، لیکن سماجی نقطہ نظر سے ہندوستان مشرق کا اطالیہ نہیں بلکہ مشرق کا آئرلینڈ ہے اور اطالیہ اور آئرلینڈ کا یہ انوکھا مرکب، عیش و عشرت اور مصائب و آلام کی دو دنیاؤں کا یہ امتزاج ہندوستان کے مذہب کی قدیم روایتوں میں پہلے ہی نظر آ سکتا ہے۔ یہ مذہب بیک وقت نفس پرستی اور رنگ رلیوں کا مذہب بھی ہے اور ریاضت و جفاکشی پر مبنی رہبانیت کا مذہب بھی، یہ لنگم اور جگن ناتھ کا مذہب ہے، یہ سادھوؤں اور دیوداسیوں کا مذہب ہے۔

میں ان لوگوں کا ہم خیال نہیں ہوں جو ہندوستان کے ایک سنہرے دور پر یقین رکھتے ہیں۔ اگرچہ میں سر چارلس وڈ کی طرح اپنی رائے کی تائید کے لیے قلی خان[5] کا ذکر نہیں کرتا لیکن مثال کے طور پر اورنگ زیب کے عہد کو لے لیجیے یا اس دور کو لیجیے جب شمال میں مغل اور جنوب میں پرتگالی وارد ہوئے، یا پھر مسلمانوں کے حملے کا اور جنوبی ہند میں ہیپتارکی[6] غلبے کا زمانہ لے لیجیے یا اگر آپ چاہیں تو اور بھی پرانے وقتوں کی طرف چلے جائیے اور خود برہمنوں کی دیومالا پر مبنی علم تاریخ کو لیجیے جو ہندوستانی دکھ اور مصیبت کا آغاز ایک ایسے دور میں بتاتا ہے جو نظریہ عیسائیت کے مطابق تخلیق عالم کے دور سے بھی کہیں زیادہ پراچین دور ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ انگریزوں نے ہندوستان پر جو دکھ نازل کیے ہیں وہ بنیادی طور پر ان تمام مصیبتوں سے مختلف اور کہیں زیادہ شدید ہیں جو اس سے پہلے ہندوستان کو اٹھانی پڑی تھیں۔

میں یہاں اس یورپی استبداد کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں جس کی قلم برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایشیائی استبداد پر لگا کر ایک ایسے خوفناک اور کریہہ المنظر امتزاج کو جنم دیا جو سالسیت کے مندر کی ڈراؤنی اور بدشکل مقدس مخلوقات سے بھی بازی لے گیا۔ یہ چیز برطانوی نو آبادکار راج کی نمایاں خصوصیت قطعی نہیں ہے بلکہ ہالینڈ کے نظام کی نقل ہے اور یہ اس حد تک اس کی نقل ہے کہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے طریقہ کار کا نقشہ کھینچنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جاوا کے انگریز گورنر سر اسٹمفورڈ رینفلس نے پرانی ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے متعلق جو کچھ کہا تھا اسے حرف بہ حرف دہرا دیا جائے:

> "ولندیزی کمپنی کا واحد محرک منافع کمانے کی اسپرٹ تھی اور وہ اپنی رعایا کو اس سے بھی کم ہمدردی اور عزت کی نظر سے دیکھتی تھی جس سے ایک ویسٹ انڈیا کا پلانٹر پہلے اپنی جائیداد پر کام کرنے والے غلاموں کی ٹولی کو دیکھتا تھا کیونکہ آخرالذکر کو کم از کم اپنی انسانی ملکیت کی قیمت خرید تو ادا کرنی پڑتی تھی اور کمپنی کو وہ بھی نہیں دینی پڑتی تھی۔ سو وہ جبر و استبداد کے تمام مروجہ طریقوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتی تھی کہ عوام سے زیادہ سے زیادہ خراج وصول کرے، اس کی محنت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ دولت بٹورے اور اس کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لے۔ اس طرح اس کمپنی نے من موجی، متلون اور نیم وحشی حکومت کی بدکاریوں کے لیے کریلا اور نیم چڑھا کا کام کیا کیونکہ اس کے طریقہ حکومت میں سیاست دانوں کی تمام منجھی ہوئی خوش تدبیری اور تاجروں کی تمام تر اجارہ دارانہ خودغرضی کا امتزاج تھا۔"

تمام خانہ جنگیاں، حملے، انقلابات، فتوحات اور قحط، ہندوستان میں یہ سب سلسلہ وار واقعات خواہ بظاہر کتنے ہی غیر معمولی طور پر پیچیدہ، تیز رفتار اور تخریبی کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں لیکن دراصل وہ محض سطح ہی تک رہے۔ انگلستان نے ہندوستان سماج کے پورے ڈھانچے کو توڑ ڈالا ہے اور اب تک تعمیر نو کے کوئی آثار

نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اپنی پرانی دنیا کے کھوئے جانے اور نئی دنیا سے کچھ ہاتھ نہ آنے کی وجہ سے ہندوستان کی موجودہ مصیبت اور دکھ میں ایک خاص قسم کی افسردگی کی آمیزش ہو گئی ہے اور اسی چیز نے ہندوستان کو جس پر برطانیہ کا راج ہے، اس کی تمام قدیم روایات سے، اس کی تمام تر پرانی تاریخ سے علیحدہ کر دیا ہے۔

ایشیا میں بہت پرانے وقتوں سے عام طور پر حکومت کے صرف تین شعبے ہوتے چلے آئے ہیں: مالیات یا اندرونی لوٹ کھسوٹ کا شعبہ، جنگ یا بیرونی لوٹ کھسوٹ کا شعبہ اور ان کے علاوہ تعمیرات عامہ کا شعبہ۔ آب و ہوا اور علاقائی حالات نے اور خصوصاً وسیع ریگستان کی موجودگی نے، جو صحارا سے شروع ہو کر اور عرب، ایران، ہندوستان اور تاتاریہ سے گزر کر ایشیاء کے بلند ترین کوہستانی خطوں تک پھیلے ہوئے ہیں، نہروں اور آب رسانی کے انتظامات کے ذریعہ مصنوعی آبپاشی کو مشرقی کاشت کاری کی بنیاد بنا دیا ہے۔ مصر اور ہندوستان کی طرح میسوپوٹامیا اور ایران وغیرہ میں بھی زمین کو زرخیز بنانے کے لیے سیلاب سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ یعنی آبپاشی کی نہروں تک پانی پہنچانے کے لیے اونچی سطح کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پانی کے مشترکہ اور کفایت شعارانہ استعمال کی یہی اولین اور اہم ضرورت جس نے مغرب میں نجی کاروبار کرنے والوں کو رضاکارانہ ساجھے داری پر مجبور کیا۔ مثلاً اطالیہ اور فلانڈرز میں ـــــ اسی نے مشرق میں حکومت کی مرکزیت پیدا کرنے والی قوت کی دخل اندازی کو لازمی بنایا کیونکہ وہاں تہذیب کی سطح اس قدر نیچی اور علاقے اس قدر وسیع اور پھیلے ہوئے تھے کہ رضاکارانہ ساجھے داری کو بروئے کار نہیں لایا جا سکتا تھا لہٰذا تمام ایشیائی حکومتوں پر ایک معاشی فرض منصبی، تعمیرات عامہ مہیا کرنے کا فرض عائد ہوا۔ زمین کو زرخیز بنانے کا یہ مصنوعی طریقہ جس کا دارومدار مرکزی حکومت پر تھا اور جس پر آبپاشی اور پانی کے نکاس کی طرف غفلت کا برتاؤ ہوتے ہی فوراً زوال آ گیا۔ اس عجیب و غریب امر کی، جس کی دوسری طرح وضاحت نہیں ہو سکتی۔ توجیہ اور وضاحت کر دیتا ہے کہ آج ہمیں کئی پورے کے پورے علاقے، جو کبھی سرسبز اور شاداب تھے، بالکل بنجر اور ریگستانی حالت میں نظر آتے ہیں مثلاً پالمیرا

اور پیٹرا یمن کے کھنڈر اور مصر، ایران اور ہندوستان کے کئی بڑے بڑے صوبے اور اس طرح یہی طریقہ اس چیز کی توجیہہ بھی کرتا ہے کہ محض ایک تباہ کن جنگ کسی ملک کی آبادی کو کئی صدیوں کے لیے کس طرح گھٹا سکتی تھی اور اس ملک کو اس کی تہذیب سے مکمل طور پر کیسے محروم کر سکتی تھی۔

بات یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا میں انگریزوں نے اپنے پیش روؤں سے مالیات اور جنگ کے شعبے تو لے لیے لیکن انہوں نے تعمیرات عامہ کے شعبے کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ یہی سبب ہے اس کی زراعت کی زبوں حالی کا جو آزادانہ مقابلے (Laissez faire, laisez aller)[7] کے برطانوی اصول پر چلائے جانے کی اہلیت نہیں رکھتی لیکن ایشیائی سلطنتوں میں تو ہم یہ چیز دیکھنے کے خاصے عادی ہیں کہ کسی ایک حکومت کے زیر سایہ زراعت زبوں حال ہے اور کسی دوسری حکومت کے زیر سایہ وہ پھر پنپ اٹھتی ہے۔ جس طرح یورپ میں فصلوں کا اچھا یا برا ہونا اچھے یا برے موسم پر منحصر ہوتا ہے اسی طرح ایشیاء میں فصلوں کے اچھے یا برے ہونے کا انحصار اچھی یا بری حکومت پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زراعت کی طرف سے غفلت برتنا اور اسے کچلنا گو ایک بہت بری بات تھی لیکن پھر بھی اسے ہندوستانی سماج پر برطانوی ناخواندہ مہمانوں کا ایک آخری اور فیصلہ کن وار نہیں سمجھا جا سکتا تھا اگر اس وار کے ساتھ ساتھ بہت ہی زیادہ اہمیت کے حالات شامل نہ ہو جاتے جو تمام ایشیائی دنیا کی تاریخ میں ایک جدید اور انوکھی چیز تھے۔ ہندوستان کے ماضی کی سیاسی شکل خواہ کتنی ہی تغیرپذیر کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن اس کے سماجی حالات قدیم وقتوں سے لے کر انیسویں صدی کی پہلی دہائی تک قطعی نہیں بدلے تھے۔ کرگھے اور چرخے جو مسلسل کروڑوں سوت کاتنے والوں اور بنکروں کو جنم دیتے رہتے تھے۔ اس سماج کے ڈھانچے کا مرکزی ستون تھے۔ عرصہ دراز سے یورپ ہندوستانی محنت کشوں کے بنائے ہوئے نہایت نفیس کپڑے لیتا اور ان کے عوض ہندوستانیوں کے لیے قیمتی دھاتیں بھیجتا رہا ہے اور اس طرح سنار کے لیے خام مواد مہیا کرتا رہا ہے اور سنار اس ہندوستانی سماج کا انتہائی ضروری رکن ہے جس کی آرائشی اشیاء سے

الفت کا یہ عالم ہے کہ سب سے نچلے طبقے کے لوگ بھی، جو تقریباً برہنہ رہتے ہیں، عام طور پر سونے کی بالیاں اور گلوں میں سونے کا کسی قسم کا زیور ضرور پہنے رہتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں انگوٹھی چھلے بھی خاصے عام تھے۔ عورتیں اور بچے اکثر سونے یا چاندی کے بھاری بھاری کنگن اور جھانجیں پہنے رہتے تھے اور گھروں میں دیوی دیوتاؤں کی طلائی یا نقرئی مورتیاں بھی اکثر دیکھنے میں آتی تھیں۔ ہندوستانی کرگھے اور چرخے کا خاتمہ اور تباہی برطانوی دخل گیروں ہی کا کام تھا۔ انگلستان نے ابتدا تو کی یورپی منڈیوں سے ہندوانی سوتی کپڑے کو خارج کر دینے سے، اور اس کے بعد اس نے ہندوستان میں دھاگہ رائج کر دیا اور آخر کار سوت کی جنم بھومی میں سوتی کپڑے کی ریل پیل کر دی۔ 1818ء سے 1836ء تک برطانیہ عظمٰی سے ہندوستان کے لیے دھاگے کی برآمد ایک اور 5200 کے تناسب سے بڑھی۔ 1824ء میں ہندوستان میں برطانوی ململ اور تنزیب وغیرہ کی درآمد مشکل سے دس لاکھ گز ہوگی اور 1837ء میں وہ 6 کروڑ 40 لاکھ گز سے زائد ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ڈھاکہ کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے گھٹ کر بیس ہزار رہ گئی تھی مگر پارچہ بافی کے لیے مشہور اور نامی ہندوستانی شہروں کے انحطاط کو کسی طرح بھی برطانوی راج کا بدترین نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔ برطانوی بھاپ اور برطانوی سائنس نے ہندوستان کے سارے طول و عرض میں زراعت اور دستکاری کے باہمی اتحاد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

یہ دو چیزیں ---- کہ ایک طرف تو ہندوستانیوں نے، تمام مشرقی قوموں کی طرح، بڑی بڑی تعمیرات عامہ کی دیکھ بھال، جو ان کی زراعت اور تجارت کے لیے سب سے ضروری تھیں، مرکزی حکومت پر چھوڑ کر رکھی تھی، اور دوسری طرف وہ خود ملک کے پورے طول و عرض کی بنیاد پر چھوٹے چھوٹے مرکزوں میں مجتمع ہو گئے تھے ---- انہیں دونوں حالات نے قدیم وقتوں سے مخصوص تقسیم کا کردار رکھنے والے سماجی نظام کو وجود پذیر کر دیا تھا جسے دیہی برادریوں کا نظام کہا جاتا ہے۔ اس نے ان چھوٹی چھوٹی بھاؤں میں سے ہر ایک کو اس کی اپنی خودمختارانہ تنظیم اور آزادانہ اور علیحدہ زندگی عطا کی تھی۔ اس نظام کے مخصوص کردار کا اندازہ مندرجہ ذیل بیان

سے ہو سکتا ہے جو ہندوستانی امور پر برطانوی دارالعوام کی ایک پرانی سرکاری رپورٹ میں موجود ہے:

"گاؤں، جغرافیائی اعتبار سے ملک کا ایک ایسا حصہ ہے جو قابل کاشت اور بنجر زمین کے چند سو یا ہزار ایکڑ پر مشتمل ہوتا ہے۔ سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو وہ ایک کارپوریشن یا ٹاؤن شپ سے مشابہ ہے۔ اس کے افسروں اور ملازمین کا باقاعدہ عملہ مندرجہ ذیل پر مشتمل ہے: پٹیل یا کھیا جو عام طور پر گاؤں کے تمام امور اور معاملات کی نگرانی کرتا ہے، گاؤں والوں کے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، پولیس کے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے اور اپنے گاؤں میں لگان وصول کرنے کا فرض انجام دیتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا فرض ہے جس کے لیے وہ اپنے ذاتی رسوخ اور لوگوں کے معاملات اور حالات سے بہت تفصیلی واقفیت رکھنے کے باعث سب سے زیادہ موزوں آدمی ہوتا ہے۔ کرنم کاشت کا حساب کتاب رکھتا ہے اور اس سے متعلق ہر چیز کا اندراج کرتا ہے۔ علاوہ بریں طلیعار اور توٹی ہوتے ہیں جن میں سے اول الذکر کا فرض تو یہ ہے کہ وہ جرائم اور قانون کی خلاف ورزیوں کے متعلق اطلاعات حاصل کرے اور ایک سے دوسرے گاؤں تک سفر کرنے والوں کے ساتھ جائے اور ان کی حفاظت کرے۔ آخرالذکر کا دائرہ عمل زیادہ تر گاؤں تک محدود معلوم ہوتا ہے اور وہ علاوہ اور باتوں کے فصلوں کی حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب کرنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر پٹواری ہے جو گاؤں کی حدود کو قائم رکھتا ہے یا نزاع کی صورت میں ان حدود کے متعلق شہادت دیتا ہے۔ تالوں اور رج بہوں، ندیوں وغیرہ کا مہتمم زراعتی کاموں کے لیے پانی تقسیم کرتا ہے۔ برہمن تمام گاؤں کی پوجا پاٹ کا فرض انجام دیتا ہے۔ استاد گاؤں کے بچوں کو ریت پر لکھنا اور پڑھنا سکھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے علاوہ جنتری بنانے والا برہمن یا جوتشی وغیرہ وغیرہ عام طور پر گاؤں ان افسروں اور ملازمین پر مشتمل ہوتا ہے

لیکن ملک کے بعض حصوں میں وہ نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے اور مندرجہ بالا فرائض اور کارہائے منصبی میں سے کئی کو ایک ہی آدمی انجام دیتا ہے اور بعض دوسرے حصوں کے عملوں میں مذکورہ بالا افراد کے علاوہ اور لوگ بھی ہوتے ہیں اس ملک کے باشندے قدیم وقتوں سے میونسپل حکومت کی اس سادہ شکل کے زیرِ سایہ رہتے چلے آ رہے ہیں۔ گاؤں کی حدود شاذونادر ہی بدلی ہیں اور گو بعض اوقات جنگ، قحط اور بیماری کے باعث گاؤں خود تو تباہ و برباد تک ہوتے رہے ہیں لیکن صدیوں تک وہی پرانے نام، وہی حدود، اسی قسم کے مفاد اور یہاں تک کہ وہی پرانے خاندان قائم رہے ہیں۔ یہاں کے باشندوں نے سلطنتوں کے منقسم ہونے اور شیرازہ بکھیرنے پر کبھی کوئی فکر و تردد نہیں کیا۔ اگر گاؤں صحیح و سالم ہے تو انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی کہ وہ کس اقتدار کو منتقل ہوا ہے، یا وہ کس فرماں روا کے زیرِ سایہ آیا ہے اور اس کی اندرونی معیشت جوں کی توں رہی۔ پٹیل اب تک گاؤں کا مکھیا ہے اور اب تک ایک چھوٹے موٹے منصف یا مجسٹریٹ اور گاؤں کا لگان وصول کرنے والے کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔"(8)

سیاسی جسم کی یہ چھوٹی چھوٹی نہ تبدیل ہونے والی شکلیں بڑی حد تک ٹوٹ پھوٹ کر ہمیشہ کو غائب ہو رہی ہیں لیکن اس میں برطانوی سپاہی اور برطانوی محصل کی وحشیانہ دخل اندازی کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا کہ انگریزی بھاپ انجنوں اور انگریزی آزاد تجارت کا ہے۔ یہ خاندانی برادریاں، ہاتھ کی بنائی اور ہاتھ کی بوائی اور جتائی پر مبنی زراعت کا ایک ایسا انوکھا امتزاج تھا جس نے انہیں اپنا بار آپ ہی اٹھانے کے قابل بنا دیا تھا۔ انگریزی دخل اندازی کی وجہ سے کتائی کرنے والا تو ہو گیا لنکاشائر کا اور بنکر بنگال کا، یا پھر اس نے ہندوستانی کتائی کرنے والے اور بنکر دونوں ہی کو برطرف کر دیا اور اس طرح ان چھوٹی چھوٹی نیم وحشی، نیم متمدن برادریوں کی اقتصادی بنیاد پر وار کر کے ان کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اور اس طور پر انگریزی دخل اندازی ایشیاء

کے سب سے بڑے، بلکہ سچ پوچھئے تو واحد سماجی انقلاب کو بروئے کار لائی۔

گو یہ ٹھیک ہے کہ ان لاتعداد چھوٹی چھوٹی، محنتی، بے ضرر اور سرقبیلی سماجی تنظیموں پر جن کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور جو تباہ و برباد ہو رہی تھیں، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھنا اور ان کے سارے اراکین کو بیک وقت اپنی تہذیب کی قدیم شکل اور موروثی روزی کے وسیلوں سے محروم ہوتے دیکھنا انسانی جذبات کے لیے ایک بار گراں ضرور ہو گا لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ پُرسکون دیہی برادریاں بظاہر بھلے ہی بے ضرر معلوم ہوں لیکن وہ ہمیشہ سے مشرقی استبداد کی ٹھوس بنیاد رہی ہیں اور انہوں نے ہمیشہ انسانی ذہن کو حتی الامکان تنگ ترین دائرے میں قید رکھا ہے، اور اس طرح اسے توہم پرستی کا بے بس آلہ کار اور روایتی قاعدے قانون کا غلام بنایا ہے، اور تمام عظمت و شان اور اس کی تمام تاریخی توانائیوں سے محروم رکھا ہے۔ ہمیں اس وحشیانہ خودپسندی کو نہیں بھولنا چاہیے جو کسی حقیر سے پارۂ زمین پر اپنی توجہ مرکوز کر کے سلطنتوں کی بربادی، ناقابلِ بیان ظلم و ستم اور بڑے بڑے شہروں کی پوری پوری آبادی کے قتلِ عام کا نظارہ نہایت اطمینانِ قلب کے ساتھ دیکھتی تھی، ان چیزوں کو فطری مظاہر اور واقعات سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی اور جو خود ہر اس حملہ آور کا جو اس کی طرف توجہ کرنے کی تکلیف گوارا کرتا تھا بے بس و لاچار شکار بن سکتی تھی۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس وقار سے عاری، جامد و ساکن اور مجہول زندگی نے، اس روئیدہ قسم کے وجود نے دوسری طرف ہندوستان میں وحشیانہ، بے مقصد اور بے لگام تخریبی قوتوں کو بھی جنم دیا اور خود قتل و خون کو ہندوستان میں ایک مذہبی رسم بنا دیا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان چھوٹی چھوٹی برادریوں کو ذات پات کی تفریق اور غلامی نے آلودہ کر رکھا تھا اور انہوں نے انسان کو خارجی حالات سے ارفع اور بالاتر بنانے کی بجائے اسے ان حالات کا غلام بنا دیا تھا، انہوں نے ایک خود ارتقائی سماجی حالت کو غیر تغیرپذیر، فطری تقدیر کی حیثیت دے دی تھی اور اس طرح فطرت کی بے ڈھنگی پرستش کو جنم دیا تھا۔ اس کی پستی اور ذلت کی نمائش اس سے ہوتی ہے کہ انسان جو فرماں روائے فطرت ہے، ہنومان بندر

اور شبلا گائے کے حضور میں پوجا کے لیے دوزانو ہو گیا۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں سماجی انقلاب لانے میں انگلستان کے محرکات ذلیل ترین تھے اور اپنے ذلیل مفاد کو ہندوستان پر ٹھونسنے کا طریقہ بھی بہت احمقانہ تھا لیکن سوال دراصل یہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا ایشیا کی سماجی حالت میں ایک بنیادی انقلاب آئے بغیر انسانیت اپنی تقدیر کی تکمیل کر سکتی ہے؟ اگر نہیں کر سکتی تو خواہ انگلستان کے جرائم کچھ بھی ہوں اس نے بہرحال اس انقلاب کو بروئے کار لانے میں تاریخ کے غیر شعوری آلہ کار کا کام انجام دیا۔ للذا ہمارے احساسات کے لیے ایک قدیم دنیا کا تباہی کا نظارہ کتنا ہی تلخ اور ناگوار کیوں نہ ہو لیکن ہمیں، تاریخی نقطہ نظر سے گیوٹے کی ہم نوائی میں یہ کہنے کا حق ہے:

یہ اذیت جو ہمارے واسطے
زیادہ بڑی مسرت لے کر آئی ہے
کیا اسی لیے تکلیف دہ ہونی چاہیے؟
تیمور کے عہدِ حکومت میں
کیا روحوں کی بے حساب تباہی نہیں ہوئی؟ *

(کارل مارکس نے 10 جون 1853ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 3804 میں 25 جون 1853ء کو خود مارکس ہی کے نام سے شائع ہوا)

* گیوٹے کی نظم "نذرِ زلیخا" (مغرب و مشرق کا دیوان)۔ (ایڈیٹر)

کارل مارکس

ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ اور اُس کی کارروائیوں کے نتائج

(لندن: جمعہ، 24 جون 1853ء)

لارڈ اسٹینلے کی اس تجویز پر، کہ ہندوستان کے لیے قانون بنانا ملتوی کر دیا جائے، بحث آج شام تک کے لیے ٹال دی گئی۔ 1783ء سے پہلی بار ہندوستان کا مسئلہ برطانیہ میں سرکاری مسئلے کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

درحقیقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیوں کی ابتدا 1702ء سے پہلے کے وقت سے منسوب نہیں کی جا سکتی جبکہ مختلف انجمنیں جو ایسٹ انڈیا کی تجارت کی اجارے داری کا دعویٰ کرتی تھیں۔ ایک واحد کمپنی میں متحد ہو گئیں۔ اس وقت تک اصلی ایسٹ انڈیا کمپنی کا وجود ہی بار بار خطرے میں پڑا، ایک بار کراموَیل کے زمانہ ولایت

میں اس کی سرگرمیاں برسوں تک معطل رہیں اور ایک بار ولیم سوم کی حکومت میں پارلیمانی مداخلت کی وجہ سے اس کے قطعی خاتمے کا خطرہ پیدا ہوا لیکن ہالینڈ کے اسی شہزادے نے زمانہ اقتدار میں جب وہگ برطانوی سلطنت کی آمدنیوں کے وصول کرنے والے ٹھیکے دار بنے، جب بینک آف انگلینڈ وجود میں آیا، جب برطانیہ میں حفاظتی نظام خوب مضبوط ہوگیا اور یورپ میں طاقتی توازن مختتم طور پر قائم ہوگیا تو اسی وقت پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے وجود کو تسلیم کیا۔ ظاہری آزادی کا یہ دور دراصل اجارے داریوں کا دور تھا جو شاہی عطیات کی بنیاد پر وجود میں نہیں آئی تھیں جیسا کہ ایلزبتھ اور چارلس اول کے زمانے میں ہوتا تھا بلکہ پارلیمنٹ کی منظوری سے قانونی اور قومی قرار دی گئی تھیں۔ برطانیہ کی تاریخ میں یہ دور فرانس میں لوئی فلپ کے دور سے بہت ملتا جلتا ہے۔ جب پرانی، جاگیردارانہ اشرافیہ کو شکست ہوئی تھی اور بورژوازی صرف دولت مندوں یا بڑے سرمایہ کاروں (haute finance) کے جھنڈے تلے ہی اس کی جگہ لینے کی پوزیشن میں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے عام لوگوں کو ہندوستان کے ساتھ تجارت سے اسی وقت محروم کر دیا جب دارالعوام نے ان کو پارلیمانی نمائندگی سے محروم کیا۔ یہاں اور دوسرے واقعات میں ہم اس کی مثال پاتے ہیں کہ جاگیردارانہ اشرافیہ پر بورژوازی کی پہلی فیصلہ کن فتح کے ساتھ ساتھ عوام کے خلاف زیادہ سے زیادہ کھلی ہوئی رجعت پرستی کا اظہار ہوا۔ اس مظہر نے کوبیٹ جیسے متعدد مصنفوں کو اس کے لیے اکسایا کہ وہ عوامی آزادی کے لیے بمقابلہ مستقبل کے ماضی کی طرف دیکھیں۔

آئینی شاہی اور اجارے داریوں کو استعمال کرنے والے دولت مند کروڑپتیوں کے درمیان ایسٹ انڈیا کمپنی اور 1688ء کے "شاندار" انقلاب [9] کے درمیان اتحاد اسی طاقت نے قائم کیا تھا۔ جس نے ہمہ وقت اور تمام ملکوں میں لبرل سرمائے اور لبرل شاہی خاندانوں کو منسلک اور متحد کیا۔ اسی رشوت خور طاقت نے جو آئینی شاہی کی خاص محرک طاقت، ولیم سوم کا محافظ فرشتہ اور لوئی فلپ کے لیے مہلک عفریت تھی۔ 1693ء ہی میں پارلیمانی تحقیقاتوں سے معلوم ہوا کہ صاحبِ اقتدار لوگوں کے

"تحائف" کی مد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سالانہ اخراجات جو انقلاب سے پہلے شاذو نادر ہی 1200 پونڈ اسٹرلنگ سے اوپر گئے تھے، اس وقت تک 90 ہزار پونڈ اسٹرلنگ تک پہنچ چکے تھے۔ ڈیوک آف لیڈس کو پانچ ہزار پونڈ اسٹرلنگ کی رشوت لینے کا مجرم قرار دیا گیا اور خود نیک کردار بادشاہ کا دس ہزار پونڈ اسٹرلنگ پانے پر پردہ فاش کیا گیا۔ ان براہ راست رشوتوں کے علاوہ، حکومت کو انتہائی کم سود پر بڑے بڑے قرضوں کی پیش کش کر کے مقابلہ کرنے والی کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کو رشوت دے کر ان کمپنیوں سے نجات حاصل کی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اور بینک آف انگلینڈ نے بھی جو اثر حکومت کو رشوت دے کر حاصل کیا تھا اس کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اور بینک آف انگلینڈ نئی نئی رشوتیں دینے پر مجبور ہوئے۔ ہر بار جب کمپنی کی اجارے داری کی مدت ختم ہوئی تو وہ اپنے چارٹر کی تجدید صرف حکومت کو نئے قرضوں اور تحائف کی پیش کش کے ذریعہ کر سکتی تھی۔

سات سالہ جنگ [10] کے واقعات نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارتی طاقت سے فوجی اور علاقائی طاقت میں تبدیل کر دیا۔ اس وقت مشرق میں موجودہ برطانوی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصے 263 پونڈ اسٹرلنگ تک چڑھ گئے اور 12.5 فیصدی کی شرح سے منافع تقسیم ہوا لیکن اس وقت کمپنی کا ایک نیا دشمن پیدا ہوا جو اس بار مقابلہ کرنے والی کمپنیوں کی صورت میں نہیں بلکہ مقابلہ کرنے والے وزرا اور مقابلہ کرنے والی قوم کی صورت میں تھا۔ اس پر زور دیا گیا کہ کمپنی کی علاقائی ملکیتیں برطانوی بیڑے اور برطانوی فوج کے ذریعے حاصل کی گئی ہیں اور برطانوی رعایا کا ایک بھی آدمی کسی بھی علاقے پر تاج سے الگ رہ کر حاکمیت اعلیٰ نہیں رکھ سکتا۔ اس وقت کے وزرا اور قوم نے اس "بیش بہا خزانے" میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا جو ان کے خیال کے مطابق کمپنی کی تازہ ترین فتوحات سے حاصل کیا گیا تھا۔ کمپنی صرف 1767ء کا معاہدہ کر کے ہی اپنے وجود کو برقرار رکھ سکی۔ جس میں اس نے ریاستی خزانے کو سالانہ چار لاکھ پونڈ اسٹرلنگ ادا کرنے کا ذمہ لیا۔ لیکن

اس کی بجائے کہ وہ یہ معاہدہ پورا کرتی اور برطانوی قوم کو خراج ادا کرتی، ایسٹ انڈیا کمپنی مالی مشکلات میں مبتلا ہو گئی اور اس نے خود پارلیمنٹ سے مالی امداد مانگی۔ اس اقدام کے نتیجے میں کمپنی کے چارٹر میں ٹھوس تبدیلی ہوئیں۔ کمپنی کا معاملہ اس نئی صورت حال کے باوجود نہ سدھرا اور جب اسی وقت برطانوی قوم شمالی امریکہ میں اپنی نو آبادی کھو بیٹھی تو یہ یقین عام ہو گیا کہ برطانیہ کو کہیں نہ کہیں وسیع نو آبادیاتی سلطنت بنانے کی ضرورت ہے۔ مشہور و معروف فاکس نے 1783ء میں اتنا مشہور انڈین بل پیش کرنے کو مناسب لمحہ خیال کیا جس میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس اور مالکان کا کورٹ ختم کر دیئے جائیں اور ہندوستان کا سارا انتظام پارلیمنٹ کے مقرر کیے ہوئے سات کمشنروں کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ دارالامرا پر کم عقل بادشاہ * کے ذاتی اثر کی وجہ سے فاکس کا بل نامنظور ہو گیا اور فاکس اور لارڈ نارتھ کی مخلوط حکومت کو توڑنے اور مشہور پٹ کو حکومت کا سربراہ بنانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ 1784ء میں پٹ نے دونوں ایوانوں میں ایک بل منظور کرایا جس میں خفیہ کونسل کے چند ممبروں پر مشتمل بورڈ آف کنٹرول کے قیام کی ہدایت کی گئی تھی۔ بورڈ آف کنٹرول کا کام تھا:

"ان تمام اقدامات، کارروائیوں اور کاموں کو جانچنا، ان کی نگرانی اور کنٹرول کرنا جن کا تعلق کسی طرح سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں اور جائیدادوں کے شہری اور فوجی انتظام سے ہے اور اسی طرح ان سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو بھی۔"

اس کے بارے میں مورخ مل نے یہ کہا ہے:

"اس قانون کو منظور کر لینے میں دو مقصد پیش نظر تھے۔ جس چیز کو مسٹر فاکس کے مسودہ قانون کا وحشیانہ مقصد بنایا گیا تھا، اس کے الزام سے بچنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اختیار کا خاص حصہ ڈائرکٹروں ہی کے ہاتھ میں معلوم ہو۔ وزارت کے فائدے کے لیے یہ ضروری تھا کہ در حقیقت

* یہاں جارج سوم سے مراد ہے۔ (ایڈیٹر)

ڈائرکٹروں سے سارا اختیار لے لیا جائے۔ مسٹر پٹ کا مسودہ قانون خاص طور سے اس نکتے پر اپنے مدمقابل کے مسودہ قانون سے ظاہری امتیاز رکھتا تھا کہ گویا وہ ڈائرکٹروں کے اختیار کو تقریباً برقرار رکھتا تھا جبکہ فاکس کا مسودہ قانون ان کو اس سے بالکل محروم کر دیتا تھا۔ مسٹر فاکس کے قانون کے مطابق وزیروں کے اختیارات مسلمہ طور پر ان کے ہاتھ میں ہوتے۔ مسٹر پٹ کے قانون کے مطابق یہ اختیارات خفیہ طور پر اور دغابازی سے عمل میں لائے جاتے۔ فاکس کے مسودہ قانون نے کمپنی کے اختیارات پارلیمنٹ کے مقرر کیے ہوئے کمشنروں کو دیئے۔ مسٹر پٹ کے مسودہ قانون نے انہیں بادشاہ کے مقرر کیے ہوئے کمشنروں کو دے دیا۔"[11]

اس طرح 1783ء اور 1784ء پہلے سال تھے اور ابھی تک صرف ایسے سال ہیں جن میں ہندوستانی سوال حکومت کا سوال بن گیا۔ مسٹر پٹ کا مسودہ قانون منظور ہو گیا، ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کی تجدید کر دی گئی اور ہندوستانی سوال بیس سال کے لیے بالائے طاق رکھ دیا گیا لیکن 1813ء میں جیکوبی دشمن جنگ[12] اور 1833ء میں نئے منظور شدہ اصلاحی بل[13] نے تمام دوسرے سوالوں کو پس پشت ڈال دیا۔

یہ تھی سب سے بڑی وجہ جو ہندوستانی سوال کے 1784ء تک اور اس کے بعد بڑا سیاسی سوال بننے میں رکاوٹ بنی۔ 1784ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کو سب سے پہلے اپنا وجود اور اثر قائم کرنا تھا اور 1784ء کے بعد اولیگارکی نے کمپنی کے تمام ایسے اختیارات پر قبضہ جمالیا جو وہ اپنے اوپر بلا کوئی ذمے داری لیے ہوئے حاصل کر سکتی تھی اور بعد میں چارٹر کی تجدید کے دوران 1813ء اور 1833ء میں انگلینڈ کے عوام کی توجہ دوسرے زیادہ فوری سوالوں پر مرکوز ہو گئی۔

اب ہم سوال کو دوسرے نقطہ نظر سے دیکھیں گے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے صرف اپنے ایجنٹوں کے لیے تجارتی مرکز اور اپنے سامان کے لیے گودام قائم کرنے سے ابتدا کی تھی۔ اپنے تجارتی مرکزوں اور گوداموں کی حفاظت کے لیے اس نے کئی قلعے تعمیر کر لیے تھے۔ اگرچہ 1689ء ہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں

علاقائی ملکیت کی بنیاد ڈالنے اور علاقائی آمدنی کو اپنے نفع کا ذریعہ بنانے کا خیال کیا تھا۔ پھر بھی 1744ء تک اس کی ملکیت میں بمبئی، مدراس اور کلکتہ کے مضافات میں کچھ غیر اہم علاقے ہی تھے۔ اس کے بعد کرناٹک میں جو لڑائی ہوئی، اس میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ چند ٹکڑوں کے بعد کمپنی ہندوستان کے اس حصے کی مالک بن بیٹھی۔ بنگال کی جنگ اور کلائیو کی فتوحات نے اور کہیں زیادہ اہم پھل دیے۔ ان کا نتیجہ بنگال، بہار اور اوڑیسہ پر حقیقی قبضہ تھا۔ اس کے بعد اٹھارہویں صدی کے آخر اور موجودہ صدی کے ابتدائی برسوں میں ٹیپو سلطان سے لڑائیاں ہوئیں اور ان کے نتیجے میں فاتحوں کی طاقت میں بڑا اضافہ ہوا اور باج گزاری کے نظام کی زبردست توسیع ہوئی۔[14] انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں انگریزوں نے پہلی موزوں سرحد کو یعنی ریگستان میں ہندوستان کی سرحد کو آخرکار فتح کرلیا۔ صرف اسی وقت مشرق میں برطانوی سلطنت ایشیا کے اس حصے تک پہنچی جو ہمیشہ ہندوستان میں ہر طاقتور مرکزی حکومت کا صدر مقام رہا ہے، لیکن سلطنت کے سب سے کمزور مقامات، ایسے مقامات جن کے ذریعہ ہندوستان پر ہر بار حملہ ہوا جب پرانے فاتح کو نئے نے نکال باہر کیا، یعنی مغربی سرحدی مقامات ابھی برطانیہ کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ 1838ء سے 1849ء تک سکھوں اور افغانوں کے خلاف جنگوں میں پنجاب اور سندھ کا جبری الحاق کرکے[15] برطانوی حکمرانی نے مشرقی ہندوستانی براعظم کی نسلی، سیاسی اور فوجی سرحدوں پر قطعی تسلط قائم کرلیا۔ یہ مقبوضات وسط ایشیا کی طرف سے ہر حملے کو پسپا کرنے اور روس کے مقابلے کے لیے بھی ضروری تھے جو ایران کی سرحدوں تک بڑھ آیا تھا۔ ان پچھلے دس برسوں کے دوران برطانوی ہندوستان میں 8572630 باشندوں پر مشتمل 167000 مربع میل کے رقبے کا اضافہ کیا گیا۔ جہاں تک ہندوستان کی اندرونی صورت حال کا تعلق ہے تو اب ساری دیسی ریاستوں کا محاصرہ برطانوی مقبوضات نے کرلیا جو مختلف شکلوں میں برطانوی فرماں روائی میں تھے اور صرف گجرات اور سندھ کے علاوہ ان کو سمندری ساحل سے کاٹ دیا گیا۔ جہاں تک بیرونی تعلقات کا سوال ہے ہندوستان ختم کردیا گیا تھا۔ صرف 1849ء سے واحد عظیم

برطانوی ہندوستانی سلطنت وجود میں آئی۔

اس طرح حکومتِ برطانیہ، کمپنی کے نام سے دو صدیوں تک لڑتی رہی۔ جب تک کہ ہندوستان کی آخری قدرتی سرحدیں نہیں حاصل ہوگئیں۔ اب ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ اس سارے وقت برطانیہ کی ساری پارٹیاں کیوں خاموش رہیں، حتیٰ کہ وہ بھی جنھوں نے واحد ہندوستانی سلطنت کی تشکیل ہونے پر اپنی مکارانہ امن پسندی میں بلند بانگ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلے ان کو ہندوستان حاصل کرنا تھا تاکہ بعد کو وہ اس پر اپنی زبردستی کی انسان دوستی تھوپ سکیں۔ اس سے ہمارے لیے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اب 1853ء میں ہندوستانی سوال کی صورت حال چارٹر کی تجدیدوں کی ساری پچھلی مدتوں کے مقابلے میں مختلف ہوگئی ہے۔

اب ایک اور نقطہ نظر سے اس سوال کو دیکھیں۔ ہم ہندوستان کے ساتھ برطانوی تجارتی لین دین کی روش کا جائزہ لے کر ہندوستانی قانون سازی کے اس مخصوص بحران کو اور زیادہ اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیوں کی ابتدا میں، الزبتھ کے دور حکومت میں کمپنی کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنی نفع بخش تجارت کے لیے ہر سال تیس ہزار پونڈ اسٹرلنگ کی رقم چاندی، سونے اور غیر ملکی سکوں کی شکل میں برآمد کرسکتی ہے۔ یہ اس صدی کے سارے تعصبات کی خلاف ورزی تھی اور ٹامس من اپنی کتاب "انگلستان اور ایسٹ انڈیا کے درمیان تجارت پر مباحثہ"[16] میں "تجارتی سسٹم" کی بنیاد قائم کرتے ہوئے اور یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ بیش قیمت دھاتیں یہ کسی ملک کی حقیقی دولت ہوتی ہیں، ساتھ ہی یہ ثابت کرنے پر مجبور ہوا کہ ان کی برآمد کی اجازت اطمینان کے ساتھ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ برآمد کرنے والی قوم کے لیے ادائیگی کا توازن مفید ہو۔ اس معنی میں اس نے یہ یقین دلایا کہ ایسٹ انڈیا سے درآمد کی ہوئی اشیائے تجارت زیادہ تر دوسرے ملکوں کو پھر برآمد کی جاتی ہیں جہاں سے اس کے مقابلے میں سونے چاندی کی کافی زیادہ مقدار حاصل کی جاتی ہے جتنی کہ ہندوستان میں ان چیزوں کی قیمت ادا کرنے کے لیے درکار ہے۔ اسی جذبے

کے تحت سر جوزیا چائلڈ نے "ایک رسالہ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسٹ انڈیا سے تجارت ساری بیرونی تجارتوں میں سب سے زیادہ قومی ہے"[17] لکھا۔ رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے جانبدار زیادہ جری ہوتے گئے اور اس عجیب ہندوستانی تاریخ میں اس کو عجوبے کی حیثیت سے دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ ہندوستانی اجارے دار ہی انگلستان میں آزاد تجارت کے اصول کے پہلے وکیل تھے۔

17 ویں صدی کے بالکل آخر اور 18 ویں صدی کے زیادہ تر حصے میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی سوتی اور ریشمی کپڑے کی درآمد کو بیچارے برطانوی صنعت کاروں کے لیے بربادی کا سبب قرار دیا گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملے میں مداخلت کا مطالبہ پھر کیا گیا لیکن اس بار تاجروں کے نہیں بلکہ صنعت کاروں کے طبقے کی طرف سے یہ ہوا۔ اس رائے کا اظہار جان پولی کسفن کی تصنیف "انگلستان اور ہندوستان اپنی اپنی صنعتی پیداوار میں بے جوڑ ہیں۔" (لندن 1697ء) میں ہوا۔[18] یہ ایسا عنوان تھا جس کی تصدیق ڈیڑھ سو سال بعد ہوئی لیکن بالکل مختلف معنی میں۔ تب پارلیمنٹ نے مداخلت کی۔ بادشاہ ولیم سوم کے عہدِ حکومت کے ایکٹ 11 اور 12 کی فصل 10 میں ہندوستان، ایران یا چین سے لائے ہوئے ریشمی کپڑوں اور ہندوستان کے چھپے یا رنگے ہوئے سوتی کپڑوں کے لباسوں کے پہننے کی ممانعت کر دی گئی اور ان کپڑوں کو رکھنے والوں یا بیچنے والوں کے لیے 200 پونڈ اسٹرلنگ کا جرمانہ مقرر کیا گیا۔ اسی طرح کے قوانین جارج اول، دوم اور سوم کی حکومتوں میں بھی بعد کو اس قدر "روشن خیال" ہو جانے والے برطانوی صنعت کاروں کی متواتر شکایتوں پر منظور کیے گئے۔ اس طرح 18 ویں صدی کے زیادہ حصے کے دوران ہندوستانی مصنوعات انگلستان میں زیادہ تر اس لیے درآمد کی جاتی تھیں کہ ان کو براعظم میں بیچا جائے اور خود انگلستان کی منڈی سے ان کو الگ رکھا جاتا تھا۔

لالچی انگریز صنعت کاروں کے اصرار پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں پارلیمانی مداخلت کے علاوہ لندن، لیورپول اور برسٹل کے تاجر، ہربار چارٹر کی تجدید کا سوال اٹھنے پر اس کی پوری کوشش کرتے تھے کہ وہ کمپنی کی تجارتی اجارے داری کو

توڑ دیں اور خود اس تجارت میں حصہ لیں جس کو اصلی سونے کی کان سمجھا جاتا تھا۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1773ء کے ایکٹ میں یکم مارچ 1814ء تک کمپنی کے چارٹر کی توسیع کرتے ہوئے ایک شرط رکھی گئی جس کے مطابق تقریباً ہر طرح کا سامان انفرادی طور پر برطانوی باشندوں کو انگلستان سے ہندوستان کو برآمد کرنے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو انگلستان میں درآمد کرنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن اس رعایت کو ایسی شرائط سے محدود کر دیا گیا کہ نجی تاجروں کے ذریعہ برطانوی ہندوستان کو سامان برآمد کرنا بالکل ختم ہوگیا۔ 1813ء میں تاجروں کے وسیع حلقوں کے دباؤ کو کمپنی زیادہ نہ برداشت کر سکی اور چینی تجارت کی اجارے داری کے سوا ہندوستان سے تجارت بعض شرائط کے تحت نجی مقابلے کے لیے کھول دی گئی۔ 1833ء میں چارٹر کی تجدید کے وقت بالآخر، یہ آخری پابندیاں بھی ختم کر دی گئیں۔ کمپنی کو قطعی طور پر ہر طرح کی تجارت کی ممانعت کر دی گئی، اس کی تجارتی نوعیت کو ختم کر دیا گیا اور اس کو برطانوی باشندوں کو ہندوستانی علاقے سے باہر رکھنے کی جو رعایت حاصل تھی، وہ لے لی گئی۔

اس دوران میں ایسٹ انڈیا کی تجارت میں زبردست تبدیلیاں ہوگئی تھیں اور اس تجارت کے سلسلے میں انگلستان میں مختلف طبقاتی مفادات کے موقف بھی بالکل بدل گئے تھے۔ ساری 18 ویں صدی کے دوران جو خزانے ہندوستان سے انگلستان منتقل کیے گئے تھے ان کی حاصلات نسبتاً معمولی تجارت کے ذریعہ کم تھیں بمقابلہ ملک کے براہ راست استحصال اور اس زبردست دولت کے جو وہاں جبری طور پر وصول کر کے انگلستان بھیجی گئی۔ 1813ء میں ہندوستان کے ساتھ عام تجارت کی ابتدا کے بعد اس میں مختصر عرصے کے اندر تگنے سے زیادہ کا اضافہ ہوا۔ لیکن یہی سب کچھ نہ تھا پوری تجارت کی نوعیت ہی بدل گئی۔ 1813ء تک ہندوستان زیادہ تر برآمدی ملک تھا اور اب یہ درآمدی ملک بن گیا اور وہ بھی اتنی تیزی کے ساتھ کہ زرمبادلہ کی شرح جو پہلے ایک روپیہ کے لیے دو شلنگ چھ پنس تھی، 1833ء میں گر کر دو شلنگ رہ گئی۔ ہندوستان جو نہ جانے کتنے زمانے سے سوتی کپڑے کا سب سے بڑا کارخانہ تھا

اور اسے ساری دنیا کو فراہم کیا کرتا تھا؛ اب انگلستان کے دھاگوں اور سوتی کپڑے سے بھر گیا۔ اس کی مصنوعات کو انگلستان سے باہر رکھا جاتا یا ان کو انتہائی سخت شرائط پر داخل کیا جاتا تھا اور برطانوی مصنوعات ہندوستان میں بہت کم اور برائے نام محصول پر انڈیلی جا رہی تھیں جس کا نتیجہ دیسی سوتی کپڑوں کی بربادی تھا جو کسی زمانے میں اتنے مشہور تھے۔ 1780ء میں برطانوی پیداوار (جس میں تیار شدہ چیزیں بھی تھیں) کی قیمت 386152 پونڈ تھی اور اسی سال برآمد شدہ چاندی سونے کی قیمت 15041 پونڈ تھی، چنانچہ 1780ء کے دوران ساری برآمد کی قیمت 12648616 پونڈ رہی۔ اس طرح ہندوستان سے تجارتی تبادلے کی رقم ساری غیر ملکی تجارت کا 32واں حصہ تھی۔ 1850ء میں برطانیہ اور آئرلینڈ سے ہندوستان کو ساری برآمد کی رقم 8024000 پونڈ تھی جس میں سے صرف برآمد شدہ سوتی کپڑے کی قیمت 5220000 پونڈ تھی یعنی برطانیہ کی ساری برآمد کے 8 ویں حصے سے کچھ زیادہ اور سوتی کپڑے کی ساری برآمد کی قیمت کے ایک چوتھائی حصے سے زیادہ۔ لیکن اب سوتی کپڑے کی پیداوار میں برطانیہ کی آبادی کا 8 واں حصہ کام کرتا تھا اور اس سے برطانیہ کی قومی آمدنی کا 12 واں حصہ حاصل ہوتا تھا۔ ہر تجارتی بحران کے بعد سوتی کپڑے کے برطانوی صنعت کاروں کے لیے ایسٹ انڈیا کے ساتھ تجارت اولین اہمیت اختیار کرتی جا رہی تھی اور ایسٹ انڈیا کا براعظم واقعی ان کے لیے بہترین منڈی بن گیا۔ اس حساب سے جس سے سوتی کپڑے کی صنعت نے برطانیہ کے پورے سماجی ڈھانچے کے لیے زبردست اہمیت اختیار کر لی، ایسٹ انڈیا بھی برطانیہ کی سوتی کپڑے کی صنعت کے لیے زبردست اہمیت کا حامل ہو گیا۔

اس وقت تک زرداروں کے مفادات جنہوں نے ہندوستان کو اپنی محکوم ریاست میں تبدیل کر دیا تھا، اولیگارکی کے جس نے اس کو اپنی فوجوں سے فتح کر لیا تھا اور صنعت کاروں کے مفادات جنہوں نے اس کو اپنی مصنوعات سے بھر دیا تھا، مطابقت رکھتے تھے۔ لیکن برطانوی صنعت کا انحصار جتنا زیادہ ہندوستانی منڈی پر بڑھتا گیا، اتنا ہی زیادہ برطانوی صنعت کاروں کو اس کی ضرورت کا احساس ہوتا گیا کہ

ہندوستان کی دیسی صنعت کو برباد کرنے کے بعد وہاں نئی پیداواری طاقتیں قائم کی جائیں۔ آپ کسی بھی ملک کو متواتر اپنی مصنوعات سے نہیں بھر سکتے جب تک کہ اس کو اس قابل نہ بنائیں کہ وہ آپ کو تبادلے میں کوئی سامان دے سکے، چنانچہ برطانوی صنعت کاروں نے دیکھا کہ ان کی تجارت بڑھنے کی بجائے کم ہو رہی ہے۔ 1846ء میں ختم ہونے والے چار برسوں میں ہندوستان میں 26 کروڑ دس لاکھ روپیہ کا سامان برطانیہ سے درآمد ہوا تھا اور 1850ء میں ختم ہونے والے چار برسوں میں 25 کروڑ تیس لاکھ روپیہ کا جبکہ پہلی مدت میں برآمد 27 کروڑ چالیس لاکھ روپیہ اور دوسرے دور میں 25 کروڑ چالیس لاکھ روپیہ کی تھی۔ برطانوی صنعت کاروں نے دیکھا کہ ان کی مصنوعات خریدنے کی صلاحیت ہندوستان میں انتہائی نیچی سطح تک پہنچ گئی ہے، کہ اس وقت ان کی مصنوعات کی سالانہ فی کس کھپت کی مالیت کا اوسط برطانوی ویسٹ انڈیز میں تقریباً 14 شلنگ، چلی میں 9 شلنگ 3 پنس، برازیل میں 6 شلنگ 6 پنس، کیوبا میں 6 شلنگ 2 پنس، پیرو میں 5 شلنگ 7 پنس، وسطی امریکہ میں 10 پنس اور ہندوستان میں صرف تقریباً 9 پنس تھا۔ اس کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کپاس کی فصل خراب ہو گئی جس کی وجہ سے 1850ء میں برطانوی صنعت کاروں کو ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ کا نقصان ہوا اور انہیں جھنجلاہٹ ہوئی کہ ایسٹ انڈیا سے کافی مقدار میں کپاس حاصل کر سکنے کی بجائے وہ اب بھی امریکہ کے دست نگر ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں سرمایہ لگنے کی ان کی ساری کوششوں میں ہندوستانی حکام کی طرف سے رکاوٹیں اور لاحاصل بحث مباحثہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہندوستان ایک طرف صنعتی سرمائے اور دوسری طرف زرداروں اور اولیگارکی کے درمیان کشمکش کا اکھاڑہ بن گیا۔ صنعت کاروں نے برطانیہ پر اپنے بڑھتے ہوئے اثر کا شعور رکھتے ہوئے اب یہ مطالبہ کیا کہ ہندوستان میں ان کی مخالف طاقتوں کو نیست و نابود کر دیا جائے، ہندوستانی حکومت کے پورے قدیم تانے بانے کو برباد کر دیا جائے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو قطعی طور پر ہٹا دیا جائے۔

اور آخر میں یہ رہا چوتھا اور آخری نقطہ نظر جس سے ہندوستانی سوال کو دیکھنا

چاہئے۔ 1784ء سے ہندوستان کی مالی پوزیشن بد سے بدتر ہوتی گئی۔ قومی قرض اب 5 کروڑ پونڈ تک پہنچ گیا۔ آمدنی کے ذرائع زیادہ سے زیادہ کم ہوتے گئے اور اس کے مقابلے میں اخراجات بڑھتے گئے۔ خسارے کو افیون پر محصول جیسی غیر معتبر آمدنی سے مشکل سے پورا کیا جا سکتا ہے جس کو اب قطعی خاتمے کا خطرہ درپیش ہے، کیونکہ چینی خود خشخاش کی کاشت کرنے لگے ہیں۔ اس کے علاوہ برما کے خلاف احمقانہ جنگ[19] میں بھی اخراجات رہے ہیں۔

"صورت حال یہ ہے۔" مسٹر ڈکنسن کہتے ہیں "کہ اگر ہندوستان میں سلطنت کھو دینے سے برطانیہ برباد ہو جائے گا تو اس کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہماری اپنی مالیات پر بربادی کا بوجھ ڈالتی ہے۔"[20]

اس طرح میں نے یہ دکھایا ہے کہ ہندوستان کا سوال 1783ء کے بعد سے پہلی بار کیسے برطانوی سوال اور وزارتی سوال بنا۔

(کارل مارکس نے 24 جون 1853ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 3816 میں 11 جولائی 1853ء کو کارل مارکس ہی کے نام سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستان میں برطانوی راج کے آئندہ نتائج

(لندن: جمعہ، 22 جولائی 1853ء)

اس مراسلے میں میں ہندوستان کے متعلق اپنے مفروضات کا خلاصہ کرنا چاہتا ہوں۔

ہندوستان میں برطانوی اقتدار آخر کیسے قائم ہو گیا؟ مغل اعظم کے اقتدار اعلیٰ کو مغل صوبیداروں نے پاش پاش کیا۔ صوبیداروں کی قوت کو مرہٹوں نے توڑا[21]، مرہٹوں کی قوت کو افغانوں نے ختم کیا اور اس وقت جبکہ سب ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما تھے برطانیہ جھپٹ کر پہنچ گیا اور وہ ان سب کو زیر کر سکا۔ یہ ایک ایسا ملک تھا جو نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں میں بلکہ مختلف قبیلوں اور مختلف

ذاتوں میں بھی تقسیم تھا۔ یہ ایک ایسا سماج تھا جس کا چوکھٹا ایک قسم کے توازن پر ٹکا ہوا تھا اور یہ توازن اس سماج کے تمام اراکین کے درمیان ایک عام باہمی تنفر اور بنیادی مغائرت کا نتیجہ تھا۔ ایسے ملک اور ایسے سماج کے مقدر میں بھلا مفتوح ہونا نہیں تو اور کیا لکھا تھا؟ اگر ہم ہندوستان کی گزشتہ تاریخ کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے تب بھی کیا یہ اہم اور ناقابل تردید حقیقت کافی نہ ہوتی کہ اس وقت بھی ہندوستان کو اسی کے خرچ پر رکھی ہوئی ہندوستانی فوج نے انگریزوں کا حلقہ بگوش بنا رکھا ہے؟ لہٰذا ہندوستان کی تقدیر میں مفتوح ہونا لکھا تھا اور اس کی تمام تر گزشتہ تاریخ اس کے یکے بعد دیگرے مفتوح اور زیر ہوتے رہنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ہندوستانی سماج کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے، کم از کم اس کی کوئی ایسی تاریخ تو قطعی نہیں ہے جو لوگوں کے علم میں ہو۔ ہم جس چیز کو ہندوستانی سماج کی تاریخ کہتے ہیں وہ دراصل ان یکے بعد دیگرے آنے والے دخل گیروں کی تاریخ ہے جنہوں نے اس بے مزاحمت اور غیر تغیر پذیر سماج کی جامد و ساکن بنیاد پر اپنی سلطنتوں کی تعمیر کی۔ لہٰذا سوال یہ نہیں ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان فتح کرنے کا حق تھا یا نہیں، بلکہ سوال دراصل یہ ہے کہ کیا ہم برطانیہ کے فتح کیے ہوئے ہندوستان پر ترکوں یا ایرانیوں یا روسیوں کے فتح کیے ہوئے ہندوستان کو ترجیح دیں؟

انگلستان کو ہندوستان میں ایک ہی سلسلے کے دو مشن انجام دینے ہیں: ایک تخریبی اور دوسرا ازسرنو حیات بخش۔ قدیم ایشیائی سماج کو ختم کرنا اور ایشیا میں مغربی سماج کے لیے مادی بنیادی قائم کرنا۔

وہ عرب، ترک، تاتاری اور مغل جنہوں نے یکے بعد دیگرے ہندوستان پر دھاوا بولا تھا، جلد ہی ہندوستانیت کے رنگ میں رنگ گئے۔ بربری فاتح، تاریخ کے ابدی قانون کے مطابق خود اپنی رعایا کی برتر و بہتر تہذیب کے مفتوح ہو گئے۔ برطانوی لوگ پہلے برتر فاتح تھے اور اسی وجہ سے ہندو تہذیب کی ان تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے دیسی برادریوں کو توڑ کر، دیسی صنعت کی جڑ اکھاڑ کر اور دیسی سماج کی ساری عظیم اور سرفراز و بلند چیزوں کو خاک میں ملا کر اس تہذیب کو تباہ و برباد

کیا۔ ہندوستان میں ان کی حکومت کے تاریخی صفحات اس تباہی اور تخریب کے علاوہ مشکل ہی سے کسی اور چیز کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حیات نو بخشنے کا کام کھنڈروں کے ڈھیر کے پیچھے مشکل ہی سے دکھائی دیتا ہے، تاہم یہ کام شروع ہو گیا ہے۔

ہندوستان کا سیاسی اتحاد، جو آج عظیم مغلوں کے زمانے سے کہیں زیادہ استوار اور وسیع ہے، ہندوستان کے حیات نو پانے کی اولین شرط تھا۔ یہ اتحاد جسے برطانوی تلوار نے ہندوستان پر عائد کیا تھا اب تار برقی کے ذریعے اور زیادہ مستحکم اور پائیدار بنے گا۔ برطانوی سارجنٹ کی تربیت اور قواعد پریڈ سے تیار دیسی فوج پہلی لازمی شرط تھی اس وقت کی کہ ہندوستان خود اپنے زور بازو سے آزادی حاصل کرے اور باہر سے یلغار کرنے والوں کا شکار بننا چھوڑ دے۔ آزاد اخبار نویسی جو ایشیائی سماج میں پہلی بار رائج ہوئی اور جسے زیادہ تر ہندوستانیوں اور یوریشیوں کی مشترکہ اولاد چلاتی ہے اس سماج کی تعمیر نو کی ایک نئی اور طاقتور مددگار ہے۔ زمین داری اور رعیت واری نظام [22] بجائے خود گھناؤنے ہونے کے باوجود زمین کی نجی ملکیت کی دو مختلف شکلیں ہیں جس کی ضرورت ایشیائی سماج کے لیے بہت اہم ہے۔ ہندوستان کے ان دیسی باشندوں کے درمیان، جنہیں کلکتہ میں برطانوی نگرانی کے تحت طوعاً و کرہاً اور واجبی واجبی تعلیم دی گئی ہے، ایک نیا طبقہ ابھر رہا ہے جو حکومت کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہے اور اس میں یورپی سائنس رچی بسی ہوئی ہے۔ بھاپ کی بدولت ہندوستان کا یورپ کے ساتھ نقل و حمل کا باقاعدہ اور تیز رو سلسلہ قائم ہو گیا ہے۔ بھاپ ہی نے ہندوستان کی اہم بندرگاہوں کو جنوب مشرقی سمندر کی تمام بندرگاہوں سے مربوط کر دیا ہے اور اس نے ہندوستان کو اس کے الگ تھلگ مقام تنہائی سے نجات دلا دی ہے جو اس کے جمود اور سکون کی اولین علت تھا۔ وہ دن دور نہیں ہے جب ریل اور دخانی جہازوں کے امتزاج کی بدولت انگلستان اور ہندوستان کا درمیانی فاصلہ چھوٹا ہو کر وقت کے حساب سے آٹھ دن رہ جائے گا اور جب ایک زمانے کا یہ افسانوی ملک مغربی دنیا سے واقعی مل جائے گا۔

اس وقت تک برطانیہ عظمیٰ کے حکمراں طبقوں کو ہندوستان کی ترقی میں محض

وقتی اور عارضی قسم کی دلچسپی رہی تھی اور وہ بھی محض چند خاص صورتوں میں۔ طبقہ اشرافیہ ہندوستان کو فتح کرنا چاہتا تھا، زردار طبقہ اسے لوٹنا کھسوٹنا چاہتا تھا اور کارخانہ دار طبقہ اپنی سستی مصنوعات کے ذریعے اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب معاملہ الٹ چکا ہے۔ کارخانہ دار طبقہ نے دریافت کر لیا ہے کہ ہندوستان کا ایک پیداواری ملک کی شکل اختیار کرنا اس کے لیے کس قدر اہم ہوگیا ہے اور وہ یہ بھی سمجھ گیا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہندوستان کو آبپاشی اور اندرونی نقل و حمل کی برکتیں عطا کی جائیں۔ اب وہ لوگ ہندوستان کے طول و عرض میں ریلوں کا ایک جال سا بچھانا چاہتے ہیں اور وہ ایسا کر کے رہیں گے، اس کے نتائج یقیناً بیش بہا ہوں گے۔

یہ سبھی جانتے ہیں کہ ہندوستان کی پیداوار کو ادھر سے ادھر منتقل کرنے اور اس کا تبادلہ کرنے کے ذرائع کے مکمل فقدان نے ہندوستان کی پیداواری قوتوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔ ذرائع نقل و حمل کی کمی کے باعث قدرتی دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ اس قدر سماجی افلاس ہمیں ہندوستان سے زیادہ اور کہیں نہیں ملتا۔ برطانوی دارالعوام کی ایک کمیٹی کے سامنے، جس کی نشست 1848ء میں ہوئی تھی، یہ ثابت کیا گیا تھا کہ

"جس وقت خاندیش میں اناج 6 سے لے کر 8 شلنگ فی کوارٹر* کے حساب سے بک رہا تھا اسی وقت پونا میں جہاں کال کے مارے لوگ سڑکوں پر دھڑا دھڑ مر رہے تھے، اناج 64 سے لے کر 70 شلنگ تک کے حساب سے فروخت کیا جا رہا تھا اور خاندیش سے رسد حاصل کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ کچی سڑکیں ناگزار تھیں۔"

جہاں جہاں ریلوے لائن کے پشتے بنانے کے لیے مٹی کی ضرورت ہے، وہاں حوض بنا کر اور مختلف ریلوے لائنوں کے برابر برابر پانی کو ادھر سے ادھر منتقل کر کے ریلوں کی تعمیر کو آسانی سے زراعتی مقاصد کے لیے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔ اس طرح

* 28 پاؤنڈ یعنی تقریباً 13 کلوگرام۔ (مترجم)

آبپاشی کی، جو مشرق میں کاشت کاری کی ناگزیر شرط ہے، بہت توسیع و ترقی ہو سکتی ہے اور اکثر و بیشتر پانی کی کمی کی وجہ سے جو مقامی قحط پڑتے ہیں ان سے نجات مل سکتی ہے۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ جو زمینیں آبپاشی سے فیض یاب ہیں وہ سب، یہاں تک کہ گھاٹ کے نزدیک علاقوں کی زمینیں بھی، ان علاقوں سے تگنا ٹیکس ادا کرتی ہیں جن کا رقبہ اتنا ہی ہے لیکن آبپاشی سے محروم ہیں اور اسی طرح وہ ان کی نسبت دس یا بارہ گنا روزگار مہیا کرتی ہیں اور بارہ یا پندرہ گنا منافع ان سے حاصل ہوتا ہے، تو ہم پر اس سلسلے میں ریلوں کی ہمہ گیر اہمیت آشکار ہو جانی چاہیے۔

ریلیں فوجی اداروں کی تعداد اور خرچ گھٹانے کے ذرائع بھی مہیا کریں گی۔ فورٹ ولیم کے ٹاؤن میجر کرنل وارین نے دارالعوام کی ایک خاص کمیٹی کے سامنے بیان کیا:

"ملک کے دور دراز حصوں سے اتنے ہی گھنٹوں میں اطلاعات حاصل کرنے کی سہولت جتنے اس وقت دن بلکہ ہفتے لگ جاتے ہیں اور فوجوں اور رسد کے ساتھ اب سے کم وقت میں ہدایات بھیجنے کا امکان --- یہ ایسے ملحوظات ہیں جن کی قدر و اہمیت جتنی بھی سمجھی جائے کم ہے۔ فوجیں اب سے زیادہ دور اور زیادہ صحت افزا چھاؤنیوں میں رکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس طرح بیماریوں کے باعث جو اتنی زندگیاں ضائع ہوتی ہیں ان میں معتدبہ کمی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مختلف گوداموں میں فوجی رسد کی اس حد تک ضرورت نہیں ہوگی اور اس کے سڑنے سے ضائع ہونے اور آب و ہوا کے باعث خراب ہونے سے جو نقصان ہوتا ہے وہ بھی ختم ہو سکتا ہے۔ فوجیں جس قدر زیادہ کارگزار ہوں گی اسی تناسب سے ان کی تعداد گھٹائی جا سکتی ہے۔"

ہم جانتے ہیں کہ دیہی برادریوں کی معاشی بنیاد اور خود انتظام تنظیم ٹوٹ چکی ہے لیکن ان کی بدترین خصوصیت، یعنی سماج کا شیرازہ ٹوٹ کر ایک سی فطرت کے انمل بے جوڑ ذروں میں بکھر جانا، یہ چیز ان برادریوں کی قوت اور توانائی ختم ہونے

کے بعد بھی باقی ہے۔ دیہی برادری کی باہر کی دنیا سے علیحدگی ہندوستان میں سڑکوں کی غیر موجودگی کا سبب بنی اور سڑکوں کی غیر موجودگی نے برادری کی اس علیحدگی کو دائمی کر دیا۔ اس طریقے کے مطابق دیہی برادریاں پست معیار کی سہولیاتِ زندگی کے ساتھ اپنے دن گزارتی رہتی تھیں، ایک گاؤں کی دوسرے سے تقریباً کوئی رسم و راہ نہیں تھی اور ان برادریوں کے اندر وہ تمام خواہشات اور کوششیں ناپید تھیں جو سماجی ترقی کے لیے ناگزیر ہیں۔ اب جبکہ برطانوی لوگوں نے دیہی برادری کے اپنے حال پر قانع جمود و سکون کو توڑ دیا ہے تو ریلیں نقل و حمل، رسم و راہ اور آمدورفت کی ایک نئی ضرورت پیدا کریں گی۔ علاوہ بریں،

"ریلوں کے نظام کا ایک نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر گاؤں میں جو وباؤں سے متاثر ہوا ہے دوسرے ملکوں کی کلوں، پرزوں اور آلوں کا علم پہنچ جائے گا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے ایسے طریقے بھی اس تک پہنچ جائیں گے جو ہندوستان کی برادری کے موروثی اور وظیفہ دار دستکاروں اور اہلِ حرفہ کو پہلے تو اپنے تمام جوہر اور کمالات دکھانے کا موقع دیں گے اور پھر وہ اپنے نقائص اور خامیوں کو دور کریں گے۔"

("ہندوستان کی کپاس اور تجارت" از چیپمن)[23]

مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان کو ریل کی برکت سے رُوشناس کرانے میں انگریز کارخانہ دار طبقے کی نیت محض یہ ہے کہ اپنی صنعتوں کے لیے کم صرفے پر کپاس اور دوسری خام اشیاء حاصل کر سکے لیکن اگر آپ نے کسی ایسے ملک کے طریق سفر میں مشین کو رواج دے دیا جو لوہے اور کوئلہ سے مالامال ہے تو پھر آپ اس ملک کو ان مشینوں کے تیار کرنے سے قطعی باز نہیں رکھ سکتے۔ آپ ایک بے حد وسیع و عریض ملک میں ریلوں کا جال اس وقت تک قائم نہیں رکھ سکتے جب تک کہ ریل گاڑیوں کی تمام فوری اور حالیہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سارے صنعتی طریقوں کو بھی رائج نہ کریں، پھر ان کے ذریعے لازمی طور پر رفتہ رفتہ صنعت کے ان شعبوں میں بھی مشین کا استعمال شروع ہو جائے گا جن کا براہ راست ریلوں سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ریلوں کا نظام ہندوستان میں واقعی جدید صنعت

کا پیش رو ثابت ہو گا۔ اس بات کا اس لیے اور بھی زیادہ یقین ہے کہ خود برطانوی حکام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں میں اپنے آپ کو قطعی نئی قسم کی محنت کا عادی بنانے کی اور مشینوں کا ضروری علم حاصل کرنے کی خاص صلاحیت موجود ہے۔ اس امر کا کافی ثبوت ان دیسی انجینئروں کی مہارت، مشاقی اور صلاحیتوں سے مل سکتا ہے جو کلکتہ کی ٹکسال میں برسوں سے کام کر رہے ہیں جہاں وہ بھاپ کی مشین پر کام کرنے کے لیے رکھے گئے ہیں، اسی طرح ہردوار کے کوئلے والے علاقوں میں مختلف اسٹیم انجنوں پر کام کرنے والے دیسی اس چیز کا ثبوت ہیں، اور اس کے علاوہ دوسری مثالیں موجود ہیں۔ خود مسٹر کیمبل، ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعصبات سے بہت زیادہ متاثر ہونے کے باوجود، یہ اعتراف کرنے کے لیے مجبور ہیں کہ

"ہندوستانی قوم کی عام آبادی بہت زیادہ صنعتی توانائی کی مالک ہے، اس میں سرمایہ جمع کرنے کی بہت اچھی صلاحیت ہے اور وہ ریاضیاتی سوجھ بوجھ اور اعداد و شمار نیز علوم قطعیہ کا ملکہ رکھتی ہے۔" وہ لکھتے ہیں: "ان میں ذہانت بہت عمدہ ہے۔"[24]

جدید صنعت، جو ریلوں کے نظام کا نتیجہ ہے، موروثی تقسیم محنت کو ختم کر دے گی جس پر ہندوستانی ذات پات کی بنیاد ہے ــــ اور یہ ذات پات ہندوستانی ترقی اور ہندوستان کے اقتدار کی راہ میں بہت بڑی اور فیصلہ کن رکاوٹ ہے۔

وہ سب کچھ جو انگریز بورژوا طبقہ کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے عوام کی سماجی حالت میں نہ تو کوئی قابل ذکر بہتری پیدا کرے گا اور نہ عوام کو آزاد کرے گا کیونکہ اس کا انحصار صرف پیداواری قوتوں کے ارتقاء ہی پر نہیں بلکہ اس پر بھی ہے کہ عوام ان پیداواری قوتوں کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ لیکن انگریز بورژوا طبقہ ان دونوں مقاصد کے پورے ہونے کی مادی بنیاد ضرور رکھ دے گا اور بورژوا طبقے نے کبھی اس سے زیادہ بھی کچھ کیا ہے؟ کیا وہ کبھی افراد اور قوموں کو خون اور غلاظت، مصیبتوں اور ذلتوں میں جھونکے بغیر کسی قسم کی ترقی کو بروئے کار لایا ہے؟

ہندوستانی عوام اس وقت تک نئے سماج کے ان عناصر کا فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے جو

برطانوی بورژوازی نے ان میں بکھیر دیئے ہیں جب تک خود برطانیہ عظمیٰ میں صنعتی پرولتاریہ موجودہ حکمران طبقوں کی جگہ نہ لے لے یا جب تک خود ہندوستانی اتنے طاقتور نہ ہو جائیں کہ وہ انگریز جوئے کو مکمل طور پر اپنی گردنوں پر سے اتار پھینک سکیں۔ بہر حال یہ توقع کرنا غلط نہیں ہوگا کہ مستقبل قریب یا بعید میں ہم اس عظیم اور دلچسپ ملک کی حیات ثانیہ دیکھ سکیں گے جہاں کے نرم خو باشندے، یہاں تک کہ نچلے ترین طبقے کے لوگ بھی، پرنس سالتیکوف کے الفاظ میں "اطالویوں سے زیادہ شائستہ اور ہنرمند ہیں" جن کی محکومی کی تلافی بھی ان کی ایک قسم کی پرسکون عالی ظرفی سے ہو جاتی ہے، جو اپنی فطری سستی کے باوجود برطانوی افسروں کو اپنی بہادری سے دنگ کر چکے ہیں، جن کا وطن کبھی ہماری زبانوں اور مذہبوں کا سرچشمہ رہ چکا ہے، جن کے جاٹ قدیم جرمنوں کا نمونہ ہیں اور برہمن قدیم یونانیوں کا۔

میں چند اختتامی کلمات کہے بغیر ہندوستان کے موضوع کو نہیں چھوڑ سکتا۔

جب بورژوا تہذیب اپنے وطن سے جہاں وہ معزز شکلیں اختیار کرتی ہے، نوآبادیات کی طرف بڑھتی ہے، جہاں وہ بالکل عریاں ہو جاتی ہے، تو اس کی گہری ریاکاری اور بربریت جو اس کی فطرت کا خاصہ ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ ملکیت کے حامی ہیں لیکن کیا کوئی انقلابی جماعت کبھی اس قسم کے زرعی انقلابات عمل میں لائی ہے جیسے بنگال، مدراس اور بمبئی میں ہوئے ہیں؟ میں خود اس مہاڈاکو لارڈ کلائیو کا ایک فقرہ استعمال کرکے کہتا ہوں کہ جب معمولی رشوت ستانی ان کی حرص و ہوس کو آسودہ نہیں کر سکی تو کیا انہوں نے ہندوستان میں ظالمانہ استحصال بالجبر اختیار نہیں کیا؟ یورپ میں تو وہ قومی قرضوں کی اہمیت اور تقدس کے متعلق بکواس کرتے نہیں تھکتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ کیا انہوں نے ہندوستان میں ان راجوں کے منافع ضبط نہیں کیے جنہوں نے اپنی نجی بچت کو خود کمپنی کے سرمائے میں لگایا تھا؟ وہ "ہمارے مقدس مذہب" کی حمایت کا نام لے کر ادھر تو فرانسیسی انقلاب سے جنگ آزما ہے اور ادھر ہندوستان میں کیا انہوں نے عیسائیت کے پرچار کی قطعی مخالفت نہیں کی؟ اور کیا انہوں نے اڑیسہ اور بنگال کے مندروں میں جوق در جوق آنے والے یاتریوں سے روپیہ اینٹھنے کے لیے جگن ناتھ کے

مندر میں ہونے والی عصمت فروشی اور قتل کی گرم بازاری کو اپنا شیوہ نہیں بنایا؟ یہ ہیں "ملکیت، قاعدہ قانون، خاندان اور مذہب" کے نام لیوا لوگ۔

انگریزی صنعت کے تباہ کن اثرات کا مطالعہ اگر ہندوستان کے سلسلے میں کیا جائے، جس کی وسعت پورے یورپ کے برابر ہے اور جس میں 15 کروڑ ایکڑ زمین موجود ہے، تو وہ صریحی مگر حیران کن معلوم ہوں گے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اس پورے نظام پیداوار کا فطری نتیجہ ہیں جو اس وقت موجود ہے۔ اس پیداوار کی بنیاد سرمائے کی حکومت عالیہ پر ہے۔ سرمایہ کی مرکزیت اس کے ایک خود مختار قوت کی حیثیت سے قائم رہنے کے لیے ناگزیر ہے۔ دنیا کی منڈیوں پر سرمائے کی اس مرکزیت کا تخریبی اثر نہایت بڑے پیمانے پر سیاسی معاشیات کے فطری قوانین کو فاش کرتا ہے جو اس وقت دنیا کے ہر مہذب شہر میں مصروف عمل ہیں۔ تاریخ کے بورژوا دور کو نئی دنیا کے لیے مادی بنیاد کی تخلیق کرنی ہے ---- ایک طرف تو انسانوں کے ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہونے کی بنیاد پر قائم شدہ عالمگیر روابط اور ان روابط اور میل جول کے ذرائع کی تخلیق اور دوسری طرف انسان کی پیداواری قوتوں کی نشوونما اور مادی پیداوار کو ترقی دے کر اسے فطری قوتوں پر ایک سائنسی غلبے اور حکومت کی شکل دینا۔ بورژوا صنعت اور تجارت نئی دنیا کے ان مادی حالات کی اسی طرح تخلیق کرتی ہیں جس طرح ارضیاتی انقلابوں نے زمین کی سطح کی تخلیق کی ہے۔ جب ایک عظیم سماجی انقلاب بورژوا عہد کے سارے ثمروں پر، دنیا کی منڈی پر اور جدید پیداواری قوتوں پر غالب ہو جائے گا اور انہیں سب سے زیادہ ترقی یافتہ لوگوں کی مشترکہ نگرانی اور تسلط میں لے آئے گا، تبھی بت پرستوں کے اس کریہہ المنظر دیوتا سے انسانی ترقی کی مشابہت ختم ہوگی جو مقتولوں کی کھوپڑیوں کے علاوہ اور کسی چیز میں امرت نہیں پیتا تھا۔

(کارل مارکس نے 22 جولائی 1853ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 3840 میں 8 اگست 1853ء کو مارکس ہی کے نام سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستانی فوج میں بغاوت[25]

"پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو"——— روم کا وہ بنیادی اصول تھا جس کی مدد سے برطانیہ عظمیٰ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے سلطنت ہند پر اپنے قبضے کو برقرار رکھ سکا ہے۔ جن مختلف نسلوں، قبیلوں، ذاتوں، مذہبوں اور ریاستوں کا مجموعہ اس جغرافیائی اتحاد کی تشکیل کرتا ہے، جسے ہندوستان کہا جاتا ہے۔ ان کے درمیان مخاصمت ہمیشہ برطانوی تسلط کا اہم اصول رہی ہے۔ لیکن تھوڑے عرصے میں اس تسلط کی شرائط بدل گئیں۔ سندھ اور پنجاب کی فتح سے برطانوی ہندوستانی سلطنت نہ صرف اپنی قدرتی سرحدوں تک پھیل گئی بلکہ اس نے خود مختار ہندوستانی ریاستوں کے آخری نشانات بھی مٹا دیے۔ تمام جنگجو دیسی قبائل کو ماتحت بنا لیا، تمام سنگین اندرونی جھگڑے ختم ہوگئے اور تھوڑا عرصہ ہوا اودھ کے الحاق[26] نے صاف دکھا دیا کہ نام نہاد خود مختار ہندوستانی رجواڑوں کا محض اس حد تک وجود ہے جتنا ان کو ابھی تک برداشت کیا جا رہا ہے۔ اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی پوزیشن میں بڑی تبدیلی ہوئی۔ اب وہ ہندوستان کے ایک حصے پر دوسرے حصے کی مدد سے حملے نہیں کر رہی تھی بلکہ

ملک پر مسلط تھی اور پورا ہندوستان اس کے قدموں پر تھا۔ اب وہ فتوحات نہیں کر رہی تھی بلکہ ہندوستان کی واحد فاتح بن چکی تھی۔ اس کی فوجوں کا فریضہ اب مقبوضات کی توسیع نہیں بلکہ ان کو برقرار رکھنا تھا۔ وہ فوجیوں سے پولیس والوں میں تبدیل ہوگئے تھے۔ 20 کروڑ دیسی باشندوں کو دو لاکھ دیسی لوگوں کی فوج فرمانبردار بنائے ہوئے تھی جس کے افسر انگریز تھے اور اس دیسی فوج کو، اپنی باری میں، صرف 40 ہزار انگریزی فوج نے لگام دے رکھی تھی۔ پہلی ہی نظر میں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ہندوستانی عوام کی فرمانبرداری کا انحصار دیسی فوج کی وفاداری پر ہے جس کی تخلیق کی ساتھ ہی برطانوی حکومت نے مزاحمت کے پہلے مشترکہ مرکز کی تنظیم کی جو ہندوستانی عوام اس سے پہلے کبھی نہیں رکھتے تھے۔ اس ہندوستانی فوج پر کتنا بھروسہ کیا جا سکتا ہے اس کا اظہار اس کی حالیہ بغاوتوں سے ہوتا ہے جو ایران میں جنگ[27] کی وجہ سے بنگال پریزیڈنسی کے یورپی سپاہیوں سے تقریباً بالکل خالی ہوتے ہی فوراً پھوٹ پڑیں۔ ہندوستانی فوج میں بغاوتیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں لیکن موجودہ بغاوت[28] اپنے مخصوص اور ہلاکت آمیز خدوخال کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے جب ہندوستانی سپاہیوں کی رجمنٹوں نے اپنے یورپی افسروں کو قتل کر دیا، جب مسلمان اور ہندو اپنی باہمی مخالفت کو ترک کر کے اپنے مشترکہ آقاؤں کے خلاف ہوگئے، جب "ہندوؤں میں شروع ہونے والے ہنگامے کا انجام دہلی کے تخت پر مسلمان شہنشاہ کو بٹھانے پر ہوا"، جب بغاوت چند مقامات تک محدود نہیں رہی اور آخر میں جب برطانوی ہندوستانی فوج میں بغاوت اور انگریز آقاؤں کے خلاف عظیم ایشیائی قوموں کی عام ناراضگی کا اظہار بیک وقت ہوئے کیونکہ بنگالی فوج کی بغاوت بلاشبہ ایران اور چین کی جنگوں[29] سے قریبی تعلق رکھتی ہے۔

بنگالی فوج میں ناراضگی کا سبب، جو چار مہینے پہلے سے پھیلنے لگی تھی، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دیسی لوگوں کو خطرہ تھا کہ حکومت ان کے مذہبی عقائد میں خلل انداز ہونے والی ہے۔ مقامی ہنگاموں کیلئے ان کارتوسوں کو لازمی طور پر دانت سے کاٹنا پڑتا تھا جس کو دیسی لوگوں نے اپنے مذہبی عقائد پر حملہ خیال کیا۔ کلکتہ کے قریب ہی 22

جنوری کو چھاؤنیوں میں آگ لگادی گئی۔ 20 فروری کو 19 ویں دیسی رجمنٹ نے بیرام پور میں غدر شروع کردیا، جو کارتوس انھیں دیئے گئے تھے ان کے خلاف یہ جوانوں کا احتجاج تھا۔ 31 مارچ کو یہ رجمنٹ توڑ دی گئی۔ مارچ کے آخر میں 34 ویں سپاہی رجمنٹ نے جو بیرک پور میں مقیم تھی اپنے ایک آدمی کو اجازت دی کہ وہ پریڈ کے میدان میں قطار کے سامنے بھری ہوئی بندوق لے کر آگے بڑھے اور اپنے رفیقوں سے بغاوت کی اپیل کرنے کے بعد اپنی رجمنٹ کے ایڈیکنگ اور سارجنٹ میجر پر حملہ کرکے زخمی کردے۔ اس کے بعد جو دست بدست لڑائی شروع ہوئی اس میں سینکڑوں سپاہی مجہولیت سے دیکھتے رہے لیکن دوسروں نے جدوجہد میں حصہ لیا اور اپنی بندوقوں کے کندوں سے افسروں پر حملہ کیا۔ چنانچہ اس رجمنٹ کو بھی توڑ دیا گیا۔ اپریل کا مہینہ الٰہ آباد، آگرہ، انبالہ میں بنگالی فوج کی کئی چھاؤنیوں کو آگ لگانے، میرٹھ میں سوار فوج کی تیسری رجمنٹ کی بغاوت اور بمبئی اور مدراس کی فوجوں میں بے چینی کے ایسے ہی اظہارات کے لیے نمایاں ہے۔ مئی کے آغاز میں اودھ کے دارالحکومت لکھنؤ میں بغاوت کی تیاری ہو رہی تھی جس کا سرلارنس کی پھرتی کی وجہ سے تدارک کردیا گیا۔ 9 مئی کو میرٹھ کی تیسری سوار رجمنٹ کے غدر کرنے والوں کو جو مختلف میعاد کی سزائیں دی گئی تھیں انہیں کاٹنے کیلئے جیل بھیج دیا گیا۔ اگلے دن شام کو تیسری سوار رجمنٹ کے جوانوں نے دو دیسی رجمنٹوں، 11 ویں اور 20 ویں کے ساتھ مل کر پریڈ کے میدان میں اجتماع کیا، جن افسروں نے ان کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی انہیں مار ڈالا، چھاؤنیوں میں آگ لگادی اور جہاں بھی انگریز نظر آیا اسے قتل کردیا۔ اگرچہ بریگیڈ کا برطانوی حصہ پیدل فوج کی ایک رجمنٹ، سوار فوج کی ایک رجمنٹ اور بہت سے توپ خانے پر مشتمل تھا لیکن وہ رات کے اندھیرے تک نقل و حرکت نہیں کرسکے۔ انہوں نے باغیوں کو کم نقصان پہنچایا اور موقع دے دیا کہ وہ کھلے میدان میں چلے جائیں اور دہلی میں گھس پڑیں جو میرٹھ سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں دیسی محافظ فوج بھی ان کے ساتھ مل گئی جو پیدل فوج کی 38 ویں، 45 ویں اور 74 ویں رجمنٹوں اور دیسی توپ خانے کی ایک کمپنی پر مشتمل تھی۔

انگریز افسروں پر حملہ کیا گیا اور ان تمام انگریزوں کو قتل کردیا گیا جو باغیوں کے ہاتھ لگے۔ اور دہلی کے آخری مغل بادشاہ* کے وارث** کے ہندوستان کے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا گیا۔ جو فوج میرٹھ کو بچانے کے لیے بھیجی گئی تھی جہاں امن و امان پھر قائم ہوگیا تھا اس میں سے مقامی انجینئروں اور سرنگ بچھانے والوں کی 6 دیسی کمپنیوں نے جو 10 مئی کو پہنچی تھیں اپنے کمانڈر میجر فریزر کو قتل کردیا اور فوراً کھلے میدان کی طرف چلی گئیں۔ ان کا تعاقب سوار توپ خانے کے فوجیوں اور چھٹی رسالہ رجمنٹ کے کئی جوانوں نے کیا۔ پچاس یا ساٹھ باغی گولی کا نشانہ بنے لیکن باقی دہلی فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پنجاب کے فیروزپور میں دیسی پیدل فوج کی 57 ویں اور 45 ویں رجمنٹوں نے بغاوت کردی لیکن بزور قوت اسے دبا دیا گیا۔ لاہور سے نجی خط بتاتے ہیں کہ سارے دیسی فوجی کھلم کھلا بغاوت کی حالت میں ہیں۔ 19 مئی کو کلکتہ میں متعین دیسی سپاہیوں نے فورٹ ولیم[30] پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بوشہر سے جو تین رجمنٹیں بمبئی آئی تھیں انھیں فوراً کلکتہ روانہ کردیا گیا۔

ان واقعات کا جائزہ لیتے وقت میرٹھ میں برطانوی کمانڈر*** کے رویے پر حیرت ہوتی ہے--- جس ڈھیلے پن سے اس نے باغیوں کا پیچھا کیا اس سے بھی زیادہ ناقابل فہم میدان جنگ میں اس کا دیر سے اترنا ہے۔ چونکہ دہلی جمنا کے دائیں کنارے پر واقع ہے اور میرٹھ بائیں پر--- دہلی میں ایک پل دونوں کناروں کو ملاتا ہے۔ اسی لیے بھاگنے والوں کی پسپائی کو روکنا انتہائی آسان کام تھا۔

اتنے میں تمام علاقوں میں جہاں ناراضگی پھیل گئی تھی مارشل لا کا اعلان کردیا گیا۔ شمال، مشرق اور جنوب سے فوجیں دہلی کی طرف بڑھ رہی ہیں جو زیادہ تر دیسی لوگوں پر مشتمل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آس پاس کے رجواڑوں نے انگریزوں کا ساتھ دینے کا اعلان کیا ہے۔ لنکا کو خط بھیجے گئے کہ لارڈ ایلگن اور جنرل ایش برنم کے

* اکبر ثانی۔(ایڈیٹر)

** بہادر شاہ ثانی۔(ایڈیٹر)

*** جنرل ہیویٹ۔(ایڈیٹر)

دستوں کو ٹھہرا لیا جائے جو چین جا رہے ہیں اور آخر میں دو ہفتوں میں انگلستان سے 14 ہزار برطانوی سپاہی ہندوستان بھیجے جائیں گے۔ انگریز فوج کی نقل و حرکت کے لیے سال کے اس زمانے میں موسم اور ٹرانسپورٹ کی قطعی غیر موجودگی کی چاہے جتنی رکاوٹیں کیوں نہ ہوں، بہرحال اس کا بہت امکان ہے کہ دہلی میں باغی کسی طویل مزاحمت کے بغیر مغلوب ہو جائیں گے۔ اس صورت میں بھی یہ صرف اس انتہائی خوفناک المیے کی ابتدا ہوگی جو بعد کو پیش آئے گا۔

(کارل مارکس نے 30 جون 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5065 میں 15 جولائی 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستان میں بغاوت

(لندن: 17 جولائی 1857ء)

8 جون کو ٹھیک ایک ماہ گزرا ہے جب دہلی پر باغی سپاہیوں کا قبضہ ہوا جنھوں نے ایک مغل شہنشاہ* کا اعلان کیا۔ لیکن ایسا کوئی بھی خیال کہ ہندوستان کے اس قدیم دارالحکومت کو برطانوی فوج کے خلاف باغی اپنے ہاتھوں میں رکھ سکیں گے بعید از قیاس ہے۔ دہلی کے استحکامات صرف ایک دیوار اور معمولی سی خندق پر مشتمل ہیں لیکن اس کے اردگرد کی کافی اونچی بلندیوں پر انگریز قبضہ کر چکے ہیں جو دیوار کو مسمار کیے بغیر بھی شہر کو پانی کی فراہمی کو کاٹنے کے آسان عمل کے ذریعے بہت ہی مختصر مدت میں اسے اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں بغاوت کرنے والے سپاہیوں کا بے میل گروہ جنھوں نے اپنے افسروں کو قتل کیا ہے اور ڈسپلن کی

* بہادر شاہ ثانی۔ (ایڈیٹر)

پابندیاں توڑ ڈالی ہیں اور ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں جسے اعلیٰ کمان سپرد کریں یقینی ایک ایسی جماعت ہے جس سے سنجیدہ اور طویل مزاحمت منظم کرنے کی توقع کم سے کم کی جاتی ہے۔ الجھاوے کو اور زیادہ الجھانے کے لیے دہلی کی مدافعت کرنے والی منتشر صفوں میں بنگال پریزیڈنسی کے تمام حصوں سے باغیوں کے نئے دستوں کی تازہ روزانہ آمد سے اضافہ ہو رہا ہے جو گویا سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق اس بدنصیب شہر میں گھس رہے ہیں۔ مئی کی 30 اور 31 تاریخ کو باغیوں نے جن دو حملوں کا خطرہ دیواروں کے باہر مول لیا اور دونوں میں وہ بھاری نقصانات کے ساتھ پسپا کیے گئے ان میں خود اعتمادی یا طاقت کے احساس کے مقابلے میں مایوسی کی کارفرمائی زیادہ تھی۔ صرف جس چیز پر حیرت ہوتی ہے، وہ برطانوی فوج کی نقل و حرکت کی آہستگی ہے جس کی وجہ بہرحال ایک حد تک موسم کی ہولناکیاں اور ذرائع نقل و حمل کی کمی ہے۔ فرانسیسی مراسلات بیان کرتے ہیں کہ کمانڈر ان چیف جنرل اینسن کے علاوہ تقریباً 4000 یورپی فوجی مہلک گرمی کے شکار ہوچکے ہیں اور انگریز اخباروں تک نے تسلیم کیا ہے کہ دہلی کے سامنے جھڑپوں میں آدمیوں کو دشمن کی گولیوں کے مقابلے میں سورج سے زیادہ نقصان پہنچا۔ نقل و حمل کے ذرائع کی قلت کے نتیجے میں خاص بنیادی برطانوی فوج نے جو انبالہ میں مقیم تھی دہلی تک کوچ کرنے پر تقریباً ستائیس دن صرف کیے۔ اس طرح اس نے یومیہ ڈیڑھ گھنٹے کی شرح سے حرکت کی۔ انبالہ میں بھاری توپ خانے کی غیر موجودگی کی وجہ سے بھی مزید دیر ہوئی۔ چنانچہ قریب ترین اسلحہ خانے سے محاصرے کا سامان لانے کی ضرورت تھی جو ستلج کے دوسرے کنارے پھلور میں تھا۔

اس سب کے باوجود دہلی پر قبضے کی خبر کی توقع ہر روز کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے بعد؟ اگرچہ ہندوستانی سلطنت کے روایتی مرکز پر باغیوں کے ایک ماہ کے دوران کے مکمل قبضے نے بنگالی فوج کے انتشار اور کلکتہ سے شمال میں پنجاب تک اور مغرب میں راجپوتانہ تک غدر اور فوج سے فرار پھیلنے اور ہندوستان میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک برطانوی اختیار کو ہلا ڈالنے کا انتہائی طاقتور جوش پیدا

کیا۔ تاہم یہ فرض کرنے سے زیادہ بڑی غلطی کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ دہلی پر قبضہ جو سپاہیوں کی صفوں میں سراسیمگی پیدا کر سکے بغاوت کی آگ کو بجھانے، اس کی ترقی کو روکنے یا برطانوی حکمرانی کو بحال کرنے کے لیے کافی ہو گا۔ ساری دیسی بنگالی فوج میں سے جس میں 80000 آدمی تھے جو 28000 راجپوتوں، 23000 برہمنوں، 13000 مسلمانوں، 5000 نچلی ذات کے ہندوؤں اور باقی یورپیوں پر مشتمل تھی۔ 30000 آدمی غدر، فوج سے فرار یا خدمت سے برخاست کر دیئے جانے کی وجہ سے غائب ہوگئے ہیں۔ جہاں تک باقی فوج کا تعلق ہے، کئی رجمنٹوں نے کھلم کھلا اعلان کیا ہے کہ وہ وفادار رہیں گی اور برطانوی اقتدار کی حمایت کریں گی، سوائے اس معاملے میں جس میں دیسی فوجیں اس وقت مصروف ہیں: وہ دیسی رجمنٹوں کے باغیوں کے خلاف حکام کی امداد نہیں دیں گی اور اس کے برعکس اپنے "بھائیوں" کی مدد کریں گی۔ اس خبر کی تصدیق کلکتہ کے بعد تقریباً ہر اسٹیشن سے ہوگئی ہے۔ دیسی رجمنٹیں وقتی طور پر مجہول رہیں لیکن جیسے ہی انہوں نے اپنے آپ کو کافی مضبوط خیال کیا ویسے ہی انہوں نے بغاوت کر دی۔ جہاں تک رجمنٹوں کا تعلق ہے، جنہوں نے ابھی تک اعلان نہیں کیا اور دیسی باشندوں کا جنہوں نے ابھی تک باغیوں کا ساتھ نہیں دیا ہے تو ان کی "وفاداری" کے بارے میں لندن "ٹائمز"[31] کے ہندوستانی نامہ نگار نے کسی شبہے کی گنجائش نہیں رکھی۔

"اگر آپ یہ پڑھیں" وہ لکھتا ہے کہ "سب کچھ پرسکون ہے تو اس کا مطلب یہ سمجھئے کہ دیسی فوجوں نے ابھی تک کھلم کھلا غدر نہیں کیا ہے کہ باشندوں کے غیر مطمئن حصے نے ابھی تک کھلم کھلا بغاوت نہیں کی ہے۔ کہ وہ یا تو بہت کمزور ہیں یا اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں، یا وہ زیادہ موزوں وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب آپ بنگالی دیسی رجمنٹوں، سواروں کے رسالے یا پیدل فوج میں کسی کی "وفاداری کے اظہار" کے متعلق پڑھیں تو اس کے معنی یہ سمجھیں کہ متذکرہ رجمنٹوں کا نصف واقعی وفادار ہے اور دوسرا نصف سوانگ بھر کر کوئی رول ادا کر رہا ہے، تاکہ موزوں وقت

آتے ہی یورپیوں کو غافل کر دیں یا ان کا شبہ دور کر کے اپنے باغی ساتھیوں کی مدد کرنے کے لیے اپنے امکانات بڑھائیں"۔

پنجاب میں کھلی بغاوت صرف مقامی فوجوں کو توڑ کر روکی گئی۔ اودھ میں انگریزوں کے پاس صرف لکھنؤ ریزیڈنسی ہے اور ہر جگہ دیسی فوجوں نے بغاوت کر دی ہے اور اپنا گولہ بارود لے کر فرار ہو گئی ہیں۔ انگریزوں کے تمام بنگلے جلا کر مسمار کر دیئے ہیں اور جو باشندے ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ان سے وہ جاملی ہیں۔ اب انگریز فوج کی اصل حالت کا اندازہ اس حقیقت سے بہترین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب اور راجپوتانہ میں بھی یہ ضروری خیال کیا گیا کہ سبک رفتار رسالے قائم کیے جائیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اپنی بکھری ہوئی قوتوں کے درمیان رسل و رسائل کو قائم رکھنے کے لیے انگریز نہ تو اپنی مقامی فوجوں پر بھروسا کر سکتے ہیں نہ مقامی لوگوں پر۔ جزیرہ نمائے آئی بیریا کی جنگ[32] میں فرانسیسیوں کی طرح وہ صرف اسی خطہ زمین پر قابض ہیں جس پر خود ان کی فوجوں کا قبضہ ہے اور وہاں سے نظر آنے والے پاس کے خطے پر اپنی فوج کے بے ترتیب حصوں کے درمیان رسل و رسائل کے لیے وہ سبک رفتار رسالوں کا سہارا لیتے ہیں، جن کا کام بذات خود انتہائی ناقابل اعتبار ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ کارروائیاں قدرتی طور پر اپنی شدت اس لیے کھو دیتی ہیں کہ وہ وسیع تر علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ برطانوی قوتوں کی حقیقی کمی اس حقیقت سے بھی مزید ثابت ہوتی ہے کہ بغاوت سے متاثر شدہ اسٹیشنوں سے خزانے ہٹانے کے لیے وہ مجبور ہوئے کہ خود سپاہی انہیں لے جائیں جنہوں نے بلا استثنا کوچ کے وقت بغاوت کر دی اور جو خزانے انہیں سپرد کیے گئے تھے، انہیں لے کر فرار ہو گئے۔ چونکہ انگلستان سے بھیجی ہوئی فوجیں کم سے کم نومبر سے پہلے نہیں پہنچیں گی اور مدراس اور بمبئی پریزیڈنسیوں سے یورپی فوجیں ہٹانا اور بھی زیادہ خطرناک ہو گا۔ مدراس سپاہیوں کی 10 ویں رجمنٹ بے چینی کی علامتیں دکھا چکی ہیں۔ ساری بنگال پریزیڈنسی میں باضابطہ محصولات جمع کرنے کا خیال چھوڑ دینا چاہیے اور انتشار کے عمل کو جاری رہنے دینا چاہیے۔ اس کے باوجود کہ ہم یہ فرض کرلیں کہ اس

موقع سے برہا والے فائدہ نہیں اٹھائیں گے کہ گوالیار کا مہاراجہ انگریزوں کی حمایت کرتا رہے گا اور نیپال کا حکمران جس کی کمان میں بہترین ہندوستانی فوج ہے، خاموش رہے گا کہ بے چین پشاور مضطرب پہاڑی قبائل کے ساتھ متحد نہیں ہو گا اور کہ شاہ ایران ہرات کو خالی کرانے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود انگریزوں کو ساری بنگال پریزیڈنسی کو از سر نو فتح کرنا ہے اور ساری اینگلو انڈین فوج کی تشکیل نو کرنا ہے۔ اس زبردست مہم کے خرچے کا سارا بوجھ برطانوی عوام کے شانوں پر پڑے گا۔ جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے جسے لارڈ گرینول نے دارالامرا میں پیش کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ضروری ذرائع ہندوستانی قرضے جاری کر کے جمع کرے گی تو اس کی صحت کا اندازہ ان اثرات سے ہو سکتا ہے جو بمبئی کی زر کی منڈی پر شمال مغربی صوبوں کی پریشان کن صورتِ حال نے پیدا کیے۔ مقامی سرمایہ داروں میں فوراً دہشت پھیل گئی۔ بینکوں سے بھاری رقمیں نکال لی گئیں۔ سرکاری تمسکات تقریباً نہیں بکے اور نہ صرف بمبئی بلکہ اس کے قرب و جوار میں بھی بڑے پیمانے پر ذخیرہ اندوزی شروع ہو گئی۔

(کارل مارکس نے 17 جولائی 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5082 میں 4 اگست 1857ء کو شائع ہوا۔)

کارل مارکس

ہندوستانی سوال

(لندن: 28 جولائی 1857ء)

گزشتہ رات "نعش خانے" (33) میں مسٹر ڈزرائیلی نے تین گھنٹے تک جو تقریر کی اسے سننے کی بجائے پڑھنے سے نقصان کے مقابلے میں فائدہ ہوگا۔ کچھ عرصے سے مسٹر ڈزرائیلی تقریر میں بارعب سنجیدگی اختیار کر رہے ہیں، اظہار میں دیدہ ریزی سے آہستگی اور باضابطگی کا بے جذباتی طریقہ جو بہرحال ہونے والے وزیر کے وقار کے متعلق ان کے مخصوص خیالات کے عین مطابق ہو سکتا ہے لیکن ان کے جتلائے اذیت سامعین کے لیے واقعی تکلیف دہ ہے۔ ایک زمانے میں وہ فرسودہ باتوں تک کو چٹکلوں کا چبھتا ہوا روپ دینے میں کامیاب رہتے تھے، اب وہ شرافت کی روایتی بے لطفی میں چٹکلوں تک کو دفن کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جو مقرر مسٹر ڈزرائیلی کی طرح تلوار چلانے کی بہ نسبت خنجر سے کام لینے میں مہارت رکھتا ہو، اسے والٹیر

کی اس تنبیہہ کو بھولنا نہیں چاہیے کہ "ہر صنف اچھی ہے سوائے صنف بے کیف کے"۔*

ان تکنیکی خصوصیات کے علاوہ جو مسٹر ڈزرائیلی کی خطابت کے موجودہ طریقے کو ممتاز کرتی ہیں، انہوں نے پامرسٹن کے اقتدار میں آنے کے بعد اس کا خاص خیال رکھا ہے کہ اپنی پارلیمانی تقریروں کو حقیقی حالت کی ہر ممکن دلچسپی سے محروم رکھا جائے۔ ان کی تقریروں کا مقصد ان کی قراردادوں کو منظور کرانا نہیں ہوتا بلکہ ان کی قراردادیں سامعین کو تقریر سننے پر تیار کرنے کے لیے، مقصود ہوتی ہیں۔ انہیں نفس کش قراردادیں کہا جا سکتا ہے چونکہ انہیں اس طرح مرتب کیا جاتا ہے کہ اگر منظور ہو جائیں تو مخالف کو ضرر نہیں پہنچا سکتیں اور اگر نامنظور کر دی جائیں تو مجوز کا نقصان نہیں کر سکتیں۔ درحقیقت وہ منظور کرانے یا نامنظور کرانے کے لیے نہیں بلکہ محض ترک کر دینے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان کا تعلق نہ تو ترشے سے ہوتا ہے نہ الکلی سے بلکہ وہ پیدائشی بے جنس ہوتی ہیں۔ تقریر عمل کا وسیلہ نہیں بلکہ عمل کی حیلہ سازی ہوتی ہے جو کسی بھی تقریر کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ یہ پارلیمانی خطابت کی واقعی کلاسیکی اور مکمل شدہ شکل تو ہو سکتی ہے لیکن آخرکار پارلیمانی خطابت کی مکمل شدہ شکل کا، پارلیمانیت کی تمام مکمل شدہ شکلوں کی طرح وبال جان کے زمرے میں آنے والیوں کی ہم قسمت ہونے میں تکلف نہیں کرنا چاہیے۔ عمل، جیسا ارسطو کہتا ہے، ڈرامے کا فرمانروا قانون ہوتا ہے۔** سیاسی خطابت کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستانی بغاوت کے متعلق مسٹر ڈزرائیلی کی تقریر مفید علم کی مجلس تبلیغ کے رسالوں میں شائع کی جا سکتی ہے یا اسے مستریوں کے ادارے میں پیش کیا جا سکتا ہے یا برلن اکیڈمی میں مقابلے کے مضمون کی طرح داخل کیا جا سکتا ہے۔ ان کی تقریر میں مکان، زمان اور محل سے بے تعلقی ضرورت سے زیادہ ثابت کرتی ہے کہ وہ نہ تو مکان کے لیے موزوں تھی نہ زمان اور محل کے

* والٹیر، طربیہ "مسرف بیٹا" کا دیباچہ۔ (ایڈیٹر)

** ارسطو، "بوطیقا" باب 6۔ (ایڈیٹر)

لیے۔ سلطنت روما کے زوال کا ایک باب جو مونٹسکیو یا گبن [34] کی تصانیف میں
انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے روم کے سینیٹر کی زبان سے فاش غلطی ثابت ہوتی جس
کا مخصوص کام اسی زوال کو روکنا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ہماری جدید پارلیمنٹوں میں ایسے
آزاد خطیب کے لیے ایک پارٹ کا تصور کیا جا سکتا ہے جو وقار اور دلچسپی سے عاری
نہ ہو جس نے واقعات کی اصل روش کو متاثر کرنے سے مایوس ہو کر طنزیہ غیر
جانبداری کا موقف اختیار کرنے پر قناعت کر لی ہو۔ ایسا رول مرحوم گارنئے پاژے
نے ----- نہ کہ لوئی فلپ ایوان نمائندگان کی عارضی حکومت کے گارنئے پاژے
نے کم و بیش کامیابی سے ادا کیا تھا۔ لیکن دقیانوسی پارٹی [35] کے تسلیم شدہ لیڈر مسٹر
ڈزرائیلی اس راہ میں کامیابی تک کو زبردست ناکامی خیال کریں گے۔ ہندوستانی فوج
کی بغاوت نے خطیبانہ نمائش کے لیے واقعی ایک شاندار موقع پیش کیا۔ لیکن
موضوع سے بے کیف طریقے سے بحث کرنے کے علاوہ قرارداد کا مغز کیا تھا، جسے
انہوں نے اپنی تقریر کا بہانہ بنایا؟ وہ کوئی قرارداد نہیں تھی۔ انہوں نے دو سرکاری
دستاویزوں سے واقف ہونے کے لیے بے چینی دکھائی جن میں سے ایک کے متعلق
انہیں زیادہ یقین نہیں تھا کہ وجود رکھتی ہے اور دوسری جس کے بارے میں انہیں
یقین تھا کہ متعلقہ موضوع سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی۔ چنانچہ ان کی تقریر اور
قرارداد میں سیاق و سباق کے ہر نکتے کی کمی تھی۔ سوائے اس کے کہ قرارداد بغیر کسی
مقصد کے ایک تقریر کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور خود مقصد سے ظاہر ہوا کہ وہ تقریر
کے قابل نہیں ہے۔ اس کے باوجود انگلستان کے انتہائی ممتاز غیر عہدیدار مدبر کی بے
حد دیدہ ریزی سے پیش کردہ رائے کی حیثیت سے مسٹر ڈزرائیلی کی تقریر بیرونی ممالک
میں توجہ کا مرکز ضرور بننی چاہیے۔ میں خود ان کے الفاظ میں ان کے "اینگلو انڈین
سلطنت کے زوال کے متعلق ملحوظات" کے مختصر تجزیے تک اپنے آپ کو قانع
رکھوں گا۔

"کیا ہندوستان میں گڑبڑ فوجی غدر یا قومی بغاوت ظاہر کرتی ہے؟ کیا فوجوں
کا رویہ فوری من کی موج کا نتیجہ ہے یا منظم سازش کا ماحصول ہے؟"

مسٹر ڈزرائیلی ثابت کرتے ہیں کہ ان نکات پر سارا سوال مبنی ہے۔ ان کا
دعویٰ ہے کہ گزشتہ دس سال تک ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی بنیاد "پھوٹ
ڈالو اور حکومت کرو" پر قائم تھی۔ لیکن اس اصول کو مختلف قومیتوں کا احترام کرتے
ہوئے جن پر ہندوستان مشتمل ہے، ان کے مذہب میں مداخلت سے گریز کر کے اور
ان کی اراضیاتی جائیداد کا تحفظ کر کے عملی جامہ پہنایا گیا۔ ملک کی مضطرب روح کو
جذب کرنے کے لیے دیسی سپاہیوں کی فوج نے حفاظتی والو کا کام کیا۔ لیکن آخری
برسوں میں ہندوستان کی حکومت نے ایک نیا اصول اختیار کیا۔ قومیت کو تباہ کرنے کا
اصول۔ اس اصول پر عمل در آمد مقامی راجوں کو بزور تباہ کر کے، جائیداد کے
بندوبست میں خلل ڈال کر اور عوام کے مذہب میں مداخلت کر کے کیا جا رہا ہے۔
1848ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالی مشکلات اس نقطے تک پہنچ گئیں کہ کسی نہ کسی
طرح اس کی آمدنی بڑھانا ضروری ہو گیا۔ تب کونسل [36] نے ایک قرارداد شائع کی،
جس میں تقریباً چھپائے بغیر یہ اصول معین کیا گیا کہ واحد طریقہ جس کے ذریعے آمدنی
بڑھائی جا سکتی ہے، اسے مقامی راجوں کے بل پر برطانوی علاقوں کو بڑھا کر حاصل کرنا
ہے۔ چنانچہ ستارا کے راجہ * کی موت کے بعد ان کے لے پالک جانشین کو ایسٹ
انڈیا کمپنی نے تسلیم نہیں کیا بلکہ ریاست کو اپنی عمل داری میں شامل کر لیا۔ اس کے
بعد الحاق کے اس نظام پر ہر وقت عمل کیا گیا جب بھی کوئی مقامی راجہ اپنے حقیقی
جانشینوں کے بغیر فوت ہوا۔ لے پالک کا اصول ----- جو ہندوستانی سماج کا سنگ بنیاد
ہے ----- حکومت نے باقاعدہ منسوخ کر دیا۔ اس طرح 1848-54ء میں ایک
درجن سے زیادہ آزاد راجوں کی ریاستیں زبردست برطانوی سلطنت میں شامل کر لی
گئیں۔ 1854ء میں برار کی ریاست پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا جس کا رقبہ 80 ہزار مربع
میل اور آبادی 40 لاکھ سے 50 لاکھ تک تھی اور جس کے خزانے زبردست تھے۔
مسٹر ڈزرائیلی زبردستی قبضوں کی فہرست کو اودھ پر ختم کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے
ایسٹ انڈیا کمپنی کا تصادم نہ صرف ہندوؤں سے بلکہ مسلمانوں سے بھی ہوا۔ پھر

* آپا صاحب۔ (ایڈیٹر)

مسٹر ڈزرائیلی یہ دکھاتے ہیں کہ گزشتہ دس برسوں میں حکومت کے نئے نظام نے کس طرح جائیداد کے بندوبست کو الٹ پلٹ کیا۔

وہ کہتے ہیں: "لے پالک کے قانون کا اصول ہندوستان میں راجوں اور ریاستوں کا اختیار خاص نہیں ہے، اس کا اطلاق ہندوستان میں ہر اس شخص پر ہوتا ہے جس کی اراضیاتی جائیداد ہے اور جو ہندو مذہب کا پیرو ہے"۔

میں تقریر کا ایک ٹکڑا نقل کرتا ہوں:

"بڑا جاگیردار جس کے پاس اپنے حاکم کی عام ملازمت کے عوض میں زمین ہے اور انعام دار جس کے پاس زمین بلا کسی بھی لگان کے ہے، جو اگرچہ بالکل ٹھیک ٹھیک نہیں۔ عام معنوں میں ہمارے مالک مطلق سے ملتا جلتا ہے۔ یہ دونوں طبقات—— ہندوستان میں انتہائی کثیر التعداد طبقات—— ہمیشہ اپنے اصلی جانشینوں کی غیر موجودگی کی صورت میں اس اصول میں اپنی جائیدادوں کے جانشین حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کر لیتے ہیں۔ ستارا کے الحاق سے ان طبقات کو ناگواری ہوئی، انہیں اس چھوٹے لیکن آزاد راجوں کے علاقوں کے الحاق سے ناگواری ہوئی جن کا ذکر میں کر چکا ہوں اور جب بہار کی ریاست کا الحاق کیا گیا تو وہ انتہائی خائف ہو گئے۔ کونسا آدمی اب محفوظ ہے؟ کون سی جاگیر، کون سا مالک مطلق جس کے اپنے صلب سے بچہ نہ ہو سارے ہندوستان میں محفوظ ہے؟ (تالیاں) یہ بے بنیاد خوف نہیں تھا۔ وہ وسیع پیمانے پر پیدا ہوا اور اس کا سبب عمل تھا۔ ہندوستان میں پہلی بار جاگیروں اور انعاموں کو واپس لے لینا شروع ہوا۔ بے شک جب حق جانشینی کی جانچ کرنے کی کوشش کی گئی تو ناشائستہ لمحے بھی آئے لیکن کسی نے خواب تک نہیں دیکھا تھا کہ لے پالک کا قانون ختم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا کوئی حکام، کوئی حکومت اس حالت میں نہیں تھی کہ ان مالکان مطلق کی جاگیروں اور انعاموں کو واپس لے لے جنہوں نے حقیقی جانشین نہیں چھوڑے۔ یہ آمدنی کا ایک نیا ذریعہ تھا۔ جب ہندوؤں کے ان طبقات کے ذہن پر یہ باتیں اثر ڈال رہی تھیں تو حکومت نے جائیداد کے بندوبست میں گڑبڑ پیدا کرنے والا دوسرا قدم اٹھایا جس پر توجہ کرنے کی میں ایوان

سے اپیل کرتا ہوں۔ بلاشبہ 1853ء کی کمیٹی کے روبرو حاصل کی ہوئی شہادت پڑھنے کے بعد یہ ایوان کے علم میں ہے کہ ہندوستان میں زمین کے بڑے بڑے قطعات ہیں جو لگان سے مستثنیٰ ہیں۔ ہندوستان میں لگان کی چھوٹ اس ملک میں لگان کی چھوٹ کے مساوی نہیں ہیں کیونکہ اگر اجمالی طور پر اور عام فہم طریقے سے کہا جائے تو ہندوستان میں لگان ریاست کے سارے محصولات ہیں۔

"ان عطیات کی ابتدا کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہے لیکن بلاشبہ وہ بہت پرانے زمانے کے ہیں۔ وہ مختلف اقسام کے ہیں۔ نجی زمین معاف کے علاوہ جو بہت وسعت رکھتی ہے بے لگان زمین کے بڑے بڑے عطیات ہیں جو مساجد اور مندروں کے لیے وقف ہیں"۔

استثنا کے جعلی دعووں کی موجودگی کی آڑ لے کر برطانوی گورنر جنرل* نے ہندوستانی اراضیاتی املاک کے حق جانشینی کو جانچنے کی ذمے داری خود لے لی۔ 1848ء میں نئے نظام کے تحت:

"حق جانشینی کی جانچ کرنے کا منصوبہ بہ یک وقت طاقتور حکومت اور توانا عاملہ کے ثبوت اور ریاستی آمدنی کے انتہائی بار آور ذریعہ کے طور پر فوراً اپنا لیا گیا۔ لہٰذا بنگال پریذیڈنسی اور ملحقہ علاقے میں اراضیاتی املاک کے حق جانشینی کی جانچ کرنے کے لیے کمیشن جاری کیے گئے۔ انہیں بمبئی پریذیڈنسی میں جاری کیا گیا اور نئے قائم کردہ صوبوں میں پڑتال کا حکم دیا گیا تاکہ جب پڑتال مکمل ہو تو یہ کمیشن زیادہ کارکردگی سے کام کریں۔ اب کوئی شبہ نہیں ہے کہ گزشتہ نو برسوں میں ہندوستان میں اراضیاتی املاک کی مطلق جائیداد کی تحقیق کے متعلق ان کمیشنوں کا کام غیر معمولی رفتار سے ہو رہا ہے اور زبردست نتائج حاصل ہوئے ہیں"۔

مسٹر ڈزرائیلی نے حساب لگایا ہے کہ مالکوں سے املاک کا واپس لے لیا جانا بنگال پریذیڈنسی میں 500000 پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہے۔ بمبئی پریذیڈنسی میں

* ڈلہوزی۔ (ایڈیٹر)

370000 پونڈ، پنجاب میں 200000 پونڈ وغیرہ۔ مقامی باشندوں کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے اس ایک طریقے پر قانع نہ رہ کر برطانوی حکومت نے دیسی امراء کی پنشنیں بند کردیں جن کی ادائیگی ایک عہدنامے کے تحت لازمی تھی۔

"یہ" مسٹر ڈزرائیلی کہتے ہیں "نئے طریقے سے ضبطی ہے لیکن انتہائی وسیع، حیرت انگیز اور ہنگامہ پیدا کرنے والے پیمانے پر"۔

اس کے بعد مسٹر ڈزرائیلی مقامی لوگوں کے مذہب میں دخل دینے سے بحث کرتے ہیں جو ایسا نکتہ ہے جس سے ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے تمام مقدمات سے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ ہندوستانی گڑبڑ فوجی غدر نہیں بلکہ قومی بغاوت ہے جس میں سپاہی محض آلے کی طرح عمل کر رہے ہیں۔ وہ اپنی زوردار تقریر حکومت کو یہ مشورہ دینے پر ختم کرتے ہیں کہ جارحیت کا موجودہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے وہ اپنی توجہ ہندوستان کی اندرونی بہتری پر کرے۔

(کارل مارکس نے 28 جولائی 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5091 میں 14 اگست 1857ء کو شائع ہوا۔

کارل مارکس

ہندوستان سے موصول ہونے والے مراسلات[37]

(لندن: 31 جولائی 1857ء)

آخری ہندوستانی ڈاک جس نے دہلی سے 17 جون تک کی بمبئی سے یکم جولائی تک کی خبریں پہنچائی ہیں، انتہائی افسردہ پیش بینیوں کو پورا کرتی ہے۔ بورڈ آف کنٹرول[38] کے صدر مسٹر ورنن اسمتھ نے دارالعوام کو پہلی بار ہندوستانی بغاوت سے مطلع کیا تھا تو انہوں نے اعتماد سے بیان کیا تھا کہ اگلی ڈاک یہ خبر لائے گی کہ دہلی کو مسمار کر دیا گیا۔ ڈاک آ گئی لیکن دہلی کو ہنوز "تاریخ کے صفحات سے مٹایا" نہیں گیا۔ پھر یہ کہا گیا کہ توپ خانہ 9 جون سے پہلے نہیں لایا جا سکتا۔ لہٰذا مورد عتاب شہر پر حملے کو اس تاریخ تک ملتوی کر دینا چاہیے۔ 9 جون کسی اہم واقع کے نمایاں ہوئے

بغیر گزر گیا۔ 12 اور 15 جون کو بعض واقعات ہوئے لیکن ایک حد تک متضاد سمت میں۔ دہلی پر انگریزوں نے ہلا نہیں بولا بلکہ انگریزوں پر باغیوں نے حملہ کیا لیکن ان کے پے در پے دھاووں کو پسپا کر دیا گیا ہے۔ دہلی کی شکست اس طرح پھر ملتوی ہو گئی بلکہ جنرل برنارڈ کا یہ فیصلہ ہے کہ کمک کے لیے انتظار کریں کیونکہ ان کی فوج ——— تقریباً 3000 جوان ——— قدیم دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کے لیے ناکافی ہے جس کی مدافعت 30000 سپاہی کر رہے ہیں جن کے پاس تمام فوجی ساز و سامان ہے۔ باغیوں نے اجمیری فوجی مصنفین 30000 یا 40000 مقامی سپاہیوں کی فوج کو شکست دینے کے لیے 3000 جوانوں کی انگریز فوج کو بالکل کافی سمجھنے میں متفق تھے۔ اگر معاملہ ایسا نہیں ہے تو انگلستان ——— لندن "ٹائمز" کا فقرہ استعمال کر کے ——— ہندوستان کی "دوبارہ فتح" کرنے کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

ہندوستان میں برطانوی فوج آج کل 30000 جوانوں پر مشتمل ہے۔ اگلے نصف سال میں انگلستان سے جو جوان روانہ ہو سکتے ہیں۔ ان کی تعداد 20000 یا 25000 سے زیادہ نہیں ہو سکتی جن میں سے 6000 جوان ہندوستان میں یورپی صفوں کی خالی جگہوں پر کریں گے اور جن میں سے 18000 یا 19000 جوان۔ بحری سفر، موسم کے نقصان یا دوسرے حادثوں سے گھٹ کر تقریباً 14000 رہ جائیں گے جو جنگ کے میدان میں آ سکیں گے۔ برطانوی فوج کو غدر کرنے والوں سے بے حد غیر متناسب تعداد میں مقابلہ کرنے کا مسئلہ حل کرنا چاہیے یا ان کا مقابلہ کرنے ہی سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ دہلی کے اردگرد ان کی فوج کو مرکوز کرنے میں سستی کو سمجھنے سے ہم اب بھی قاصر ہیں۔ سال کے اس موسم میں اگر گرمی غیر مغلوب رکاوٹ ثابت ہوئی جو سر چارلس نیپئر کے دنوں میں نہیں تھی، تو چند ماہ بعد یورپی فوج کی آمد پر بارش رکاوٹ کا ایک اور تصفیہ کن عذر فراہم کرے گی۔ یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ موجودہ عذر در حقیقت جنوری کے مہینے میں شروع ہو گیا تھا اور اس طرح برطانوی حکومت کو اپنے ہتھیار اور فوج کو تیار رکھنے کی بروقت تنبیہہ مل گئی تھی۔

محصور کرنے والی انگریز فوج کے مقابلے میں دہلی پر دیسی سپاہیوں کے طویل

قبضے نے ظاہر ہے کہ فطری نتیجہ پیدا کیا ہے۔ غدر کلکتہ کی دہلیز تک پہنچا جا رہا تھا، پچاس بنگالی رجمنٹوں کا وجود ختم ہو گیا۔ بذات خود بنگالی فوج ماضی کا خیالی فسانہ بن گئی اور یورپی جو بڑی وسعت میں منتشر تھے اور جدا جدا جگہوں میں بند تھے یا تو باغیوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے یا انہوں نے جان ہار مدافعت کا رویہ اختیار کر لیا۔ خود کلکتہ میں سرکاری عمارتوں پر بے خبری میں قبضہ کرنے کی سازش کے بعد جو اچھی طرح منظم کی گئی تھی اور جو دیسی فوج وہاں مقیم تھی، اسے توڑ دینے کے بعد عیسائی باشندوں نے رضاکار محافظوں کی تشکیل کی۔ بنارس میں ایک دیسی رجمنٹ کو نہتا کرنے کی کوشش کا مقابلہ سکھوں کی ایک جماعت اور تیرھویں بے قاعدہ سوار رسالے نے کیا۔ یہ واقعہ بہت اہم ہے کیونکہ یہ دکھاتا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سکھ بھی برہمنوں کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں اور اس طرح برطانوی حکمرانی کے خلاف تمام مختلف قبیلوں کا عام اتحاد تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ انگریزوں کے اعتقادات کا یہ خاص جز رہا ہے کہ دیسی فوج ہی ہندوستان میں ان کی ساری قوت ہے۔ اب یکایک وہ پورے طور پر محسوس کرتے ہیں کہ یہی فوج ان کے لیے واحد خطرہ ہے۔ ہندوستان کے متعلق گزشتہ بحثوں میں بورڈ آف کنٹرول کے صدر مسٹر ویرنن اسمتھ نے اب بھی اعلان کیا کہ "اس امر پر بہت زیادہ اصرار نہیں کیا جا سکتا کہ مقامی راجوں اور بغاوت کے درمیان کسی قسم کا تعلق نہیں ہے" دو دن بعد انہیں ویرنن اسمتھ کو ایک مراسلہ شائع کرنا پڑا جس میں یہ منحوس پیرا شامل تھا:

> "14 جون کو سابق شاہ اودھ* کو جو پکڑے گئے کاغذات کے مطابق سازش میں ملوث تھے فورٹ ولیم میں رکھا گیا اور ان کے حامیوں کو نہتا کر دیا گیا"۔

عنقریب دوسرے حقائق فاش ہوں گے جو جان بل** کو بھی قائل کر دیں گے کہ جسے وہ فوجی عذر سمجھتا ہے وہ در حقیقت قومی بغاوت ہے۔

---

* واجد علی شاہ۔ (ایڈیٹر)

** انگریز قوم۔ (ایڈیٹر)

انگریز پریس اس یقین سے بڑی تسلی حاصل کرنے کا بہانہ بتاتا ہے کہ بغاوت بنگال پریزیڈنسی کی حدود سے باہر نہیں پھیلی ہے اور بمبئی اور مدراس کی فوجوں کی وفاداری پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ لیکن معاملے کا یہ خوشگوار تصور اس حقیقت سے انوکھے طور پر ٹکراتا ہے جو آخری ڈاک سے ظاہر ہوتی ہے کہ اورنگ آباد میں نظام کی سوار فوج میں بغاوت ہوگئی۔ اورنگ آباد اسی نام کے ضلع کا صدر مقام ہے جو بمبئی پریزیڈنسی سے تعلق رکھتا ہے تو سچ یہ ہے کہ پچھلی ڈاک بمبئی فوج میں بغاوت کے آغاز کی اطلاع دیتی ہے۔ اورنگ آباد کے غدر کے متعلق کہا گیا ہے کہ جنرل وڈبرن نے اسے فوراً کچل دیا۔ لیکن کیا میرٹھ کے غدر کے متعلق یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اسے فوراً کچل دیا گیا؟ کیا لکھنؤ کے غدر نے جسے سرلارنس نے کچل دیا تھا" دو ہفتے بعد اور زیادہ غیر مغلوب سر نہیں اٹھایا؟ کیا یہ یاد نہیں کرنا چاہیے کہ ہندوستانی فوج کے غدر کے پہلے اعلان ہی کے ساتھ بحال شدہ نظم و نسق کا اعلان کیا گیا تھا؟ اگرچہ بمبئی اور مدراس کی فوجوں کا زیادہ حصہ نیچی ذات کے لوگوں پر مشتمل ہے لیکن فوج کے اونچی ذات کے باغیوں کے ساتھ رابطے قائم کرنے کے لیے بالکل کافی ہے۔ پنجاب کے پرسکون ہونے کا اعلان کیا گیا ہے لیکن ہمیں مطلع کیا جاتا ہے کہ "فیروز پور میں 13 جون کو فوجی پھانسیاں دی گئیں" اور وائن کے دستوں ——— 5 ویں پنجاب پیدل فوج ——— کی تعریف کی جاتی ہے کہ "55 ویں دیسی پیدل فوج کا تعاقب کرنے میں اس نے قابل تعریف کارروائی کی" اسے تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ بہت ہی عجیب و غریب سکون ہے۔

(کارل مارکس نے 31 جولائی 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5091 میں 14 اگست 1857ء کو شائع ہوا۔)

کارل مارکس

ہندوستانی بغاوت کی صورتِ حال

(لندن: 4 اگست 1857ء)

لندن میں ضخیم رپورٹوں کی آمد پر جنہیں پچھلی ہندوستانی ڈاک نے بھیجا ہے، جن کا مختصر خاکہ برقی ٹیلی گراف پہلے ہی دے چکا ہے، دہلی پر قبضے کی افواہ تیزی سے پھیلنے لگی اور اتنی پختگی حاصل کر گئی کہ اسٹاک ایکسچینج کے لین دین پر اثر انداز ہونے لگی۔ یہ چھوٹے پیمانے پر سیواستوپول پر قبضے[39] کے جھانسے کا دوسرا ایڈیشن تھا۔ مدراس کے اخبارات کی تاریخوں اور مافیہ کا تھوڑا سا بھی مطالعہ جن سے گویا کہ پسندیدہ خبریں حاصل کی جاتی ہیں مغالطے کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مدراس کے اعلان نے دعوٰی کیا کہ وہ آگرے سے نجی خطوط مورخہ 17 جون پر مبنی ہے لیکن ایک سرکاری اعلان جو لاہور میں 17 جون کو جاری کیا گیا اطلاع دیتا ہے کہ 16 تاریخ کو سہ پہر کے وقت 4 بجے تک دہلی کے سامنے مکمل سکون تھا اور "دی بامبے ٹائمز"[40]

مورخہ یکم جولائی بیان کرتا ہے کہ "جنرل برنارڈ 17 تاریخ کی صبح کو فوجی دھاوے پسپا کرنے کے بعد کمک کا انتظار کر رہے ہیں"۔ بس مدراس اعلان کی تاریخ سے اتنا وابستہ ہے جہاں تک اس کے مافیہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ یہ جنرل برنارڈ کے خبرنامے 8 جون سے لیا گیا ہے جو دہلی کی بلندیوں پر بزور قبضے کے بارے میں ہے اور بعض نجی رپورٹوں سے جن کا تعلق 14 اور 12 جون کے محصورین کے دھاووں سے ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے غیر مطبوعہ نقشوں کی بنیاد پر کپتان لارنس نے آخر کار دہلی اور اس کی چھاؤنیوں کا فوجی نقشہ مرتب کر لیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دہلی کے استحکامات ہرگز اتنے کمزور نہیں جتنا پہلے دعویٰ کیا گیا تھا اور نہ ہرگز تعداد اتنے مضبوط جس کا اب حیلہ کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک قلعہ ہے جس پر دھاوا بول کر یا باقاعدہ محاصرے سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ شہرپناہ جو لمبائی میں سات میل سے زیادہ ہے، ٹھوس گچ سے بنائی گئی ہے لیکن زیادہ اونچی نہیں ہے۔ کھائی تنگ ہے اور زیادہ گہری نہیں ہے اور پشتہ بندیاں دیواروں کو گولے باری سے نہیں بچا سکیں۔ کئی برج تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موجود ہیں۔ شکل کے لحاظ سے وہ نیم گول ہیں اور بندوقوں کے لیے ان میں روزن بنے ہوئے ہیں۔ چکردار زینے دیواروں کی چوٹی سے نیچے کی طرف برجوں سے حجروں تک پہنچتے ہیں جو کھائی کی سطح تک ہیں۔ ان میں پیادہ فوج کے لیے بندوق چلانے کے روزن ہیں اور یہ بات کھائی کو پار کرنے والی جماعت کے لیے پریشان کن ہو سکتی ہے۔ برجوں میں جو دیواروں کی مدافعت کرتے ہیں بندوقچیوں کے لیے گولی چلانے کے تختے بھی ہیں لیکن گولے باری سے انہیں دبائے رکھا جا سکتا ہے۔ جب مسلح بغاوت پھٹ پڑی تو شہر کے اندر اسلحہ خانے میں 900000 کارتوس، دو مکمل محاصرے کے سامان، توپوں کی بڑی تعداد اور 10000 توڑے دار بندوقیں تھیں۔ بارود خانہ باشندوں کی خواہش کے مطابق کافی پہلے شہر سے دہلی کے باہر چھاؤنیوں میں منتقل کر دیا گیا تھا اور اس میں 10000 سے کم پیپے نہیں تھے۔ وہ بلندیاں جن پر جنرل برنارڈ نے 9 جون کو قبضہ کیا تھا، دہلی سے شمال

مغربی سمت میں واقع ہیں جہاں شہرپناہ سے باہر چھاؤنیاں بھی قائم کی گئی تھیں۔

معتبر نقشوں پر مبنی اس خاکے سے یہ سمجھا جائے گا کہ بغاوت کا گڑھ پہلی ہی یورش میں ہتھیار ڈال دیتا اگر برطانوی فوج دہلی میں 26 مئی کو ہوتی اور وہ وہاں ہو سکتی تھی اگر اسے کافی ذرائع نقل و حمل فراہم کیے جاتے۔ "دی بابے ٹائمز" نے ان رجمنٹوں کی فہرست جنہوں نے جون کے آخر تک بغاوت کی اور وہ تاریخیں شائع کیں جب انہوں نے بغاوت کی اور جسے لندن کے اخبارات میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کا تجزیہ قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ 26 مئی کو دہلی پر صرف 4000 سے 5000 جوانوں کا قبضہ تھا۔ اور یہ قوت ایک لمحے کے لیے بھی ایک ایسی شہرپناہ کی مدافعت کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی تھی جو سات میل لمبی ہے۔ میرٹھ کا دہلی سے فاصلہ صرف چالیس میل ہے اور 1853ء کے آغاز سے اسے ہمیشہ بنگال توپ خانے کے ہیڈ کوارٹر کی طرح استعمال کیا گیا ہے جہاں فوجی سائنسی مقاصد کے لیے خاص تجربے گاہ ہے اور جس نے جنگ اور محاصرے کے سامان کے استعمال کی مشقوں کے لیے میدان فراہم کیا ہے۔ یہ اور زیادہ ناقابل فہم ہو جاتا ہے کہ برطانوی کمانڈر کے پاس ان ذرائع کی کمی تھی جو ان یورشوں میں سے ایک کی تکمیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں جن کے وسیلے سے برطانوی فوج ہمیشہ مقامی باشندوں پر اپنی بالادستی حاصل کر سکتی ہے۔ پہلے ہمیں مطلع کیا گیا کہ محاصرے کے سامان کا انتظار کیا گیا، پھر کمک کی ضرورت ہوئی اور اب "دی پریس" [41] جو لندن کے بہترین باخبر اخبارات میں سے ایک ہے، ہم سے کہتا ہے:

"یہ حقیقت ہماری حکومت کے علم میں ہے کہ جنرل برنارڈ کے پاس رسد اور گولہ بارود کی کمی ہے اور آخرالذکر کی دستیابی فی کس 34 راونڈ تک محدود ہے"۔

جنرل برنارڈ کے دہلی کی بلندیوں پر قبضے کے متعلق خود اس کے خبرنامے سے جس پر 8 جون کی تاریخ ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اصل میں اس نے اگلے دن دہلی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس منصوبے پر چلنے کی بجائے وہ کسی ایک یا دوسرے اتفاق

حادثے کی وجہ سے محصورین کے خلاف مدافعت تک محدود رہا۔

اس لمحے کسی بھی فریق کی قوتوں کا تخمینہ لگانا انتہائی مشکل ہے۔ ہندوستانی پریس کے بیانات بالکل خود تردیدی ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بوناپارٹسٹ "لے پے"[42] کی خبر پر اعتبار کیا جا سکتا ہے جو اسے کلکتہ میں فرانسیسی قونصل خانے سے ملی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق جنرل برنارڈ کی فوج 14 جون کو تقریباً 5700 جوانوں پر مشتمل تھی جو اسی ماہ کی 20 تاریخ کو کمک کے ذریعے دگنی(؟) ہونے والی تھی۔ اس کے پاس محاصرے کی 30 بھاری توپیں تھیں۔ ساتھ ہی باغیوں کی قوت کی تعداد 10000 جوان تھی جو بری طرح منظم تھے لیکن حملے اور دفاع کے سارے ذرائع سے اچھی طرح لیس تھے۔

ہم بر سبیل تذکرہ کہتے ہیں کہ 3000 باغی جو اجمیری دروازے کے باہر غالباً غازی خاں کے مزار میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں، انگریز فوج کے مقابل محاذ آرائی نہیں کر رہے ہیں جیسا کہ لندن کے بعض اخبار خیال کرتے ہیں بلکہ اس کے برعکس ان کے اور انگریز فوج کے درمیان دہلی کی پوری چوڑائی حائل ہے۔ اجمیری دروازہ قدیم دہلی کے کھنڈرات کے شمال میں جدید دہلی کے جنوب مغربی حصے کی ایک سرحد پر واقع ہے۔ شہر کے اس طرف باغیوں کو اس طرح کی زیادہ چھاؤنیاں قائم کرنے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔ شہر کے شمال مشرقی یا دریائی سمت میں پل پر ان کی بالادستی ہے اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ان کا مسلسل رابطہ ہے اور وہ جوانوں اور رسد کی مسلسل فراہمی حاصل کر سکتے ہیں۔ دہلی ایک فوجی قلعے کی تصویر پیش کرتا ہے جو چھوٹے پیمانے کے سیواستوپول کی طرح اپنے اندرون ملک کے ساتھ آمد و رفت کی اپنی راہیں کھولے ہوئے ہے۔

برطانوی فوجی کارروائیوں کے التوا نے نہ صرف محصورین کو موقع دیا کہ دفاع کے لیے بڑی قوتیں مرکوز کر سکیں بلکہ کئی ہفتوں تک دہلی پر قابض رہنے کا جذبہ بھی پیدا کیا۔ ان کے پے در پے حملوں نے یورپی فوج کو پریشان کر دیا اور اب ساری فوج میں تازہ بغاوتوں کی روزانہ آنے والی خبروں نے بلاشبہ دیسی سپاہیوں کا اعتماد نفس بڑھا

دیا ہے۔ انگریز جن کی فوج چھوٹی ہے بلاشبہ شہر کا محاصرہ نہیں کر سکتے۔ انھیں اس پر ایک دم دھاوا کر کے قبضہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اگلی باضابطہ ڈاک سے دہلی پر قبضے کی خبر نہیں ملی تو ہم تقریباً یقین کر سکتے ہیں کہ چند ماہ تک اہم برطانوی فوجی کارروائیاں ملتوی رہیں گی۔ بارش کا موسم زوروں پر ہو گا اور کھائی کو "جمنا کے گہرے اور تیز بہاؤ" سے بھر کر شہر کے شمال مشرقی رخ کی حفاظت کرے گا اور درجہ حرارت 75 سے لے کر 102 تک کے ساتھ ساتھ بارش کی نو انچ اوسط مقدار یورپیوں کو واقعی ایشیائی ہیضے میں مبتلا کر دے گی۔ تب لارڈ ایلن برو کے الفاظ کی تصدیق ہو گی:

"میری رائے ہے کہ سر برنارڈ وہاں نہیں رہ سکتے جہاں وہ ہیں—— موسم اس میں مانع ہے۔ جب زبردست بارش کا موسم شروع ہو گا تو وہ میرٹھ سے، انبالہ سے اور پنجاب سے کٹ جائیں گے۔ وہ زمین کی بہت تنگ پٹی میں مقید ہو جائیں گے اور وہ ایسی صورتِ حال میں ہوں گے، جسے میں خطرہ نہیں بلکہ ایسی صورتِ حال کہوں گا جس کا خاتمہ صرف تباہی اور بربادی میں ہو سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بروقت ہٹ جائیں گے"۔

تو ہر چیز کا انحصار جہاں تک دہلی کا تعلق ہے اس سوال پر ہے کہ جنرل برنارڈ کو کافی جوان اور گولہ بارود فراہم ہوں تاکہ وہ جون کے آخری ہفتوں میں دہلی پر چڑھائی کر سکیں۔ دوسری طرف ان کی پسپائی سے بغاوت کی اخلاقی قوت بے حد مضبوط ہو گی اور غالباً بمبئی اور مدراس کی فوجوں کو بغاوت میں اعلانیہ طور پر شامل ہونے کا فیصلہ کرنے کی ترغیب دے گی۔

(کارل مارکس نے 4 اگست 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5094 میں 18 اگست 1857ء کو شائع ہوا۔)

کارل مارکس

ہندوستانی بغاوت

(لندن: 14 جولائی 1857ء)

جب ہندوستانی خبر 30 جولائی کو تریست ٹیلی گراف نے پہنچائی اور ہندوستانی ڈاک جو یکم اگست کو آئی تو انہوں نے ہمیں اپنے مافیہ اور تاریخوں سے فوراً دکھا دیا کہ دہلی پر قبضہ بدبخت جھانسا ہے اور ہمیشہ یاد رہنے والی سیواستوپول کی شکست کی گھٹیا نقل ہے۔ اس کے باوجود جان بل کی سادہ لوحی اتنی اتھاہ گہری ہے کہ اس کے وزیروں نے، اس کے اسٹاک والوں نے اور اس کے پریس نے درحقیقت جھانسا دے کر یہ باور کرا دیا کہ اس خبر میں جو جنرل برنارڈ کی محض دفاعی حیثیت ظاہر کرتی ہے، اس کے دشمنوں کے مکمل قلع قمع کا ثبوت موجود ہے۔ یہ فریب خیال روز بروز مضبوط ہو آ گیا یہاں تک کہ اس نے آخرکار اتنی ثابت قدمی حاصل کر لی کہ اس قسم کے معاملات کے آزمودہ کار جنرل سر ڈی لیسی ایونس کو 12 اگست کی رات دارالعوام

میں ہمت افزائی کی گونج میں یہ اعلان کرنے پر مائل کر دیا کہ دہلی پر قبضے کی افواہ کی سچائی پر انہیں یقین ہے لیکن ان کی مضحکہ خیز نمائش کے بعد بلبلہ پھوٹنے کے لیے تیار تھا اور اگلے دن 13 اگست کو تریست اور مارسیلیز سے تار برقی کے ذریعے یکے بعد دیگرے مراسلات آئے جن میں ہندوستانی ڈاک کی پیش بینی کی گئی اور اس حقیقت پر شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ 27 جون کو دہلی اسی جگہ قائم تھا جہاں وہ پہلے تھا اور جنرل برنارڈ جو ہنوز دفاع تک محدود ہیں، محصورین کے بار بار غضبناک حملوں سے پریشان ہیں اور اس پر بہت خوش ہیں کہ اس وقت وہ میدان کو قابو میں رکھے ہوئے ہے۔

ہماری رائے میں اگلی ڈاک غالباً انگریز فوج کی پسپائی کی خبر دے گی یا کم از کم ان حقائق کی جو ایسی پسپائی کا پیش خیمہ ہوں گے۔ یہ یقینی ہے کہ دہلی کی شہر پناہ کا پھیلاؤ یہ تسلیم کرنے سے روکتا ہے کہ ان کی پوری مدافعت کے لیے موثر طور پر سپاہیوں کا تعینات کیا جا سکتا ہے اور اس کے برعکس ناگہاں حملے کو دعوت دیتا ہے جو ارتکاز اور بے خبری سے عمل میں لایا جائے لیکن جنرل برنارڈ کے دل و دماغ میں قلعہ بند شہروں، محاصروں اور گولے باریوں کے یورپی خیالات بسے ہوئے ہیں نہ کہ وہ جری نرالے پن جن کے ذریعے سر چارلس نیپئر ایشیائی ذہنوں کو بھونچکا بنانا جانتا تھا۔ اس کی فوج کی تعداد 13000 جوانوں تک پہنچ گئی ہے، 7000 یورپی اور 5000 "وفادار مقامی"۔ لیکن دوسری طرف اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ باغیوں کو روزانہ کمک مل رہی ہے۔ اس لیے ہم صحیح طور پر تخمینہ لگا سکتے ہیں کہ محاصرہ کرنے والوں اور محصورین کا عددی عدم تناسب وہی ہے۔ علاوہ ازیں ناگہاں حملے کا واحد نقطہ جس کی یقینی کامیابی کی جنرل برنارڈ کو ضمانت مل سکتی ہے لال قلعہ ہے جس کی بلند پوزیشن ہے لیکن دریا کی طرف سے اس تک پہنچ بارش کے موسم کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہے جو شروع ہونے والا ہے اور لال قلعہ پر کشمیری دروازے اور دریا کے درمیان سے دھاوا حملہ آوروں کو ناکامی کی صورت میں زبردست خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ آخر میں بارش شروع ہونے پر جنرل برنارڈ کی کارروائیوں کا خاص

مقصد نقل و حمل کے سلسلے اور پسپائی کے راستوں کو یقینی بنانا ہوگا۔ مختصر یہ کہ ہمیں اس پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ہنوز ناکافی فوج سے سال کے انتہائی نامناسب موسم میں خطرہ لینے کی جرات کرے گا۔ جسے اس نے مناسب موسم کے وقت لینے سے گریز کیا۔ اگرچہ حقیقت پر پردہ ڈال کر لندن کا پریس اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے جتن کر رہا ہے لیکن بلند ترین حلقوں میں سنجیدہ شکوک پائے جاتے ہیں اور اسی لارڈ پامرسٹن کے ترجمان "دی مارننگ پوسٹ"[43] سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس اخبار کے ضمیر فروش حضرات گرامی ہمیں مطلع کرتے ہیں:

> "ہمیں شبہ ہے کہ اگلی ڈاک تک سے ہم دہلی پر قبضے کی بابت سنیں گے لیکن ہم یہ توقع ضرور کرتے ہیں کہ جوں ہی محاصرہ کرنے والوں میں شریک ہونے والے دستے جو اس وقت کوچ کر رہے ہیں کافی تعداد میں بڑی توپوں کے ساتھ جن کی ابھی تک کمی ہے، پہنچ جائیں گے تو ہمیں باغیوں کے گڑھ کی شکست کی اطلاع ملے گی"۔

یہ ظاہر ہے کہ کمزوری، تذبذب اور براہ راست فاش غلطیوں سے برطانوی جنرلوں نے دہلی کو ہندوستانی بغاوت کے سیاسی اور فوجی مرکز کی عظمت کا درجہ دے دیا ہے۔ طویل محاصرے کے بعد انگریز فوج کی پسپائی یا مدافعانہ رویہ یقینی شکست خیال کیا جائے گا اور عام بغاوت کا سگنل دے گا۔ علاوہ ازیں وہ برطانوی فوج کو خوفناک اتلاف جان کے خطرے میں ڈال دے گا جس سے وہ ابھی تک اس جوش کی وجہ سے بچی ہوئی ہے جو محاصرے کا حصہ ہوتا ہے جس میں کئی دھاوے، مقابلے اور اپنے دشمنوں سے جلد خونی بدلہ لینے کی امید ہوتی ہے۔ جہاں تک ہندوستانیوں کی بے حسی کی بات کا تعلق ہے یا برطانوی حکمرانی کے ساتھ ان کی ہمدردی تک کا تو یہ سب بکواس ہے۔ رجواڑے سچے ایشیائیوں کی طرح موقع کے منتظر ہیں۔ ساری بنگال پریزیڈنسی میں لوگ جن پر مٹھی بھر یورپیوں کی نگرانی نہیں ہے، خوش نصیب نراج سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ لیکن وہاں کوئی نہیں ہے جس کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ عجیب و غریب مغالطہ ہے کہ ہندوستانی بغاوت سے یورپی انقلاب کی

خصوصیات اختیار کرنے کی توقع کی جائے۔

مدراس اور بمبئی پریزیڈنسیوں میں جہاں فوج نے ابھی تک پیش قدمی نہیں کی ہے ظاہر ہے لوگ ہنگامے نہیں کر رہے ہیں۔ آخر کار پنجاب اس لمحے تک یورپی فوج کا خاص مرکزی اسٹیشن ہے اور دیسی فوج کو نہتا کر لیا گیا ہے۔ اسے بیدار کرنے کے لیے پڑوسی نیم آزاد راجواڑوں کو اپنا سارا اثر ڈالنا چاہیے لیکن یہ بات کہ ایسی شاخ در شاخ سازش جس کا اظہار بنگالی فوج نے کیا مقامی آبادی کی خفیہ چشم پوشی اور حمایت کے بغیر اتنے زبردست پیمانے پر نہیں کی جا سکتی۔ اتنی ہی یقینی ہے جتنی یہ بات کہ انگریز رسد اور نقل و حمل حاصل کرنے میں زبردست مشکلات سے دوچار ہیں (ان کے دستوں کے سست ارتکاز کی خاص وجہ) جو کسانوں کے اچھے جذبات کو ثابت نہیں کرتی ہیں۔

تار برقی کے مراسلات سے جو دوسری خبریں موصول ہوئی ہیں وہ اہم ہیں۔ اس لیے کہ وہ ہمیں دکھاتی ہیں کہ بغاوت پنجاب کی دوردراز سرحد یعنی پشاور میں بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف دہلی سے جھانسی، ساگر، اندور، مئو فوجی اسٹیشنوں تک جنوب کی جانب بڑھ رہی ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں اورنگ آباد پہنچ رہی ہے جو بمبئی کے شمال مشرق میں صرف 180 میل دور ہے۔ بندیل کھنڈ میں جھانسی کے تعلق سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ قلع بند ہے اور مسلح بغاوت کا ایک اور مرکز بن سکتا ہے۔ دوسری طرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنرل وان کورٹلانڈٹ نے سرسہ میں باغیوں کو شکست دے دی ہے جو شمال مغرب سے دہلی کے سامنے جنرل برنارڈ سے ملنے کے لیے آ رہے تھے جس سے وہ ہنوز 170 میل کے فاصلے پر ہیں۔ انہیں جھانسی سے گزرنا پڑے گا جہاں پھر باغیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ جہاں تک انگریز حکومت کی تیاریوں کا تعلق ہے، لارڈ پامرسٹن غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ انتہائی چکردار راستہ مختصر ترین راستہ ہوتا ہے۔ اس لیے مصر سے گزرنے کی بجائے راس امید سے گزار کر اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں۔ اس حقیقت نے کہ چند ہزار جوان جو چین کے لیے مقصود تھے، لنکا میں روک لیے گئے ہیں اور انہیں کلکتہ بھیجا جا رہا ہے جہاں 5 ویں برطانوی رجمنٹ 2

جولائی کو واقعی پہنچ چکی ہے۔ انہیں یہ موقع فراہم کیا ہے کہ دارالعوام کے اپنے وفادار ارکان کے ساتھ ٹھٹول کریں جنہیں اب بھی شبہ کرنے کی جرات ہے کہ ان کی چینی جنگ واقعی "نعمت غیر مترقبہ" تھی۔

(کارل مارکس نے 14 اگست 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5104 میں 29 اگست 1857ء کو شائع ہوا۔)

کارل مارکس

یورپ میں سیاسی صورتِ حال

دارالعوام کے التوا سے قبل آخری سے پہلے والے اجلاس سے لارڈ پامرسٹن نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اسے ان تفریحات کی ہلکی جھلکیاں دکھائیں جنہیں وہ تمام شدہ اجلاس اور آئندہ اجلاس کے درمیانی وقفے میں انگریز پبلک کو پیش کرنے والے ہیں۔ ان کے پروگرام کی پہلی مد جنگ ایران کا احیا ہے جو جیسا کہ انہوں نے چند ماہ پہلے بیان کیا تھا یقینی صلح کے بعد ختم ہو گئی تھی جو 4 مارچ کو کی گئی تھی۔ جب جنرل سر دی لیسی ایونس نے یہ امید ظاہر کی کہ کرنل جیکب کو اپنی فوج کے ساتھ ہندوستان لوٹنے کا حکم دیا گیا ہے جو اس وقت خلیج فارس میں مقیم ہے تو لارڈ پامرسٹن نے صاف طور پر بیان کیا کہ جب تک ایران ان وعدوں کو پورا نہیں کرتا جو معاہدے میں کیے گئے ہیں کرنل جیکب کی فوج نہیں ہٹائی جا سکتی۔ اس کے باوجود ہرات کا انخلا ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس پھیلی ہوئی افواہیں تصدیق کرتی ہیں کہ ایران نے ہرات کو مزید فوج بھیجی ہے۔ پیرس میں ایرانی سفیر نے اس سے واقعی انکار کیا لیکن ایران کے نیک ارادوں پر کافی شک جائز طور پر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ کرنل جیکب کے

تحت برطانوی فوج بوشہر پر اپنا قبضہ جاری رکھے گی۔ لارڈ پامرسٹن کے بیان کے اگلے دن تار برقی کے ذریعے معلوم ہوا کہ مسٹر مری نے ایرانی حکومت سے پرُزور مطالبہ کیا کہ ہرات کا انخلا کیا جائے۔ ایک ایسا مطالبہ جو نئی جنگ کے اعلان کا پیشرو خیال کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہندوستانی بغاوت کا پہلا بین الاقوامی اثر ہے۔

لارڈ پامرسٹن کے پروگرام کی دوسری مد اس کی تفصیلات کی کمی کو وسیع امکانات سے پورا کرتی ہے جو وہ پیش کرتی ہے۔ جب انہوں نے پہلی بار انگلستان سے بڑی فوجی قوتوں کو ہٹا کر ہندوستان روانہ کرنے کا اعلان کیا تو اپنے مخالفین کو جنہوں نے ان پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کو اس کی دفاعی طاقت سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح بیرونی ملکوں کو اس کمزور حیثیت سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرتے ہیں جواب دیا کہ:

"برطانیہ عظمیٰ کے عوام ایسی کارروائی کبھی برداشت نہیں کریں گے اور جوانوں کی تعداد فوراً اور تیزی سے بڑھائی جائے گی۔ کسی بھی ناگہانی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے جو پیدا ہو"۔

اب پارلیمنٹ کے التوا سے عین پہلے وہ بالکل مختلف لہجے میں بول رہے ہیں۔ جنرل دی لیسی ایونس کے دخانی جنگی جہازوں پر ہندوستان فوجیں بھیجنے کے مشورے پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا جیسا کہ پہلے دخانی کے مقابلے میں بادبانی جہازوں کی برتری کا دعویٰ کیا تھا، لیکن اس کے برعکس تسلیم کیا کہ جنرل کا منصوبہ بظاہر انتہائی مفید معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود دارالعوام کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ:

"ملک میں کافی فوجی اور بحری قوتیں رکھنے کی ضرورت کے سلسلے میں دوسرے ملحوظات بھی ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا چاہیے...... بعض حالات نے مطلق ضرورت سے زیادہ ملک سے باہر بحری فوج بھیجنے کو خلاف مصلحت بتایا۔ دخانی جنگی جہاز حسب معمول پڑے ہوئے ہیں اور اس وقت ان کا زیادہ استعمال نہیں ہے لیکن اگر ایسے واقعات رونما ہوئے جن کا اشارہ کیا گیا ہے اور وہ بحری فوجوں کو سمندر بھیجنے کے متقاضی ہوئے اور

جنگی جہازوں کو ہندوستان میں نقل و حمل کا فرض انجام دینے کی اجازت دی گئی تو وہ اس خطرے کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں جس سے وہ دوچار ہوں؟ اس سمندری بیڑے کو ہندوستان بھیجنا شدید غلطی ہوگی جس کے لیے یورپ میں ہونے والے حالات یہ ضروری بنا سکتے ہیں کہ وہ مختصر نوٹس پر خود اپنی مدافعت کے لیے مسلح ہو جائے"۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لارڈ پامرسٹن نے جان بل کو بے حد نازک گومگو میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر وہ ہندوستانی بغاوت کو فیصلہ کن طور پر کچلنے کے لیے موزوں ذرائع استعمال کرتا ہے تو ملک میں اس پر حملہ کیا جائے گا اور اگر وہ ہندوستانی بغاوت کو مستحکم ہونے کی اجازت دیتا ہے تو اس کے سامنے جیسا کہ مسٹر ڈزرائیلی نے کہا "ہندوستان کے راجوں کے علاوہ اسٹیج پر دوسرے کردار ہوں گے جن سے مقابلہ کرنا ہوگا"۔

"یورپی حالات" پر نظر ڈالنے سے پہلے جن کا پراسرار طریقے سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ نامناسب نہ ہوگا کہ ہندوستان میں برطانوی فوج کی حقیقی صورتِ حال کے متعلق دارالعوام کی اسی نشست میں جو اعترافات کیے گئے انہیں پیش کیا جائے، تو پہلے دہلی پر فوراً قبضہ کرنے کی پرُجوش امیدوں کو خیرباد کہا گیا گویا کہ باہمی سمجھوتے سے سابق دنوں کی بلند توقعات اس معقول خیال کی سطح تک اتر آئیں کہ اگر انگریز نومبر تک ملک سے بھیجی ہوئی کمک پہنچ جانے تک اپنی جگہوں پر قائم رہیں تو وہ اپنے آپ کو مبارک باد دیں۔ دوسرے، ان کی اہم ترین چوکیوں میں سے ایک یعنی کانپور کے ہاتھ سے نکل جانے کے امکان کے متعلق خدشہ ظاہر کیا گیا جس کی قسمت پر، جیسا کہ مسٹر ڈزرائیلی نے کہا ہر چیز کا انحصار ہے اور جس کی مدد کو وہ دہلی پر قبضے سے بھی زیادہ اہم خیال کرتے ہیں۔ گنگا پر اپنی وسطی حیثیت کی وجہ سے اودھ، روہیل کھنڈ، گوالیار اور بندیل کھنڈ پر اس کا اثر درحقیقت موجودہ حالات سے دہلی کے لیے اسے بنیادی اہمیت کا مقام بنا دیتا ہے۔ آخر میں، دارالعوام کے فوجی ممبروں میں سے ایک سر اسمتھ نے اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرائی کہ درحقیقت انگریزوں کی ہندوستانی فوج میں کوئی انجینئر اور سرنگ اڑانے والے نہیں ہیں کیونکہ وہ سب فوجی

نوکری چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور اغلب ہے کہ "دہلی کو دوسرا سارا گوبسا بنائیں"۔[44] دوسری طرف لارڈ پامرسٹن نے انگلستان سے انجینئری کے دستوں سے افسر یا جوان بھیجنے میں بے توجہی کی۔

اب یورپی واقعات کی جانب لوٹتے ہوئے جو "مستقبل میں نظر آتے ہیں" ہمیں لندن "ٹائمز" کے تبصرے پر فوراً حیرت ہوتی ہے جو اس نے لارڈ پامرسٹن کے کنایوں پر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج کا فرانسیسی نظامِ حکومت ختم کیا جا سکتا ہے یا عرصہ ہستی سے نپولین غائب ہو سکتا ہے اور تب فرانس سے اتحاد کا خاتمہ ہو جائے گا جس پر موجودہ سلامتی مبنی ہے۔ بہ الفاظ دیگر برطانوی کابینہ کا عظیم ترجمان "ٹائمز" فرانس میں انقلاب کو ایسا واقعہ سمجھتا ہے جو کسی بھی دن واقع ہو سکتا ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ یہ اعلان بھی کر دیتا ہے کہ موجودہ اتحاد فرانسیسی عوام کی ہمدردیوں کی بنیاد پر قائم نہیں ہے بلکہ فرانسیسی غاصب کے ساتھ صرف سازش پر مبنی ہے۔ فرانس میں انقلاب کے علاوہ ڈینیوب کا جھگڑا ہے[45] مولداویا کے انتخابات منسوخ کرنے سے اس کا زور کم نہیں ہوا بلکہ ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسکینڈے نیویا کا شمال ہے جو مستقبل قریب میں عظیم ہنگاموں کی نمائش گاہ بن جائے گا اور شاید یورپ میں بین الاقوامی تصادم کا سگنل دے گا۔ شمال میں ہنوز امن برقرار ہے کیونکہ دو واقعات کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ سویڈن کے بادشاہ* کی موت اور ڈنمارک کے موجود بادشاہ کی تخت سے دستبرداری۔ کرسٹیانیا میں فطرت پسندوں کے ایک جلسے میں سویڈن کے وارث شہزادے** نے اسکینڈے نیویائی یونین کے حق میں زور دے کر اعلان کیا۔ وہ نوجوان آدمی اور باعزم و توانا کردار کا ہے۔ اسکینڈے نیویائی پارٹی سویڈن، ناروے اور ڈنمارک کے پرجوش نوجوانوں کو اپنی صفوں میں شامل کر کے اس کی تخت نشینی کو مسلح بغاوت کر دینے کے لیے موزوں لمحہ سمجھے گی۔ دوسری طرف ڈنمارک کے کمزور اور ضعیف العقل بادشاہ فریڈرک ہفتم کو

* اوسکر اول۔(ایڈیٹر)

** چارلس لوڈویگ یوگین۔(ایڈیٹر)

اس کی بے جوڑ بیوی کاؤنٹیس ڈینیر نے نجی زندگی اختیار کرنے کی اجازت دے دی ہے، اجازت جو اسے ابھی تک نہیں دی گئی تھی۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے چچا اور ڈنمارک کے تخت کے وارث شہزادہ فرڈینانڈ کو ریاستی امور سے علیحدہ ہونے پر آمادہ کیا گیا تھا جس میں وہ شاہی خاندان کے دوسرے ممبروں کے انتظام کی بدولت بعد میں پھر لوٹ آیا۔ اب اس سے کاؤنٹیس ڈینیر کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ وہ کوپن ہیگن میں اپنی رہائش کو پیرس میں رہائش سے تبدیل کرنا چاہتی ہے اور بادشاہ تک کو آمادہ کرنا چاہتی ہے کہ وہ اپنا عصائے شاہی شہزادہ فرڈینانڈ کو سپرد کر کے سیاسی زندگی کے طوفانوں کو خدا حافظ کہے۔ شہزادہ فرڈینانڈ جو تقریباً 65 سال کا ہے، کوپن ہیگن کے دربار میں اسی پوزیشن کا حامل تھا جو ارتوا کے کاؤنٹ کو۔ جو بعد میں چارلس دہم بنا۔ تیویلری کے دربار میں حاصل تھی۔ ضدی، سخت اور اپنے قدامت پرست عقیدے کا پرجوش حامی ہونے کی وجہ سے اس نے آئینی نظام کی پابندی کا بہانہ کرنے سے کبھی اتفاق نہیں کیا۔ اس کے باوجود اس کی تخت نشینی کی پہلی شرط آئین کا حلف قبول کرنا ہے جس سے وہ علانیہ نفرت کرتا ہے۔ اسی لیے بین الاقوامی مصیبتوں کا امکان ہے جنہیں سویڈن اور ڈنمارک دونوں میں اسکینڈے نیویائی پارٹی اپنے مفاد میں تبدیل کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ دوسری طرف ڈنمارک کا ہولشٹائن وشلیزویگ[46] جرمن ریاستوں سے تصادم جنہیں پروشیا اور آسٹریا کی حمایت حاصل ہے، معاملات کو اور پیچیدہ بنا دے گا اور شمال کی جدوجہد میں جرمنی کو الجھا دے گا۔ اور 1852ء کا لندن عہدنامہ جو شہزادہ فرڈینانڈ کو ڈنمارک کے تخت کی ضمانت دیتا ہے، روس، فرانس اور انگلستان کو اس جدوجہد میں شامل کرے گا۔

(کارل مارکس نے 21 اگست 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5110 میں 5 ستمبر 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔)

کارل مارکس

ہندوستان میں اذیت رسانی کی تفتیش

ہمارے لندن کے نامہ نگار نے جس کا خط کل ہم نے ہندوستان میں بغاوت کے بارے میں شائع کیا ہے، قطعی بجا طور پر کچھ ایسے پچھلے واقعات کا حوالہ دیا ہے جنہوں نے اس طوفانی دھماکے کے لیے زمین ہموار کی۔ آج ہم کچھ وقت کے لیے خیالات کے اس سلسلے کو جاری رکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے برطانوی حکمران کسی طرح بھی ہندوستانی عوام کے ایسے نرم اور بے داغ محسن نہیں ہیں جیسا کہ وہ ساری دنیا کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہم ایسٹ انڈیا میں اذیتوں کے سوال سے متعلق سرکاری نیلی کتابوں[48] کی طرف رجوع کریں گے۔ جو 1856ء اور 1857ء کے برطانوی دارالعوام کے اجلاسوں میں پیش کی گئی ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے یہ ثبوت کچھ ایسا ہے جس کی تردید ممکن نہیں۔

سب سے پہلے ہم مدراس میں اذیت کے بارے میں تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ[49] لیتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ کمیشن کو "یقین ہے کہ محصول جمع کرنے کے لیے اذیتوں کا عام طور پر رواج ہے۔" کمیشن کو اس میں شک ہے کہ

"سالانہ تقریباً اتنی ہی تعداد میں مجرمانہ الزامات کی بنا پر لوگوں پر تشدد کیا جاتا ہے جتنی محصول کی غیر ادائیگی کے لیے۔"

کمیشن اعلان کرتا ہے کہ

"ایک بات نے کمیشن کو اس یقین سے بھی زیادہ دردانگیز طور پر متاثر کیا ہے کہ اذیت پہنچائی جاتی ہے۔ یہ ہے اذیت زدہ فریقین کے لیے داد رسی میں مشکل۔"

کمیشن کے ممبروں نے اس مشکل کی وجوہ یہ بتائی ہیں: (1) ان لوگوں کے لیے جو ذاتی طور پر کلکٹر[50] سے فریاد کرنا چاہتے ہیں، طویل فاصلوں کے سفر کی وجہ سے اخراجات اور کلکٹر کے دفتر میں تضیع اوقات (2) یہ خوف کہ تحریری درخواست "اس عام ہدایت کے ساتھ واپس کر دی جائے گی کہ تحصیلدار (ضلع پولیس اور محاصلات کا افسر) اس کی جانچ کرے یعنی وہی شخص جس نے ذاتی طور پر یا اپنے پولیس کے چھوٹے ماتحتوں کے ذریعہ درخواست دہندہ کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ (3) سرکاری افسروں کے خلاف قانونی کارروائی اور سزا کے اس وقت بھی ناکافی ذرائع، جب ان کو ایسی حرکتوں کی وجہ سے باقاعدہ ملزم یا مجرم ٹھہرایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی مجسٹریٹ کے سامنے اس طرح کا الزام ثابت بھی ہو گیا تو اس کی سزا صرف پچاس روپیہ یا ایک مہینے کی جیل ہو گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ملزم کو "سزا کے لیے فوجداری کے جج کے سپرد کر دیا جائے یا ڈسٹرکٹ کورٹ کے سامنے مقدمے کی سماعت کے لیے پیش کیا جائے۔"

رپورٹ میں یہ اضافہ کیا گیا ہے:

"یہ طویل کارروائی ہے جو ایک قسم کی قانون شکنی کے لیے کی جاتی ہے یعنی اختیارات کو غلط استعمال کرنے کے لیے جس میں پولیس کو ملزم ٹھہرایا جاتا ہے اور یہ کارروائی دعویٰ کے لیے قطعی بے نتیجہ ہوتی ہے۔"

پولیس یا محاصلات کے افسر پر، جو ایک ہی شخص ہوتا ہے، کیونکہ محصول پولیس جمع کرتی ہے، جب روپیہ زبردستی وصول کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے تو پہلے

اس کا مقدمہ اسسٹنٹ کلکٹر کے سامنے پیش ہوتا ہے پھر وہ کلکٹر سے اپیل کر سکتا ہے اور اس کے بعد ریونیو بورڈ کو۔ یہ بورڈ ملزم کا معاملہ حکومت یا عدالت دیوانی کو بھیج سکتا ہے۔

"قانون کی ایسی صورت حال میں غربت زدہ رعیت کسی دولت مند افسر محاصلات کے خلاف مقدمہ نہیں چلا سکتی اور ہمیں کسی واحد واقعہ کا بھی علم نہیں ہے جس میں ان دو قوانین (1822ء اور 1828ء) کے تحت لوگوں نے شکایت کی ہو۔"

مزید برآں، روپیہ کی زبردستی وصولی کا الزام اس صورت میں عائد ہوتا ہے جب متعلقہ افسر سرکاری رقم ہڑپ کر لیتا ہے یا رعیت کو زائد محصول دینے پر مجبور کرتا ہے۔ جسے وہ اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سرکاری محصول جمع کرنے کے لیے تشدد کے استعمال کے واسطے قانون میں کوئی سزا نہیں رکھی گئی ہے۔

یہ رپورٹ جس سے یہ حوالے لیے گئے ہیں صرف مدراس پریزیڈنسی سے تعلق رکھتی ہے لیکن خود لارڈ ڈلہوزی نے ستمبر 1855ء میں ڈائرکٹروں* کو لکھا تھا کہ

"مجھے بہت دنوں سے اس بارے میں شک نہیں ہے کہ ہر برطانوی صوبے میں کسی نہ کسی شکل میں چھوٹے افسروں کے ہاتھوں اذیت رسانی ہوتی ہے۔"

اس طرح اذیت رسانی کے ہمہ گیر استعمال کو برطانوی ہند کے مالیاتی ڈھانچے کے اٹوٹ جز کی حیثیت سے سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اس کا اعتراف برطانوی حکومت کے دفاع کے لیے کیا جاتا ہے۔ درحقیقت مدراس کمیشن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اذیت رسانی کا رواج قطعی طور پر چھوٹے ہندوستانی افسروں کا قصور ہے جبکہ حکومت کے یورپی افسر گویا اس کو ہمیشہ روکنے کی امکانی کوشش کرتے ہیں، خواہ وہ ناکام ہی کیوں نہ ہوں۔ اس دعوے کے جواب میں مدراس کے دیسی لوگوں کی

* یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس۔ (ایڈیٹر)

انجمن نے جنوری 1856ء میں پارلیمنٹ کو ایک درخواست بھیجی جس میں اذیت رسانیوں کی تفتیش کے بارے میں مندرجہ ذیل شکایتیں کی گئی تھیں: (1) یہ کہ تحقیقات تقریباً نہیں ہوئی کیونکہ کمیشن کا اجلاس صرف شہر مدراس میں ہوا اور وہ بھی تین مہینے کے دوران جبکہ چند کیسوں کے علاوہ شکایت کرنے والے دیسی لوگوں کے لیے اپنا گھر چھوڑنا ممکن نہ تھا۔ (2) کہ کمیشن کے ممبروں نے برائیوں کی جڑ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی، اگر انہوں نے ایسا کیا ہوتا تو وہ اس کو محاصلات وصول کرنے کے نظام ہی میں پاتے۔ (3) ملزم دیسی افسروں سے یہ تحقیقات نہیں کی گئی کہ کس حد تک اذیت رسانی کے رواج سے ان کے اعلیٰ افسروں کا تعلق تھا۔

"اس اذیت رسانی کا آغاز" درخواست دہندگان نے لکھا ہے۔ "اس کے جسمانی طور پر پہنچانے والوں سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا حکم انہیں اپنے فوری اعلیٰ افسروں سے ملتا ہے جو محاصلات کی مقررہ رقم کی وصولیابی کے لیے اپنے ان یورپی افسروں کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں جو اپنی باری میں اسی مد کے لیے حکومت کے اور زیادہ اونچے افسروں کے سامنے ذمے دار ہوتے ہیں۔"

درحقیقت اس شہادت کے چند حوالے جس پر، کمیشن اعلان کے مطابق مدراس رپورٹ مبنی ہے، رپورٹ کے اس دعوے کی تردید کرتے ہیں کہ "انگریز قابل الزام نہیں ہیں۔" چنانچہ ایک تاجر مسٹر ڈبلیو۔ ڈی۔ کولھوف کہتے ہیں:

"رائج شدہ اذیت رسانی کے طریقے مختلف ہیں اور تحصیلدار اور اس کے ماتحتوں کی پرواز خیال پر منحصر ہوتے ہیں لیکن آیا اعلیٰ صاحبان اختیار کی طرف سے اس کی کوئی تلافی کی جاتی ہے یا نہیں۔ یہ میرے لیے کہنا دشوار ہے کیونکہ ساری شکایتیں عام طور پر تحصیلدار کو تحقیقات اور اطلاعات کے لیے بھیج دی جاتی ہیں۔"

دیسی لوگوں کی شکایتیں کچھ اس طرح ہیں:

"پچھلے سال ہمارے یہاں خریف (دھان یا چاول کی خاص فصل) بارش کی کمی کی وجہ سے خراب گئی اور ہم حسب معمول لگان نہ ادا کر سکے۔"

جب جمع بندی تیار کی گئی تو ہم نے اس نقصان کی چھوٹ اس سمجھوتے کی بنا پر چاہی جو ہم سے 1837ء میں کیا تھا۔ جب مسٹر ایڈن ہمارے کلکٹر تھے۔ چونکہ اس چھوٹ کی اجازت نہیں ملی اس لیے ہم نے پٹے لینے سے انکار کر دیا۔ تب تحصیلدار نے ہم کو سختی کے ساتھ ادائیگی کے لیے مجبور کیا۔ یہ سلسلہ جون کے مہینے سے اگست تک جاری رہا۔ میں اور دوسرے لوگ ایسے اشخاص کی نگرانی میں دے دیئے گئے جو ہمیں دھوپ میں لے جا کر جھکا دیتے تھے اور ہماری پیٹھ پر پتھر لاد دیئے جاتے تھے اور جلتی ہوئی ریت میں کھڑا رکھا جاتا تھا۔ صرف آٹھ بجے کے بعد ہمیں اپنے دھان کے کھیتوں میں جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ اس طرح کی بدسلوکی تین مہینے تک جاری رہی جس کے دوران ہم کبھی کبھی کلکٹر کو درخواستیں دیتے گئے لیکن انہوں نے درخواستیں لینے سے انکار کر دیا۔ ہم یہ درخواستیں جمع کر کے سیشن کی عدالت میں اپیل کرنے گئے جس نے ان کو کلکٹر کے یہاں بھیج دیا۔ پھر بھی ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ ستمبر کے مہینے میں ہم کو ایک نوٹس دیا گیا اور 25 دن بعد ہماری جائیداد قرق کر لی گئی اور بعد کو فروخت کر دی گئی۔ ان واقعات کے علاوہ جو میں نے لکھے ہیں، ہماری عورتوں کے ساتھ بھی برا سلوک کیا گیا، ان کے سینوں پر شکنجے رکھے گئے۔"

کمیشن کے ممبروں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے ایک دیسی عیسائی نے کہا:

"جب کوئی یورپی یا دیسی رجمنٹ ادھر سے گزرتی ہے تو ساری رعایا کو کھانے پینے کا سامان مفت دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اور اگر کوئی چیزوں کی قیمت مانگتا ہے تو اس کو سخت اذیت پہنچائی جاتی ہے۔"

پھر ایک برہمن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ اس کو، اس کے گاؤں والوں اور پڑوسی گاؤں کے لوگوں کو تحصیلدار کا یہ حکم ملا کہ یہ لوگ مفت لکڑی کے تختے، کوئلہ اور ایندھن وغیرہ فراہم کریں تاکہ تحصیلدار کولرون کے پل کی تعمیر کا کام جاری

رکھے۔ برہمن کے انکار پر اس کو بارہ آدمیوں نے پکڑ کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ برہمن نے یہ بھی بتایا:

"میں نے اسسٹنٹ کلکٹر مسٹر ڈبلیو، کیڈل کو شکایت کی درخواست دی لیکن انہوں نے بھی کوئی تحقیقات نہیں کی اور میری درخواست پھاڑ دی، کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ کولرون کا پل غریبوں کے ذریعے سستے داموں تیار ہو جائے اور سرکار میں ان کا نام ہو جائے۔ اس لیے تحصیلدار چاہے قتل بھی کیوں نہ کر دے، اسسٹنٹ کلکٹر اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔"

انتہائی شدید جبری وصولی اور تشدد کی غیر قانونی کارروائیوں کو اعلیٰ افسران کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اس کا اظہار 1855ء میں پنجاب میں ضلع لدھیانہ میں کمشنر مسٹر بریرٹن کے واقعہ سے ہوتا ہے۔ پنجاب کے چیف کمشنر کی رپورٹ کے مطابق یہ ثابت ہوا کہ

"متعدد واقعات میں خود ڈپٹی کمشنر مسٹر بریرٹن کی مرضی یا ہدایت سے امیر شہروں کے مکانوں کی بلاوجہ تلاشی لی گئی، ایسے موقعوں پر قرق کی ہوئی جائیداد طویل مدت تک قرق رہی، بہت سے لوگ جیلوں میں بند کر دیئے گئے اور وہاں ہفتوں تک پڑے رہے اور ان کے خلاف کوئی فرد جرم نہیں لگائی گئی اور خراب چال چلن کے لیے محکمے کے قوانین کو بڑے پیمانے پر اور بلاامتیاز شدت کے ساتھ استعمال کیا گیا، بعض پولیس افسر اور منیجر ڈپٹی کمشنر کے ساتھ ضلع ضلع پھرے جن کی خدمات کو ڈپٹی کمشنر نے ہر جگہ استعمال کیا اور یہی لوگ ساری اذیت کے خاص مجرم تھے۔"

اپنی رپورٹ میں اس معاملے کے بارے میں لارڈ ڈلہوزی نے کہا ہے:

"ہمارے پاس ناقابل تردید ثبوت ہے، ایسا ثبوت جس سے دراصل مسٹر بریرٹن بھی انکار نہیں کرتے کہ افسر موصوف بے قاعدگی اور غیر قانونی باتوں کی بھاری فہرست میں ہر بات کے قصوروار ہیں جن کے لیے چیف کمشنر نے ان کو ملزم ٹھہرایا ہے اور جنہوں نے برطانوی انتظامیہ کے

ایک حصے کو بدنام کیا ہے اور برطانوی رعایا کی بڑی تعداد کو سخت ناانصافی، من مانی قید اور ظالمانہ اذیتوں کا نشانہ بنایا ہے۔"

لارڈ ڈلہوزی "دوسروں کی نصیحت کے لیے مسٹر بریرٹن کو سخت سزا دینے" کی تجویز کرتے ہیں اور اس لیے یہ رائے دیتے ہیں:

"مسٹر بریرٹن کو فی الحال ڈپٹی کمشنر کے اختیارات دینا مناسب نہیں ہے، اس درجے سے ان کی تنزلی اول درجے کے اسسٹنٹ تک کر دینی چاہیے۔"

نیلی کتابوں سے یہ حوالے مالا بار ساحل پر واقع کنٹر کے ایک تعلقہ کے باشندوں کی اس درخواست پر ختم کیے جا سکتے ہیں جنہوں نے یہ بتانے کے بعد کہ وہ حکومت کو کئی درخواستیں بھیج چکے ہیں جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اپنی سابقہ اور حالیہ حالتوں کا موازنہ یوں کیا ہے:

"جب ہم لوگ سیراب اور خشک زمینوں، پہاڑی اور نشیبی قطعات اور جنگلات کو استعمال میں لا رہے تھے تو معمولی مقررہ لگان دیتے تھے اور اس طرح رانی بہادر اور ٹیپو کے زیر انتظام سکون اور خوشی سے گزر بسر کرتے تھے۔ پھر سرکاری افسروں نے ہمارے اوپر مزید لگان عائد کیا لیکن ہم نے اس کو کبھی نہیں ادا کیا۔ مالگزاری کی ادائیگی کے لیے ہمارے ساتھ کبھی جبر و تشدد اور برا برتاؤ نہیں ہوا تھا۔ محترم کمپنی کے تحت اس ملک کے آنے کے بعد سرکاری افسروں نے ہم سے پیسہ نچوڑنے کے لیے ہر طرح کے ممکن طریقے اختیار کیے۔ اس برے مقصد کے پیش نظر انہوں نے قانون قاعدے بنائے اور اپنے کلکٹروں اور دیوانی کے ججوں کو انہیں عمل میں لانے کی ہدایات دیں، لیکن اس وقت کے کلکٹروں اور ماتحت دیسی افسروں نے کچھ وقت تک ہماری شکایتوں کی طرف مناسب توجہ کی اور ہماری خواہشوں کے مطابق کام کیا۔ اس کے برعکس موجودہ کلکٹر اور ان کے ماتحت افسران ہر قیمت پر ترقی کی خواہش رکھتے ہوئے، عام طور پر

لوگوں کی بہبودی اور مفادات کو نظرانداز کرتے ہیں، ہماری شکایتوں کی طرف سے کان بند کر لیتے ہیں اور ہم پر ہر طرح کا ظلم کرتے ہیں۔"

ہم نے یہاں ہندوستان میں برطانیہ کی حکمرانی کی سچی تاریخ سے ایک مختصر اور معتدل سا حصہ پیش کیا ہے۔ ان واقعات کے پیش نظر غیرجانبدارانہ اور صاحب فکر لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کسی قوم کی یہ کوششیں بجا نہیں ہیں کہ وہ ان غیر ملکی فاتحوں کو نکال باہر کرے جو اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برا سلوک کرتے ہیں اور اگر انگریز لوگ ایسی باتیں سنگدلی کے ساتھ کر سکتے تو کیا اس پر حیرت ہوگی کہ باغی ہندوستانی اپنی بغاوت اور تصادم کے طوفان میں انہیں جرائم اور مظالم کے مرتکب ہوں جو ان پر کیے جاتے ہیں۔

(کارل مارکس نے 28 اگست 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5120 میں 17 ستمبر 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستان میں بغاوت

"بالٹک" جہاز کی ڈاک ہندوستان میں نئے واقعات کی اطلاع نہیں دیتی لیکن اس میں انتہائی دلچسپ تفصیلات کا انبار ہے جن کا ہم اپنے قارئین کی توجہ کے لیے اختصار کرتے ہیں۔ جو پہلا نقطہ نظر آتا ہے یہ ہے کہ 10 جولائی تک انگریز دہلی میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ان کے کیمپ میں ہیضہ شروع ہوگیا ہے، موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور محاصرہ ترک کرنا اور محاصرین کی پسپائی اب صرف وقت کا سوال معلوم ہوتا ہے۔ برطانوی پریس طوعاً کرہاً ہمیں یہ یقین دلانے کے جتن کر رہا ہے کہ وبا نے جنرل سر برنارڈ کی جان لے لی لیکن وہ اس سے بدتر غذا کھانے والے اور زیادہ محنت کرنے والے جوانوں کو درگزر کر گئی۔ لہٰذا ان سرکاری بیانات سے نہیں جو پبلک کو پہنچائے گئے ہیں، بلکہ مسلمہ حقائق کا استخراج کر کے ہمیں محاصر فوج کی صفوں میں اس مہلک مرض کی تباہ کاریوں کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ دہلی کے سامنے والے کیمپ سے ایک افسر 14 جولائی کو لکھتا ہے:

"ہم دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے کچھ نہیں کر رہے ہیں اور دشمن کے

دھاووں سے اپنی مدافعت کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس پانچ یورپی رجمنٹوں کے حصے ہیں لیکن موثر حملہ کرنے کے لیے ہم صرف 2000 یورپی جمع کر سکتے ہیں۔ ہر رجمنٹ کے بڑے دستے جالندھر، لدھیانہ، سباتو، دگشالہ، کسولی، انبالہ، میرٹھ اور پھلور کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ درحقیقت ہر رجمنٹ کے چھوٹے دستے ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔ توپ خانے کے لحاظ سے دشمن ہم سے کہیں برتر ہے۔"

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پنجاب سے جو فوجیں آئیں، انہوں نے جالندھر سے میرٹھ تک نقل و حمل کی بڑی شمالی لائن کو بغاوت کی حالت میں پایا اور چنانچہ خاص چوکیوں میں دستے چھوڑ کر اپنی تعداد گھٹانے پر مجبور ہوگئیں۔ یہی وجہ ہے، پنجاب سے جو فوج آئی، وہ متوقع قوت کے مطابق نہیں تھی لیکن اس سے یورپی فوج کے 2000 جوانوں تک کم تعداد میں تشریح نہیں ہوئی۔ لندن "ٹائمز" کے نامہ نگار مقیم بمبئی نے اپنی 30 جولائی کی خبر میں محاصرہ کرنے والوں کے مجہول رویے کی وضاحت دوسری طرح سے کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"کمک واقعی ہمارے کیمپ میں پہنچ گئی ہے۔ 8 ویں (شاہی) رجمنٹ کا ایک بازو، 21 ویں رجمنٹ کا ایک حصہ، پیادہ توپ خانے کی ایک کمپنی اور مقامی فوج کی دو توپیں، 14 ویں بے قاعدہ سوار رجمنٹ (جس کے ہمرکاب گولہ بارود کی گاڑیوں کا بڑا قافلہ ہے) دوسری پنجاب سوار رجمنٹ، پہلی پنجاب پیدل رجمنٹ اور چوتھی سکھ پیدل رجمنٹ لیکن فوجوں کا مقامی حصہ جس سے محاصرہ کرنے والی قوت میں اضافہ ہوا ہے، بالکل اور یکساں طور پر قابل اعتماد نہیں ہے، اگرچہ وہ یورپیوں کے درمیان تقسیم کیے گئے ہیں۔ پنجاب کی سوار رجمنٹوں میں خاص ہندوستان اور روہیل کھنڈ کے بہت سے مسلمان اور اونچی ذات کے ہندو ہیں اور بنگال بے قاعدہ سوار فوج بنیادی طور پر ایسے ہی عناصر پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ عام طور سے بالکل غیر وفادار ہیں۔ اور اتنی بڑی تعداد میں ان کی موجودگی پریشان کن

ہونی چاہیے اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ دوسری پنجاب سوار رجمنٹ میں یہ ضروری محسوس ہوا کہ 70 ہندوستانی لوگوں کو نہتا کر دیا جائے اور تین کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے جن میں اعلیٰ مقامی افسر بھی تھا۔ 9 ویں بے قاعدہ سوار رجمنٹ کے جو ایک زمانے میں ہماری کمک کے ساتھ تھی کئی فوج فرار ہو گئے اور چوتھی بے قاعدہ رجمنٹ کے سپاہیوں نے گشت کرتے وقت میں سمجھتا ہوں کہ اپنے ایڈی کانگ کو قتل کر دیا۔"

یہاں ایک اور راز کھلا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے سامنے والا کیمپ اگر امانت کے کیمپ [51] سے کچھ ملتا جلتا ہے اور انگریزوں کو نہ صرف اپنے مقابل دشمن سے بلکہ اپنی صفوں میں اتحادی سے بھی لڑنا پڑتا ہے۔ بہرحال یہ حقیقت اس کا کافی سبب نہیں ہے کہ حملے کی کارروائیوں کے لیے صرف 2000 یورپی موجود ہیں۔ ایک تیسرا مصنف بمبئی میں "ڈیلی نیوز" [52] کا نامہ نگار مقیم بمبئی برنارڈ کے جانشین جنرل ریڈ کے ماتحت جو فوجیں جمع ہیں، ان کو مطلق شمار کرتا ہے۔ جو قابل اعتبار لگتا ہے کیونکہ وہ ان مختلف عناصر کو فرداً فرداً شمار کرتا ہے جن پر یہ فوجیں مشتمل ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق تقریباً 1200 یورپی اور 1600 سکھ، بے قاعدہ سوار فوج وغیرہ کہنا چاہیے کہ کل ملا کر تقریباً 3000 لوگ پنجاب سے بریگیڈیئر جنرل چیمبرلین کی سربراہی میں 23 جون اور 3 جولائی کے درمیان دہلی کے سامنے والے کیمپ میں پہنچے۔ دوسری طرف وہ تخمینہ لگاتا ہے کہ جنرل ریڈ کے تحت اب ساری جمع فوجیں 7000 پر مشتمل ہیں جن میں توپ خانہ اور محاصرے کا بیر بگاہ بھی شامل ہیں لہٰذا پنجاب سے کمک آنے سے پہلے دہلی کی فوج 4000 لوگوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ لندن "ٹائمز" نے 12 اگست کو لکھا کہ سر برنارڈ نے 7000 انگریزوں اور 5000 مقامی باشندوں کی فوج جمع کر لی ہے۔ اگرچہ یہ سراسر مبالغہ ہے لیکن اس پر یقین کرنے کی وجہ ہے کہ تب یورپی فوجیں لگ بھگ 4000 پر مشتمل ہوں گی جن کی پشت پناہی مقامی لوگوں کی کچھ کم تعداد کر رہی ہوگی تو جنرل برنارڈ کے تحت ابتدائی قوت اتنی ہی تھی جتنی اب جنرل ریڈ کے تحت جمع ہے۔ لہٰذا پنجاب کی کمک نے صرف گھس پس کا

خلا بھرا جس نے محاصرہ کرنے والوں کی طاقت کو تقریباً نصف کر دیا ہوگا۔ یہ زبردست نقصان ہے جس کی وجہ جزوی طور پر باغیوں کے مسلسل دھاوے ہیں اور جزوی طور پر ہیضے کی تباہ کاریاں، چنانچہ اب ہم سمجھتے ہیں کہ "موثر حملہ" کرنے کے لیے انگریز کیوں صرف 2000 یورپی جمع کر سکتے ہیں۔ تو اتنا دہلی کے سامنے برطانوی فوج کی طاقت کے متعلق۔ اب اس کی کارروائیوں کے بارے میں یہ نتیجہ کہ اس کا بڑا تاباں کردار نہیں ہے، اس سادہ حقیقت سے قطعی طور پر نکالا جا سکتا ہے کہ 8 جون سے جب دہلی کے سامنے بلندی پر قبضے کے متعلق جنرل برنارڈ نے اپنی رپورٹ پیش کی تو ہیڈکوارٹر نے کوئی خبرنامہ جاری نہیں کیا۔ سوائے ایک استثنا کے کارروائی محصورین کے دھاوے کرنے اور محاصرین کے انہیں پسپا کرنے پر مشتمل ہے۔ محاصرین کبھی سامنے سے، کبھی پہلوؤں سے لیکن زیادہ تر دائیں عقب سے حملے کیے جاتے تھے۔ دھاوے 27 اور 30 جون کو 3، 4، 9 اور 14 جولائی کو ہوئے۔ 27 جون کو لڑائی بیرونی چوکی میں جھڑپوں تک محدود تھی جو چند گھنٹے جاری رہی لیکن سہ پہر ہونے تک موسلا دھار بارش سے اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا جو موسم میں پہلی تھی۔ 30 جون کو باغیوں کی بڑی تعداد محاصرین کے دائیں جانب احاطوں میں نظر آئی اور اس نے ان کے طلایہ اور پشتوں پر بار بار حملے کر کے پریشان کیا۔ 3 جولائی کو محصورین نے انگریزوں کی پوزیشن کے عقب میں دائیں جانب علی الصبح دھوکے داؤ کا حملہ کر دیا، پھر کرنال سڑک سے علی پور تک کنارے کنارے اس عقب پر کئی میل تک پیش قدمی کی تاکہ کیمپ آنے والی رسد اور خزانے کی گاڑیوں کے قافلے کو راہ میں روکا جا سکے۔ راستے میں وہ دوسری پنجاب بے قاعدہ سوار رجمنٹ کی چوکی سے دوچار ہوئے جو فوراً پسپا ہو گئی۔ 4 تاریخ کو شہر کو واپسی پر انہیں راستے میں روکنے کے لیے 1000 پیادہ فوج کی جماعت اور سوار فوج کے دو دستوں نے جو انگریز کیمپ سے روانہ کیے گئے تھے، باغیوں پر حملہ کیا لیکن انہوں نے بہت کم یا بلانقصان کے اور اپنی تمام توپوں کو بچا کر پسپائی کرنے کی تدبیر نکال لی۔ 8 جولائی کو برطانوی کیمپ سے ایک دستہ گاؤں بسی میں جو دہلی سے تقریباً چھ میل دور ہے، نہری پل تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا جس نے پچھلے

دھاؤوں میں برطانیہ کے انتہائی عقب پر حملہ کرنے میں اور کرنال اور میرٹھ کے ساتھ برطانوی رسل و رسائل میں مداخلت کرنے میں باغیوں کو آسانیاں بہم پہنچائی تھیں- پل تباہ کر دیا گیا- 9 جولائی کو باغی پھر بڑی تعداد میں آئے اور برطانوی پوزیشن کے عقب کے دائیں حصے پر حملہ کیا- سرکاری بیانات میں جو اسی روز تار برقی سے لاہور بھیجے گئے- حملہ آوروں کے نقصان کا تخمینہ ایک ہزار مرنے والے کیا گیا ہے لیکن یہ حساب بہت مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہم کیمپ کے ایک خط مورخہ 13 جولائی میں یہ پڑھتے ہیں:

"ہمارے آدمیوں نے دشمن کے ڈھائی سو مردے دفن کیے اور جلائے اور بڑی تعداد کو خود انہوں نے شہر کے اندر منتقل کر دیا-"

یہی خط جو (ڈیلی نیوز" میں شائع ہوا ہے یہ جھوٹا دعویٰ نہیں کرتا کہ انگریزوں نے مقامی سپاہیوں کو پسپا کر دیا بلکہ اس کے برعکس یہ کہ "مقامی سپاہیوں نے ہماری برسرکار جماعتوں کو دھکیل دیا اور پھر وہ پیچھے ہٹ گئے-" محاصرین کو نقصان کافی ہوا جو دو سو بارہ مرنے والوں اور زخمیوں کے برابر تھا- 14 جولائی کو مزید ایک دھاوے کے نتیجے میں ایک اور شدید لڑائی ہوئی جس کی تفصیلات ابھی تک نہیں پہنچی ہیں-

اسی دوران میں محصورین کو اچھی کمک مل گئی- یکم جولائی کو بریلی، مراد آباد اور شاہجہاں پور کے روہیلے باغیوں نے جو پیدل فوج کی چار رجمنٹوں، ایک بے قاعدہ سوار رجمنٹ اور توپ خانے پر مشتمل تھے، دہلی میں اپنے رفیقوں کے ساتھ شامل ہونے میں کامیابی حاصل کر لی-

"یہ امید کی جاتی تھی-" لندن "ٹائمز" کا نامہ نگار مقیم بمبئی لکھتا ہے "کہ وہ گنگا کو ناقابل عبور پائیں گے لیکن دریا میں چڑھاؤ نہیں آیا، وہ اسے گڑھ مکتیشر کے نزدیک پار کر گئے، دوآبے کو پار کیا اور دہلی پہنچ گئے- دو دن تک ہماری فوج جوانوں، توپوں گھوڑوں اور ہر قسم کے باربرداری کے جانوروں (کیونکہ باغیوں کے پاس خزانہ تھا 50000 پونڈ کا) کی قطار کو شرم و ذلت سے دیکھتی رہی جو کشتیوں کے پل کو آہستہ آہستہ پار کر رہے تھے- انہیں روکنے یا کسی طرح پریشان کرنے کا امکان نہیں تھا-"

باغیوں کا روہیل کھنڈ کے سارے علاقے سے یہ کامیاب کوچ ثابت کرتا ہے کہ سارا ملک جمنا کے مشرق میں روہیل کھنڈ کی پہاڑیوں تک انگریز فوجوں کے لیے بند ہے، اور نیمچ سے آگرے تک باغیوں کے پرسکون کوچ کو اگر اندور اور مئو میں بغاوتوں سے جوڑ دیا جائے تو یہ بھی جمنا کے جنوب مغرب میں اور وندھیاچل پہاڑوں تک سارے ملک کے لیے اسی حقیقت کا ثبوت پیش کرتا ہے- دہلی کے سلسلے میں انگریزوں کی واحد کامیاب، درحقیقت واحد—— فوجی کارروائی جنرل وان کورٹلانڈٹ کی پنجاب سکھ فوج کے ہاتھوں دہلی کے شمال اور شمال مغرب میں ملک میں امن و امان قائم کرنا ہے- لدھیانہ اور سرسہ کے درمیان سارے ضلع میں اسے خاص کر لٹیرے قبیلوں سے دوچار ہونا پڑا جو ویران ریگستان پر چھدرے منتشر گاؤں میں آباد ہیں- 11 جولائی کو وہ سرسہ سے فتح آباد روانہ ہوا اور پھر حصار کی طرف کوچ کر گیا اور اس طرح محاصر فوج کے لیے عقب میں ملک کھول دیا-

دہلی کے علاوہ شمال مغربی صوبوں میں تین اور نقطے—— آگرہ کانپور اور لکھنؤ مقامی باشندوں اور انگریزوں کے درمیان جدوجہد کے مرکز بن گئے- آگرے کے معاملے کا مخصوص پہلو یہ ہے کہ وہ پہلی بار دکھاتا ہے کہ باغیوں نے عمداً تقریباً 300 میل لمبی مہم شروع کی تاکہ ایک دوردراز انگریز فوجی چوکی پر حملہ کیا جائے- ایک اخبار "مفصلات"[53] کے مطابق جو آگرے میں شائع ہوتا ہے نصیر آباد اور نیمچ کی مقامی رجمنٹ جو 10000 لوگوں پر مشتمل تھیں (7000 پیدل فوج، 1500 سوار اور 8 توپیں) جون کے آخر میں آگرے کی طرف بڑھیں، آگرے سے تقریباً 20 میل دور گاؤں سیسا کے عقب میں ایک میدان میں جولائی کے آغاز میں پڑاؤ ڈالا- 4 جولائی کو شہر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگیں- یہ خبر سن کر آگرے کے قریب چھاؤنی کے یورپی باشندوں نے قلعہ میں پناہ لی- آگرے میں کمانڈر* نے پہلے کوٹہ کی سوار دستہ، پیدل اور چوکی توپ خانے کی امدادی فوج روانہ کی تاکہ وہ دشمن کے خلاف اگوا چوکی کا کام دے لیکن منزل مقصود پہنچنے کے بعد وہ سب بھاگ کر باغیوں

* جان کالن-(ایڈیٹر)

کی صفوں میں شامل ہوگئے۔ 5 جولائی کو آگرے کی محافظ فوج نے جو تیسری بنگال یورپی رجمنٹ، توپ خانے اور یورپی رضاکاروں کے دستے پر مشتمل تھی غدر کرنے والوں پر حملہ کرنے کے لیے کوچ کیا اور کہا جاتا ہے کہ انہیں گاؤں سے باہر میدان میں دھکیل دیا لیکن اس کے بعد خود پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اور 500 لوگوں کی فوج میں سے 49 کے مرنے اور 92 کے زخمی ہونے کے بعد انہیں پیچھے ہٹنا پڑا اور انہیں دشمن کی سوار فوج نے اتنی سرگرمی سے پریشان کیا اور خطرے میں ڈالا کہ "ان پر گولی کا نشانہ لگانے" کے لیے وقت نہیں ملا۔ یہ "مفصلات" نے لکھا ہے۔ بہ الفاظ دیگر انگریز سرپٹ بھاگ لیے اور اپنے آپ کو قلعہ میں بند کر لیا اور مقامی سپاہیوں نے آگرے کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے چھاؤنی کے تقریباً تمام مکانات کو تباہ کر دیا۔ وہ اگلے دن 6 جولائی کو دلی پہنچنے کے لیے بھرت پور روانہ ہوئے۔ اس معاملے کا اہم نتیجہ آگرے اور دہلی کے درمیان انگریزوں کی نقل و حمل کی لائن کو باغیوں کے ہاتھوں منقطع کرنا اور مغلوں کے پرانے شہر کے سامنے غالباً ان کا نمودار ہونا تھا۔

کانپور میں جیسا کہ گزشتہ ڈاک سے معلوم ہوا جنرل وہیلر کی کمان میں تقریباً 200 یورپیوں کی جمعیت جس کے ساتھ 32 ویں پیدل رجمنٹ کی بیویاں اور بچے تھے۔ ایک قلعہ میں بند تھی اور بٹھور کے نانا صاحب کی قیادت میں باغیوں کی زبردست تعداد نے اسے گھیرے رکھا تھا۔ 17 تاریخ کو اور 24 اور 28 جون کے درمیان مختلف حملے کیے گئے جن میں سے آخر میں جنرل وہیلر کی ٹانگ میں گولی لگی اور زخموں سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ 28 جون کو نانا صاحب نے انگریزوں کو ہتھیار ڈالنے کی دعوت دی۔ اس شرط پر کہ انہیں کشتیوں میں گنگا پر سے الہ آباد چلے جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔ یہ شرط قبول کر لی گئی۔ لیکن انگریز مشکل ہی سے دریا کے وسط میں پہنچے تھے کہ گنگا کے داہنے گھاٹ سے ان پر توپوں سے گولہ باری ہونے لگی جن لوگوں نے کشتیوں میں مخالف گھاٹ کی طرف بھاگنے کی کوشش کی انہیں رسالے کے ایک گروہ نے پکڑ لیا۔ اور کاٹ ڈالا۔ عورتیں اور بچے قیدی بنائے گئے۔

کانپور سے الہ آباد کئی بار قاصد روانہ کیے گئے اور کمک کا فوری مطالبہ کیا گیا۔ یکم جولائی کو میجر رینالڈ کی رہبری میں مدراس بندوقچیوں اور سکھوں کا ایک کالم کانپور کے لیے روانہ ہوا۔ فتح پور سے چار میل پہلے 13 جولائی کی صبح کو بریگیڈیر جنرل ہیولاک اس میں شامل ہوگئے جو 84 ویں، 64 ویں، 13 ویں بے قاعدہ سوار رجمنٹوں اور اودھ بے قاعدہ رجمنٹ کی باقیات کے لگ بھگ 1300 یورپیوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

وہ 3 جولائی کو بنارس سے الہ آباد پہنچ گئے تھے اور پھر تیز رفتار کوچوں سے میجر رینالڈ کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ رینالڈ سے ملنے والے ہی دن وہ فتح پور کے سامنے لڑائی قبول کرنے پر مجبور ہوگئے جہاں نانا صاحب اپنی مقامی فوج لے گئے تھے۔ سخت جھڑپ کے بعد جنرل ہیولاک دشمن کے پہلو پر حملہ کر کے اسے فتح پور سے کانپور کی جانب دھکیلنے میں کامیاب ہوگئے جہاں انہیں 10 اور 16 جولائی کو دوبارہ اس سے ٹکر لینی پڑی۔ 16 جولائی کو کانپور پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوگیا اور نانا صاحب بٹھور میں پسپا ہوگئے جو گنگا پر کانپور سے بارہ میل دور ہے اور کہا جاتا ہے کہ اچھی طرح قلعہ بند ہے۔ فتح پور کی مہم شروع کرنے سے پہلے نانا صاحب نے تمام قیدی انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا۔ کانپور پر دوبارہ قبضہ انگریزوں کے لیے انتہائی اہم تھا کیونکہ وہ نقل و حمل کی ان کی گنگا لائن کو محفوظ رکھتا تھا۔

اودھ کے دارالسلطنت لکھنؤ میں برطانوی محافظ فوج بھی تقریباً اسی ابتر حالت میں تھی جو کانپور میں ان کے ساتھیوں کے لیے مہلک ثابت ہوئی تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کی قلت اور اپنے رہنما سے محروم آخرالذکر سر لارنس 2 جولائی کو ایک حملے کے دوران ٹانگ میں زخم لگنے سے 4 تاریخ کو ٹیٹانس کی بدولت مر گئے تھے۔ 18 اور 19 جولائی کو لکھنؤ ڈٹا رہا۔ نجات کی اس کی واحد امید اس میں تھی کہ جنرل ہیولاک اپنی فوج کو کانپور سے آگے لے جائیں۔ سوال یہ ہے کہ اپنے عقب میں نانا صاحب کے ہوتے ہوئے کیا وہ ایسا کرنے کی جرأت کریں گے لیکن ذرا بھی تاخیر لکھنؤ کے لیے ضرور مہلک ثابت ہوگی کیونکہ جلد ہی موسمی بارش میدان میں فوجی نقل و

حرکت کو ناممکن بنا دے گی۔

ان واقعات کے جائزے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بنگال کے شمال مغربی صوبوں میں برطانوی فوج بتدریج ایسی چھوٹی چوکیوں کی پوزیشن اختیار کر رہی ہے جو انقلاب کے ساگر میں علیحدہ علیحدہ چٹانوں پر جما دی گئی ہوں۔ نشیبی بنگال میں مرزاپور، دیناپور اور پٹنہ میں نافرمانی کے صرف جزوی عمل ہوئے ہیں، اس ناکام کوشش کے علاوہ جو پڑوس کے گشتی برہمنوں نے مقدس شہر بنارس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے کی تھی، پنجاب میں بغاوت کی روح کو جبر سے دبایا گیا، سیالکوٹ میں ایک بغاوت کچلی گئی، جہلم میں اور پشاور میں بے چینی کو کامیابی سے روک دیا گیا۔ گجرات میں، ستارا کے پان دھرپور میں، ناگپور اور ناگپور کے علاقے کے ساگر میں، نظام کی مملکت کے حیدر آباد میں اور جنوب تک میسور میں بلوؤں کی کوششیں کی جا چکی تھیں، اس لیے بمبئی اور مدراس پریزیڈنسیوں میں سکون کو کسی طرح بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے۔

(کارل مارکس نے یکم ستمبر 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5118 میں 15 ستمبر 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستان میں برطانوی آمدنیاں

ایشیاء میں معاملات کی موجودہ صورت حال کا تقاضا ہے کہ تفتیش کی جائے۔ برطانوی ریاست اور عوام کے لیے ہندوستان پر تسلط کی حقیقی اہمیت کیا ہے؟ براہ راست یعنی خراج یا ہندوستانی آمدنیوں میں سے ہندوستانی خرچوں کے بعد زائد کی شکل میں برطانوی خزانے کو کچھ نہیں پہنچتا۔ اس کے برعکس سالانہ مصارف بہت زیادہ ہیں۔ اس لمحے سے جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے وسیع پیمانے پر فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ آج سے تقریباً ایک صدی پہلے اس کے مالیاتی حالات پریشان کن حالت تک پہنچ گئے اور وہ کئی بار مجبور ہوئی کہ نہ صرف مفتوحہ علاقوں پر قبضہ رکھنے میں اپنی مدد کرنے کے لیے فوجی امداد کی بلکہ دیوالیہ پن سے بچنے کے لیے مالی امداد کی بھی پارلیمنٹ سے درخواست کرے۔ چنانچہ معاملات موجودہ لمحے تک ایسے ہی چل رہے ہیں جب برطانوی قوم سے فوج کی زبردستی طلبی کی جاتی ہے اور اس کے بعد بلاشبہ اس سے مطابقت رکھنے والی پیسے کی طلبیاں ابھی تک اپنی فتوحات حاصل کرنے اور اپنے اداروں کو تعمیر کرنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی 5 کروڑ پونڈ سے زیادہ قرضہ لے چکی ہے اور برطانوی حکومت گزشتہ کئی برسوں سے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مقامی اور

یورپی فوجوں کے علاوہ تیس ہزار کی مستقل فوج لانے لے جانے اور رکھنے کا خرچہ برداشت کر رہی ہے۔ اگر صورت حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ برطانیہ عظمیٰ کو اپنی ہندوستانی سلطنت سے فائدے لازمی طور پر ان منافعوں و بہبودیوں تک محدود ہوں گے، جنہیں انفرادی برطانوی باشندے حاصل کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ منافع اور بہبودیاں بہت معتد بہ ہیں۔

اول ایسٹ انڈیا کمپنی میں وثیقہ حصہ داری کے مالک ہیں جن کی تعداد تقریباً 3000 ہے جن کے لیے حالیہ چارٹر[54] کے تحت 60 لاکھ پونڈ اسٹرلنگ ادا شدہ سرمائے پر سالانہ ساڑھے دس فیصد منافع کی ضمانت ہے جس کی سالانہ رقم ——— 630000 پونڈ ہوتی ہے۔ چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وثیقے قابلِ انتقال ہیں اس لیے ہر شخص جس کے پاس وثیقہ خریدنے کے لیے رقم ہو، وثیقے کا مالک بن سکتا ہے جو موجودہ چارٹر کے تحت 125 تا 150 فیصدی پریمیم کا مستحق ہے۔ 500 پونڈ یعنی تقریباً 6000 ڈالر کا وثیقہ مالک کو مالکان کے جلسے میں تقریر کرنے کا حق دیتا ہے لیکن ووٹ دینے کے لیے اس کے پاس 1000 پونڈ کا وثیقہ ہونا چاہیے۔ 3000 پونڈ والے دو ووٹ ہیں، 6000 پونڈ والے کے تین ووٹ اور 10000 پونڈ اور اس سے زیادہ والے کے چار لیکن مالکوں کو زیادہ اختیارات حاصل نہیں ہیں، سوائے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے انتخاب کے جن میں سے وہ بارہ منتخب کرتے ہیں اور بادشاہ چھ نامزد کرتا ہے لیکن بادشاہ کے ان نامزدگان کے لیے یہ استعداد ضروری ہے کہ وہ ہندوستان میں دس سال یا اس سے زیادہ رہ چکے ہوں۔ ہر سال ایک تہائی ڈائرکٹر عہدے سے دستبردار ہو جاتے ہیں لیکن انہیں دوبارہ منتخب یا نامزد کیا جا سکتا ہے۔ ڈائرکٹر ہونے کے لیے آدمی کو 2000 پونڈ کے وثیقوں کا مالک ہونا چاہیے۔ ڈائرکٹروں کی تنخواہ 500 پونڈ ہے اور ان کے چیئرمین اور نائب چیئرمین کی اس سے دگنی، لیکن عہدہ قبول کرنے کی خاص ترغیب ہندوستان کے لیے سارے شہری اور فوجی افسروں کو تقرر کرنے کی بڑی سرپرستی ہے، لیکن اس سرپرستی میں زیادہ تر اہم عہدوں کے سلسلے میں بڑا حصہ نگرانی کے بورڈ آف کنٹرول کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بورڈ چھ ممبروں پر مشتمل ہے جو سب خفیہ کونسل کے اراکین ہوتے ہیں اور ان میں عام طور سے دو یا تین کابینہ کے وزیر ہوتے ہیں۔ بورڈ کا صدر ہمیشہ وزیر ہوتا ہے، در حقیقت وزیر امورِ ہند۔

اس سرپرستی کے دوسرے پانے والے پانچ طبقوں میں بٹے ہیں۔ شہری، پادریانہ، طبی، فوجی اور بحری۔ ہندوستان میں ملازمت کے لیے، خاص کر غیر فوجی شعبوں میں وہاں بولی جانے والی زبانوں کا تھوڑا بہت علم ضروری ہے اور سول سروس میں شمولیت کے لیے نوجوانوں کو تیار کرنے کی غرض سے ہیلی بری میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک کالج ہے۔ فوجی خدمت کے لیے متعلقہ کالج جہاں سکھائی جانے والی بنیادی شاخیں فوجی سائنس کی مبادیات ہیں۔ لندن کے قریب ایڈیسکوم میں قائم کیا گیا ہے۔ ان کالجوں میں داخلہ پہلے کمپنی کے ڈائرکٹروں کی نظرِ عنایت کا معاملہ تھا لیکن اب چارٹر میں تازہ ترین تبدیلیوں کے تحت امیدواروں کے امتحان عامہ میں مقابلے کے ذریعے ہوتا ہے۔ ہندوستان پہنچ کر پہلے غیر فوجی افسر کو تقریباً 150 ڈالر ماہانہ ملتے ہیں اور (آمد کے بعد بارہ ماہ کے اندر) ایک یا زیادہ مقامی زبانوں میں ضروری امتحان کے بعد اسے ملازمت دے دی جاتی ہے۔ جس کا سالانہ معاوضہ 2500 ڈالر سے لے کر تقریباً 50000 ڈالر ہوتا ہے۔ آخر الذکر تنخواہ بنگال کونسل کے ممبروں کی ہے۔ بمبئی اور مدراس کونسلوں کے ممبر تقریباً 30000 ڈالر سالانہ پاتے ہیں۔ کونسل کے ممبروں کے علاوہ کوئی بھی 25 ہزار ڈالر سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتا اور 20000 ڈالر یا اس سے زیادہ کا تقرر حاصل کرنے کے لیے اسے ہندوستان میں بارہ سال تک سکونت پذیر ہونا چاہیے۔ نو سال کی سکونت سے تنخواہیں 15000 ڈالر سے لے کر 20000 ڈالر تک اور تین سال کی سکونت سے تنخواہیں 7000 ڈالر سے لے کر 15000 ڈالر تک حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اور سول سروس میں معاوضہ بہترین ملتا ہے۔ اس لیے یہ عہدے حاصل کرنے کے لیے زبردست مقابلہ ہوتا ہے، فوجی افسر جب بھی انہیں موقع مل سکتا ہے، اس مقصد کی خاطر اپنی رجمنٹیں چھوڑ دیتے ہیں۔ سول سروس میں ساری تنخواہوں کا اوسط تقریباً 8000 ڈالر ہے لیکن اس میں بالائی آمدنیاں اور غیر معمولی بھتے شامل نہیں ہیں جو اکثر بہت کافی ہوتے ہیں۔ یہ سول ملازمین گورنروں، کونسلروں، ججوں، سفیروں، سکریٹریوں، لگان کے کلکٹروں وغیرہ کی حیثیت سے رکھے جاتے ہیں جن کی کل تعداد عام طور پر تقریباً 800 ہے۔ ہندوستان کے گورنر جنرل کی تنخواہ 125000 ڈالر ہے لیکن زائد بھتوں

کی رقم اکثر اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ گرجے کی خدمات کے تین اسقف اور ایک سو ساٹھ پادری ہیں۔ کلکتہ کا اسقف 25000 ڈالر سالانہ پاتا ہے اور مدراس اور بمبئی کے اس سے نصف۔ پادریوں کو فیسوں کے علاوہ 2500 تا 7000 ڈالر ملتے ہیں۔ طبی خدمات میں 800 فزیشن اور سرجن شامل ہیں جنہیں 1500 سے 10000 ڈالر تک تنخواہیں ملتی ہیں۔

ہندوستان میں یورپی فوجی افسر جن میں ان امدادی فوجوں کے افسر بھی شامل ہیں جنہیں ماتحت راجے مہیا کرنے کے پابند ہیں، تقریباً 8000 ہیں۔ پیدل فوج میں مقرر تنخواہیں نشان بردار کو 1080 ڈالر، لیفٹیننٹ کو 1344 ڈالر، کپتان کو 2226 ڈالر، میجر کو 3810 ڈالر، لیفٹیننٹ کرنل کو 5520 ڈالر، کرنل کو 7680 ڈالر ملتے ہیں۔ یہ تنخواہیں چھاؤنی میں ملتی ہیں۔ جنگی خدمت کی حالت میں وہ زیادہ ہیں۔ سوار فوج، توپ خانے اور انجینئری میں تنخواہیں زیادہ ہیں۔ ہیڈ کوارٹر کے عہدے یا غیر فوجی ملازمت میں نوکری حاصل کر کے کئی افسر دگنی تنخواہ پاتے ہیں۔

ہندوستان میں تقریباً دس ہزار برطانوی باشندے نفع بخش عہدے سنبھالے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے خزانے سے اپنی تنخواہ حاصل کرتے ہیں۔ ان میں وہ کافی تعداد شامل کر لی جائے جو انگلستان میں رہتے ہیں لیکن ہندوستان میں ملازمت کرنے کے بعد پنشن پاتے ہیں جو تمام خدمات میں معین مدت تک کام کرنے کے بعد واجب الادا ہوتی ہے۔ یہ پنشن انگلستان میں معہ منافع اور سود ڈیڑھ سے دو کروڑ ڈالر تک پر مشتمل ہیں جو سالانہ ہندوستان سے حاصل کی جاتی ہیں اور جنہیں در حقیقت بالواسطہ اپنے باشندوں کے ذریعے انگریز حکومت کو خراج کی ادائیگی سمجھنا چاہیے۔ جو لوگ سالانہ مختلف خدمات سے سبکدوش ہوتے ہیں، اپنی تنخواہوں سے بچتوں کی کافی بڑی رقمیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں جو ہندوستان سے سالانہ نکاس میں بہت زیادہ اضافہ ہے۔

ان یورپیوں کے علاوہ جو حکومت کی ملازمت میں شامل ہیں، ہندوستان میں دوسرے یورپی باشندے بھی ہیں جن کی تعداد 6000 یا زیادہ ہے جو تجارت یا نجی سٹے بازی کا کام کرتے ہیں۔ دیسی اضلاع میں نیل، گنے اور کافی کی کاشت کے بڑے بڑے علاقوں کے چند مالکوں کو چھوڑ کر وہ بنیادی طور پر تاجر، دلال اور صنعت کار ہیں جو کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یا ان

کے مضافات میں رہتے ہیں۔ ہندوستان کی بیرونی تجارت، جس میں درآمدات اور برآمدات شامل ہیں۔ ہر ایک کی رقم جو تقریباً 5 کروڑ ڈالر ہے، تقریباً پوری کی پوری ان کے ہاتھ میں ہے اور بلاشبہ ان کے منافع بہت زیادہ ہیں۔

چنانچہ یہ عیاں ہے کہ ہندوستان کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات سے مخصوص افراد زیادہ تر فائدہ حاصل کرتے ہیں اور بلاشبہ ان کی حاصلات سے برطانیہ کی قومی آمدنی کی رقم میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن ان اس سب کے مقابلے میں ایک اور بڑی رقم ہے۔ ہندوستان میں بڑھتے ہوئے مقبوضات پر تسلط کے ساتھ ساتھ فوجی اور بحری اخراجات جو انگلستان کے عوام کی جیب سے ادا کیے جاتے ہیں، مسلسل بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس میں برمی، افغان، چینی اور ایرانی جنگوں کا خرچ بھی شامل کرنا چاہیے۔ در حقیقت سابق روسی جنگ کے سارے خرچ کو ہندوستانی کھاتے میں قطعی طور پر رکھا جا سکتا ہے کیونکہ روس کے خوف اور خطرے سے جو جنگ شروع ہوئی، اس میں اس مسلسل تسخیر اور مستقل جارحیت کی دوڑ دھوپ کا اضافہ کیجیے جس میں انگریز عوام ہندوستان پر قبضے کی وجہ سے شامل کیے جاتے ہیں اور یقیناً یہ تردد ہو سکتا ہے کہ کیا مجموعی طور پر اس تسلط کی قیمت اتنی نہیں ادا کرنی پڑ رہی ہے جتنی اس سے کبھی بھی حاصل ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

(کارل مارکس نے ستمبر 1857ء کے شروع میں تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5123 میں 21 ستمبر 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستانی بغاوت

(لندن: 4 ستمبر 1857ء)

ہندوستان میں باغی سپاہیوں نے جو تشدد کیا ہے وہ واقعی بھیانک، مکروہ اور ناقابلِ بیان ہے۔ ایسا تشدد عام طور پر باغیانہ ہنگاموں اور قومی نسلی اور خاص طور سے مذہبی لڑائیوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مختصر طور پر، یہ ایسا تشدد ہے، اس کی محترم برطانیہ نے ہمیشہ ہمت افزائی کی جب وانڈی والوں نے اس کو "نیلوں" پر، ہسپانوی چھاپہ ماروں نے فرانسیسی بے دینوں پر، سربیائی لوگوں نے اپنے جرمن اور ہنگریائی پڑوسیوں پر، ہرواتیوں نے ویانا کے باغیوں پر، کاوینیاک کے موبائیل گارڈ یا بوناپارٹ کے 10 ویں دسمبر والوں نے [55] فرانسیسی پرولتاریہ کے بیٹے بیٹیوں پر کیا۔ ہندوستانی سپاہیوں کا رویہ چاہے کتنا مکروہ رہا ہو وہ صرف ایک مرکوز صورت میں عکاسی کرتا ہے۔ ہندوستان میں خود برطانیہ کے رویے کی، نہ صرف اپنی مشرقی سلطنت کی بنیاد

رکھنے کے دور میں بلکہ اپنی طویل حکمرانی کے پچھلے دس سال کے دوران بھی۔ اس حکومت کی نوعیت واضح کرنے کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ اذیت رسانی اس کی مالیتی پالیسی کا ایک اٹوٹ جز رہا ہے۔ تاریخِ انسانی میں انتقام جیسی ایک چیز ہے اور تاریخی انتقام کا یہ قانون ہے کہ اس کے آلات مظلوم نہیں بلکہ خود ظالم ڈھالتا ہے۔

فرانسیسی شاہی پر پہلی ضرب کسانوں نے نہیں، امرا نے لگائی۔ ہندوستانی بغاوت، جبر و تشدد اور ذلت کی شکار، برطانیہ والوں کے ہاتھوں آخری تار تک ننگی کی ہوئی رعیت نے نہیں بلکہ ان سپاہیوں نے شروع کی جن کو انہوں نے پہنا کر، کھلا پلا کر، تھپ تھپا کر موٹا کیا تھا اور لاڈ پیار سے بگاڑا تھا۔ سپاہیوں کے مظالم کی مثالیں تلاش کرنے کے لیے ہمیں قرون وسطیٰ کی گہرائیوں میں جانے کی جیسا کہ لندن کے بعض اخبار کر رہے ہیں یا موجودہ برطانیہ کی معاصرانہ تاریخ کی حدود سے باہر بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے لیے صرف پہلی چینی جنگ سے واقفیت حاصل کرنا کافی ہوگا جو یوں کہنا چاہیے، ابھی کل کی بات ہے [56] اس جنگ میں انگریز سپاہیوں نے محض تفریح کے لیے گندی حرکتیں کیں۔ ان کے غیظ و غضب میں نہ تو مذہبی عصبیت کا تقدس تھا، نہ مغرور فاتح کے خلاف شدید نفرت تھی اور نہ بہادر دشمن کی سخت مزاحمت کے خلاف اشتعال تھا۔ عورتوں کی عصمت دری، بچوں کو سنگینوں سے چھیدنا، پورے پورے گاؤں کو جلا دینا، ایسے واقعات ہیں جن کو چینی عہدیداروں نہیں بلکہ خود برطانوی افسروں نے لکھا ہے۔ یہ سب اس وقت محض بے لگام شرارت تھی۔

موجودہ ہنگامے میں بھی یہ فرض کرلینا ناقابل معافی غلطی ہوگی کہ سارا ظلم سپاہیوں کی طرف سے ہو رہا ہے اور انگریزوں کی طرف سے انتہائی مہربانی اور انسانی محبت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ برطانوی افسروں کے خطوط سے غصے کی بُو آتی ہے۔ ایک افسر نے پشاور سے اپنے خط میں دسویں بے قاعدہ سوار رجمنٹ کو نہتا کرنے کے بارے میں لکھا کیونکہ اس نے 55 ویں دیسی پیدل رجمنٹ پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس پر فخر کرتا ہے کہ وہ نہ صرف نہتے کیے گئے بلکہ ان سے کوٹ اور بوٹ

بھی چھین لیے گئے اور فی کس 12 پنیں دینے کے بعد، ان کو دریا کے کنارے لے جا کر کشتیوں میں بٹھا دیا گیا اور دریائے سندھ کے بہاؤ پر روانہ کر دیا گیا جہاں خط لکھنے والے کی پُر مسرت پیش گوئی کے مطابق دریا کے تیز دھارے میں موت ہر فرد کی منتظر تھی۔ ایک اور شخص نے لکھا ہے کہ پشاور کے کچھ باشندوں نے رواج کے مطابق شادی کے سلسلے میں گولے چھوڑ کر رات کو تشویش پھیلا دی۔ ان لوگوں کو دوسری صبح باندھ کر "ایسا پیٹا گیا کہ وہ اس کو مدتوں تک یاد کر رہے ہیں۔ سر جان لارنس نے اپنے جوابی پیغام کے ذریعے حکم دیا کہ ایک جاسوس ان کے جلسے میں شریک ہو۔ جاسوس کی رپورٹ پر سر جان نے دوسرا پیغام بھیجا "ان کو پھانسی پر لٹکا دو۔" اور سرداروں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ الہ آباد سے ایک سول افسر نے لکھا ہے "ہمارے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس میں کوئی دریغ نہیں کرتے۔" اسی جگہ سے ایک اور افسر نے لکھا ہے "کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب ہم ان (پرامن باشندوں) میں سے دس پندرہ کو پھانسی پر نہ لٹکاتے ہوں۔" ایک افسر نے فخر کے ساتھ لکھا ہے "بہادر ہومز ان کو بیسیوں کی تعداد میں لٹکا رہا ہے!" ایک اور دیسی لوگوں کے بڑے بڑے جتھوں کو مقدمہ چلائے اور تحقیقات کیے بغیر پھانسی دینے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے "تب ہماری تفریح شروع ہوئی۔" تیسرے نے لکھا ہے "ہماری فوجی عدالت گھوڑے کی پیٹھ پر ہوتی ہے اور جو کالا آدمی ہمارے سامنے آجاتا ہے، ہم یا تو اس کو پھانسی پر لٹکا دیتے ہیں یا گولی مار دیتے ہیں۔" بنارس سے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تیس زمینداروں کو اپنے ہم وطنوں سے ہمدردی کرنے کے شبہ میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور پورے پورے گاؤں بھی اسی وجہ سے جلا دیئے گئے۔ بنارس سے ایک افسر نے، جس کا خط لندن کے "ٹائمز" میں چھپا ہے، لکھا ہے "دیسی لوگوں سے ٹکر لیتے وقت یورپی سپاہی شیطان بن جاتے ہیں۔"

اور یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ انگریزوں کے مظالم فوجی بہادری کے اقدامات کی حیثیت سے پیش کیے جاتے ہیں، بڑی سادگی اور اختصار سے، مکروہ تفصیلات دیئے

بغیر بیان کیے جاتے ہی اور دیسی لوگوں کے مظالم کو، جو اپنی جگہ پر بھیانک ہیں، جان بوجھ کر مبالغہ سے پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً دہلی اور میرٹھ میں کیے جانے والے مظالم کے وہ تفصیلی حالات جو پہلے "ٹائمز" میں اور پھر لندن کے پورے پریس میں گردش میں آئے ان کو کس نے لکھا ہے؟ ایک بزدل پادری نے جو بنگلور (میسور) میں، جائے وقوعہ سے ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر رہتا ہے۔ دہلی کے اصلی واقعات کا دماغ بمقابلہ کسی ہندوستانی باغی کے وحشیانہ تصور کے کہیں زیادہ دہشت انگیزیاں تخلیق کر سکتا ہے۔ ناکوں اور چھاتیوں کو کاٹنا وغیرہ، مختصر یہ کہ لوگوں کو اپاہج بنانے والی سپاہیوں کی حرکتیں یورپی جذبات کے لیے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہیں بمقابلہ کینٹین کے مکانوں پر جلتے ہوئے گولوں کی بارش کے جس کا حکم مانچسٹر امن سوسائٹی کے سیکرٹری * نے دیا یا ایک فرانسیسی مارشل کے ہاتھوں عربوں کا جلایا جانا[57] جو ایک غار میں بند تھے یا کورٹ مارشل کے حکم کے مطابق 9 لڑوں والے چابک سے زندہ برطانوی سپاہیوں کی کھال کھینچنا یا برطانیہ کے اصلاحی قید خانوں میں کوئی اور "انسان دوست" طریقہ۔ ظلم کا بھی ہر چیز کی طرح اپنا فیشن ہوتا ہے جو وقت اور جگہ کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ صاحب علم سیزر کھلم کھلا یہ بیان کرتا ہے کہ کیسے اس کے حکم سے کئی ہزار گال سپاہیوں کے دائیں ہاتھ قلم کر دیئے گئے۔[58] نپولین اس طرح کے اقدام کو اپنے لیے قابل شرم سمجھتا۔ اس نے اس کو ترجیح دی کہ وہ ایسی فرانسیسی رجمنٹوں کو، جن پر ری پبلکن ازم کے رجحان کا شبہ تھا، سانٹو ڈومینگو کو بھیج دے جہاں وہ کالے لوگوں کے ہاتھوں یا وباؤں سے موت کے شکار ہو جائیں۔

سپاہیوں کے ہاتھوں لوگوں کے اپاہج بننے کے واقعات عیسائی بازنطینی سلطنت کے رواجوں یا قانون فوجداری پر شہنشاہ چارلس پنجم کے ہدایت نامے[59] یا برطانیہ میں ملک سے غداری کے لیے سزا (جیسا کہ جج بلیکسٹن نے لکھا ہے) کی یاد دلاتے ہیں۔[60] ہندوؤں کے لیے جن کو ان کے مذہب نے خود آزاری میں ماہر بنا دیا ہے، یہ مظالم اپنے نسل اور عقیدے کے دشمنوں پر کرنا بالکل قدرتی معلوم ہوتا ہے اور

* بورنگ۔ (ایڈیٹر)

انگریزوں کو تو یہ اور قدرتی معلوم ہونا چاہیے جو چند ہی برس پہلے جگ ناتھ کے تہواروں سے آمدنی حاصل کرتے تھے اور اس ظالم مذہب کے خونی تہواروں کی حفاظت اور معاونت کرتے تھے۔

بقول کوبیٹ "بوڑھے خونی "ٹائمز" کی خوفناک گرج، اس کا موتسارت کے ایک اوپیرا کے ایک پرغیظ کردار کا پارٹ ادا کرنا، جو اس تصویر میں بڑے سریلے گیت گاتا ہے کہ وہ پہلے اپنے دشمن کو پھانسی پر لٹکائے گا، پھر اس کو بھونے گا، اس کے ٹکڑے کرے گا، پھر اس کو چھیدے گا، اس کی زندہ جان کھال کھینچے گا۔[61] اور "ٹائمز" کی یہ مستقل کوشش کہ وہ انتقامی جذبات کے شعلے انتہائی حد تک بھڑکا دے گا۔ یہ سب باتیں حماقت معلوم ہوتیں اگر المیے کے رنج و الم کی تہہ میں کامیڈی کی شرارت آمیز جھلک صاف نہ دکھائی دیتی۔ لندن "ٹائمز" اپنے پارٹ میں جو ضرورت سے زیادہ اداکاری کرتا ہے وہ محض بدحواسی کی وجہ سے نہیں ہے وہ طریقے کو ایک نیا موضوع دیتا ہے جو مولیئر سے بھی نظرانداز ہوگیا تھا یعنی تارتیوف کا انتقام۔ درحقیقت اس کا سارا مقصد سرکاری کاغذات کو مشتہر کرنا اور حکومت کو حملوں سے بچانا ہے۔ چونکہ دہلی کی دیواریں جیریکو کی دیواروں[62] کی طرح ہوا کے جھکڑوں سے نہیں گریں اس لیے جان بل کے کانوں کو انتقام کی چیخوں سے بہرا کرنے اور اس کو یہ بھلانے کی ضرورت ہے کہ اس کی حکومت اس مصیبت کی اور اس بات کی ذمے دار ہے کہ ان مصائب کو زبردست پیمانے تک بڑھنے دیا گیا۔

(کارل مارکس نے 4 ستمبر 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5119 میں 16 ستمبر 1857ء کو شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستان میں بغاوت

ہندوستان سے کل جو خبر ہمیں پہنچی وہ انگریزوں کے لیے تباہ کن اور ڈراؤنا پہلو رکھتی ہے، اگرچہ جیسا کہ دوسرے کالم میں دیکھا جا سکتا ہے، لندن کا ہمارا دانشمندانہ نامہ نگار اسے مختلف طریقے سے دیکھتا ہے۔[63] دہلی سے ہمارے پاس 29 جولائی تک کی تفصیلات ہیں اور بعد کی ایک رپورٹ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیضے کی تباہ کاریوں کی وجہ سے محاصرین فوجیں دہلی کے سامنے سے پسپا ہونے پر مجبور ہوگئیں اور انھوں نے آگرے کو اپنی قیام گاہ بنالیا۔ یہ سچ ہے کہ اس رپورٹ کو لندن کے کسی بھی اخبار نے تسلیم نہیں کیا ہے لیکن ہم زیادہ سے زیادہ اسے صرف کچھ قبل از وقت خیال کر سکتے ہیں جیسا کہ ہم ہندوستانی مراسلت سے جانتے ہیں۔ محاصر فوج کو 14، 18 اور 23 جولائی کے دھاووں سے سخت نقصان پہنچا تھا۔ ان موقعوں پر باغی پہلے کے مقابلے میں زیاہ بے دھڑک اور جوش سے لڑے اور انھوں نے اپنی توپوں کی برتری سے پورا فائدہ اٹھایا۔

"ہم 18 پونڈ اور 8 انچ والی دور انداز توپوں سے گولہ باری کر رہے ہیں اور

باغی اس کا جواب چوبیس اور بتیس سے دے رہے ہیں- ایک برطانوی افسر لکھتا ہے- دوسرے خط میں تحریر ہے "محصورین کے اٹھارہ حملوں میں جو ہم کو برداشت کرنا پڑے- ہماری طرف سے ایک تہائی مارے گئے اور زخمی ہوئے-"

جس کمک کی توقع کی جاتی تھی وہ جنرل وان کورٹلانڈٹ کی سربراہی میں سکھوں کی ایک جماعت تھی- جنرل ہیولاک کئی کامیاب لڑائیاں لڑنے کے بعد کانپور واپس چلے جانے پر مجبور ہوئے اور وقتی طور پر انہوں نے لکھنؤ کو امداد پہنچانے کا خیال ترک کر دیا- ساتھ ہی "دہلی کے سامنے موسلا دھار بارش ہونے لگی-" اور نتیجے میں ہیضے کی شدت میں اضافہ ہو گیا وہ خبر جو آگرے کو پسپائی کا اور کم از کم وقتی طور پر عظیم مغل دارالحکومت کو مغلوب کرنے کی کوشش سے دستبرداری کا اعلان کرتی ہے- اگر اب تک صحیح نہیں ثابت ہو چکی تو ثابت ہو جائے گی-

گنگا کی لائن پر بنیادی دلچسپی جنرل ہیولاک کی فوجی کارروائیوں سے ہے جس کے فتح پور، کانپور اور بٹھور میں معرکوں کی ہمارے لندن کے معاصرین نے ضرورت سے زیادہ تعریف کی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کانپور سے پچیس میل آگے بڑھنے کے بعد وہ پھر اس جگہ پسپا ہونے پر مجبور ہوئے تاکہ نہ صرف اپنے بیماروں کو وہاں رکھ سکیں بلکہ کمک کا انتظار بھی کریں- یہ سخت افسوس کا مقام ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنؤ کو آزاد کرانے کی کوششیں ترک کر دی گئیں- اس شہر کی برطانوی محافظ فوج کے لیے واحد امید 3000 گورکھوں کی قوت ہے جسے جنگ بہادر نے نیپال سے ان کے لیے بطور کمک بھیجا ہے- اگر وہ محاصرہ توڑنے میں ناکام رہے تو لکھنؤ میں کانپور کے قتل عام کا ڈرامہ پھر کھیلا جائے گا- یہی سب کچھ نہیں ہے- لکھنؤ کے قلعے پر باغیوں کا قبضہ اور نتیجے میں اودھ پر ان کے اقتدار کا استحکام دہلی کے خلاف ساری برطانوی فوجی کارروائی کے پہلو کو خطرے میں مبتلا کر دے گا- بنارس میں لڑنے والی فوجوں کے توازن کا فیصلہ باغیوں کے حق میں کرے گا اور بہار کے سارے علاقے میں بھی- اگر باغی لکھنؤ کے قلعے پر قابض رہے تو کانپور کی اہمیت گھٹ کر نصف رہ جائے گی اور ایک طرف دہلی کے ساتھ اور دوسری طرف بنارس کے ساتھ

اس کی نقل و حمل کو خطرہ درپیش ہو گا- یہ امکانی حالت اس تکلیف دہ دلچسپی میں اضافہ کرتی ہے جس سے اس مقام کی خبر کا انتظار کرنا پڑتا ہے- 16 جون کو لکھنؤ کی محافظ فوج نے اپنی قوتِ برداشت کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ چھ ہفتے تک قحط برداشت کر سکتی ہے- خبروں کی آخری تاریخ تک ان میں سے پانچ ہفتے گزر چکے ہیں- وہاں ہر چیز کا انحصار نیپال سے کمک پر ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن جو ہنوز یقینی نہیں ہے-

اگر ہم کانپور سے گنگا کے بہاؤ پر بنارس اور ضلع بہار تک آئیں تو برطانیہ کا مستقبل اور بھی مایوس کن نظر آتا ہے- بنارس سے "بنگال گزٹ"(64) کے نام ایک خط مورخہ 3 اگست میں درج ہے کہ

"دیناپور کے باغی سون پار کر کے آرہ تک پہنچے یورپی باشندوں نے اپنی حفاظت کے لیے بجا طور پر پریشان ہو کر کمک کے لیے دیناپور لکھا چنانچہ دو دخانی جہاز ارسال کر دیئے گئے جن میں ملکہ معظمہ کی 5 ویں، 10 ویں اور 37 ویں رجمنٹیں تھیں- رات کے وسط میں ایک دخانی جہاز خشکی پر چڑھ آیا اور بری طرح پھنس گیا- لوگ فوراً زمین پر اترے اور پیدل چلنے لگے لیکن انہوں نے مناسب احتیاط نہیں برتی- اچانک دونوں طرف سے اور قریب ہی سے ان پر زبردست گولہ باری کی گئی- اور ان کے چھوٹے دستے کے 150 لوگ جن میں کئی افسر بھی شامل تھے، ناکارہ ہو گئے- یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ آرہ میں تمام یورپی جن کی تعداد تقریباً 37 تھی مار ڈالے گئے-"

آرہ بنگال پریذیڈنسی کے برطانوی ضلع شاہ آباد میں ایک قصبہ ہے جو دیناپور سے غازی پور جانے والی سڑک پر اول الذکر سے مغرب میں پچیس میل اور آخر الذکر سے مشرق میں پچھتر میل کے فاصلے پر واقع ہے- خود بنارس کو خطرہ تھا- یہاں یورپی وضع کا ایک قلعہ تعمیر کیا گیا ہے اور اگر یہ باغیوں کے ہاتھ میں آ گیا تو دوسرا دہلی بن جائے گا- مرزا پور میں جو بنارس کے جنوب میں اور گنگا کے مخالف کنارے واقع ہے، مسلمانوں کی ایک سازش پکڑی گئی ہے- اور گنگا پر بیرام پور جو

کلکتہ سے لگ بھگ اسی میل دور ہے 63 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کو نہتا کر لیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ایک طرف ناراضی اور دوسری طرف دہشت بنگال کی ساری پریذیڈنسی میں پھیل رہی ہے، یہاں تک کہ کلکتہ کے پھاٹکوں تک جہاں محرم کے ماتم کا تکلیف دہ خدشہ پھیلا ہوا ہے جب اسلام کے ماننے والے شدید جنون میں مبتلا ہو کر تلواریں لے کر نکلتے ہیں اور ذرا سے اشتعال پر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اس سے امکان ہے کہ انگریزوں پر عام حملہ ہو اور گورنر جنرل* مجبور ہوا ہے کہ اپنے باڈی گارڈ تک کو نہتا کرے تو قاری فوراً سمجھ جائے گا کہ نقل و حمل کی خاص برطانوی لائن، گنگا لائن خطرے میں ہے کہ اس میں خلل پڑ جائے، اسے منقطع کر دیا جائے اور بند کر دیا جائے اور اس کا اثر نومبر میں آنے والی کمک کے آنے پر پڑے گا اور جمنا پر برطانوی فوجی نقل و حرکت کٹ جائے گی۔

بمبئی پریذیڈنسی میں بھی معاملات بڑے سنجیدہ پہلو اختیار کر رہے ہی۔ کولہاپور میں بمبئی کی 27 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کا غدر ایک حقیقت ہے لیکن برطانوی فوج کے ہاتھوں اس کی شکست صرف افواہ ہے۔ بمبئی کی دیسی فوج نے ناگپور، اورنگ آباد، حیدر آباد اور آخر میں کولہاپور میں یکے بعد دیگرے بغاوتیں کی ہیں۔ بمبئی کی دیسی فوج کی قوت 43048 جوان ہیں جب کہ اس پریڈنسی میں درحقیت صرف دو یورپی رجمنٹیں ہیں۔ دیسی فوج پر نہ صرف بمبئی پریذیڈنسی کی حدود میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے بھروسہ کیا گیا بلکہ پنجاب میں سندھ تک کمک بھیجنے، مئو اور اندور تک کالم روان کرنے، آگرے سے نقل و حمل قائم کرنے اور اس جگہ کی محافظ فوج کو آزاد کرانے کا بھی اعتماد کیا گیا۔ بریگیڈیئر اسٹیوارٹ کا کالم جس کے ذمے یہ فوجی نقل و حرکت تھی بمبئی کی تیسری یورپی رجمنٹ کے 300 آدمیوں، بمبئی کی 6 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کے 250 آدمیوں، بمبئی کی 25 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کے 1000، بمبئی کی 19 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کے 200، حیدر آباد کی فوج کی تیسری سوار رجمنٹ کے 800 آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس فوج کے ساتھ جو 2250 مقامی سپاہیوں

* چارلس جان کیننگ۔ (ایڈیٹر)

پر مشتمل ہے تقریباً 700 یورپی ہیں جن کا تعلق ملکہ کی 86 ویں پیدل رجمنٹ اور ملکہ کی 14 ویں رسالہ رجمنٹ سے ہے۔ علاوہ ازیں انگریزوں نے دیسی فوج کا ایک کالم اورنگ آباد میں جمع کیا تاکہ خاندیش اور ناگپور کے بے چین علاقوں کو دھمکا سکیں اور ساتھ ہی ساتھ وسطی ہندوستان میں متحرک کالموں کے لیے امداد فراہم کریں۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے اس حصے میں "سکون بحال کر لیا گیا۔" لیکن اس اعلان پر ہم بالکل اعتبار نہیں کر سکتے، درحقیقت یہ مئو پر قبضہ نہیں جو اس سوال کا فیصلہ کرتا ہے بلکہ دو مرہٹہ راجوں ہولکر اور سندھیا کی اختیار کردہ روش ہے۔ اسی خبر میں جو ہمیں مئو میں اسٹیوارٹ کی آمد سے مطلع کرتی ہے، یہ شامل ہے کہ اگرچہ ہولکر اب بھی لائق اعتبار ہے لیکن اس کی فوج قابو سے باہر ہو گئی ہے۔ جہاں تک سندھیا کی پالیسی کا تعلق ہے ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ وہ نوجوان، مقبول عام، جوشیلا اور ساری مرہٹہ قوم کا قدرتی طور پر سربراہ اور اسے متحد کرنے کا مرکز بن سکتا ہے۔ اس کے اپنے اچھے ضبط والے 10000 فوجی ہیں۔ برطانیہ سے اس کی علیحدگی کے نتیجے میں انگریزوں کو نہ صرف وسطی ہندوستان سے ہاتھ دھونا پڑے گا بلکہ انقلابی اتحاد کو زبردست طاقت اور ثابت قدمی ملے گی۔ دہلی کے سامنے سے فوجوں کی پسپائی، بغاوت پر آمادہ لوگوں کی دھمکیاں اور التجائیں آخر کار اسے اپنے ہم وطنوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کر سکتی ہیں، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بغاوت نے آخر کار فیصلہ کن طریقے سے سر اٹھا لیا ہے۔ یہاں بھی محرم خاص طور پر خطرناک ہے۔ تو بمبئی فوج کی ایک عام بغاوت کی پیش گوئی کرنا بالکل بے سبب نہیں ہے۔ مدراس فوج بھی جس کی تعداد 60555 مقامی فوجی ہیں اور جنہیں تین انتہائی کٹر مسلمان اضلاع حیدر آباد، ناگپور، مالوے سے بھرتی کیا گیا ہے اس مثال کے نقش قدم پر چلنے میں دیر نہیں کریں گے، لہٰذا اگر یہ پیش نظر رکھا جائے کہ اگست اور ستمبر میں بارش کے موسم میں برطانوی فوجوں کی حرکت مفلوج ہو جائے گی اور ان کے رسل و رسائل میں رکاوٹیں ہوں گی اور یہ مفروضہ معقول معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بظاہر طاقت کے باوجود، کمک جو یورپ سے بھیجی جا رہی ہے، بہت دیر میں آ رہی ہے

اور صرف قطروں میں، اس پر عائد شدہ فریضے کے لیے ناکافی ثابت ہوگی۔ اگلی مہم میں ہم افغانستان میں تباہیوں کے اعادہ کی تقریباً یقینی توقع کر سکتے ہیں۔ (65)

(کارل مارکس نے 18 ستمبر 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5134 میں 13 اکتوبر 1857ء کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا۔

کارل مارکس

ہندوستان میں بغاوت

"اٹلانٹک" جہاز کے ذریعے کل جو ہندوستان سے خبریں موصول ہوئی ہیں ان میں دو نمایاں نقطے ہیں، یعنی لکھنؤ کو مدد دینے کے لیے پیش قدمی کرنے میں جنرل ہیولاک کی ناکامی اور دہلی کے سامنے انگریزوں کی صف بندی۔ آخرالذکر حقیقت کا مماثل صرف برطانوی تاریخی تحریروں خاص کر والخیرین مہم (66) میں ملتا ہے۔ اگرچہ اگست 1809ء کے وسط میں قریب اس مہم کی ناکامی یقینی ہوگئی پھر بھی انگریزوں نے نومبر تک لنگر اٹھانا ملتوی کر دیا۔ نپولین کو جب معلوم ہوا کہ انگریز فوج اس مقام پر اتر آئی ہے تو اس نے مشورہ دیا کہ اس پر حملہ نہ کیا جائے اور اس کی تباہی کو بیماری کے لیے چھوڑ دیا جائے جو فرانس کی ایک پائی بھی خرچ کیے بغیر توپوں کے مقابلے میں یقینی زیادہ نقصان پہنچائے گی۔ موجودہ مغل اعظم جس کی حیثیت نپولین سے بہتر ہے اس حالت میں ہے کہ بیماری کی مدد دھاووں سے کرے اور اپنے دھاووں کی بیماری سے۔

برطانوی حکومت کا ایک مراسلہ کالیاری سے مورخہ 27 ستمبر ہمیں مطلع کرتا

ہے:

"دہلی سے تازہ ترین اطلاعات 12 اگست کی ہیں جب اس شہر پر باغیوں کا ہنوز قبضہ تھا لیکن حملے کی عنقریب امید کی جاتی ہے کیونکہ جنرل نکلسن کافی کمک کے ساتھ دہلی سے صرف ایک دن کی مسافت پر ہیں۔"

اگر دہلی پر ان کی موجودہ طاقت سے ولسن اور نکلسن کے حملے تک قبضہ نہیں کیا گیا تو اس کی دیواریں اس وقت تک کھڑی رہیں گی جب تک کہ وہ خود منہدم نہ ہو جائیں۔ نکلسن کی "کافی" فوجیں تقریباً 4000 سکھوں پر مشتمل ہیں۔ یہ کمک دہلی پر حملہ کرنے کے لیے نامعقول طور پر غیر متناسب ہے لیکن اتنی بڑی ہے کہ شہر کے سامنے کیمپ کو نہ توڑنے کا ایک نیا خودکشی جیسا بہانہ فراہم کر سکے۔

جنرل ہیوٹ سے غلطی سرزد ہونے کے بعد اور فوجی نقطہ نظر سے اسے جرم تک کہا جا سکتا ہے، میرٹھ کے باغیوں کو دہلی تک پہنچنے کی اجازت دے کر اور اس شہر پر بے قاعدہ اچانک حملے کا موقع دے کر پہلے دو ہفتے ضائع کرنے کے بعد دہلی کے محاصرے کی منصوبہ بندی تقریباً ناقابل فہم فاش غلطی معلوم ہوتی ہے۔ ایک مستند شخصیت، جسے ہم لندن "ٹائمز" کے فوجی لسان الغیب سے بھی بالاتر سمجھنے کی آزادی لیتے ہیں یعنی نپولین جنگی کارروائی کے دو قاعدے پیش کرتا ہے جو تقریباً فرسودہ باتیں نظر آتی ہیں کہ "صرف امکان کے بس کا کام اختیار کرنا چاہیے اور صرف وہ جو کامیابی کے سب سے زیادہ امکانات پیش کرتا ہے۔" اور دوسرے، کہ "صرف اس جگہ بنیادی قوتوں کو استعمال کرنا چاہیے جہاں جنگ کا خاص مقصد دشمن کی تباہی حاصل کرنا ممکن ہو۔" دہلی کے محاصرے کی منصوبہ بندی میں ان ابتدائی قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی۔ انگلستان کے حکام بالا کو واقف ہونا چاہیے تھا کہ خود ہندوستانی حکومت نے حال میں دہلی کی قلعہ بندیوں کی مرمت کی ہے، چنانچہ اس شہر پر صرف باقاعدہ محاصرے کے ذریعے قبضہ کیا جا سکتا ہے جو کم سے کم 15000 تا 20000 جوانوں کی محاصر فوج کا تقاضا کرتا ہے اور اگر مدافعت معقول طرز سے کی جائے تو اس سے بھی زیادہ کا۔ اب اگر اس مہم کے لیے 15000 یا 20000 جوانوں کی ضرورت

تھی تو 6000 تا 7000 سے اسے انجام دینا سراسر حماقت ہے۔ مزید براں انگریز واقف تھے کہ طویل محاصرہ، جو واقعی ان کی عددی کمزوری کا نتیجہ ہے اس مقام پر، اس آب و ہوا اور موسم میں ان کی صفوں میں تباہی کے بیج بو کر ان کی فوجوں کو ناقابلِ شکست اور غیر مرئی دشمن کے حملوں سے خطرے میں ڈال دے گا لہٰذا دہلی کے محاصرے کی کامیابی کے کوئی امکانات نہ تھے۔

جہاں تک جنگ کے مقصد کا تعلق ہے وہ بلاشبہ ہندوستان میں انگریز حکمرانی قائم رکھنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دہلی فوجی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے بالکل اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ سچ ہے کہ تاریخی روایات نے باغیوں کی نظر میں اسے توہمانہ اہمیت عطا کر دی جو اس کے حقیقی اثر سے ٹکراتی ہے اور یہ کافی سبب بن گیا کہ باغی سپاہی جمع ہونے کی جگہ کے طور پر اسے منتخب کریں، لیکن اگر مقامی تعصبات کے مطابق اپنے فوجی منصوبے مرتب کرنے کی بجائے انگریزوں نے دہلی کو تن تنہا اور علیحدہ چھوڑ دیا ہوتا تو وہ اسے اپنے وہمی اثر سے محروم کر دیتے لیکن اس کے سامنے اپنے خیمے ڈال کر، اس کی دیواروں کے خلاف اپنا سر توڑتے ہوئے اور اس پر اپنی بنیادی قوت اور دنیا کی توجہ کو مرکوز کر کے انہوں نے پسپائی کے امکانات تک سے اپنے آپ کو محروم کر لیا یا شاید پسپائی کو نمایاں شکست کی شکل دی۔ اس طرح وہ محض باغیوں کے ہاتھ میں کھیلتے ہیں جو دہلی کو مہم کا مرکز بنانا چاہتے ہیں لیکن یہ سب کچھ نہیں ہے۔ انگریزوں کو یہ سمجھنے کے لیے بڑی ذکاوت کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کے لیے ایک سرگرم میدانی فوج قائم کرنا بنیادی اہمیت رکھتا تھا جس کی فوجی نقل و حرکت بے چینی کی چنگاریاں بجھائے، اپنے فوجی اسٹیشنوں کے درمیان رسل و رسائل کو کھلا رکھے، دشمنوں کو چند نقطوں پر پسپا کر دے اور دہلی کو باقی ملک سے کاٹ دے اس سادہ اور صریح منصوبے پر عمل کرنے کی بجائے انہوں نے اپنی دستیاب سرگرم فوج کو دہلی کے سامنے مرکوز کر کے اس کی نقل و حرکت کو ناممکن بنا دیا، باغیوں کے لیے میدان کھول دیا۔ جب خود ان کے محافظ دستے بکھرے ہوئے نقطوں کو سنبھالے ہوئے ہیں، جن کے درمیان ربط نہیں ہے، جو ایک دوسرے سے

کافی فاصلے پر ہیں، ان زبردست مخالف فوجوں سے گھرے ہوئے ہیں جنہیں مہلت لینے کا موقع دیا گیا ہے۔

دہلی کے سامنے اپنا خاص سرگرم کالم جما کر انگریزوں نے باغیوں کا گلا نہیں گھونٹا بلکہ خود اپنے محافظ دستوں کو بے جان کر دیا لیکن دہلی میں اس بنیادی فاش غلطی کے علاوہ جنگ کی تاریخ میں مشکل ہی سے کوئی چیز اس حماقت کا مقابلہ کر سکتی ہے جو ان محافظ دستوں کی نقل و حمل کی رہنمائی کر رہی ہے جب وہ آزاد، ایک دوسرے کا لحاظ کیے بغیر عمل کر رہے ہیں، جن کی کوئی اعلیٰ قیادت نہیں ہے اور ایک فوج کے ممبروں کی طرح نہیں بلکہ مختلف مخالف قوموں سے تعلق رکھنے والوں کی طرح عمل کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر کانپور اور لکھنؤ کے معاملے کو لیجیے۔ وہ پڑوسی مقامات ہیں جن میں فوج کی دو علیحدہ جماعتیں ہیں اور وہ موقع کے لحاظ سے غیرمتناسب، کم تعداد اور علیحدہ کمانوں کے زیر تحت ہیں۔ اگرچہ صرف چالیس میل انہیں ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں لیکن ان کے درمیان عمل کا اتحاد اتنا کم ہے گویا وہ مخالف قطبین پر واقع ہوں۔ فوجی حکمت عملی کے سادہ ترین قواعد مطالبہ کرتے ہیں کہ کانپور کے فوجی کمانڈر سرہیو وہیلر کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اودھ کے چیف کمشنر سے سرلارنس کو اپنے دستوں کے ساتھ کانپور واپس آنے کا حکم دیتے۔ اس طرح وقتی طور پر لکھنؤ خالی کر کے ان کی حالت بہتر ہو جاتی اور اس نقل و حرکت سے دونوں محافظ فوجوں کو بچا لیا جاتا اور ان کے ساتھ ہیولاک کے دستوں کے آئندہ اتصال سے ایک ایسی چھوٹی فوج بن جاتی جو اودھ کو تھامے رہتی اور آگرے کی مدد کرتی۔ اس کی بجائے دو مقامات میں آزاد عمل سے کانپور کی محافظ فوج گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالی گئی، لکھنؤ کی محافظ فوج معہ اپنے قلعے کے یقینی ہتھیار ڈالنے والی ہے اور ہیولاک کی حیرت انگیز کوششوں تک جو اپنے دستوں کو آٹھ دن میں 126 میل کوچ کرا رہے ہیں اور جنہیں اتنی ہی لڑائیاں برداشت کرنا پڑ رہی ہیں جتنی ان کے کوچ کے دنوں کی تعداد، اور یہ سب کچھ ایسی ہندوستانی آب و ہوا میں کیا جا رہا ہے جب گرمیوں کا موسم عروج پر ہے۔ یہ بہادر کوششیں تک بیکار رہیں۔ لکھنؤ کو

بچانے کی فضول کوششوں کے لیے اپنے تھکے ہوئے دستوں کو مزید شامل کر کے، کانپور سے مسلسل مہموں کی وجہ سے یقینی مزید فضول قربانیاں دینے پر مجبور ہو کر جو مسلسل کم ہوتے ہوئے دائرے میں ہو رہی ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ وہ آخر کار پسپا ہو کر الہ آباد آ جائیں گے اور ان کی پشت پر مشکل ہی سے جوان باقی رہیں گے۔ ان کے دستوں کی نقل و حرکت بہترین طریقے سے یہ بات دکھاتی ہے کہ دہلی کے سامنے وہ چھوٹی سے انگریز فوج بہت کچھ کر سکتی تھی اگر وہ وبائی کیمپ میں زندہ گرفتار رہنے کی بجائے میدان میں عمل کے لیے مرکوز کی جاتی۔ ارتکاز حکمت عملی کا راز ہے۔ لامرکزیت وہ منصوبہ ہے جسے انگریز نے ہندوستان میں اختیار کیا ہے جو انہیں کرنا چاہیے تھا یہ تھا کہ محافظ فوجوں کی تعداد کم سے کم کر دیں، ان سے عورتیں اور بچے فوراً ہٹا لیں، وہ تمام اسٹیشن خالی کر دیں جو حکمت عملی کے نقطے سے اہم نہیں ہیں اور اس طرح میدان میں ممکن سب سے بڑی فوج جمع کریں۔ اب کمک کی وہ حقیر تعداد تک جو کلکتہ سے گنگا کے ذریعے بھیجی گئی تھی، الگ الگ متعدد محافظ فوجوں میں اتنی مکمل طور پر جذب ہو گئی ہے کہ ایک بھی دستہ الہ آباد نہیں پہنچا۔

جہاں تک لکھنؤ کا تعلق ہے تو انتہائی افسردہ پیش بینیاں جو حالیہ گزشتہ ڈاک نے دل میں پیدا کی تھیں وہ اب صحیح ثابت ہو گئیں۔ ہیولاک پھر پسپا ہو کر کانپور جانے پر مجبور ہوئے، اتحادی نیپالی فوج کی کمی کا کوئی امکان نہیں اور اب ہمیں یہ سننے کی توقع کرنا چاہیے کہ اس جگہ پر بھوک اور بہادر مدافعین کے مع بیوی بچوں قتلِ عام کے بعد قبضہ ہو گیا۔

(کارل مارکس نے 29 ستمبر 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5142 میں 13 اکتوبر 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستان میں بغاوت

ہندوستان میں بغاوت کی صورت حال سے بحث کرتے ہوئے لندن کے اخبار اسی رجائیت سے سرشار ہیں جو انھوں نے ابتدا ہی سے ظاہر کی تھی۔ ہم سے صرف یہی نہیں کہا گیا ہے کہ دہلی پر کامیاب حملہ ہونے والا ہے بلکہ وہ 20 اگست کو کیا جائے گا۔ بلاشبہ جس پہلی بات کی تحقیق کرنی ہے وہ محاصر قوت کی موجودہ طاقت ہے۔ توپ خانے کے ایک افسر نے دہلی کے سامنے کیمپ سے 13 اگست کو لکھتے ہوئے اسی ماہ کی 10 تاریخ کو لڑاکو برطانوی فوجوں کے متعلق ذیل میں تفصیل سے یہ بتایا ہے:

	برطانوی افسر	برطانوی فوج	دیسی افسر	دیسی فوج	گھوڑے
اسٹاف	30	----	----	----	----
توپ خانہ	39	598	----	----	----
انجینئر	26	39	----	----	----
گھڑسوار	18	570	----	----	520
پہلا بریگیڈ					
ملکہ معظمہ کی 75ویں رجمنٹ	16	502	----	----	----
ایسٹ انڈیا کمپنی کی پہلی ہندوستانی رجمنٹ	17	487	----	----	----
کماؤں بٹالین	4	----	13	435	----
دوسرا بریگیڈ					
ملکہ معظمہ کی 60ویں رائفلز رجمنٹ	15	251	----	----	----
ایسٹ انڈیا کمپنی کی دوسری ہندوستانی رجمنٹ	20	493	----	----	----
تیمور بٹالین	4	----	9	319	----
تیسرا بریگیڈ					
ملکہ معظمہ کی 8ویں رجمنٹ	15	153	----	----	----
ملکہ معظمہ کی 61ویں رجمنٹ	12	249	----	----	----
چوتھی سکھ رجمنٹ	4	----	4	365	----
گائیڈ کور	4	----	4	196	----
کوک کور	5	----	16	709	----
کل	229	3343	46	2024	520

لہٰذا دہلی کے سامنے کیمپ میں کل لڑاکو برطانوی فوج کی 10 اگست کو ٹھیک ٹھیک تعداد 5641 تھی۔ ان میں سے ہم 120 آدمی (112 سپاہی اور 8 افسر) منہا کردیں

جو انگریزی اطلاعات کے مطابق 12 اگست کو انگریزوں کے بائیں بازو کے سامنے مورچے پر باغیوں کے حملے میں کام آئے تو لڑنے والے آدمیوں کی تعداد 5521 باقی رہی۔ جب بریگیڈیئر نکلسن فیروزپور سے مندرجہ ذیل فوجوں کے ساتھ دوسرے درجے کا محاصرے کا سامان لاکر محاصر فوج میں شامل ہوا: 52 ویں سبک پیدل رجمنٹ (تقریباً 100 جوان)، 61 ویں رجمنٹ کا ایک دستہ (تقریباً 4 کمپنیاں، 360 جوان)، بوچیر کا میدانی توپ خانہ، چھٹی پنجاب رجمنٹ کا ایک دستہ (تقریباً 540 جوان) اور ملتان کے کچھ سوار اور پیدل، کل ملا کر لگ بھگ 2 ہزار آدمی جن میں سے تقریباً 1200 یورپی تھے۔ اب اگر ہم اس قوت کو 5521 لڑنے والوں میں شامل کر دیں جو نکلسن کی فوجوں کے پہنچنے کے وقت کیمپ میں موجود تھے تو کل مجموعہ 7521 آدمیوں کا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پنجاب کے گورنر سر جان لارنس نے جو مزید کمک روانہ کر دی ہے اس میں 8 ویں پیدل رجمنٹ کا باقی حصہ پشاور سے کپتان بیٹن کی فوج کی 24 ویں رجمنٹ کی تین کمپنیاں جن میں گھوڑوں سے کھینچنے والی تین توپیں ہیں، دوسری اور چوتھی پنجاب پیدل رجمنٹیں، چھٹی پنجاب رجمنٹ کا باقی حصہ شامل ہیں۔ لیکن یہ قوت جس کا تخمینہ زیادہ سے زیادہ 3000 آدمی لگایا جا سکتا ہے اور جس کا بڑا حصہ سکھوں پر مشتمل ہے ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ اگر قاری تقریباً ایک ماہ پہلے چیمبرلین کی رہنمائی میں پنجاب سے کمک کی آمد کو یاد کر سکتا ہے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آخرالذکر صرف اتنی کافی تھی کہ جنرل ریڈ کی فوج کو سر برنارڈ کی فوجوں کی ابتدائی تعداد تک لے آئے اور نئی کمک صرف اتنی کافی ہے کہ بریگیڈیئر ولسن کی فوج کو جنرل ریڈ کی ابتدائی قوت تک لے آئے۔ انگریزوں کے حق میں واحد حقیقی صورت حال یہ ہے کہ آخرکار محاصرے کا سامان آ گیا لیکن فرض کیجئے کہ متوقع 3 ہزار آدمی کیمپ میں شامل ہو جائیں اور کل انگریز فوج کی تعداد 10 ہزار تک پہنچ جائے جن میں سے ایک تہائی کی وفاداری مشتبہ ہے تو پھر وہ کیا کریں گے؟ ہم سے کہا گیا ہے کہ وہ دہلی کا محاصرہ کریں گے لیکن ایک مضبوط قلعہ بند شہر کا جو سات میل سے زیادہ پھیلا ہوا ہے، 10 ہزار آدمیوں سے محاصرہ کرنے کے مضحکہ خیز خیال کے علاوہ انگریزوں کو

دہلی کا محاصرہ کرنے کی بابت سوچنے سے قبل جمنا کو اس کے معین بہاؤ سے ہٹانا چاہیے۔ اگر انگریز دہلی میں صبح کو داخل ہوئے تو باغی اسے شام کے وقت چھوڑ سکتے ہیں، یا تو جمنا پار کرکے روہیل کھنڈ اور اودھ کی طرف روانہ ہو کر یا جمنا پر سے کوچ کرکے متھرا اور آگرے کی سمت میں۔ بہرحال ہر صورت میں ایک مربع کا محاصرہ جب اس کا ایک پہلو محاصر فوج کے لیے نارسا ہے اور محصوروں کے لیے نقل و حرکت اور پسپائی کا راستہ موجود ہے تو مسئلہ ہنوز حل نہیں ہوا ہے۔

"سب کو اتفاق ہے" وہی افسر کہتا ہے جس سے ہم نے مندرجہ بالا جدول اخذ کی ہے "کہ دہلی پر حملہ کرکے قبضہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

ساتھ ہی وہ ہمیں مطلع کرتا ہے کہ کیمپ میں واقعی کسی چیز کی توقع کی جا رہی ہے یعنی: "شہر پر کئی دن تک گولہ باری کی جائے اور کافی بڑا شگاف کیا جائے"۔ اور خود یہی افسر لکھتا ہے کہ:

> "کم سے کم تخمینے کے مطابق اب دشمن کے پاس بے شمار اور اچھی طرح چلنے والی توپوں کے علاوہ تقریباً چالیس ہزار آدمی ہونے چاہئیں۔ ان کی پیدل فوج بھی اچھی طرح لڑ رہی ہے"۔

اگر اس بے دھڑک ڈھیلے پن کو پیش نظر رکھا جائے جس سے مسلمان شہرپناہ کے اندر لڑنے کے عادی ہیں تو یہ واقعی اور بھی بڑا سوال ہو جاتا ہے کہ آیا چھوٹی سی برطانوی فوج کو "کافی بڑے شگاف" کے ذریعے تیزی سے داخل ہونے کے بعد پھر تیزی سے باہر نکلنے کا موقع بھی ملے گا۔

درحقیقت موجودہ برطانوی قوتوں کے لیے دہلی پر کامیاب حملہ کرنے کا صرف ایک امکان ہے کہ باغیوں میں اندرونی نزاعات پیدا ہو رہے ہوں، ان کا گولہ بارود صرف ہو رہا ہو، ان کی فوجوں کی ہمت پست ہو رہی ہو، ان کی خوداعتمادی کا جذبہ رخصت ہو رہا ہو۔ لیکن ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ 31 جولائی سے 12 اگست تک ان کی مسلسل لڑائی سے ایسے مفروضے کی مشکل ہی سے تصدیق ہوتی ہے۔ ساتھ ہی کلکتہ کے ایک خط سے ہمیں کھلا اشارہ ملتا ہے کہ انگریز جنرلوں نے سارے فوجی

قاعدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دہلی کے سامنے اپنے آپ کو جمائے رکھنے کا فیصلہ کیوں کیا ہے۔ اس میں تحریر ہے:

> "چند ہفتے پہلے جب یہ سوال اٹھا کہ آیا دہلی کے سامنے سے ہماری فوج کو پسپا ہونا چاہیے کیونکہ روزانہ لڑنے سے اس کا ناک میں دم آگیا ہے جس کے ساتھ ساتھ اسے کہیں زیادہ طویل آرام بھی کرنا پڑتا ہے تو سرجان لارنس نے اس منصوبے کی شدت سے مخالفت کی اور جنرلوں کو صاف طور پر بتایا کہ ان کی پسپائی ان کے گرد آبادیوں کی بغاوت کے لیے اشارہ بن جائے گی جس کی وجہ سے ان کے سر پر خطرہ ضرور منڈلائے گا۔ یہ مشورہ مان لیا گیا اور سرجان لارنس نے ان سے وعدہ کیا کہ جتنی کمک وہ جمع کرسکتے ہیں بھیجیں گے"۔

اب جبکہ سرجان لارنس نے پنجاب سے تمام فوجیں ہٹالی ہیں تو وہاں بغاوت ہو سکتی ہے اور دہلی کے سامنے چھاؤنیوں میں اغلب ہے کہ فوجیوں کو بیماریاں لگ جائیں اور بارش کے موسم کے خاتمے پر زمین سے نکلنے والے وبائی بخارات ان کے بڑے حصے کو ہلاک کر دیں۔ جنرل وان کورٹلانڈٹ کی فوج کے متعلق جس کی خبر ملی تھی کہ چار ہفتے ہوئے حصار پہنچ گئی ہے اور دہلی کی جانب بڑھ رہی ہے اب کوئی خبر نہیں ہے تو وہ سخت رُکاوٹوں سے ضرور دوچار ہوئی ہوگی یا راستے میں توڑ دی گئی ہوگی۔

بالائی گنگا پر انگریزوں کی حالت واقعی مایوس کن ہے۔ جنرل ہیولاک کو اودھ کے باغیوں کی حربی کارروائیوں سے خطرہ ہے جو لکھنؤ سے چل کر بٹھور ہوتے ہوئے کانپور کے جنوب میں فتح پور پر اس کی پسپائی کو روک دینا چاہتے ہیں۔ اور بیک وقت گوالیار کی فوج کالپی سے، جو جمنا کے دائیں کنارے پر ہے، کانپور کی طرف کوچ کر رہی ہے۔ اس ارتکازی نقل و حرکت سے جس کی رہنمائی غالباً نانا صاحب کر رہے ہیں اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لکھنؤ میں اعلیٰ کمان ان کے ہاتھ میں ہے پہلی بار باغیوں کی حکمت عملی کے متعلق کچھ اندازہ ہوتا ہے اور انگریز مرکز گریز جنگ کے

اپنے احمقانہ طریقے کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کے لیے بے چین ہیں۔ چنانچہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ 90 ویں پیدل اور بندوقچیوں کی 5 ویں رجمنٹوں کو جو جنرل ہیولاک کی کمک کے لیے کلکتہ سے روانہ کی گئی تھی، دیناپور میں سرجیمس اوٹرم نے روک لیا جس کے دل میں یہ سمایا ہوا ہے کہ فیض آباد ہوتے ہوئے لکھنؤ تک ان کو لے جائے۔ اس حربی کارروائی کے منصوبے کا لندن کے اخبار "دی مارننگ اڈورٹائزر"[67] نے ماہرانہ وار کی طرح خیر مقدم کیا ہے کیونکہ، وہ کہتا ہے، لکھنؤ دو آگوں کے درمیان ہو جائے گا۔ دائیں طرف اسے کانپور سے خطرہ ہوگا اور بائیں جانب سے فیض آباد سے۔ جنگ کے عام قاعدوں کے مطابق انتہائی کمزور فوج جو اپنے بکھرے ہوئے اراکین کو مرکوز کرنے کی بجائے اپنے آپ کو دو حصوں میں منقسم کر لیتی ہے جن کے درمیان دشمن فوج کی ساری وسعت حائل ہوتی ہے اس کا قلع قمع کرنے کے لیے دشمن کو کوئی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔ جنرل ہیولاک کے لیے درحقیقت سوال اب لکھنؤ کو بچانا نہیں بلکہ خود اپنے اور جنرل نیل کے چھوٹے دستوں کی باقیات کو بچانا ہے۔ بہت اغلب یہی ہے کہ وہ پسپا ہو کر الہ آباد چلے جائیں۔ الہ آباد واقعی فیصلہ کن اہمیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ گنگا اور جمنا کے درمیان سنگم پر، دو دریاؤں کے بیچ میں واقع ہے اس لیے دوآبے کی کلید ہے۔

نقشے پر پہلی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ انگریز فوج کے لیے جو شمال مغربی صوبوں کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کر رہی ہے، حربی کارروائیوں کی بنیادی راہ گنگا کے بہاؤ پر وادی کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ اسی لیے دیناپور، بنارس، مرزاپور اور سب سے پہلے الہ آباد کی پوزیشنوں کو جہاں سے اصلی حربی کارروائیاں شروع کی جائیں گی، خاص صوبے بنگال میں سارے چھوٹے اور حکمت عملی کے لیے غیر اہم اسٹیشنوں سے حفاظتی فوجیں ہٹا کر مضبوط کرنا چاہیے۔ یہ کہ اس لمحے حربی کارروائیوں کی اس بنیادی راہ کو خود سنگین خطرہ ہے۔ بمبئی کے اس خط کے مندرجہ ذیل اقتباس سے دیکھا جا سکتا ہے جو لندن "ڈیلی نیوز" کو لکھا گیا ہے:

"دیناپور میں تین رجمنٹوں کی گزشتہ بغاوت نے الہ آباد اور کلکتہ کے درمیان

نقل و حمل کو روک دیا ہے۔ (سوائے دریا پر دخانی جہازوں کے ذریعے) دیناپور میں بغاوت ان معاملات میں سب سے سنجیدہ ہے جو حال میں رونما ہوئے ہیں کیونکہ اس نے کلکتہ سے 200 میل دور سارے ضلع بہار میں بغاوت کی آگ لگا دی ہے۔ آج یہ اطلاع پہنچی ہے کہ سنتھال لوگوں نے پھر بغاوت کر دی اور بنگال کی صورت حال واقعی ہولناک ہوگی جب ڈیڑھ لاکھ وحشی اسے تخت و تاراج کریں جو خون، لوٹ مار اور غارت گری سے لطف اندوز ہوتے ہیں"۔

حربی کارروائی کی چھوٹی راہیں، جب تک آگرہ جما رہتا ہے، بمبئی فوج کے لیے اندور اور گوالیار سے گزرتے ہوئے آگرے تک اور مدراس فوج کے لیے ساگر اور گوالیار ہوتے ہوئے آگرے تک ہیں جس کے ساتھ پنجاب فوج اور الٰہ آباد پر قبضہ رکھنے والے دستوں کی ضرورت ہے کہ ان کے نقل و حمل کے راستوں کو بحال کیا جائے لیکن اگر وسطی ہندوستان کے متذبذب راجوں نے انگریزوں کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کر دیا اور بمبئی فوج میں بغاوت نے شدید پہلو اختیار کر لیا تو فی الحال سارے فوجی حساب کتاب کا خاتمہ ہے اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک زبردست قتل عام کے علاوہ کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ بہترین صورت حال میں جو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے وہ ہے نومبر میں یورپی فوجوں کی آمد تک فیصلہ کن واقعات کو ملتوی کرنا۔ آیا ایسا کیا بھی جا سکتا ہے اس کا انحصار سر کولن کیمبل کی صلاحیت پر ہے جن کی بابت ابھی سوائے ان کی ذاتی بہادری کے کسی بات کا علم نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی جگہ کے لیے لائق آدمی ہیں تو وہ ہر قیمت پر خواہ دہلی پر قبضہ ہو یا نہ ہو، استعمال پذیر چھوٹی سی فوج تیار کریں گے جس کے ساتھ وہ میدان میں آئیں گے۔ ہمیں دہرانا چاہیے، پھر بھی آخری فیصلہ بمبئی فوج کے ہاتھ میں ہے۔

(کارل مارکس نے 6 اکتوبر 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5152 میں 23 اکتوبر 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔)

کارل مارکس

ہندوستان میں بغاوت

"عربیہ" کی ڈاک نے ہمیں دہلی کی شکست کی اہم اطلاع پہنچائی ہے۔ یہ واقعہ جہاں تک ہم قلیل تفصیلات سے فیصلہ کر سکتے ہیں، نتیجہ معلوم ہوتا ہے بیک وقت باغیوں میں سخت نزاعات پیدا ہونے، لڑنے والی پارٹیوں کے عددی تناسب میں تبدیلی ہونے اور 5 ستمبر کو محاصرے کا سامان آنے کا جس کی توقع 8 جون ہی کو کی جا رہی تھی۔

نکلسن کی کمک کی آمد کے بعد ہم نے دہلی کے سامنے فوج کا تخمینہ مجموعی طور پر 7521 آدمی لگایا تھا جس کی اب تک پوری طرح تصدیق ہو چکی ہے۔ بعد میں 3 ہزار کشمیری فوجیوں کے اضافے سے جنہیں راجہ رنبیر سنگھ نے انگریزوں کو مستعار دیا تھا، برطانوی فوجیں جیسا کہ "دی فرینڈ آف انڈیا"[68] نے بیان کیا ہے کل ملا کر تقریباً 11 ہزار ہو گئیں۔ دوسری طرف لندن کا اخبار "دی ملٹری اسپیکٹیٹر"[69] تصدیق کرتا ہے کہ باغی قوتیں گھٹ کر 17 ہزار رہ گئیں جن میں 5 ہزار سوار تھے لیکن "دی فرینڈ آف انڈیا" ان کی تعداد تقریباً 13 ہزار بتاتا ہے جن میں ایک ہزار بے قاعدہ سوار شامل ہیں۔ شہرپناہ میں رخنہ پڑنے اور شہر کے اندر جدوجہد شروع ہونے کے بعد گھوڑے بالکل بے سود ہو گئے اور چنانچہ انگریزوں کے داخلے کے فوراً بعد وہ فرار

ہوگئے۔ مقامی سپاہیوں کی مجموعی تعداد خواہ ہم "دی ملٹری اسپیکٹیٹر" کا تخمینہ تسلیم کریں یا "دی فرینڈ آف انڈیا" کا 11 ہزار یا 12 ہزار آدمیوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا انگریز فوجیں اپنی صفوں میں اضافہ نہ ہونے کے مقابلے میں مخالف کی صفوں میں کمی ہونے کی وجہ سے باغیوں کے لگ بھگ مساوی ہوگئی تھیں۔ ان کی تھوڑی سی عددی کمتری کی کسر کامیاب بمباری کے اخلاقی اثر اور پیش قدمیوں کی برتریوں نے نکال دی جس کی وجہ سے وہ اس قابل ہوگئے کہ ان نقطوں کو منتخب کر سکیں جہاں انہیں اپنی بنیادی قوت مرکوز کرنی تھی اور دفاع کرنے والے پرخطر دائرے کے سارے نقطوں پر اپنی ناکافی قوتوں کو پھیلانے پر مجبور ہوگئے۔

تقریباً دس دن تک اپنے مسلسل حملوں سے بھاری نقصانات برداشت کرنے کے مقابلے میں باغی قوتوں میں کمی کا سبب اندرونی تنازعات کی وجہ سے پورے کے پورے دستوں کا ہٹالیا جانا زیادہ تھا۔ اگرچہ دہلی کے سوداگروں کی طرح مغل پیکر خیالی سپاہیوں کی حکمرانی سے بیزار ہوگیا تھا جو ان کے جمع کیے ہوئے ایک ایک روپے کو لوٹتے تھے لیکن ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے درمیان مذہبی اختلافات اور پرانی محافظ فوج اور نئی کمک کے درمیان جھگڑوں نے ان کی ظاہری تنظیم توڑ دی اور ان کی تباہی کو یقینی بنا دیا۔ اس کے باوجود چونکہ انگریز کو ایک ایسی قوت سے نمٹنا تھا جو تعداد میں ان سے کچھ ہی برتر تھی جس میں کمان کے اتحاد کا فقدان تھا اور اپنی صفوں میں تنازعات کے باعث کمزور اور مایوس ہوگئی تھی لیکن جس نے 84 گھنٹے کی بمباری کے بعد چھ دن تک گولہ باری کا مقابلہ کیا اور شہر پناہ کے اندر سڑکوں پر لڑی اور پھر خاموشی سے جمنا کو کشتیوں کے پل کر سے پار کر لیا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آخر کار باغیوں نے اپنی بنیادی قوتوں کی مدد سے بری حالت میں بہترین فائدہ اٹھایا۔

قبضہ کرنے کے متعلق حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ 8 ستمبر کو انگریز توپوں نے اپنی فوجوں کے ابتدائی مورچے سے کافی آگے شہر پناہ سے 700 گز دور سے بمباری کی۔ 8 ویں سے 11 ویں تاریخ تک بھاری برطانوی توپیں اور دور گولہ پھینکنے والی توپیں قلعہ بندیوں کے مزید قریب کھینچ کر لائی گئیں۔ ایک مورچہ قائم کیا گیا اور توپ

خانہ بہت کم نقصان سے قائم کر دیا گیا۔ یہ پیش نظر رکھتے ہوئے کہ دہلی کی محافظ فوج نے 10 ویں اور 11 ویں تاریخ کو دو دھاوے بولے، تازہ توپ خانے سے بمباری کرنے کی مسلسل کوشش کی اور خندقوں سے بندوقوں کی ناگوار باڑھیں مارتی رہی۔ 12 تاریخ کو انگریزوں نے تقریباً 56 مرنے والوں اور زخمیوں کا نقصان اٹھایا۔ 13 تاریخ کی صبح کو برج پر دشمن کا بڑا سامان جنگ اڑا دیا گیا اور ہلکی توپ کی گاڑی بھی جو تلوارہ مضافات سے برطانوی توپوں پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بمباری کر رہی تھی اور برطانوی توپوں نے کشمیری دروازے کے قریب ایک قابل گزر راستہ بھی کھول لیا۔ 14 تاریخ کو شہر پر حملہ کر دیا گیا۔ فوجی بغیر سخت مزاحمت کے کشمیری دروازے کے قریب رخنے میں داخل ہوئے۔ اس کے اردگرد کی عمارتوں پر قبضہ کر لیا اور دمدموں پر پیش قدمی کرتے ہوئے موری دروازے کے برج اور کابلی دروازے کی طرف بڑھے۔ جب مزاحمت بہت سخت ہوگئی اور چنانچہ نقصانات بھاری ہوئے، اس کی تیاریاں کی گئیں کہ شہر کے مقبوضہ برجوں پر توپیں شہر کی طرف موڑ دی جائیں اور بلند نقطوں پر دوسری بڑی اور چھوٹی توپیں نصب کی جائیں۔ 15 تاریخ کو موری دروازے اور کابلی دروازے کے برجوں پر قبضہ کی ہوئی توپوں سے برن کوٹھی اور لاہوری دروازے کے برجوں پر بمباری کی گئی اور اسلحہ خانے میں شگاف ڈال دیا گیا اور لال قلعے پر گولہ باری شروع ہوگئی۔ دن کی روشنی میں 16 ستمبر کو اسلحہ خانے پر دھاوا بولا گیا اور 17 تاریخ کو اس کے احاطے سے چھوٹی توپیں لال قلعے پر بمباری کرتی رہیں۔

اس تاریخ کو جیسا کہ "دی بامبے کوریر" (70) نے کہا ہے سندھ کی سرحد پر پنجاب اور لاہور کی ڈاکیں لٹ جانے سے حملے کی سرکاری روئیدادیں منقطع ہوگئیں۔ ایک نجی خط میں جو بمبئی کے گورنر کو لکھا گیا تھا یہ بیان کیا گیا ہے کہ دہلی کے سارے شہر پر قبضہ اتوار کے دن 20 تاریخ کو کیا گیا۔ اسی دن باغیوں کی بنیادی فوجیں صبح تین بجے شہر چھوڑ کر کشتیوں کے پلوں سے روہیل کھنڈ کی سمت میں فرار ہوگئیں۔ کیونکہ سلیم گڑھ پر قبضہ کرنے سے پہلے جو عین دریا کے کنارے واقع ہے،

انگریزوں کی طرف سے تعاقب کرنا ناقابل عمل تھا۔ یہ عیاں ہے کہ باغیوں نے شہر کے انتہائی شمال سے اس کے انتہائی جنوب مشرق کی طرف آہستہ آہستہ لڑتے ہوئے راستہ ہموار کیا اور 20 تاریخ تک وہ مورچہ قائم رکھا جو ان کی پسپائی کی حفاظت کے لیے ضروری تھا۔

جہاں تک دہلی پر قبضے کے امکانی نتیجے کا تعلق ہے تو ایک معتبر شہادت "دی فرینڈ آف انڈیا" نے لکھی کہ:

"یہ دہلی کی صورت حال نہیں بلکہ بنگال کی حالت ہے جو اس وقت انگریزوں کی توجہ کی مستحق ہے۔ شہر پر قبضہ کرنے میں اتنی طویل دیر نے واقعی وہ وقار کھو دیا ہے جو ہم جلد کامیابی سے حاصل کر سکتے تھے اور باغیوں کی قوت اور ان کی تعداد محاصرے سے اتنے ہی موثر طریقے سے کم کی جا سکتی تھی جتنا کہ شہر پر قبضہ کرنے سے۔"

اسی دوران میں مسلح بغاوت کلکتہ کے شمال مشرق سے پھیلتی ہوئی وسطی ہندوستان سے ہوتی ہوئی شمال مغرب تک پہنچ گئی اور آسام کی سرحد پر پوربیوں[71] کی دو مضبوط رجمنٹوں نے سابق راجہ پرندور سنگھ کی بحالی کی کھلم کھلا تجویز کر کے بغاوت کر دی۔ دیناپور اور رنگپور کے باغی کنور سنگھ کی رہنمائی میں باندہ اور ناگوڑ سے کوچ کرتے ہوتے جبل پور کی سمت میں جا رہے ہیں اور راجہ ریواں کو خود اس کے دستوں نے اسے باغیوں میں شریک ہونے پر مجبور کر لیا ہے۔ جہاں تک جبل پور کا تعلق ہے تو 52 ویں بنگالی مقامی رجمنٹ نے اپنی چھاؤنیاں چھوڑ دی ہیں اور ان کے جو ساتھی پیچھے رہ گئے ہیں ان کے لیے ایک برطانوی افسر کو بطور یرغمال اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ گوالیار کے باغیوں کے متعلق چمبل دریا پار کرنے کی اطلاع ملی ہے اور وہ دریا اور دھولپور کے درمیان کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ سنجیدہ ترین اطلاعات پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ جودھپور دستے نے جیسا کہ معلوم ہوا ہے اروہ کے باغی راجہ کی خدمت قبول کر لی ہے جو بیاور کے جنوب مغرب میں 90 میل پر ہے۔ انہوں نے کافی بڑی فوج کو شکست دے دی ہے جسے جودھپور کے راجہ نے ان کے

خلاف بھیجا تھا۔ انہوں نے ایک جنرل اور کپتان مونک میسن کو مار ڈالا اور تین توپوں پر قبضہ کر لیا۔ جنرل لارنس نے نصیر آباد کی کچھ فوج لے کر ان کے خلاف پیش قدمی کی اور انہیں ایک شہر میں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا لیکن اس شہر پر قبضہ کرنے کی مزید کوششیں ناکام رہیں۔ سندھ سے پوربی فوجیں ہٹانے کا نتیجہ وسیع پیمانے پر سازش میں برآمد ہوا۔ کم سے کم پانچ مختلف مقامات میں مسلح بغاوتوں کی کوشش کی گئی جن میں حیدر آباد، کراچی اور شکارپور شامل ہیں۔ پنجاب میں بھی سرکشی کا نشان ملتا ہے۔ ملتان اور لاہور کے درمیان رسل و رسائل کو آٹھ دن سے کاٹ دیا گیا تھا۔

دوسری جگہ ہمارے قاری ان فوجوں کا جو انگلستان سے 18 جون سے بھیجی گئی ہیں، جدولی بیان دیکھ سکتے ہیں۔ جن دنوں حسب ترتیب جہاز آئے ان کا حساب سرکاری بیانات پر مبنی ہے لہٰذا برطانوی حکومت کے حق میں ہے۔[72] اس فہرست سے معلوم ہو جائے گا کہ توپ خانے اور انجینئروں کے چھوٹے چھوٹے دستوں کے علاوہ جو خشکی کے راستے سے آئے ساری فوج جو جہازوں سے اتری 30899 جوانوں پر مشتمل تھی جن میں سے 24884 پیدل فوج ہے، 3826 سوار اور 2334 توپ خانے کی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اکتوبر کے آخر سے پہلے کافی کمک کی توقع نہیں تھی۔

ہندوستان کے لیے فوج

ذیل میں ان فوجیوں کی فہرست ہے جو 18 جون 1857ء سے انگلستان سے ہندوستان بھیجے گئے:

آمد کی تاریخ	کل	کلکتہ	لنکا	بمبئی	کراچی	مدراس
30 ستمبر	214	214	----	----	----	----
یکم اکتوبر	300	300	----	----	----	----
15 اکتوبر	1906	124	1782	----	----	----

17 اکتوبر	288	288	——	——	——	——
20 اکتوبر	4235	3845	390	——	——	——
30 اکتوبر	2082	479	1544	——	——	——
اکتوبر کی میزان	8757	5036	3721	——	——	——
یکم نومبر	3495	1234	1629	——	632	——
5 نومبر	879	879	——	——	——	——
10 نومبر	2700	904	340	400	1056	——
12 نومبر	1633	1633	——	——	——	——
15 نومبر	2610	2132	478	——	——	——
19 نومبر	234	——	——	——	234	——
20 نومبر	1216	——	278	938	——	——
24 نومبر	406	——	406	——	——	——
25 نومبر	1276	——	——	——	——	1276
30 نومبر	666	——	462	204	——	——
نومبر کی میزان	15115	6782	3593	1542	1932	1276
یکم دسمبر	354	——	——	354	——	——
5 دسمبر	459	——	——	201	——	258
10 دسمبر	1758	——	607	——	1151	——
14 دسمبر	1057	——	——	1057	——	——
15 دسمبر	948	——	——	647	301	——
20 دسمبر	693	185	——	300	208	——
25 دسمبر	624	——	——	——	624	——
دسمبر کی میزان	5893	1851	607	2359	2284	258
یکم جنوری	340	——	——	340	——	——

5 جنوری	220	——	——	——	——	220
15 جنوری	140	——	——	——	——	140
20 جنوری	220	——	——	——	——	220
جنوری کی میزان	920	——	——	340	——	580
ستمبر سے 20 جنوری تک	30899	12217	7921	4431	4206	2114

خشکی کے راستے سے آنے والے فوجی:

12 اکتوبر	235 انجینئر	117	——	——	118	——
12 اکتوبر	221 توپ خانہ	221	——	——	——	——
14 اکتوبر	244 انجینئر	122	——	——	122	——
اکتوبر کی میزان	700	460	——	——	640	——
کل						31599

راس امید سے ہوتے ہوئے آنے والوں کی جزوی تعداد: 4000

میزان کل : 35599

(کارل مارکس نے 30 اکتوبر 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5170 میں 14 نومبر 1857ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔)

فریڈرک اینگلز

دہلی کی تسخیر

ہم اس پر شور گن گان میں شریک نہیں ہوں گے جو اس وقت برطانیہ عظمیٰ میں ان فوجیوں کی بہادری کو آسمان پر چڑھا رہی ہے جنھوں نے دھاوا کر کے دہلی پر قبضہ کیا ہے۔ کوئی بھی قوم، یہاں تک کہ فرانسیسی بھی خود ستائی میں انگریزوں کی ہمسری نہیں کر سکتے، خاص کر جب بہادری کی بات ہو۔ لیکن اگر واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو سو میں سے نوے معاملات میں اس بہادری کی عظمت بہت جلد گھٹ کر معمولی حدود اختیار کر لیتی ہے۔ ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص دوسرے لوگوں کی اس بہادری کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے پر یقینی نفرت کرے گا جس کے ذریعے انگریز بزرگ خاندان، جو گھر میں خاموشی سے رہتا ہے اور ہر اس چیز سے جس سے اسے فوجی افتخار حاصل کرنے کے بعید ترین امکان کا خطرہ ہو غیر معمولی طور پر بیزار رہتا ہے۔ دہلی پر حملے میں دکھائی جانے والی بہادری میں جو تھی ضرور لیکن اتنی غیر معمولی بھی نہیں، اپنے آپ کو شریک کی طرح دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔

اگر ہم دہلی کا سیواستوپول سے مقابلہ کریں تو بلاشبہ اتفاق کریں گے کہ

ہندوستانی سپاہی روسی نہیں تھے، کہ برطانوی چھاؤنی پر حملے انکرمان [73] سے بالکل ملتے جلتے نہیں تھے، کہ دہلی میں کوئی ٹوٹلیبن نہیں تھا، کہ ہندوستانی سپاہی انفرادی طور پر اور کمپنی کی شکل میں اکثر بہادری سے لڑے لیکن نہ صرف بریگیڈوں اور ڈویژنوں بلکہ تقریباً بٹالینوں تک کے لیے بالکل کوئی قیادت نہیں تھی کہ ان کی یوتگی کمپنیوں کی حدود سے آگے نہیں بڑھی کہ ان کے پاس سائنسی عنصر کی سرے سے کمی تھی جس کے بغیر آج کل فوج بے کس رہتی ہے اور شہر کی مدافعت بالکل مایوس کن۔ اس کے باوجود تعداد اور فوجی ذرائع کے درمیان عدم تناسب، موسم برداشت کرنے میں یورپیوں کے مقابلے میں ہندوستانی سپاہیوں کی برتری، بعض وقت دہلی کا محاصرہ کرنے والی فوج کا گھٹ کر انتہائی کمزور ہو جانا—— ان سب باتوں سے متذکرہ عدم مشابہتوں کی کسر نکل جاتی ہے اور ان دو محاصروں (اگر اس حربی عمل کو محاصرہ کہا جائے تو) میں خاصی مماثلت پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک بار پھر ہم دہراتے ہیں کہ دہلی پر ہلا بولنے کو ہم غیر معمولی یا ضرورت سے زیادہ بہادری نہیں سمجھتے۔ اگرچہ ہر لڑائی کی طرح ہر طرف سے بلند جذبے کے انفرادی عمل ہوئے ہیں لیکن ہم یہ وثوق سے کہتے ہیں کہ انگریزی فوج کے مقابلے میں جو سیواستوپول اور بالا کلاوا [74] کے درمیان آزمائش سے گزر رہی تھی دہلی کے سامنے اینگلو انڈین فوج نے زیادہ استقامت، کردار کے زور، بصیرت اور ہنر کا مظاہرہ کیا۔ انکرمان کے بعد اول الذکر جہازوں میں آکر واپس جانے کو تیار تھی، اور بلاشبہ ایسا کرتی اگر فرانسیسیوں نے ایسا کرنے دیا ہوتا۔ آخر الذکر کو سال کا موسم جس کا نتیجہ مہلک بیماریاں تھیں، آمدورفت میں خلل اندازی، کمک تیزی سے پہنچنے کے امکان کا فقدان، سارے شمالی ملک کے حالات پسپائی کی رغبت دلا رہے تھے اور واقعی اس اقدام کے قرین مصلحت ہونے پر غور بھی کیا گیا لیکن انگریز فوج اپنے مورچے پر ڈٹی رہی۔

جب بغاوت اپنے عروج پر تھی تو سب سے پہلی ضروری چیز شمالی ہند میں متحرک کالم تھا۔ ایسی صرف دو فوجیں تھیں جو اس مقصد کے لیے استعمال کی جا سکتی تھیں۔ ہیولاک کی چھوٹی سی فوج جو جلد ہی ناکافی ثابت ہوئی اور دہلی کے سامنے کی

فوج یہ کہ ان حالات میں دہلی کے سامنے پڑاؤ ڈالنا، محفوظ دشمن کے خلاف بے سود لڑائیوں میں دستیاب قوت کو صرف کرنا فوجی غلطی تھی۔ کہ ساکت حالت کے مقابلے میں فوج حرکت کی حالت میں اپنی قیمت کے لحاظ سے چار گنی قابل قدر ہوتی ہے، کہ دہلی کے سوا شمالی ہندوستان کی صفائی، نقل و حمل کی بحالی، ایک قوت میں مرکوز ہونے کی باغیوں کی تمام کوششوں کو کچلنا کامیابی سے انجام دیا جا سکتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ دہلی کی شکست قدرتی اور آسان نتیجہ ہوتا۔ یہ سب ناقابل تردید حقائق ہیں۔ سیاسی وجوہات نے مطالبہ کیا کہ دہلی سے کیمپ نہ ہٹایا جائے۔ ہیڈ کوارٹر میں حکمت چھانٹنے والوں کو مورد الزام قرار دینا چاہیے جنھوں نے فوج دہلی بھیجی نہ کہ فوج کے ڈٹے رہنے پر استقامت کو جسے وہاں بھیجا گیا تھا۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بیان کرنے میں قلم اندازی نہیں کرنی چاہیے کہ توقعات کے برعکس برسات کے موسم کا اثر کہیں زیادہ معتدل تھا۔ اگر ایسے وقت سرگرم فوجی کارروائیوں کے نتیجے میں بیماری اوسط پیمانے پر پھیلتی تو فوج کی پسپائی یا تباہی ناگزیر ہوتی۔ اگست کے آخر تک فوج کی خطرناک حالت جاری رہی۔ اس کے بعد کمک حاصل ہوتی رہی اور اختلافات باغیوں کے کیمپ کو کمزور کرتے رہے۔ ستمبر کے شروع میں محاصرے کا سامان پہنچ گیا اور انگریز دفاعی مورچہ حملہ آور مورچے میں تبدیل ہوگیا۔ 7 ستمبر کو توپ خانے نے پہلی باڑھ ماری اور 13 ستمبر کو دو قابل گزر شگاف پیدا ہوگئے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اس وقفے کے دوران میں کیا ہوا۔

اس مقصد کے لیے اگر ہم جنرل ولسن کے سرکاری مراسلے پر پوری طرح یقین کریں تو بہت گھاٹے میں رہیں گے۔ یہ رپورٹ اتنی ہی الجھی ہوئی ہے جتنی وہ دستاویزیں جنھیں کرائمیا میں برطانوی ہیڈ کوارٹر نے جاری کیا تھا۔ کوئی بھی انسان دو شگافوں کی پوزیشن یا نسبتی پوزیشن اور دھاوا بولنے والے کالموں کی ترتیب کے متعلق اس رپورٹ سے کچھ اندازہ نہیں لگا سکتا اور جہاں تک نجی رپورٹوں کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اور بھی زیادہ الجھی ہوئی ہیں۔ خوش قسمتی سے ان ماہر سلیقہ مند افسروں میں سے ایک نے جن کے سر کامیابی کا سہرا ہے، جو بنگال انجینئری اور توپ

خانے کا ممبر ہے "دی بامبے گزٹ"(75) میں واقعات کے متعلق رپورٹ لکھی ہے جو سادہ اور بے طمطراق ہونے کے ساتھ ساتھ واضح اور کاروباری ہے۔ کرائمیا کی ساری جنگ کے دوران ایک بھی افسر ایسا نہ تھا جس نے اتنی معقول رپورٹ لکھی ہو۔ بدقسمتی سے دھاوے کے پہلے ہی دن وہ زخمی ہوگیا اور اس کی رپورٹیں بند ہوگئیں۔ اس لیے جہاں تک بعد کی کارروائیوں کا تعلق ہے تو ہنوز ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

انگریزوں نے دہلی کی دفاع اس حد تک مضبوط کرلی تھی کہ وہ ایشیائی فوج کے محاصرے کی مزاحمت کرسکیں۔ ہمارے جدید خیالات کے مطابق دہلی کو مشکل ہی سے فوجی قلعہ کہا جا سکتا تھا۔ وہ میدانی فوج کے زبردست دھاوے کے خلاف محض ایک محفوظ جگہ تھی۔ اس کی 16 فٹ اونچی اور 12 فٹ چوڑی گچ کی شہرپناہ تھی جس کی چوٹی پر 3 فٹ چوڑا اور 8 فٹ اونچا دمدمہ اپنے علاوہ 6 فٹ کے گچ کی دیوار فراہم کرتا تھا جسے مورچے نے کھول رکھا تھا اور حملے کی براہ راست گولہ باری کی زد میں تھا۔ گچ کے دمدمے کی تنگی کی وجہ سے کہیں بھی توپ نصب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سوائے برجوں اور مارٹیلو مناروں میں۔ ان آخرالذکر سے شہرپناہ کی مورچہ بندی تو ہوگئی لیکن بہت کمزور اور دفاع کی توپوں کو خاموش کرنے کے لیے محاصرے کی توپیں (یہ میدانی توپیں تک کرسکتی تھیں) تین فٹ چوڑے گچ کے دمدمے کو آسانی سے ڈھا سکتی تھیں، خاص کر کھائی کے پہلوؤں پر توپیں، دیوار اور کھائی کے درمیان ایک چوڑی منڈیر یا ہموار راستہ تھا جس سے قابل گزر شگاف بنانے میں آسانی پیدا ہو سکتی تھی۔ ان حالات میں کھائی اس میں پھنس جانے والے فوجی دستے کے لیے کمین گاہ بننے کی بجائے ایک آرام کی جگہ بن سکتی تھی جہاں ان کالموں کی از سرنو تشکیل کی جا سکتی تھی جو مورچے کی جانب پیش قدمی کرتے وقت بدنظمی میں مبتلا ہوگئے ہوں۔

ایک ایسی جگہ کی طرف عام خندقوں کے سلسلے کے ذریعے محاصرے کے اصولوں کے مطابق پیش قدمی کرنا پاگل پن ہوتا۔ خواہ پہلی شرط پوری ہو جاتی یعنی

فوج جگہ کو چاروں طرف سے گھیرنے کے لیے کافی ہوتی۔ دفاع کی صورت حال، مدافعین میں بد نظمی اور پژمردگی کی وجہ سے حملے کے اس طریقے کے علاوہ جو اختیار کیا گیا' دوسرا طریقہ زبردست غلطی ہوتی۔ فوجی ماہر اس کو اچھی طرح زبردست کھلے حملے کے نام سے جانتے ہیں۔ چونکہ ایسی دفاع صرف اس وقت کامیاب ہوتی ہے جب زبردست کھلا حملہ کرنے والوں کے پاس بھاری توپیں موجود نہیں ہوتیں تو کسی پس و پیش کے بغیر بیرونی دفاع توپ خانے کے ذریعے تباہ کی جاتی ہے۔ اس دوران میں مقام کے اندرونی حصے پر بھی بمباری کی جاتی ہے اور جوں ہی شگاف قابل گزر ہو جاتی ہیں تو فوج دھاوے کے لیے پیش قدمی کرتی ہے۔

زیر حملہ محاذ شمال میں تھا۔ انگریزوں کے کیمپ کے براہ راست مقابل میں۔ یہ محاذ مشتمل تھا دو رکاوٹوں اور تین برجوں پر جس میں مرکزی (کشمیری دروازے کے برج میں داخلے کا خفیف سا گوشہ تھا۔ کشمیری دروازے والے برج سے کھائی والے برج تک مشرقی مورچہ چھوٹا تھا اور کشمیری دروازے والے برج اور موری دروازے والے برج کے درمیان مغربی مورچے کے سامنے ذرا آگے بڑھا ہوا تھا۔ کشمیری دروازے والے اور کھائی والے برجوں کے سامنے زمین چھوٹے درختوں کے جنگل، باغات' مکانات وغیرہ سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اسے ہندوستانی سپاہیوں نے صاف نہیں کیا تھا۔ چنانچہ حملے کے لیے یہ بچاؤ فراہم کرتی تھی۔ (اس صورت حال سے وضاحت ہوتی ہے کہ انگریزوں کے لیے اس جگہ توپوں کے عین نیچے ہندوستانی فوج کا تعاقب کرنا کیوں ممکن تھا جو اس وقت بہادرانہ سمجھا جاتا تھا لیکن در حقیقت کوئی خاص خطرہ پیش نہیں کرتا تھا کیونکہ انگریزوں کو یہ بچاؤ مل گیا تھا) علاوہ ازیں اس محاذ سے تقریباً 4 سو 5 سو گز آگے شہرپناہ ہی کی سمت میں ایک گہری کھائی گزرتی تھی جو حملے کے مورچے کی ایک قدرتی متوازی تھی۔ انگریزوں کے بائیں بازو کو دریا نے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی تھی اور کشمیری دروازے نیز کھائی والے برجوں نے جو تھوڑا سا ابھار تشکیل کیا تھا اسے حملے کا بنیادی نقطہ صحیح طور پر منتخب کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی مغربی شہرپناہ اور برجوں پر بیک وقت نمائشی حملہ کیا گیا اور یہ فوجی چال اتنی کامیاب رہی کہ

ہندوستانی سپاہیوں کی خاص قوت اسی کے مقابل آ گئی۔ وہ کابلی دروازے کے باہر مضافات میں بڑی تعداد میں جمع ہوئے تاکہ انگریزوں کے دائیں بازو کے لیے دھمکی بن جائیں۔ اگر موری دروازے اور کشمیری دروازے والے برجوں کے درمیان مغربی شہرپناہ انتہائی خطرے میں ہوتی تو یہ فوجی نقل و حرکت بالکل صحیح اور بہت موثر ہوتی۔ سرگرم دفاع کے ذریعے کی طرح ہندوستانی سپاہیوں کی پہلو والی پوزیشن عمودی ہوتی اور آگے بڑھی ہوئی فوج کی حرکت سے حملے کے ہر کالم کو پہلو میں الجھا دیا جاتا۔ لیکن اس پوزیشن کا اثر مشرق کی جانب کشمیری دروازے والے اور کھائی والے برجوں کے درمیان شہرپناہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ اس پر قبضہ کرنے سے دفاع کرنے والی فوج کا ایک بڑا حصہ اس فیصلہ کن نقطے سے ہٹ گیا۔

توپیں نصب کرنے کے لیے جگہوں کا انتخاب' ان کی تعمیر اور اسلحہ بندی اور جس طرح انہیں استعمال کیا گیا انتہائی تعریف کے مستحق ہیں۔ انگریزوں کے پاس تقریباً 50 توپیں اور مارٹر تھے جو اچھے ٹھوس دمدموں کے پیچھے طاقتور توپ خانوں کی شکل میں مرکوز تھے۔ سرکاری بیانات کے مطابق ہندوستانی سپاہیوں کے پاس حملے کی زد میں آئے ہوئے محاذ پر وہ 55 توپیں تھیں لیکن برجوں اور مارٹیلو مناروں پر بکھری ہوئی' وہ مرکوز عمل کے ناقابل تھیں اور بدبخت تین فٹ کا دمدمہ انہیں مشکل سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ دفاع کی توپوں کو خاموش کرنے کے لیے چند گھنٹے کافی ثابت ہوئے۔ اب اور کرنے کے لیے بہت کم باقی تھا۔

8 ویں تاریخ کو نمبر 1 توپ خانے کی دس توپوں نے دیوار سے 7 سو گز کے فاصلے سے گولہ باری شروع کی۔ اگلی رات کو مذکورہ بالا کھائی کو ایک قسم کی خندق میں تبدیل کر دیا گیا۔ 9 تاریخ کو اس کھائی کے سامنے ٹوٹی ہوئی زمین اور مکانات پر بلامزاحمت قبضہ کر لیا گیا اور 10 تاریخ کو توپ خانے نمبر 5 کی 8 توپوں کے غلاف اتارے گئے۔ ان کا دیوار سے فاصلہ 5 سو یا 6 سو گز تھا۔ 11 تاریخ کو 6 توپوں والے توپ خانے نمبر 3 نے جو کھائی والے مورچے سے 2 سو گز کے فاصلے پر ٹوٹی ہوئی زمین پر بڑی جرات اور ہوشیاری سے نصب کیا گیا تھا گولے باری کی اور اسی دوران دس

بھاری مارٹروں نے شہر پر گولے برسائے۔ 13 تاریخ کی شام کو شگاف ---- ایک کشمیری مورچے کے دائیں پہلو سے متصل شہر پناہ میں اور دوسرا کھائی والے مورچے کی بائیں شہر پناہ اور پہلو میں ---- داخل ہونے کے لیے قابل گزر ہو گئے اور دھاوا بولنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ 11 تاریخ کو ہندوستانی سپاہیوں نے خطرے میں پھنسے ہوئے دو مورچوں کے درمیان پشتے سے جوابی حملے کے لیے مورچہ قائم کیا اور انگریز توپ خانوں کے سامنے تقریباً ساڑھے تین سو گز کے فاصلے پر جھڑپوں کے لیے خندقیں کھودیں اور اسی پوزیشن سے کابلی دروازے کے باہر پہلو پر حملے کرنے کے لیے پیش قدمی بھی کی لیکن سرگرم دفاع کی یہ کوششیں اتحاد، رابطے یا جوش کے بغیر کی گئیں اور ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

14 تاریخ کو دن کی روشنی میں حملہ کرنے کے لیے پانچ برطانوی کالموں نے پیش قدمی کی۔ ایک دائیں جانب کابلی دروازے کے باہر فوج کو مصروف رکھنے کے لیے اور کامیابی حاصل کرنے پر لاہوری دروازے پر حملہ کرنے کے لیے۔ ہر ایک شگاف کے روبرو ایک ایک کالم بھیجا گیا۔ ایک کالم کشمیری دروازے کے سامنے جس کو اسے دھماکے سے اڑانے کا فریضہ دیا گیا تھا اور ایک محفوظ فوج کے طور پر رکھا گیا۔ سوائے پہلے کے باقی تمام کالم کامیاب رہے۔ شگافوں کی مدافعت مشکل ہی سے کی گئی لیکن دیوار کے قریب مکانات کے اندر مزاحمت بڑی شدید تھی۔ انجینئروں کے ایک افسر اور تین سارجنٹوں کی بہادری (واقعی بہادری) کی بدولت کشمیری دروازے کو دھماکے سے اڑا دیا گیا اور اس طرح یہ کالم بھی داخل ہو گیا۔ شام تک سارا شمالی محاذ انگریزوں کے قبضے میں تھا لیکن یہاں جنرل ولسن رک گیا۔ اندھا دھند دھاوا تھم گیا، توپیں آگے لائی گئیں اور شہر کے ہر مضبوط مورچے کو ان کا نشانہ بنایا گیا۔ گولے بارود خانے پر ہلا بولنے کے علاوہ اصلی لڑائی بہت کم ہوئی۔ باغیوں کی ہمت پست تھی اور انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں شہر چھوڑ دیا۔ ولسن نے احتیاط سے شہر میں پیش قدمی کی۔ 17 تاریخ کے بعد مشکل ہی سے مزاحمت کا سامنا ہوا اور 20 تاریخ کو مکمل طور سے اس پر قبضہ کر لیا۔

حملے کے طریقے پر ہم نے اپنی رائے بیان کر دی۔ جہاں تک دفاع کا تعلق ہے ---- حملہ آورانہ جوابی نقل و حرکت، کابلی دروازے پر پہلودار پوزیشن، جوابی حملے کے لیے مورچے، خندقیں یہ سب دکھاتے ہیں کہ ہندوستانی سپاہیوں میں جنگی سائنس کے بعض خیالات پھیل گئے تھے۔ لیکن وہ یا تو کافی واضح نہیں تھے یا ان کی جڑیں گہری نہیں تھیں۔ اس لیے انہیں موثر طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ آیا یہ خیالات خود ہندوستانیوں میں پیدا ہوئے یا ان یورپیوں سے حاصل کیے گئے جو ان کے ساتھ ہیں، اس کا فیصلہ کرنا ظاہر ہے مشکل ہے۔ لیکن ایک بات یقینی ہے کہ یہ کوششیں اگرچہ عمل پذیری میں غیر مکمل تھیں لیکن سیواستوپول کی سرگرم دفاع کے بنیادی کام سے بہت مشابہت رکھتی ہیں اور ان کی عمل پذیری سے محسوس ہوتا ہے کہ کسی یورپی افسر نے ہندوستانی سپاہیوں کے لیے ایک صحیح منصوبہ مرتب کیا تھا لیکن وہ خیال کو پوری طرح سمجھ نہیں سکے یا بدنظمی اور کمان کے فقدان نے عملی پروجیکٹوں کو کمزور اور غیر موثر کوششوں میں تبدیل کر دیا۔

(فریڈرک اینگلز نے 16 نومبر 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹربیون" کے شمارے 5188 میں 5 دسمبر 1857ء کے اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔)

کارل مارکس

آنے والا ہندوستانی قرضہ

(لندن: 22 جنوری 1858ء)

لندن کی زر کی منڈی میں ابھار، جو نتیجہ تھا عام پیداوار میں لگے ہوئے سرمائے سے زبردست رقم نکالنے کا اور بعد میں اسے ہنڈیوں کی منڈیوں میں منتقل کرنے کا، گزشتہ نصف ماہ میں اسی لاکھ یا ایک کروڑ پونڈ اسٹرلنگ کی رقم کے قریب الوقوع ہندوستانی قرضے کے امکانات کی وجہ سے کچھ گھٹ گیا ہے۔ یہ قرضہ جسے انگلستان میں جمع کیا جائے گا اور فروری میں اپنے انعقاد کے وقت پارلیمنٹ جسے فوراً منظور کر دے گی ان دعوؤں کو پورا کرنے کے لیے مقصود ہے جو مقامی قرض خواہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے کر رہے ہیں اور جنگی ساز و سامان، اسٹوروں، دستوں کے نقل و حمل وغیرہ کے فاضل خرچے کے لیے بھی ہے جنہیں ہندوستانی بغاوت نے ضروری بنا دیا ہے۔ اگست 1857ء میں برطانوی حکومت نے پارلیمنٹ کے التوا سے پہلے دارالعوام میں

سنجیدگی سے اعلان کیا تھا کہ اس قسم کے قرضے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بحران کا مقابلہ کرنے کے لیے کمپنی کے مالی ذرائع ضرورت سے زیادہ کافی ہیں لیکن انگریز قوم کو جو دل پذیر فریب دیا گیا تھا جلد ہی دور ہو گیا جب یہ فاش ہوا کہ ایک بہت ہی مشتبہ کردار کے طریق کار کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی نے 3500000 پونڈ اسٹرلنگ پر قبضہ کر لیا جو مختلف کمپنیوں نے ہندوستانی ریلیں تعمیر کرنے کے لیے اس کے سپرد کیے تھے۔ علاوہ ازیں کمپنی نے 1000000 پونڈ اسٹرلنگ بینک آف انگلینڈ سے خفیہ طور پر قرض لیے اور 10 لاکھ لندن کے سرمایہ مشترک کے بینکوں سے۔ بدترین صورت حال کے لیے پبلک کو اس طرح تیار کر کے حکومت نے نقاب ہٹانے میں بالکل ہچکچاہٹ نہیں کی اور "ٹائمز" اور "گلوب"[76] میں اور دیگر سرکاری ترجمانوں میں نیم سرکاری مضامین کے ذریعے قرضے کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ایسے قرضے کو جاری کرنے کے لیے قانون ساز اقتدار کو ایک خاص قانون منظور کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا واقعہ کوئی خدشہ کیوں پیدا کرتا ہے کیونکہ برطانوی سرمائے کے لیے ہر نکاس کو، جو اب قابل منافع سرمایہ کاری کے لیے بے کار کوشش کر رہا ہے۔ موجودہ حالات میں نعمت غیر مترقبہ اور سرمائے کی تیزی سے قیمت گرنے کی انتہائی سودمند روک سمجھا جائے۔

یہ عام طور پر معلوم ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا تجارتی وجود 1834ء میں ختم ہو گیا تھا[77] جب اس کے تجارتی منافعوں کے بنیادی بقیہ ذریعے یعنی چین کے ساتھ تجارت میں اجارہ داری کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشترکہ سرمائے کے حصہ داروں کو کمپنی کے تجارتی منافع جات سے، اگرچہ برائے نام سہی، منافع ملنے کے بعد، ان کے ساتھ نیا مالیاتی انتظام ضروری ہو گیا۔ منافع کی ادائیگی جو اس وقت تک کمپنی کی تجارتی آمدنی سے وصول کی جاتی تھی اس کی سیاسی آمدنی سے کی جانے لگی۔ ایسٹ انڈیا کے مشترکہ سرمائے کے مالکوں کی ادائیگی ان آمدنیوں سے کی جاتی تھی جنہیں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی سرکاری حیثیت سے حاصل کرتی تھی اور پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعے ہندوستانی سرمایہ جس کی کل رقم 6000000 پونڈ

اسٹرلنگ تھی جس کا سود دس فیصدی تھا ایک ایسے سرمائے میں تبدیل کر دیا گیا جو مشترکہ سرمائے کے سوائے ہر 100 پونڈ کے لیے 200 پونڈ کی شرح کے بے باق نہیں کیا جا سکتا۔ بہ الفاظ دیگر 6000000 پونڈ اسٹرلنگ کا اصلی ایسٹ انڈیا مشترکہ سرمایہ 12000000 پونڈ اسٹرلنگ میں تبدیل کر دیا گیا جو پانچ فیصدی سود دیتا تھا اور اس آمدنی سے وصول کیا جاتا تھا جو ہندوستانی عوام کے ٹیکسوں سے حاصل کی جاتی تھی۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کا قرضہ پارلیمنٹ میں ہاتھ کی صفائی سے ہندوستانی عوام کے قرضے میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ 50000000 پونڈ اسٹرلنگ سے زیادہ کا قرضہ موجود ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں حاصل کیا تھا اور صرف اس ملک کی ریاستی آمدنیوں سے پورا کیا جاتا تھا۔ ایسے قرضے جو کمپنی خود ہندوستان میں حاصل کرتی ہے، ہمیشہ پارلیمانی قانون سازی کی حدود سے باہر سمجھے جاتے ہیں اور انہیں ان قرضوں ہی کی طرح خیال کیا جاتا ہے جنہیں نوآبادیاتی حکومتیں مثال کے طور پر کناڈا یا آسٹریلیا میں وصول کرتی ہیں۔

دوسری طرف پارلیمنٹ کی مخصوص اجازت کے بغیر کمپنی کے لیے خود برطانیہ میں سود والے قرضے حاصل کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ کچھ سال ہوئے جب کمپنی نے ہندوستان میں ریلیں اور برقی تار بچھانے شروع کیے تو اس نے لندن کی منڈی میں ہندوستانی تمسکوں کے اجراء کے لیے درخواست کی۔ یہ درخواست 7000000 پونڈ اسٹرلنگ کی رقم کی شکل میں منظور کر دی گئی جو 4 فیصدی سود کے تمسکات میں جاری کیے جائیں اور صرف ہندوستان کی ریاستی آمدنیوں سے پورے ہوں۔ ہندوستان میں بغاوت کی ابتدا میں تمسکات کا یہ قرضہ 3894400 پونڈ اسٹرلنگ تھا اور پارلیمنٹ سے پھر درخواست کرنے کی ضرورت ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستانی بغاوت کے دوران میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا برطانیہ میں قرضہ حاصل کرنے کا قانونی اختیار ختم ہو گیا تھا۔

یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ یہ اقدام کرنے سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ میں قرضے کا اجراء کیا تھا جو بالکل ناکام ثابت ہوا، ایک طرف یہ ثابت کرتا ہے

کہ ہندوستانی سرمایہ دار ہندوستان پر برطانوی اقتدار کے امکانات کو اسی جوشیلے جذبے سے نہیں دیکھ رہے ہیں جو لندن کے پریس کا طرہ امتیاز ہے اور دوسری طرف یہ انگریز قوم کی پریشانی کو غیر معمولی بلندی تک بھڑکا دیتا ہے کیونکہ یہ اس کے علم میں ہے کہ گزشتہ سات برسوں میں ہندوستان میں سرمائے کی زبردست ذخیرہ اندوزی کی گئی ہے جیسا کہ ہیگرڈ اینڈ پکسلی کی فرم کے حالیہ شائع شدہ بیان سے معلوم ہوتا ہے، 1856ء اور 1857ء میں صرف لندن کی بندرگاہ سے 21000000 پونڈ قیمت کا غیر سکہ بند سونا چاندی جہازوں پر لادا گیا۔ لندن "ٹائمز" نے انتہائی دلنشین لہجے میں اپنے قارئین کو سمجھایا ہے کہ:

"مقامی باشندوں کی وفاداری کے لیے ساری ترغیبات میں سے ایک انہیں ہمارا قرض خواہ بنانا سب سے کم مشکوک ہے لیکن دوسری طرف جذباتی، انتہاپسند اور لالچی لوگوں میں کوئی دوسری چیز اس سے زیادہ بے چینی یا غداری پیدا نہیں کر سکتی جتنا یہ خیال پیدا ہوتا کہ ہر سال ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے تاکہ دوسرے ملکوں میں دولت مند قرض خواہوں کو منافع بھیجا جائے"۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی ایک ایسے منصوبے کی خوبی کو نہیں سمجھ رہے ہیں جو ہندوستانی سرمائے کے بل پر انگریز راج کو بحال کرے گا بلکہ ساتھ ہی بالواسطہ طور پر مقامی ذخیروں کو برطانوی تجارت کے لیے کھول دے گا۔ اگر ہندوستانی سرمایہ دار واقعی برطانوی راج کے اتنے ہی شائق ہوتے جتنا ہر سچا انگریز اسے اپنے عقیدے کا حصہ سمجھتا ہے تو اپنی وفاداری دکھانے اور اپنے سونے چاندی سے چھٹکارا پانے کے لیے انہیں اس سے زیادہ بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا۔ جب ہندوستانی سرمایہ دار اپنے ذخیروں کو چھپائے ہوئے ہیں تو انگریز قوم کو کم از کم پہلی مدت میں ہندوستانی بغاوت کے اخراجات خود برداشت کرنے کی اشد ضرورت کے متعلق سوچنا چاہیے۔ مقامی باشندوں کی اعانت کے بغیر۔ علاوہ ازیں قریب الوقوع قرضہ صرف ایک مثال ہے اور اس کتاب کے پہلے صفحے کی طرح نظر آتا ہے جس کا نام ہے "اینگلو انڈین دیسی قرضہ" یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی جو چاہتی ہے وہ اسی لاکھ۔

یا ایک کروڑ نہیں بلکہ اڑھائی کروڑ سے لے کر تین کروڑ پونڈ تک ہیں اور وہ بھی صرف پہلی قسط کی طرح۔ مصارف پورے کرنے کے لیے نہیں بلکہ قرضوں کے لیے جو پہلے سے واجب ہیں۔ گزشتہ تین برسوں میں خسارے کی رقم 5000000 پونڈ تھی۔ گزشتہ 15 اکتوبر تک باغیوں نے جو خزانہ لوٹا تھا وہ 10000000 پونڈ کے برابر تھا۔ یہ ایک ہندوستانی سرکاری اخبار "دی فینکس" [78] کے بیان کے مطابق ہے۔ شمال مشرقی صوبوں میں بغاوت کے نتیجے میں آمدنی میں خسارہ 5000000 پونڈ اور جنگی خرچہ کم از کم 10000000 پونڈ ہے۔

یہ سچ ہے کہ لندن کی زر کی منڈی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مسلسل قرضے زر کی قدر کو بڑھائیں گے اور سرمائے کی قیمت کو گرنے سے، بہ الفاظ دیگر سود کی شرح میں مزید کمی کو روکیں گے لیکن برطانوی صنعت اور تجارت کی بحالی کے لیے اسی کمی کی ضرورت ہے۔ شرح کو گرنے سے بچانے کے لیے اگر کوئی بھی مصنوعی رکاوٹ کھڑی کی گئی تو وہ پیداوار کے خرچ اور قرض کی شرائط کو بڑھانے کے مترادف ہوگی جسے انگریزی صنعت اور تجارت اس کی موجودہ کمزور صورت حال میں ناقابل برداشت محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی قرضے کے اعلان پر رنج و الم کا اظہار کیا گیا۔ اگرچہ پارلیمنٹ کی منظوری کمپنی کے لیے قرضے کی شاہی ضمانت نہیں کرتی۔ پھر بھی اگر پیسہ دوسری شرطوں پر حاصل نہیں کیا گیا تو اس ضمانت کی اجازت مل سکتی ہے اور تمام باریک امتیازات کے باوجود جوں ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کی جگہ برطانوی حکومت لے لے گی تو اس کا قرضہ برطانوی قرضے میں ضم ہو جائے گا۔ لہٰذا بڑے قومی قرضے میں مزید اضافہ ہندوستانی بغاوت کے مالی نتائج میں سے ایک معلوم ہوتا ہے۔

(کارل مارکس نے 22 جنوری 1857ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5243 میں 9 فروری 1857ء کو شائع ہوا۔)

فریڈرک اینگلز

ونڈھم کی شکست [79]

جب کرائمیا کی جنگ ہو رہی تھی تو سارا انگلستان ایک ایسے آدمی کو طلب کر رہا تھا جو اس کی فوج کو منظم اور اس کی رہنمائی کرنے کے قابل ہو اور جب ریگلن، سمپسن اور کوڈرنگٹن جیسے نالائق لوگوں کو یہ عہدہ سپرد کیا گیا تو کرائمیا میں ایک ایسا سپاہی تھا جو ان محاسن سے مزین تھا جو جنرل کے لیے ضروری ہیں۔ ہماری مراد سر کالن کیمبل سے ہے جو ہندوستان میں ہر روز یہ دکھا رہا ہے کہ وہ اپنے پیشے میں استاد ہے۔ کرائمیا میں الما کے مقام پر [80] اسے اپنے بریگیڈ کی رہنمائی کرنے کی اجازت دی گئی تھی جہاں برطانوی فوج کی بے لوچ صف بندی کے طریقہ کار کی وجہ سے اسے اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ پھر اسے بالاکلاوا میں پھنسا دیا گیا اور بعد کی فوجی کارروائیوں میں اسے ایک بار بھی حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے باوجود ہندوستان میں اس کی فوجی صلاحیتیں مدت ہوئی اچھی طرح تسلیم کر لی گئی تھیں اور ایسی مقتدر ہستی کی طرف سے جو عظیم ترین جنرل ہے، جسے انگلستان نے مارلبرو کے بعد پیدا کیا ہے یعنی سر چارلس جیمس نیپئر۔ لیکن نیپئر آزاد منش

انسان تھا، حکمراں اولیگارکی کے سامنے نہ جھکنے والا غیور ------ اور اس کی سفارش
کیمبل کو مشتبہ اور ناقابل اعتبار بنا دینے کے لیے کافی تھی۔

چنانچہ اس جنگ میں دوسرے لوگوں نے خطاب اور اعزاز حاصل کیے۔ ان میں کارس کا سر ولیم فینویک ولیمس تھے جو اپنی پچھلی کامیابی پر قانع رہنے ہی کو اچھا سمجھتے ہیں جسے انہوں نے بے حیائی، خودنمائی اور جنرل کمیٹی کی جائز حاصل کی ہوئی شہرت کو غصب کر کے حاصل کی ہے۔ رتبہ نوابی، سالانہ ایک ہزار پونڈ والی پنشن، وولوچ میں اچھا عہدہ اور پارلیمنٹ میں نشست اس کے لیے کافی ہیں کہ انہیں ہندوستان میں اپنی شہرت کو خطرے میں ڈالنے سے روکیں۔ اس کے برعکس "ریڈان کے ہیرو" جنرل ونڈھم نے مقامی سپاہیوں کے خلاف ایک ڈویژن کی کمان سنبھال لی ہے اور ان کے پہلے ہی عمل نے ان کو ہمیشہ کے لیے بدنام کر دیا ہے۔ انہیں ونڈھم نے جو اچھے خاندانی رابطوں کے ایک غیر معروف کرنل تھے، ریڈان پر دھاوے [81] کے وقت ایک بریگیڈ کی کمان کی تھی۔ اس فوجی کارروائی کے دوران ان کا رویہ انتہائی بھس تھا اور آخرکار جب کمک نہیں آئی تو انہوں نے اپنے دستوں کو دوبارہ چھوڑ دیا تاکہ وہ خود عقب میں جا کر ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس مشتبہ عمل کے نتیجے میں جس کی دوسری افواج میں کورٹ مارشل تحقیقات کرتا انہیں براہ راست جنرل بنا دیا گیا اور اس کے فوراً ہی بعد چیف آف اسٹاف کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

جب کالن کیمبل نے لکھنؤ کی جانب پیش قدمی کی تو انہوں نے پرانی مورچہ بندی، کیمپ اور شہر کانپور کو معہ گنگا پر پل جنرل ونڈھم کی نگرانی میں دے دیا اور اس مقصد کے لیے کافی فوج۔ 100 سواروں کے علاوہ مجموعی یا جزوی طور پر مکمل پیدل فوج کی پانچ رجمنٹیں، مورچے کی کئی توپیں، 10 میدانی توپیں اور دو بحری توپیں تھیں۔ کل قوت 2000 سے زیادہ تھی۔ جب کیمبل لکھنؤ میں برسرپیکار تھے تو باغیوں کی جماعتیں جو دوآبے کے قریب منڈلا رہی تھیں، کانپور پر حملہ کرنے کے لیے متحد ہو گئیں۔ متفرق ٹولیوں کے علاوہ جنہیں باغی زمینداروں نے جمع کیا تھا، حملہ آور

قوت مشتمل تھی۔ تربیت یافتہ دستوں پر بھی (انہیں پر نظم نہیں کہا جا سکتا) یہ تھے دیناپور سپاہیوں کے باقی ماندہ اور گوالیار امداد فوج کا ایک حصہ۔ آخرالذکر وہ تنہا دستے تھے جن کی تشکیل کمپنیوں کی حدود سے بھی بڑے پیمانے پر ہوئی تھی کیونکہ ان کے افسر تقریباً تمام تر مقامی تھے اور چنانچہ انہوں نے منظم بٹالینوں کی طرح کچھ تنظیم برقرار رکھی۔ لہٰذا انہیں انگریز قدرے عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ونڈھم کو مدافعت پر جمے رہنے کی سخت ہدایات تھیں لیکن کیمبل سے اپنے مراسلات کے جواب نہ پانے پر کیونکہ رسل و رسائل کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی ہی ذمے داری پر اقدام کریں۔ 26 نومبر کو انہوں نے 1200 پیدل فوج، 100 گھڑ سوار اور 8 توپیں لے کر بڑھتے ہوئے باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ باغیوں کے ہراول کو آسانی سے شکست دینے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ خاص کالم قریب آ رہا ہے اور وہ کانپور کے قریب تک پسپا ہو گیا انہوں نے یہاں شہر کے سامنے مورچہ قائم کیا۔ 34 ویں رجمنٹ بائیں جانب اور رائفل (5 کمپنیاں) اور 82 ویں رجمنٹ کی دو کمپنیاں دائیں جانب۔ پسپائی کا راستہ شہر سے گزرتا تھا اور بائیں پہلو کے عقب میں اینٹوں کی بھٹیاں تھیں۔ محاذ سے چار سو گز تک اور مختلف نقطوں پر اس سے بھی قریب تر پہلوؤں میں، پیڑ اور جنگل تھے جو پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کو بہت اچھی آڑ فراہم کرتے تھے۔ درحقیقت اس سے زیادہ بدترین جگہ کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برطانیہ والے کھلے میدان میں خطرے سے دوچار تھے اور ہندوستانی تین سو سے چار سو گز تک کی اوٹ میں آگے بڑھ سکتے تھے۔ ونڈھم کی "سورمائی" کو مزید واضح کرنے کے لیے یہ بتانا چاہیے کہ قریب ہی ایک بہت اچھی پوزیشن تھی جہاں محاذ اور عقب میں میدان تھا اور محاذ کے سامنے رکاوٹ کی طرح ایک نہر۔ لیکن ظاہر ہے کہ بدترین پوزیشن پر اصرار کیا گیا۔ 27 نومبر کو دشمن نے توپوں کی باڑھ ماری اور وہ اپنی توپیں اوٹ کے کنارے تک لے آیا جو اسے جنگل نے فراہم کیا تھا۔ ونڈھم انکسار سے جو ایک سورما میں جبلی ہوتا ہے اسے "بمباری" کہتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کے دستوں نے پانچ گھنٹے تک اسے برداشت کیا۔ لیکن

اس کے بعد ایک ایسی بات واقع ہوئی جسے نہ تو ونڈھم نے، نہ وہاں موجود کسی آدمی اور نہ ہندوستانی اور برطانوی اخبارات نے بتانے کی ہمت کی ہے۔ اس لمحے سے جب توپوں کی باڑھ لڑائی میں تبدیل ہوگئی تو اطلاعات کے ہمارے سارے براہ راست ذرائع کٹ گئے اور ہمیں متذبذب، حیلہ ساز اور غیر مکمل شہادت سے اپنے نتائج اخذ کرنا پڑے۔ ونڈھم ذیل کے غیر مربوط بیان تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں:

"دشمن کی شدید بمباری کے باوجود میری فوج نے حملے (میدانی دستوں پر توپوں کی باڑھ کو حملہ کہنا عجیب و غریب ہے) کی پانچ گھنٹے تک مزاحمت کی اور اپنے پیر جمائے رکھے، اس وقت تک 88 ویں رجمنٹ کے ہاتھوں سنگین سے چھدے ہوئے آدمیوں کی تعداد سے مجھے معلوم ہوا کی باغی پوری طرح شہر میں داخل ہوگئے ہیں۔ جب مجھے مطلع کیا گیا کہ وہ قلعہ پر حملہ کر رہے ہیں تو میں نے جنرل ڈیوپیوی کو ہدایت کی کہ وہ پسپا ہو جائیں۔ ساری قوت اندھیرا ہونے سے کچھ ہی پہلے قلعہ میں پسپا ہوگئی اور ہمارے ذخیرے اور توپیں ساتھ لے گئی۔ بھیر بنگاہ کے بھاگ جانے کی وجہ سے میں اپنے کیمپ کا سازوسامان اور دوسرا سفری سامان نہیں لے جاسکا۔ اگر میرے جاری شدہ حکم کے پہنچانے میں ایک غلطی نہیں ہوئی ہوتی تو میرے خیال میں ہمارے قدم جمے رہتے، ہر صورت میں اندھیرے تک"۔

جنرل ونڈھم جو ریڈان میں یہ جلت دکھا چکے ہیں محفوظ فوج (ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ 88 ویں رجمنٹ جس کا شہر پر قبضہ تھا) کے پاس گئے اور دیکھا کہ دشمن نہ زندہ ہے اور نہ لڑ رہا ہے بلکہ دشمن کی بڑی تعداد کو 88 ویں رجمنٹ نے سنگینوں سے ہلاک کر دیا ہے۔ اس حقیقت سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دشمن (وہ یہ نہیں کہتے کہ مردہ یا زندہ) شہر میں پوری طرح داخل ہوگیا ہے! نتیجہ جو قاری اور خود ان کے لیے پریشان کن ہو سکتا ہے لیکن ہمارا سورما یہیں تک محدود نہیں رہتا۔ انھیں مطلع کیا گیا کہ قلعہ پر حملہ کیا گیا تھا۔ ایک عام جنرل اس افسانے کی صداقت کی تحقیق کر سکتا تھا جو بلاشبہ غلط ثابت ہوا۔ لیکن ونڈھم نہیں۔ وہ پسپائی کا حکم دیتے ہیں اگرچہ ان کے دستے کم از کم اندھیرے تک اپنے مورچے کو قائم رکھ سکتے تھے، اگر

ونڈھم کے ایک حکم کی ترسیل میں غلطی نہ ہوئی ہوتی، چنانچہ پہلے آپ کو ونڈھم کا یہ بہادرانہ نتیجہ ملتا ہے کہ جہاں کئی مردہ مقامی سپاہی ہیں وہاں بہت سے زندہ ہوں گے۔ دوسرے، قلعے پر حملہ کے متعلق غلط اشتباہ اور تیسرے حکم کی ترسیل میں غلطی۔ ان تمام مجموعہ حادثوں کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ مقامی باشندوں کے ایک بڑے انبوہ نے ریڈان کے سورما کو شکست دے دی اور ان کے غیر مغلوب چیدہ سپاہیوں کو پیٹ دیا۔

دوسرا رپورٹر جو ایک افسر ہے، کہتا ہے:

"میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی اس سہ پہر کی لڑائی اور پسپائی کو صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے۔ پسپائی کا حکم دیا گیا تھا۔ ملکہ معظمہ کی 34 ویں پیدل رجمنٹ کو اینٹوں کی بھٹی کے پیچھے پسپا ہونے کی ہدایت کی گئی لیکن نہ تو افسر اور نہ سپاہی جانتے تھے کہ وہ ہے کہاں! یہ خبر چھاؤنیوں میں تیزی سے پھیل گئی کہ ہماری فوج کو بری طرح شکست ہوئی اور پسپائی پر اندرونی مورچوں میں زبردست بھگدڑ مچ گئی جس طرح آبشار نیاگرہ میں پانی کا ریلا بلامزاحمت گرتا ہے۔ سپاہی اور ملاح، یورپی اور مقامی، مرد، عورتیں اور بچے، گھوڑے، اونٹ اور بیل 2 بجے دن سے بے شمار تعداد میں آنے لگے۔ رات شروع ہونے تک مورچہ بند چھاؤنی جو آدمیوں، جانوروں، سفری سامان، کھاٹ کھٹولوں اور لاکھوں ناقابل بیان سر پر لدے ہوئے سامانوں کا معجون مرکب تھی۔ اس انتشار کا مقابلہ کر سکتی تھی جو تخلیق کے حکم ربانی سے پہلے وجود رکھتا تھا"۔

آخر میں "ٹائمز" کے کلکتہ کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ بظاہر برطانیہ نے 27 تاریخ کو مصیبت جھیلی "جو تقریباً پسپائی کے مترادف ہے" لیکن حب الوطنی کے جذبے کی وجہ سے اینگلو انڈین پریس اس بے عزتی پر فیاضی کا ناقابل گزر پردہ ڈال رہا ہے۔ مگر اتنا تسلیم بھی کیا جاتا ہے کہ ملکہ معظمہ کی ایک رجمنٹ جو زیادہ تر رنگروٹوں پر مشتمل تھی تتر بتر ہوگئی مگر ہار نہیں مانی اور قلعے میں انتہائی ابتری پھیلی ہوئی تھی اور ونڈھم اپنے آدمیوں پر کنٹرول بالکل کھو چکے تھے۔ یہاں تک کہ 28 تاریخ کی شام کو کیمبل پہنچے اور "چند سخت الفاظ سے" پورا انتظام کر دیا۔

تو اب ان تمام الجھے ہوئے اور حیلہ ساز بیانات سے کیا بین نتائج نکالے جا سکتے

ہیں؟ صرف یہ کہ ونڈھم کی نااہل ہدایت کے تحت برطانوی فوج کو مکمل طور پر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اگرچہ اس سے بچنا ممکن تھا، کہ جب پسپائی کا حکم دیا گیا تو 34 ویں رجمنٹ کے افسر جنہوں نے اس زمین سے واقف ہونے کی کسی طرح بھی تکلیف گوارا نہیں کی تھی، یہاں وہ لڑتے رہے اور وہ جگہ معلوم نہیں کر سکے جہاں انہیں پسپا ہونے کا حکم دیا گیا تھا کہ رجمنٹ افراتفری میں مبتلا ہو گئی اور آخر کار پسپا ہو گئی کہ اس سے کیمپ میں دہشت پھیل گئی جس نے ضبط اور ڈسپلن کی تمام حدود توڑ ڈالیں اور جس کی وجہ سے کیمپ کا ساز و سامان اور سفری سامان کا ایک حصہ ضائع ہوا کہ آخر میں ونڈھم کے ذخیروں کے متعلق دعویٰ کے باوجود 15000 چھوٹے کارتوس، خزانچی کے لوہے کے صندوق، کئی رجمنٹوں کے لیے جوتے اور لباس اور نئی وردیاں دشمن کے قبضے میں آ گئیں۔

انگریز پیدل فوج جب قطار یا کالم میں ہوتی ہے تو شاذ و نادر ہی بھاگتی ہے۔ روسیوں کی طرح اس میں ایک قدرتی پیوستگی ہوتی ہے جو عام طور پر صرف پرانے سپاہیوں میں ملتی ہے اور جس کی تشریح جزوی طور پر یوں کی جا سکتی ہے کہ دونوں افواج میں پرانے سپاہیوں کی خاصی تعداد ہوتی ہے، لیکن جزوی طور پر اس کا قومی کردار سے بھی تعلق ہے۔ یہ وصف جس کا بہادری سے بالکل تعلق نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی جبلت کا انوکھا اظہار ہے اب بھی بہت قیمتی ہے۔ خاص طور پر دفاعی پوزیشن میں۔ یہ وصف جو انگریزوں کے بلغمی مزاج کے بھی مطابق ہے، دہشت کو روکتا ہے۔ لیکن یہ بھی کہنا چاہیے کہ جب آئرلینڈ کی فوجیں منتشر ہو جاتی ہیں اور ان پر دہشت چھا جاتی ہے تو انہیں منظم کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ 27 نومبر کو ونڈھم کے ساتھ پیش آیا۔ اب سے ان کا شمار ان انگریز جنرلوں کی مختصر لیکن ممتاز فہرست میں کیا جائے گا جو اپنی فوج کو دہشت کی وجہ سے بھگانے میں کامیاب رہے ہیں۔

28 ویں تاریخ کو گوالیار کی فوج کو بٹھور سے کافی کمک مل گئی اور وہ برطانوی خندقی چوکیوں سے چار سو گز تک آ گئی۔ ایک اور جھڑپ ہوئی جو حملہ آوروں نے بغیر

کسی توانائی کے شروع کی۔ اس کے دوران 64 ویں رجمنٹ کے سپاہیوں اور افسروں نے حقیقی جرات کی مثال پیش کی جسے سن کر ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ معرکہ اتنا ہی احمقانہ تھا جتنا کہ مشہور بالاکلاوا کا حملہ۔ اس کی ذمے داری بھی ایک مردہ آدمی---- رجمنٹ کے کرنل ولسن پر رکھی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولسن دشمن کی چار توپوں کے خلاف ایک سو اسی جوان لے کر آگے بڑھا جن کی مدافعت برتر تعداد کر رہی تھی۔ ہم سے یہ نہیں کہا گیا کہ وہ تھے کون لیکن انجام سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ وہ گوالیار کے دستے تھے۔ انگریزوں نے تیزی سے توپوں پر قبضہ کر لیا۔ میخ سے تین کو ناکارہ بنا دیا اور کچھ دیر تک ڈٹے رہے۔ اور جب کمک نہیں آئی تو انہیں پسپا ہونا پڑا اور اپنے ساٹھ جوانوں اور زیادہ تر افسروں کو میدان ہی میں چھوڑ دیا۔ نقصان سے شدید لڑائی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی قوت ہے جس کا مقابلہ اچھی طرح کیا گیا جو اس کے نقصانات سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ قوت توپوں پر اس وقت تک قابض رہی جب تک کہ اس کی ایک تہائی تعداد کام نہیں آ چکی۔ یہ شدید لڑائی تھی اور دہلی پر دھاوا بولنے کے بعد اپنی قسم کی پہلی مثال۔ لیکن جس آدمی نے اس پیش رفت کا منصوبہ بنایا وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کا کورٹ مارشل کیا جائے اور اسے گولی سے اڑایا جائے۔ ونڈھم کا کہنا ہے کہ وہ ولسن تھا۔ وہ اس پیش رفت میں کام آیا اور جواب نہیں دے سکتا۔

شام کو ساری برطانوی فوج قلعے میں محبوس رہی جہاں افراتفری چھائی ہوئی تھی۔ اور پل کے قریب پوزیشن عیاں طور پر خطرے میں تھی لیکن اس وقت کیمبل آ گئے۔ انہوں نے نظام بحال کیا۔ صبح نئے دستے حاصل کیے اور دشمن کو اس حد تک دھکیل دیا کہ پل اور قلعہ محفوظ رہے۔ پھر انہوں نے تمام زخمیوں، عورتوں، بچوں اور سامان کو دوسرے کنارے پار کرایا اور دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ یہاں تک کہ وہ سب الٰہ آباد جانے والی سڑک پر چلنے لگے۔ جوں ہی یہ انجام دے دیا گیا تو 6 تاریخ کو انہوں نے مقامی سپاہیوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی اور اسی دن ان کی سوار فوج اور توپ خانے نے چودہ میل تک مقامی سپاہیوں کا تعاقب کیا۔ یہ کہ کوئی مزاحمت نہیں

کی گئی۔ کیمبل کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے دستوں کی پیش رفت بیان کرتے ہیں اور دشمن کی مزاحمت یا جوڑ توڑ کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ کوئی مزاحمت نہیں تھی، وہ لڑائی نہیں بلکہ ایک قتل عام تھا۔ بریگیڈیئر ہوپ گرانٹ نے ایک ہلکی ڈویژن لے کر بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور 8 ویں تاریخ کو انہیں پکڑا جب وہ ایک دریا پار کر رہے تھے۔ اس صورت میں مجبوراً انہیں لڑنا اور شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس واقعے پر کیمبل کی پہلی یعنی لکھنؤ اور کانپور کی مہم ختم ہوگئی اور اب کارروائیوں کے نئے سلسلے شروع ہونے والے ہیں جن کے پہلے نتائج ہمیں نصف ماہ یا تین ہفتے کے اندر سننے کی توقع ہے۔

(فریڈرک اینگلز نے 2 فروری 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5253 میں 20 فروری 1858ء کے اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا۔)

فریڈرک اینگلز

لکھنؤ کی تسخیر (82)

ہندوستانی بغاوت کا دوسرا نازک دور ختم ہوگیا ہے۔ پہلے کا مرکز دہلی تھا اور وہ اس شہر پر ہلا بول کر ختم کر دیا گیا۔ دوسرا لکھنؤ میں مرکوز تھا اور اب یہ جگہ بھی مفتوح کر لی گئی ہے۔ اگر ان مقامات میں نئی بغاوتیں نہیں ہوئیں جو ابھی تک خاموش تھے تو اب بغاوت بتدریج اختتامی اور طویل دور میں فرو ہو جائے گی جس کے دوران باغی آخر کار ڈاکوؤں یا رہزنوں کا کردار اختیار کر لیں گے اور ملک کے باشندوں کو اپنا اتنا ہی دشمن پائیں گے جتنا خود انگریزوں کو۔

لکھنؤ پر دھاوا بولنے کی تفصیلات ہنوز موصول نہیں ہوئی ہیں مگر ابتدائی کارروائیاں اور آخری لڑائیوں کے خاکوں کا علم ہے۔ ہمارے قارئین یاد کریں کہ لکھنؤ کی ریزیڈنسی کی نجات کے بعد جنرل کیمبل نے اس مورچے کو اڑا دیا تھا اور جنرل اوٹرم کو 5000 جوانوں کی معیت میں عالم باغ میں چھوڑ دیا تھا جو شہر سے چند میل پر ایک مضبوط مورچہ ہے۔ وہ خود اپنی باقی فوج کے ساتھ کانپور لوٹ آئے جہاں باغیوں کی ایک جماعت نے جنرل ونڈھم کو شکست دی تھی۔ ان کو کیمبل نے مکمل

طور پر شکست دے دی اور دریائے جمنا کے پار کالپی تک بھگا دیا۔ پھر انہوں نے کانپور میں کمک اور بھاری توپوں کی آمد کا انتظار کیا، حملے کے اپنے منصوبے مرتب کیے، مختلف کالموں کے ارتکاز کے لیے احکامات جاری کیے جو اودھ میں پیش رفت کرنے والے تھے اور خاص طور پر کانپور کو بڑے اچھے قلعہ بند کیمپ میں تبدیل کر دیا تاکہ وہ لکھنؤ کے خلاف کارروائیوں کی قریب ترین اور خاص بنیاد بن سکے۔ جب یہ سب پایہ تکمیل کو پہنچا دیا گیا تو قبل اس کے کہ وہ پیش قدمی کرنے کو محفوظ سمجھیں انہیں ایک اور فریضہ پورا کرنا تھا ـــ ایک ایسا فریضہ جس کو پورا کرنے کی کوشش انہیں تمام گزشتہ ہندوستانی کمانڈروں سے ممتاز کرتی ہے۔ انہوں نے عورتوں کو کیمپ کے آس پاس کوچہ گردی کی اجازت نہیں دی۔ لکھنؤ میں اور کانپور کے مارچ کے وقت وہ ان "پریوں" کو خوب بھگت چکے تھے۔ وہ یہ بالکل قدرتی سمجھتی تھیں کہ فوج کی نقل و حرکت کو، جیسا کہ ہندوستان میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے، ان کے ترنگ اور ان کے آراء کے تابع ہونا چاہیے۔ جیسے ہی کیمبل کانپور پہنچے انہوں نے اس سارے دلچسپ اور پریشان کن قبیلے کو الٰہ آباد روانہ کر دیا جو اس سے کافی دور تھا۔ پھر انہوں نے خواتین کا دوسرا گروپ بلوایا جو آگرے میں تھا۔ جب تک وہ کانپور نہیں آئیں اور جب تک انہیں حفاظت سے الٰہ آباد روانہ نہیں کر دیا گیا تب تک کیمبل لکھنؤ کی جانب پیش رفت کرنے والے اپنے دستوں کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔

اودھ کی اس مہم کے لیے جو انتظامات کیے گئے وہ پیمانے کے لحاظ سے ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ انگریزوں نے اپنی سب سے بڑی مہم میں افغانستان پر حملے میں [83] جو فوج استعمال کی تھی اس کی تعداد کبھی 20000 سے زیادہ نہیں ہوئی اور ان میں بھاری اکثریت مقامی فوجیوں کی تھی۔ اودھ کی اس مہم میں صرف یورپیوں کی تعداد اس ساری فوج سے زیادہ تھی جو افغانستان بھیجی گئی تھی۔ بنیادی فوج جس کی رہنمائی کالن کیمبل نے ذاتی طور پر کی پیدل فوج کے تین ڈویژنوں، سوار فوج کے ایک اور توپ خانے اور انجینئروں کے ایک ڈویژن پر مشتمل تھی۔ اوٹرم کے تحت پیدل فوج کے پہلے ڈویژن نے عالم باغ کو اپنے قبضے میں رکھا۔

وہ مشتمل تھا پانچ یورپی اور ایک مقامی رجمنٹ پر۔ دوسرا ڈویژن (چار یورپی اور ایک مقامی رجمنٹ) اور تیسرا (پانچ یورپی اور ایک مقامی رجمنٹ)، سر ہوپ گرانٹ کے تحت سوار فوج کا ڈویژن (تین یورپی اور چار یا پانچ مقامی رجمنٹیں) اور زبردست توپ خانہ (اڑتالیس میدانی توپیں، محاصرے کا سامان اور انجینئر) کیمبل کی فعال قوت تھی جسے لے کر انہوں نے کانپور سے سڑک پر پیش رفت کی۔ گومتی اور گنگا کے درمیان جونپور اور اعظم گڑھ میں بریگیڈیئر فرینکس کے تحت جو بریگیڈ مرکوز تھا اسے دریائے گومتی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کی طرف بڑھنا تھا۔ اس بریگیڈ میں مقامی فوج کے علاوہ تین یورپی رجمنٹیں اور دو توپ خانے تھے اور یہ کیمبل کے دائیں بازو کی تشکیل کرتا تھا۔ اسے شامل کرنے کے بعد کیمبل کی کل قوت اس پر مشتمل تھی:

	پیدل	گھڑسوار	توپ خانہ اور انجینئر	کل
یورپی	15000	2000	3000	20000
دیسی	5000	3000	2000	10000

یا کل 30000۔ اس میں 10000 نیپالی گورکھوں کو شامل کر دیا جائے جو جنگ بہادر کی رہنمائی میں گورکھپور سے سلطان پور کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو حملہ آور فوج میں 40000 آدمی تھے جو تقریباً سب باقاعدہ فوج کے تھے لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہے، کانپور کے جنوب میں ایک طاقتور کالم کے ساتھ سر روز ساگر سے کالپی اور جمنا کے بہاؤ کی جانب پیش قدمی کر رہے تھے تاکہ فرینکس اور کیمبل کے دو کالموں کے درمیان سے اگر مفرور بچ کر بھاگنے کی کوشش کریں تو انہیں پکڑ لیا جائے۔ شمال مغرب میں بریگیڈیئر چیمبرلین نے فروری کے آخر میں بالائی گنگا کو پار کیا اور روہیل کھنڈ میں داخل ہو گئے جو اودھ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور جیسا کہ بجا طور پر توقع کی جاتی تھی باغی فوج کی پسپائی کی خاص منزل تھی۔ اودھ کے اردگرد شہروں کی محافظ فوجوں کو بھی اس قوت میں شامل کرنا چاہیے جو اس مملکت کے خلاف براہ راست یا بالواسطہ استعمال کی گئی۔ تو یہ قوت یقینی طور پر 70000 سے 80000 تک

تھی جس میں سرکاری بیانات کے مطابق کم از کم 28000 انگریز تھے۔ اس میں سر جان لارنس کی وہ بڑی قوت شامل نہیں کی گئی ہے جو دہلی پر پہلو کی پوزیشن کی حیثیت سے قبضہ کیے ہوئے تھی اور جو میرٹھ اور دہلی میں 5500 یورپیوں اور پنجاب کے 20000 یا 30000 مقامی باشندوں پر مشتمل تھی۔

اس زبردست قوت کا ارتکاز نتیجہ تھا جزوی طور پر جنرل کیمبل کی سرگرمیوں کا اور جزوی طور پر ہندوستان کے مختلف حصوں میں بغاوت کو کچل دینے کا جس کے سبب فوجیں قدرتی طور پر عمل کے منظر کی جانب مرکوز کی گئیں۔ بلاشبہ کیمبل چھوٹی قوت کو ساتھ لے کر بھی اقدام کرنے کی جرات کرتے لیکن وہ اس کا انتظار کر رہے تھے کہ حالات کی بدولت ان کے ہاتھ میں نئے ذرائع آ گئے۔ وہ ایسے انسان نہیں ہیں کہ انہیں استعمال کرنے سے انکار کر دیتے، اس قلیل دشمن کے خلاف بھی جس سے وہ جانتے تھے کہ لکھنؤ میں دوچار ہوں گے۔ اور یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ تعداد خواہ کتنی ہی مرعوب کن نظر آئے وہ ہنوز اتنے بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی جتنا فرانس اور یہ کہ لکھنؤ میں فیصلہ کن نقطے پر وہ صرف 20000 یورپیوں، 10000 ہندوستانیوں اور 10000 گورکھوں کو استعمال کریں گے۔ مقامی کمان کے تحت آخرالذکر کی اہمیت کم از کم مشتبہ ہے۔ یہ قوت اگرچہ صرف یورپی اجزاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے جلد فتح کی ضمانت کے لیے یقینی ضرورت سے زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود اس کی تعداد اپنے فریضے سے غیر متناسب نہیں تھی اور غالباً کیمبل اودھ والوں کو سفید چمڑی والی ایسی مرعوب کن فوج دکھانا چاہتے تھے جیسی ہندوستان میں ---- ایک ایسی بغاوت کے جواب میں جو یورپیوں کی چھوٹی تعداد اور ملک میں ان کے بکھرے ہونے کی وجہ سے ممکن ہوئی تھی ---- پہلے کسی نے نہ دیکھی تھی۔

اودھ میں فوج باغی بنگال رجمنٹوں کی باقیات اور خود ملک سے جمع کی ہوئی فوج پر مشتمل تھی۔ اول الذکر میں 35000 یا 40000 سے زیادہ جوان نہیں ہوں گے۔ لڑائیوں، فوج سے فرار اور پست ہمتی نے اس قوت کو جو ابتدا میں 80000 تھی گھٹا کر کم از کم نصف کر دیا ہوگا اور جو کچھ باقی رہ گئے تھے غیر منظم، مایوس، بری طرح

لیس اور کارزار میں اترنے کے بالکل اہل نہ تھے۔ نئی جمع کی ہوئی فوج ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ تک بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی تعداد خواہ کچھ بھی ہو غیر اہم ہے۔ ان کے ہتھیار صرف جزوی طور پر بندوقیں تھیں اور وہ بھی گھٹیا قسم کی۔ بہت سے لوگوں کے پاس ایسے ہتھیار تھے جو صرف دوبدو مڈبھیڑ کے لیے مقصود تھے ---- لیکن اس قسم کی لڑائی کا ان کے لیے کم سے کم امکان تھا۔ اس قوت کا زیادہ تر حصہ لکھنؤ میں تھا جو سر اوٹرم کی فوج سے دوچار تھا لیکن دو کالم الٰہ آباد اور جونپور کی جانب مصروف جنگ تھے۔

لکھنؤ پر ارتکازی نقل و حرکت تقریباً فروری کے وسط میں شروع ہوئی۔ 15 سے 26 تاریخ تک خاص فوج اور اس کے بے شمار ہمراہیوں نے (صرف بھیروبنگاہ 60000 تھے) کانپور سے اودھ کی راجدھانی کی طرف بغیر کسی مزاحمت کے کوچ کیا۔ اسی دوران میں دشمن نے اوٹرم کے مورچے پر 21 اور 24 فروری کو حملہ کیا جس کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔ 19 تاریخ کو فرینکس نے سلطان پور پر یورش کی اور ایک ہی دن میں باغیوں کے دو کالموں کو شکست دے دی اور ان کا اس حد تک تعاقب بھی کیا جس حد تک سوار فوج کی غیر موجودگی اجازت دیتی تھی۔ دو شکست خوردہ کالم متحد ہو گئے اور فرینکس نے 23 تاریخ کو انہیں پھر شکست دے دی۔ اس میں ان کا 20 توپوں، سارے کیمپ اور سامان سفر کا نقصان ہوا۔ جنرل ہوپ گرانٹ نے بھی جو خاص فوج کے اگلے محافظ دستوں کی کمان کر رہے تھے اس کے تیز کوچ کے وقت اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کر لیا اور 23 اور 24 تاریخ کو لکھنؤ سے روہیل کھنڈ جانے والی سڑک پر دو قلعے تباہ کر دیئے۔

2 مارچ کو خاص فوج لکھنؤ کے جنوبی پہلو میں مرکوز کر دی گئی۔ اس پہلو کو ایک نہر محفوظ کرتی تھی جسے کیمبل کو شہر پر اپنے گزشتہ حملے کے وقت بھی پار کرنا پڑا تھا۔ اب اس نہر کے پیچھے مضبوط قلعہ بندیاں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ 3 تاریخ کو انگریزوں نے دلکشا باغ پر قبضہ کر لیا جس پر پہلی بار بھی حملہ کیا گیا تھا۔ 4 تاریخ کو بریگیڈیئر فرینکس خاص فوج سے آن ملے اور اس کے داہنے پہلو کی تشکیل کی جس

کی حفاظت دریائے گومتی کرتا تھا۔ اسی دوران میں دشمن کی مورچہ بندیوں کی سیدھ باندھ کر توپ خانے نصب کر دیئے گئے اور شہر کے نیچے گومتی کے آرپار دو تیرتے ہوئے پل تعمیر کر لیے گئے۔ اور جونہی تعمیر مکمل ہو گئی سر اوٹرم نے پیدل فوج کا ایک ڈویژن، 1400 سوار اور 30 توپیں لے کر دریا کو پار کیا تاکہ بائیں یا شمال مشرقی کنارے پر مورچہ جمائیں۔ یہاں سے وہ نہر کے ساتھ ساتھ دشمن کی لائن کے بڑے حصے کا گولہ باری سے صفایا کر سکتے تھے اور اس کے عقب میں کئی قلعہ بند محلات کا بھی۔ انہوں نے اودھ کے سارے شمال مشرقی حصے کے ساتھ دشمن کی نقل و حمل کو بھی منقطع کر دیا تھا۔ 6 اور 7 تاریخ کو انہیں خاصی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے دشمن کو پسپا کر دیا۔ 8 تاریخ کو ان پر پھر حملہ کیا گیا لیکن بغیر کامیابی کے۔ اس دوران میں داہنے کنارے پر واقع توپ خانوں نے بمباری شروع کر دی۔ اوٹرم کے توپ خانوں نے دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ بازو اور عقب میں باغیوں پر بمباری کی اور 9 تاریخ کو دوسرے ڈویژن نے سر لوکارڈ کے زیر کمان لامارٹینیئر پر دھاوا بولا جو ہمارے قارئین کو یاد ہو گا کہ ایک کالج اور پارک ہے جو نہر کے جنوب میں واقع ہے جہاں نہر گومتی سے ملتی ہے اور وہ دلکشا کے سامنے ہے۔ 10 تاریخ کو بینک ہاؤس پر دھاوا بولا گیا اور حملہ آور اس پر قابض ہو گئے۔ اوٹرم دریا کے بالائی حصے پر پیش قدمی کرنے لگا اور اپنی توپوں سے باغیوں کے مورچے یکے بعد دیگرے تباہ کرتا رہا۔ 11 تاریخ کو اسکاٹ لینڈ کی رجمنٹوں (42 ویں اور 93 ویں) نے موتی محل کو تسخیر کر لیا اور اوٹرم نے کنکر والے پل پر حملہ کر کے اسے سر کیا جو دریا کے بائیں کنارے سے شہر کو ملاتا ہے۔ پھر وہ اپنی فوج کو پار لے گیا اور سامنے کی اگلی عمارت پر حملہ کرنے میں شریک ہو گیا۔ 13 مارچ کو دوسری قلعہ بند عمارت، امام باڑے پر حملہ کیا گیا۔ پھر حفاظتی مورچہ بنایا گیا تاکہ بچاؤ کی جگہ میں توپ خانے نصب کیے جا سکیں اور اگلے دن جب رخنہ مکمل ہو گیا تو اس عمارت پر دھاوا بول دیا گیا۔ دشمن قیصرباغ کی طرف بھاگنے لگا اور انگریز اس کا اتنی تیزی سے تعاقب کرنے لگے کہ مفروروں کے سایوں کی طرح محل میں داخل ہوئے۔ شدید لڑائی شروع ہوئی لیکن 3 بجے سہ

پہر کو محل انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملات کو انجام تک پہنچا دیا گیا۔ کم از کم مزاحمت کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور کیمبل نے مفروروں کے تعاقب اور گرفتاری کے لیے فوراً تدابیر اختیار کر لیں۔ بریگیڈیئر کیمبل کو سوار فوج کا ایک ڈویژن اور کچھ اپنی توپ خانہ دے کر ان کا تعاقب کرنے کے لیے بھیجا گیا اور گرانٹ دوسرے بریگیڈ کو لکھنؤ سے روہیل کھنڈ جانے والی سڑک پر سیتاپور لے گیا تاکہ انہیں پکڑا جائے۔ ایک طرف شہر کی حفاظتی فوج کے اس حصے کے لیے انتظام کیا گیا جو فرار ہو گیا تھا تو دوسری طرف پیدل اور سوار فوجیں شہر کے اندر مزید آگے بڑھیں تاکہ ان لوگوں کا صفایا کر دیا جائے جو ہنوز مزاحمت کر رہے تھے۔ 15 سے 19 تاریخ تک لڑائی خاص طور پر شہر کی تنگ گلیوں میں جاری رہی ہو گی کیونکہ دریا کے ساتھ ساتھ محلات کے سلسلے اور باغات پہلے ہی تسخیر کر لیے گئے تھے لیکن 19 تاریخ کو سارا شہر کیمبل کے ہاتھ میں تھا۔ تقریباً 50000 باغیوں کے متعلق کہا گیا کہ وہ فرار ہو گئے، ایک حصہ روہیل کھنڈ کو اور دوسرا حصہ دوآبہ اور بندیل کھنڈ کی طرف۔ اس آخر الذکر سمت میں ان کے لیے فرار ہونے کا موقع تھا کیونکہ جنرل روز اپنے کالم کے ساتھ جمنا سے ہنوز کم سے کم ساٹھ میل دور تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان کے دوبدو 30000 باغی تھے۔ روہیل کھنڈ کی سمت میں بھی یہ امکان تھا کہ وہ دوبارہ مرتکز ہو سکیں۔ کیمبل ایسی حالت میں نہیں تھے کہ ان کا بڑی تیزی سے تعاقب کرتے اور چیمبرلین کا پتا ہمارے علم میں نہیں ہے اور صوبہ اتنا وسیع ہے کہ مختصر مدت کے لیے باغیوں کو پناہ فراہم کر سکتا ہے۔ لہٰذا بغاوت کی اگلی خصوصیت غالباً بندیل کھنڈ اور روہیل کھنڈ میں دو باغی فوجوں کی تشکیل ہو گی، لیکن آخر الذکر کو لکھنؤ اور دہلی کی فوجوں کے ارتکازی مارچوں کے ذریعے جلد ہی تباہ کیا جا سکتا ہے۔

اس مہم میں سر کیمبل کی کارروائیوں کی امتیازی خصوصیت ان کی حسب معمول دانائی اور توانائی ہے۔ لکھنؤ پر ارتکازی مارچ میں فوج کی ترتیب بوجھیا تھا اور حملے کے لیے ہر صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے انتظامات کر لیے گئے تھے۔ دوسری طرف باغیوں کا رویہ اگر پہلے سے زیادہ نہیں تو اتنا ہی قابل نفریں تھا۔ لال

کرتیوں کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ فرنکس کے کالم نے تعداد کے لحاظ
سے اپنے سے بیں گنوں کو شکست دی اور مشکل ہی سے اس کا کوئی آدمی کام آیا۔
اگرچہ حسب معمول تاروں میں "سخت مزاحمت" اور "شدید لڑائی" کی بات کی گئی
ہے لیکن انگریزوں کے نقصانات، جہاں ان کا ذکر کیا گیا ہے، اتنی مضحکہ خیز حد تک
قلیل ہیں تو ہمیں اندیشہ ہے کہ کسی شجاعت کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور اس بار
لکھنؤ میں کسی کو ہار نہیں پہنائے گئے، اس وقت کے مقابلے میں جب انگریز وہاں
پہلے داخل ہوئے تھے۔

(فریڈرک اینگلز نے 15 اپریل 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون"
کے شمارے 5312 میں 30 اپریل 1858ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

فریڈرک اینگلز

لکھنؤ پر حملے کی تفصیلات

آخر کار لکھنؤ پر حملے اور اس کی شکست کی تفصیلی اطلاعات ہمارے پاس ہیں۔
اطلاعات کے خاص ذرائع، فوجی نقطہ نظر سے، سر کالن کیمبل کے مراسلات ابھی
تک شائع نہیں ہوئے ہیں لیکن برطانوی پریس کے نامہ نگاروں کی رپورٹیں اور
خاص کر "لندن ٹائمز" میں مسٹر رسل کے خطوط جن کے خاص حصے ہمارے قارئین
کی خدمت میں پیش کیے جا چکے ہیں حملہ آور فریق کی کارروائیوں کی عام بصیرت
حاصل کرنے کے لیے کافی ہیں۔

دفاع میں دکھائی گئی جہالت اور بزدلی کا جہاں تک تعلق ہے تو ہم نے تار برقی
کی خبروں سے جو نتائج اخذ کیے تھے ان کی ضرورت سے زیادہ تصدیق تفصیلی بیانات
سے ہوگئی ہے۔ جو تنصیبات ہندوستانیوں نے کھڑی کی تھیں دیکھنے میں غیر مفتوح
لیکن حقیقت میں ان ڈراؤنے اژدھوں اور بناوٹی چہروں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی
تھیں جن کی چینی "جانباز" اپنی ڈھالوں یا اپنی شہرپناہوں پر نقاشی کرتے ہیں۔ ہر واحد
تنصیب غیر مفتوح مورچہ معلوم ہوتی تھی، ہر جگہ موکھے دار اور سوراخوں والی

دیواریں اور دمدمے، ہر طرح کی رسائی کی مشکلات، توپیں اور بندوقیں اٹی ہوئی لیکن ہر مورچے کے پہلوؤں اور عقب کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ مختلف تنصیبات کی باہمی امداد پر کوئی غور نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ تنصیبات کے درمیان اور ان کے سامنے بھی زمین صاف نہیں کی گئی اس لیے سامنے سے اور پہلو سے حملوں کی تیاری دفاع کے علم کے بغیر کی جا سکتی تھی اور دمدموں سے چند گز تک مکمل اوٹ میں پہنچا جا سکتا تھا۔ یہ مورچہ بندوں کا ایک ایسا گڈمڈ تھا جس کی توقع سفرمینا کے صرف ان عام فوجیوں سے کی جا سکتی ہے جو اپنے افسروں سے محروم ہو گئے ہوں اور ایک ایسی فوج میں کام کر رہے ہوں جس پر جہالت اور بے ضبطی چھائی ہوئی ہو۔ لکھنؤ کی مورچہ بندیاں اینٹوں کی دیواروں اور دمدموں میں مقامی سپاہیوں کی جنگ کے سارے طریقے کا چربہ تھیں۔ یورپی طریقہ کار کا میکانکی حصہ ان کے دماغوں پر جزوی طور سے نقش تھا۔ وہ بندوقوں کی مشقیں اور پلٹن کے فوجی قواعد کافی جانتے تھے۔ وہ توپ خانہ نصب کر سکتے تھے اور دیواروں میں موکھے بنا سکتے تھے لیکن دفاع کی صورت حال میں کمپنیوں اور بٹالینوں کی نقل و حرکت کو کیسے مربوط کریں یا توپ خانے اور موکھے دار دیواروں اور مکانات میں ربط کیسے پیدا کریں تاکہ مزاحمت کے قابل ایک قلعہ بندی بن جائے----- اس سے وہ بالکل ناواقف تھے چنانچہ انہوں نے اپنے محلات کی مضبوط پکی دیواروں میں ضرورت سے زیادہ موکھے بنا کر کمزور کر دیا، موکھوں اور سوراخوں کی قطار پر قطار لگائی، محلات کی چھتوں پر توپ خانے نصب کیے، لیکن یہ سب بے سود تھا کیونکہ انہیں آسان ترین طریقے سے گھیرا جا سکتا تھا۔ اسی طرح طریقہ کار میں اپنی کمتری کو جانتے ہوئے اس کی کسر نکالنے کے لیے انہوں نے ہر چوکی میں زیادہ سے زیادہ آدمی ٹھونس دیئے جس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ برطانوی توپ خانے انتہائی اثر انداز بن جائیں اور جونہی غیر متوقع سمت سے حملہ آور کالم اس گڈمڈ ازدحام پر ٹوٹ پڑیں تو بالترتیب اور باقاعدہ دفاع ناممکن ہو جائے اور جب انگریز اتفاقی حالات کی وجہ سے تنصیبات کے مضبوط مورچوں پر حملہ کرنے کے لیے مجبور ہوئے تو ان کی ترتیب اتنی ناقص تھی کہ وہ خطرہ مول لیے

بغیر ان تک پہنچ گئے، ان میں رخنہ ڈال دیا اور ان پر دھاوا بول دیا۔ امام باڑے میں صورت حال یہی تھی۔ اس عمارت سے چند گز آگے ایک کچا پشتہ تھا۔ اس کے قریب خندق کھود کر اس پشتے کو انگریزوں نے چھوٹے مورچے کی طرح (جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمارت کے بلند حصے میں موکھوں اور سوراخوں سے بالکل سامنے کی زمین پر موثر باڑھیں نہیں لگائی گئیں) اور اسی دیوار کو رخنہ ڈالنے کے توپ خانے کی جگہ کی طرح استعمال کیا جسے ہندوستانیوں نے ان کے لیے تیار کیا تھا! اس دیوار کے پیچھے وہ 68 پونڈ والی (بحری) توپیں لائے۔ برطانوی فوج میں 68 پونڈ والی توپ بلا مسند کے 87 ہنڈریڈ ویٹ وزن رکھتی ہے، لیکن فرض کیجئے کہ اگر سوراخ کرنے کے لیے 8 انچ کی توپ کا ذکر کیا جائے تو اس زمرے کی سب سے ہلکی توپ کا وزن 50 ہنڈریڈ ویٹ ہوگا اور مسند کے ساتھ کم سے کم تین ٹن۔ یہ حقیقت کہ ایسی توپیں کئی منزلہ بلند محل کے اتنے نزدیک لائی گئیں جس کی چھت پر توپ خانہ تھا بلندی پر واقع مورچوں کے لیے تحقیر ثابت کرتی ہے اور فوجی انجینئری کی ایسی جہالت جس کا مظاہرہ کسی بھی مہذب فوج کا ادنیٰ انجینئر بھی نہیں کر سکتا۔

سائنس کے متعلق بس اتنا، جس کا مقابلہ انگریزوں کو کرنا پڑا اور جہاں تک جرات اور پامردی کا تعلق ہے تو وہ دونوں مدافعت کرنے والوں میں غائب تھیں۔ جوں ہی حملے کے لیے کالم آگے بڑھا لا مارٹینئر سے موتی باغ تک مقامی لوگوں کی طرف سے صرف ایک متحدہ اقدام کیا گیا یعنی وہ سرپٹ بھاگ گئے۔ جھڑپوں کے سارے سلسلوں میں کوئی بھی ایسی بات نہیں ہوئی جس کا مقابلہ کیمبل کے ہاتھوں ریزیڈنسی کی نجات کے دوران سکندر باغ میں قتل عام تک (اسے مشکل سے لڑائی کہا جا سکتا ہے) سے کیا جا سکے۔ جیسے ہی حملہ کرنے والے دستے آگے بڑھے ویسے ہی باغیوں کے عقب میں عام بھگدڑ مچ گئی۔ چونکہ باہر جانے کے راستے کم اور تنگ تھے اس لیے انبوہ رک جاتا تھا اور لوگ آگے بڑھتے ہوئے انگریزوں کی باڑھوں اور سنگینوں کے سامنے بلا مزاحمت بد نظمی سے گرنے لگتے تھے۔ "برطانوی سنگین" نے دہشت زدہ مقامی لوگوں پر ان دھاووں میں سے ایک میں جتنی گردنیں ماری ہیں وہ

یورپ اور امریکہ میں انگریزوں کی تمام جنگوں سے زیادہ ہیں۔ مشرق میں سنگینوں کی ایسی لڑائیاں جن میں صرف ایک فریق سرگرم ہوتا ہے اور دوسرا مجہول فن جنگ میں ایک عام واقعہ ہے۔ برما میں حصاروں پر حملے ایسی صورت حال کی جیتی جاگتی مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔[84] مسٹر رسل کے بیان کے مطابق انگریزوں کو خاص نقصان ان ہندوستانیوں کے ہاتھوں ہوا جو پسپا نہیں ہوسکے تھے اور جنھوں نے محلات کے کمروں میں مورچے بنا لیے تھے، جہاں سے وہ احاطوں اور باغات سے افسروں پر کھڑکیوں سے گولی چلاتے تھے۔

امام باڑے اور قیصرباغ پر دھاوے کے وقت ہندوستانی اتنی تیزی سے رفوچکر ہوگئے کہ ان مقامات پر قبضہ نہیں ہوا بلکہ ان کے اندر مارچ کیا گیا۔ بہرحال دلچسپ منظر ابھی بس شروع ہونے والا تھا۔ جیسا کہ مسٹر رسل دوٹوک لکھتے ہیں کہ اس دن قیصرباغ کی تسخیر اتنی غیر متوقع تھی کہ بے لگام لوٹ مار کو روکنے کے لیے وقت ہی نہ تھا۔ سچ، آزادی پسند جان بل کے لیے یہ دیکھنا دلچسپ منظر ہوگا کہ برطانوی گرانڈیل سپاہی ہیرے جواہرات، قیمتی ہتھیار، کپڑے اور شاہ اودھ کی پوشاکیں بلاروک ٹوک ہتھیا رہے ہیں۔ سکھ، گورکھے اور بیرپنگاہ مثال کی تقلید کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ چنانچہ لوٹ مار اور تباہی کا وہ سماں بندھا جس نے مسٹر رسل کی بیانی صلاحیت تک کو مات کر دیا۔ پیش رفت کے ہر قدم کے جلو میں لوٹ مار اور تباہی آئی۔ قیصرباغ 14 تاریخ کو فتح کیا گیا اور آدھے گھنٹے بعد ڈسپلن غائب تھا۔ افسر اپنے جوانوں کی کمان نہیں کر سکے۔ 17 تاریخ کو جنرل کیمبل لوٹ مار کی نگرانی کرنے کے لیے طلایہ قائم کرنے اور "موجودہ بے لگامی کے ختم ہونے تک" تمام جنگی کارروائیاں بند کرنے پر مجبور ہوگئے۔ دستے کھلم کھلا قابو سے باہر تھے۔ 18 تاریخ کو جیسا کہ ہم نے سنا لوٹ مار کا صریح طریقہ ختم ہوگیا مگر تباہی اب بھی آزادی سے کی جا رہی تھی۔ چنانچہ شہر میں جب ہراول دستے مقامی باشندوں کے مکانات سے گولہ باری کے خلاف لڑ رہے تھے تو عقب میں انگریز فوجیوں نے دل بھر کر لوٹ مار مچا رکھی تھی اور تباہ کاریوں میں مصروف تھے۔ شام کو لوٹ مار کے خلاف ایک نیا حکم جاری کیا گیا۔

ہر رجمنٹ کی مضبوط ٹولیاں باہر جائیں اور اپنے آدمیوں کو واپس لائیں، بیرپنگاہ کو کیمپ میں رکھا جائے، ڈیوٹی کے علاوہ کوئی شخص کیمپ سے باہر نہ جائے۔ 20 تاریخ کو انھیں احکامات کو پھر دہرایا گیا۔ اسی دن دو برطانوی "افسر اور ذی مرتبہ لوگ" لیفٹیننٹ کیپ اور ٹیک ویل "لوٹ مار کرنے شہر گئے اور ایک مکان میں قتل کر دیئے گئے۔" 26 تاریخ کو معاملات ہنوز اتنے بگڑے ہوئے تھے کہ لوٹ مار اور اندھیر کو کچلنے کے لیے سخت ترین احکامات جاری کیے گئے۔ ہر گھنٹے کی حاضری نافذ کر دی گئی۔ تمام سپاہیوں پر شہر میں داخل ہونے کی سخت پابندی لگا دی گئی۔ بیرپنگاہ اگر شہر میں مسلح پائے جائیں تو انھیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ سپاہی ڈیوٹی کے علاوہ ہتھیار بند نہ ہوں اور تمام غیر حربی لوگوں کو نہتا کر دیا جائے۔ ان احکامات کو وقعت دینے کے لیے "مناسب جگہوں" پر کوڑے مارنے کے کئی ٹکونے کھڑے کیے گئے۔

انیسویں صدی میں اور ایک مہذب فوج میں یہ صورت حال واقعی خوب ہے۔ اور اگر دنیا میں کسی اور فوج نے اس طرح کی بدعنوانیوں کا دسواں حصہ بھی کیا ہوتا تو برہم برطانوی پریس اسے کتنا ذلیل و خوار کرتا! لیکن یہ برطانوی فوج کے اعمال ہیں اور اس لیے ہم سے کہا جاتا ہے کہ ایسی باتیں تو جنگ کے حسب معمول نتائج ہوتے ہیں۔ برطانوی افسران اور شرفاء کو چاندی کے چمچے، جڑاؤ کڑے اور دوسری یادگار چیزیں ہتھیا لینا بالکل مبارک ہو جنہیں وہ اپنی عظمت کے میدان میں حاصل کرتے ہیں اور اگر جنگ کے دوران کیمبل اپنی فوج کو نہتا کرنے پر مجبور ہوا تاکہ عام پیمانے پر لوٹ اور تباہی کو روکا جا سکے تو اس اقدام کے فوجی اسباب ہوسکتے ہیں۔ لیکن بلاشبہ اگر اتنی مشقتوں اور مصیبتوں کے بعد ان بے چاروں کو ایک ہفتے کی چھٹی اور تھوڑی بہت رنگ رلیوں کا موقع ملے تو کوئی بھی بخل سے کام نہیں لے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یورپ یا امریکہ میں ایسی کوئی فوج اتنی ظالم نہیں ہے جتنی برطانوی فوج۔ لوٹ مار، تشدد، قتل عام —— یہ چیزیں جو ہر جگہ سختی سے اور مکمل طور پر ممنوع ہیں —— برطانوی سپاہی کی مقدس مراعات اور مستقل حق ہیں۔ جزیرہ نمائے آئی بیریا کی جنگ میں باداخوز اور سان سیباستین پر[85] دھاوا بولنے کے

بعد جو ذلّتیں وہاں دنوں تک کی گئیں ان کی نظیر فرانسیسی انقلاب کی ابتدا سے کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی اور قرونِ وسطیٰ کی یہ روایت جو اب ہر جگہ ممنوع ہے کہ شہر پر حملہ کرنے کے بعد اس کی لوٹ مار کی جائے اب بھی برطانوی فوج کا قاعدہ ہے۔ دہلی میں اٹل فوجی ملحوظات نے اسے استثنائے لازم بنا دیا لیکن فوج جسے فاضل تنخواہ دے کر خریدا گیا تھا بڑبڑائی۔ اور اب لکھنؤ میں انہوں نے اس کی کسر نکال لی جسے دہلی میں کھویا تھا۔ بارہ دن اور رات لکھنؤ میں کوئی برطانوی فوج نہیں تھی ---- بس لاقانون، شراب میں دھت، وحشی انبوہ تھا جو لٹیروں کی ٹولیوں میں بٹ گیا تھا، ان مقامی سپاہیوں سے بھی زیادہ لاقانون، دہشت انگیز اور لالچی جنہیں شہر سے بھگا دیا گیا تھا۔ 1858ء میں لکھنؤ کی غارت گری برطانوی فوج کے لیے ہمیشہ ہمیشہ شرم ناک رہے گی۔

اگر بے پروا سپاہیوں نے ہندوستان میں تہذیب اور انسانیت پھیلانے کے لیے مقامی باشندوں کی صرف نجی جائیداد منقولہ لوٹی تو برطانوی حکومت بعد میں فوراً قدم بقدم چلی اور ان کی غیر منقولہ جائیداد سے بھی انہیں محروم کر دیا۔ پہلے فرانسیسی انقلاب کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس نے اشرافیہ اور گرجے کی زمینیں ضبط کر لیں! لوئی نپولین کی بابت کہتے ہیں کہ اس نے اورلینس خاندان کی جائیداد ضبط کر لی! اب لارڈ کیننگ کو لیجیے، ایک برطانوی نجیب اور زبان، طور طریقوں اور احساسات میں نرم اور اپنے دستِ بالا وائی کاؤنٹ پامرسٹن کے حکم پر پوری ایک قوم کا ایک ایک ایکڑ ضبط کر لیتا ہے جو سب ملا کر دس ہزار مربع میل ہوتے ہیں۔[86] جان بل کی یہ لوٹ واقعی بڑی اچھی تھی! اور جو نہی لارڈ ایلن برو نے نئی حکومت کے نام پر اس بے مثال اقدام کو ناپسند کیا تو فوراً "ٹائمز" اور کئی چھوٹے موٹے برطانوی اخبار اس بڑے پیمانے کی لوٹ مار کی مدافعت کرنے لگے اور جسے جان بل چاہتا ہے اسے ضبط کرنے کے حق میں قلم توڑنے لگے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ جان ایک غیر معمولی ہستی ہے اور "ٹائمز" کے مطابق اس میں جو چیز نیکی ہے وہ دوسروں کے لیے روسیاہی ہوگی۔

اسی دوران میں ---- لوٹ مار کی غرض سے برطانوی فوج کے مکمل طور پر

ٹوٹ جانے کی بدولت ---- باغی بلاتعاقب کے شہر سے باہر بھاگ گئے۔ وہ روہیل کھنڈ میں مرتکز ہو گئے ہیں اور ان کا ایک حصہ اودھ میں جھڑپیں کر رہا ہے اور دوسرے مفرورین نے بندیل کھنڈ کی سمت اختیار کی ہے۔ ساتھ ہی گرمیاں اور برسات تیزی سے قریب آ رہی ہیں اور یہ توقع نہیں کی جاتی کہ گزشتہ سال کی طرح موسم یورپی جسمانی ساخت کے لیے غیر معمولی طور پر موزوں رہے گا۔ اس وقت یورپی فوجی کم و بیش آب و ہوا کے عادی ہو گئے تھے۔ اس سال ان میں سے زیادہ تر نووارد ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جون، جولائی اور اگست کی مہم میں برطانیہ کو زبردست تعداد میں جانوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اور جب ہر مفتوح شہر میں محافظ فوج چھوڑ دی جائے گی تو سرگرم فوج بڑی تیزی سے گھل جائے گی۔ ہمیں اس کی اطلاع مل چکی ہے کہ فی ماہ 1000 آدمیوں کی کمک فوج کی موثر طاقت کو مشکل سے برقرار رکھ سکتی ہے۔ اور جہاں تک محافظ فوج کا تعلق ہے تو صرف لکھنؤ کو 8000 آدمیوں کی ضرورت ہے جو کیمبل کی فوج کی ایک تہائی ہے۔ روہیل کھنڈ کی مہم کے لیے جو قوت منظم کی جا رہی ہے وہ لکھنؤ کی محافظ فوج کے مقابلے میں مشکل ہی سے مضبوط تر ہوگی۔ ہمیں یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ برطانوی افسروں میں یہ رائے غالب ہو رہی ہے کہ باغیوں کی بڑی جماعتوں کے منتشر ہونے کے بعد جو چھاپہ مار جنگ چھڑے گی وہ موجودہ جنگ کے مقابلے میں جس میں لڑائیاں اور محاصرے ہوتے ہیں، برطانوی فوج کے لیے یقینی زیادہ پریشان کن اور تباہ کن ہوگی۔ اور آخر میں، سکھ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں جو انگریز کے لیے اچھا شگون نہیں ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی امداد کے بغیر برطانیہ مشکل سے ہندوستان پر تسلط قائم کر سکتا تھا اور اگر وہ بغاوت میں شامل ہو جاتے تو ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جاتا، کم از کم وقتی طور پر۔ یہ وہ بہ آواز بلند کہتے ہیں اور مشرقی انداز میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ اب انگریز وہ برتر نسل نظر نہیں آتی جس نے مڑکی، فیروز شاہ اور علی وال میں[87] انہیں شکست دی تھی۔ ایسے اعتقاد سے کھلی دشمنی تک پہنچنے کے لیے مشرقی قوموں کے لیے بس ایک قدم رہ جاتا ہے، ایک چنگاری شعلے بھڑکا سکتی ہے۔

مجموعی طور پر لکھنؤ کی تسخیر نے دہلی پر قبضے کی طرح ہندوستان کی بغاوت کو نہیں کچلا ہے۔ گرمیوں کی مہم شاید ایسے واقعات پیدا کرے کہ اگلی سردیوں میں برطانیہ کو پھر بنیادی طور پر یہی راستہ طے کرنا پڑے اور پنجاب بھی دوبارہ فتح کرنا پڑے۔ لیکن سب سے قرینِ قیاس اس کے سامنے ایک طویل اور اکتا دینے والی چھاپہ مار لڑائی ہے---- جو ہندوستانی گرمی اور دھوپ میں یورپیوں کے لیے کوئی قابلِ رشک بات نہیں ہو سکتی۔

(فریڈرک اینگلز نے 8 مئی 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5333 میں 25 مئی 1858ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

اودھ کا الحاق[88]

تقریباً ڈیڑھ سال گزرے کیشن میں برطانوی حکومت نے بین الاقوامی قانون کے سلسلے میں ایک انوکھے اصول کا اعلان کیا کہ کوئی ریاست کسی دوسری ریاست کے علاقے کے خلاف اعلان جنگ یا جنگی حالت کا اظہار کیے بغیر بڑے پیمانے پر جنگی اقدامات کر سکتی ہے۔ اب اسی برطانوی حکومت نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ کے ذریعے موجودہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کے لیے ایک اور قدم اٹھایا ہے۔ اس نے اعلان کیا ہے کہ

"صوبہ اودھ میں زمین کی ملکیت کا حق برطانوی حکومت کے لیے ضبط کر لیا گیا ہے جو اس حق کا استعمال اس طرح کرے گی جسے وہ مناسب سمجھے۔"[89]

جب 1831ء میں وارسا کی شکست[90] کے بعد روسی شہنشاہ نے "زمین کی ملکیت کا حق" ضبط کر لیا جو اس وقت تک کثیر التعداد پولستانی امراء کے پاس تھا تو برطانوی پریس اور پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ جب نووارا کی

جنگ [91] کے بعد آسٹریائی حکومت نے لمبارڈیا کے ایسے امراء کی جاگیریں ضبط نہیں کیں بلکہ محض قرق کرلیں جنھوں نے جنگ آزادی میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا تو پھر متفقہ برطانوی ناراضگی پھوٹ پڑی اور جب 2 دسمبر 1851ء کے بعد لوئی نپولین نے اورلینس کے شاہی خاندان کی جاگیر ضبط کرلی جس کو فرانس کے عام قانون کے مطابق لوئی فلپ کے تخت نشین ہونے پر ریاستی علاقے میں شامل ہونا چاہیے تھا لیکن قانونی جعلسازی کی وجہ سے بچ گئی تھی تو اس وقت بھی برطانوی ناراضگی کی کوئی حد نہیں رہی تھی اور لندن کے "ٹائمز" نے اعلان کیا تھا کہ اس اقدام نے سماجی نظام کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور شہری سوسائٹی کے آئندہ وجود کو ناممکن بنا دیا ہے۔ عمل دکھاتا ہے کہ اس شریفانہ برہمی کی حقیقت کیا ہے۔ انگلستان نے قلم کی ایک جنبش سے نہ صرف چند امراء کی یا کسی شاہی خاندان کی جاگیریں ضبط کی ہیں بلکہ ایک لمبی چوڑی سلطنت [92] ضبط کرلی ہے جو تقریباً اتنی بڑی ہے جتنا کہ آئرلینڈ اور خود لارڈ ایلن برو کے قول کے مطابق "پوری قوم کی وراثت" ہے۔

بہرحال، آئیے دیکھیں لارڈ کیننگ نے کن بہانوں سے (ہم ان کو بنیاد نہیں کہہ سکتے) برطانوی حکومت کے نام پر یہ بے نظیر کارروائی کی ہے۔ اول: "فوج نے لکھنؤ پر قبضہ کرلیا ہے۔" دوسرے: "باغی سپاہیوں نے جو مزاحمت شروع کی تھی اس کی حمایت شہر اور تمام صوبے کے باشندوں نے کی ہے۔" تیسرے: "انھوں نے ایک زبردست جرم کیا ہے اور اپنے کو منصفانہ سزا کا نشانہ بنایا ہے۔" سیدھی سادی زبان میں یہ ہے: چونکہ برطانوی فوج نے لکھنؤ پر قبضہ کرلیا ہے اس لیے برطانوی حکومت کو یہ حق ہے کہ وہ اودھ کی ساری زمین کو ضبط کرلے جس پر اس کا قبضہ ابھی تک نہیں تھا۔ چونکہ برطانیہ کے دیسی سپاہیوں نے بغاوت کردی اس لیے اودھ کے دیسی لوگوں کو جو برطانوی حکومت کے زبردستی ماتحت بنائے گئے تھے اپنی قومی خودمختاری کے لیے بغاوت کرنے کا حق نہیں رہا۔ مختصر یہ کہ اودھ کے لوگوں نے برطانوی حکومت کے جائز اقتدار کے خلاف بغاوت کی ہے اور برطانوی حکومت اب صاف طور سے اعلان کرتی ہے کہ یہ بغاوت ضبطی کی کافی معقول بنیاد ہے۔ اس طرح، لارڈ

کیننگ کی ساری یاوہ گوئی کو نظرانداز کرتے ہوئے سارا سوال اس نقطے پر آجاتا ہے کہ وہ اودھ میں برطانوی حکومت کا قیام قانونی طور پر جائز سمجھتے ہیں۔

درحقیقت اودھ میں برطانوی حکومت کا قیام ذیل کے طریقے سے ہوا۔ جب 1856ء میں لارڈ ڈلہوزی نے خیال کیا کہ اب اقدام کا لمحہ آن پہنچا ہے، تو انھوں نے فوج کانپور میں مرکوز کردی اور شاہ اودھ * سے کہا گیا کہ یہ فوج نیپال کے خلاف نگران کا کام کرے گی۔ اس فوج نے اچانک اودھ پر حملہ کرکے لکھنؤ پر قبضہ کرلیا اور بادشاہ کو قید کردیا۔ بادشاہ پر زور ڈالا گیا کہ وہ ملک سے برطانیہ کے حق میں دستبردار ہو جائیں لیکن یہ بے سود ہوا۔ تب بادشاہ کو کلکتہ بھیج دیا گیا اور ان کے ملک کا الحاق ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں سے کرلیا گیا۔ اس غدارانہ حملے کی بنیاد 1801ء کے معاہدے کی دفعہ 6 تھی جو لارڈ ویلزلی نے کیا تھا۔ [93] یہ معاہدہ سرجان شور کے کیے ہوئے 1798ء کے معاہدے کا قدرتی نتیجہ تھا۔ دیسی رجواڑوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں اینگلو انڈین حکومت عام طور سے جس پالیسی پر گامزن تھی اس کے مطابق 1798ء کا یہ پہلا معاہدہ فریقین کے لیے جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کا معاہدہ تھا۔ اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو 76 لاکھ روپے (38 لاکھ ڈالر) کی ضمانت ہوتی تھی لیکن دفعہ 12 و 13 کے ماتحت بادشاہ ملک میں محصولات کم کرنے پر مجبور تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں شرطیں جو صاف طور پر ایک دوسرے کے متضاد تھیں بادشاہ بیک وقت نہیں پوری کرسکتا تھا۔ اس نتیجے نے، جس کی توقع ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھی، نئی پیچیدگیاں پیدا کردیں اور آخرکار 1801ء کا معاہدہ ہوا جس کے مطابق بادشاہ کو پہلے معاہدے کی مبینہ خلاف ورزیوں کی تلافی کچھ علاقے کی دستبرداری کے ذریعے کرنی پڑی، علاقے کی ایسی دست برداری جس کی مذمت اس وقت پارلیمنٹ نے کھلی لوٹ کی حیثیت سے کی اور جو لارڈ ویلزلی کو تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے لاسکتی تھی اگر ان کے خاندان کا سیاسی اثر نہ ہوتا۔

اس علاقائی دست برداری کے عوض ایسٹ انڈیا کمپنی نے معاہدے کی دفعہ 3

* واجد علی شاہ۔ (ایڈیٹر)

کے مطابق تمام بیرونی اور اندرونی دشمنوں کے خلاف بادشاہ کے بقیہ علاقے کی حفاظت کی ذمے داری اپنے سر لے لی اور دفعہ 6 کے تحت ان علاقوں کی ملکیت کی ضمانت ہمیشہ کے لیے بادشاہ، اس کے وارثوں اور جانشینوں کے لیے کر دی۔ لیکن اسی دفعہ 6 میں بادشاہ کے لیے ایک چھپا خطرہ بھی تھا یعنی بادشاہ نے یہ عہد کیا کہ وہ ایسا انتظامی نظام رائج کرے گا جسے اس کے اپنے افسران عمل میں لائیں گے، جو اس کی رعایا کی خوشحالی کے لیے سازگار اور لوگوں کی جان و مال کا محافظ ہو گا۔ اب مان لیجیے کہ اگر اودھ کا بادشاہ معاہدہ شکنی کرتا، وہ اور اس کی حکومت باشندوں کی جان و مال کی حفاظت نہ کرتی (مثلاً ان کو توپ سے اڑا کر اور ان کی ساری زمینوں کو ضبط کر کے) تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس اس کا کیا علاج ہوتا؟ معاہدے کے مطابق بادشاہ کو خود مختار حکمراں، آزاد کارپرداز اور معاہدہ کرنے والا ایک فریق تسلیم کیا گیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے معاہدہ شکنی اور اس طرح اس کے کالعدم ہونے کا اعلان کر کے اقدام کے صرف دو طریقے رہ جاتے ——— یا تو دباؤ ڈال کر مفاہمتی گفتگو کے ذریعے وہ کسی نئے سمجھوتے تک پہنچتی یا پھر بادشاہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیتی۔ لیکن اعلان جنگ کیے بغیر اس کے علاقے پر حملہ کر دینا، اس کو اچانک قید کر لینا، تخت سے اتار دینا اور اس کے علاقے کا الحاق کر لینا نہ صرف معاہدہ شکنی تھی بلکہ بین الاقوامی قانون کے اصول کی خلاف ورزی تھی۔

اودھ کا الحاق برطانوی حکومت کے کسی اچانک فیصلے کے مطابق نہیں ہوا۔ اس کا ثبوت ایک عجیب واقعہ سے ملتا ہے۔ لارڈ پامرسٹن نے 1831ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ بنتے ہی گورنر جنرل * کو یہ حکم بھیج دیا کہ اودھ کا الحاق کر لیا جائے۔ لیکن ان کے اس ماتحت نے اس وقت یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ بہرحال، اس بات کا پتا شاہ اودھ ** کو چل گیا اور وہ کسی بہانے سے اپنا سفیر لندن بھیجنے میں کامیاب ہو گیا۔ تمام رکاوٹوں کے باوجود اس سفیر نے ولیم چہارم کو جو پوری کارروائی سے لاعلم تھا اپنے

* ولیم بنٹنگ۔ (ایڈیٹر)

** شاہ نصیر الدین حیدر۔ (ایڈیٹر)

ملک پر منڈلانے والے خطرے سے مطلع کیا۔ اس کے نتیجہ میں ولیم چہارم اور پامرسٹن کے درمیان ایک ہنگامہ ہوا جس کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ موخر الذکر کو سخت انتباہ کیا گیا کہ اگر آئندہ انہوں نے اس طرح کی اچانک الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کی تو ان کو فوراً برطرف کر دیا جائے گا۔ یہ یاد کرنا اہم ہے کہ اودھ کا واقعی الحاق اور ملک کی ملکیت اراضی کی ضبطی اس وقت ہوئی جب پامرسٹن پھر برسر اقتدار ہوئے۔ 1831ء میں اودھ کے الحاق کی اس پہلی کوشش کے بارے میں کاغذات جب حال ہی میں برطانوی دارالعوام میں طلب کیے گئے تو بورڈ آف کنٹرول کے سیکرٹری مسٹر بیلی نے بتایا کہ یہ کاغذات غائب ہو گئے ہیں۔

1837ء میں جب لارڈ پامرسٹن دوسری بار برطانیہ کے وزیر خارجہ اور لارڈ آک لینڈ ہندوستان کے گورنر جنرل ہوئے تو شاہ اودھ * کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ نیا معاہدہ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس معاہدے میں 1801ء کی دفعہ 6 کو بدل دیا گیا کیونکہ "اس میں وعدوں کی (ملک پر اچھی طرح حکومت کرنے کے) خلاف ورزی کرنے پر کوئی اقدام شامل نہیں تھا" اور اسی لیے دفعہ 7 میں خاص طور سے کہا گیا کہ

> "شاہ اودھ کو برطانوی ریزیڈنٹ کے مشورے سے اپنے زیر حکومت علاقے کی پولیس، عدالت اور مالیاتی انتظام کی خامیوں کو دور کرنے کے لیے بہترین ذرائع اختیار کرنا چاہیے اور اگر ہز میجسٹی نے حکومت برطانیہ کے مشورے کو نظر انداز کیا اور اگر اودھ کے علاقے میں ایسا شدید اور متواتر جبر و تشدد، تاراج اور بد عملی جاری رہی کہ وہ امن عامہ کو سنگین خطرے میں ڈال دے تو حکومت برطانیہ اس حق کو محفوظ رکھتی ہے کہ وہ اودھ کے کسی بھی حصے میں جہاں بد عملی ہو انتظام کے لیے اپنے افسران، چھوٹی یا بڑی حد تک اور اتنی مدت کے لیے مقرر کر دے جتنی وہ مناسب خیال کرے۔ ایسی صورت میں، تمام فاضل آمدنی، اخراجات کو منہا کرنے کے بعد بادشاہ کے خزانے میں جمع کر دی جائے گی اور ہز میجسٹی کو آمدنی اور

* محمد علی شاہ۔ (ایڈیٹر)

اخراجات کا ٹھیک ٹھیک حساب پیش کیا جائے گا۔"

آگے چل کر دفعہ 8 میں کہا گیا ہے:

"اس صورت میں کہ گورنر جنرل ہندوستان مع اپنی کونسل کے اس اختیار کو استعمال کرنے پر مجبور ہو جو اس کو دفعہ 7 کے تحت حاصل ہے تو وہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ حاصل شدہ علاقے میں دیسی اداروں اور انتظامی صورتوں کو امکانی طور پر بہتر بنا کر قائم رکھے تاکہ یہ علاقہ اودھ کے تاجدار کو مناسب وقت آنے پر واپس کرنے میں آسانی ہو۔"

یہ معاہدہ برطانوی ہندوستان کے گورنر جنرل مع کونسل اور شاہ اودھ کے درمیان ہوا اور اسی لیے حسب قاعدہ اس کی تصدیق کی گئی اور کاغذات تصدیق کا باقاعدہ تبادلہ ہوا۔ لیکن جب اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے معاہدے کو کمپنی اور شاہ اودھ کے درمیان دوستانہ تعلقات کی خلاف ورزی اور گورنر جنرل کی طرف سے شاہ اودھ کے حق پر حملے کی حیثیت سے کالعدم قرار دیا۔ (10 اپریل 1838ء) پامرسٹن نے کمپنی سے یہ معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں لی تھی اور انھوں نے اس کی کالعدم کرنے والی قرارداد کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور نہ تو شاہ اودھ کو اس کی اطلاع دی گئی کہ معاہدہ منسوخ ہوا ہے۔ اس کا ثبوت خود لارڈ ڈلہوزی نے پیش کیا ہے (روئیداد، 5 جنوری 1856ء):

"یہ بات بہت ممکن ہے کہ بادشاہ اس تبادلہ خیال کے دوران جو ریزیڈنٹ سے ہوگا اس معاہدے کا حوالہ دیں جو ان کے پیش رو نے 1837ء میں کیا تھا۔ ریزیڈنٹ کو معلوم ہے کہ اس معاہدے کا نفاذ نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اس کے انگلستان آتے ہی بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اس کو کالعدم قرار دے دیا۔ ریزیڈنٹ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگرچہ شاہ اودھ کو یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ 1837ء کے معاہدے کی بعض سنگین شرطوں کو، جو فوجی طاقت میں اضافے کے متعلق ہیں، عمل میں نہیں لایا جائے گا لیکن پورے معاہدے کی منسوخی کے بارے میں ہزمیجسٹی کو کبھی مطلع نہیں

کیا گیا تھا۔ اس خاموشی اور پوری اطلاع نہ دینے کا نتیجہ آج پریشان کن ہے۔ یہ بات اور بھی زیادہ پریشان کن ہے کہ منسوخ شدہ دستاویز کو پھر بھی معاہدوں کے اس مجموعے میں شامل کر لیا گیا جو 1845ء میں حکومت کی ہدایت پر شائع کیا گیا تھا۔"

اسی روئیداد کی دفعہ 17 میں کہا گیا ہے:

"اگر بادشاہ 1837ء کے معاہدے کا حوالہ دیں اور پوچھیں کہ اگر اودھ کے انتظام کے سلسلے میں مزید اقدامات ضروری ہیں تو وہ بڑے اختیارات جو حکومت برطانیہ کو متذکرہ معاہدے کے تحت ملے ہیں بروئے کار کیوں نہیں لائے جاتے ہیں، تو ہزمیجسٹی کو مطلع کرنا چاہیے کہ معاہدے کا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ جب وہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کو بھیجا گیا تو اس کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ ہزمیجسٹی کو یہ یاد دلانا ہوگا کہ لکھنؤ کے دربار کو اس وقت یہ اطلاع دی گئی تھی کہ 1837ء کی بعض دفعات جن کی بنا پر بادشاہ پر مزید فوجی طاقت کے اخراجات عائد کیے گئے تھے منسوخ کی جانے والی تھیں۔ یہ فرض کر لینا چاہیے کہ اس وقت ہزمیجسٹی کو معاہدے کی ان دفعات کے بارے میں مطلع کرنے کی ضرورت نہ تھی جن کا فوری نفاذ نہیں کیا گیا تھا اور بعد کو اس اطلاع کو بے توجہی کی بنا پر نظر انداز کر دیا گیا۔"

لیکن اس معاہدے کو نہ صرف 1845ء کے سرکاری مجموعے میں شامل کیا گیا بلکہ شاہ اودھ کو لارڈ آف لینڈ کی 8 جولائی 1839ء کی اطلاع میں، اسی بادشاہ کو لارڈ ہارڈنگ (جو اس وقت گورنر جنرل تھے) کے 23 نومبر 1847ء کے افہام و تفہیم میں اور خود لارڈ ڈلہوزی کو کرنل سلیمن (ریزیڈنٹ لکھنؤ) کے 10 دسمبر 1851ء کے مکتوب میں اس کا حوالہ ایسے معاہدے کی حیثیت سے دیا گیا تھا جس کا وجود ہو۔ اب لارڈ ڈلہوزی اس معاہدے کے جواز سے انکار کرنے کے لیے اتنے بے قرار کیوں تھے جس کو ان کے سارے پیش رووں اور حتیٰ کہ ان کے ایجنٹوں نے شاہ اودھ کے ساتھ اپنی خط و کتابت میں نافذ معاہدہ تسلیم کیا تھا؟ صرف اس وجہ سے کہ اس معاہدے کے

مطابق بادشاہ اپنے معاملات میں مداخلت کا خواہ کوئی بھی بہانہ فراہم کریں، اس مداخلت کو اسی حد تک محدود رہنا تھا کہ برطانوی افسر انتظام حکومت شاہ اودھ کے نام پر اپنے ہاتھ میں لے لیں جس کو فاضل محاصل ملنے چاہئیں۔ لیکن یہ اس کے بالکل برعکس تھا جو انگریز چاہتے تھے۔ وہ صرف الحاق ہی سے مطمئن ہوسکتے تھے۔ ان معاہدوں کے جواز سے انکار جو بیس سال سے باہمی تعلقات کی تسلیم شدہ بنیاد تھے، تسلیم شدہ معاہدوں تک کی کھلی خلاف ورزی کرکے خودمختار علاقوں پر زبردستی قبضہ کرنا، مختتم طور پر پورے ملک کی ہر ایکڑ زمین ضبط کرلینا ——— ہندوستان کے دیسی لوگوں کے ساتھ انگریزوں کے یہ غدارانہ اور ظالمانہ طور طریقے اب اپنا انتقام نہ صرف ہندوستان میں بلکہ انگلستان میں بھی لینا شروع کررہے ہیں۔

(کارل مارکس نے 14 مئی 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارہ 5336 میں 28 مئی 1858ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

لارڈ کیننگ کا اعلان اور ہندوستان میں زمین کی ملکیت

اودھ کے متعلق لارڈ کیننگ کے اعلان نے جس کے حوالے سے چند اہم دستاویزیں [94] ہم نے سنیچر کو شائع کی تھیں ہندوستان میں زمین کی ملکیت کے متعلق بحث زیادہ چھیڑ دی ہے جو ایسا موضوع ہے جس پر گزشتہ زمانے میں بڑے تنازعے اور اختلافات رائے رہے ہیں اور جیسا کہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس کے بارے میں غلط فہمیوں کی وجہ سے ہندوستان کے ان علاقوں کے نظم و نسق میں جو براہ راست برطانوی راج کے تحت ہیں [95] بڑی سنجیدہ عملی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اس نزاع میں اہم نقطہ یہ ہے کہ ہندوستان کے معاشی نظام میں نام نہاد زمینداروں، تعلقہ داروں یا سیرداروں کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا انہیں اراضی کے مالک سمجھا جائے یا محض محصل؟

اس پر اتفاق ہے کہ اکثر ایشیائی ملکوں کی طرح ہندوستان میں زمین کی اصلی

ملکیت حکومت کی ہوتی ہے۔ اس نزاع میں ایک فریق اصرار کرتا ہے کہ حکومت کو زمین کا مالک سمجھا جائے جو کاشت کاروں کو بٹائی کی بنیاد پر زمین دیتی ہے، دوسرا فریق دعویٰ کرتا ہے کہ بنیادی طور پر ہندوستان میں زمین اتنی ہی نجی جائیداد ہے جتنی دوسرے ملکوں میں۔ یہ حکومت کے ہاتھ میں نام نہاد جائیداد اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ فرمانروا سے حق ملکیت حاصل کرنا جسے نظری طور پر تمام ملکوں میں تسلیم کیا جاتا ہے، جن کا ضابطہ قوانین جاگیردارانہ قانون پر مبنی ہے اور درحقیقت تمام ملکوں میں قبول کیا جاتا ہے کہ حکومت کو اپنی ضروریات کی حد تک، محض پالیسی کے معاملے کے علاوہ مالکوں کی سہولت کے سارے ملحوظات سے بالکل آزاد، زمین پر محصول عائد کرنے کا حق ہے۔

لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ہندوستان میں زمینیں نجی جائیداد ہیں جو دوسرے مقامات کی طرح اتنا ہی صحیح اور پکا نجی حق ملکیت رکھتی ہیں تو سوال یہ ہے کہ اصلی مالک کسے خیال کیا جائے؟ ایسے دو فریق ہیں جن سے یہ دعویٰ منسلک کیا گیا ہے۔ ان فریقوں میں سے ایک وہ طبقہ ہے جو زمینداروں اور تعلقہ داروں کے نام سے مشہور ہے جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسی یورپ میں اراضی کے طبقہ امرا اور شرفا کی۔ اور وہی حکومت کو واجب الادا مالگزاری کی شرط کے ساتھ زمین کے حقیقی مالک ہیں اور مالکوں کی طرح اپنی مرضی سے اصل کاشتکاروں کو بے دخل کر دینے کا حق رکھتے ہیں جو اس نقطہ نظر کے لحاظ سے محض مزارع حسب مرضی کی حیثیت رکھتے ہیں اور بطور لگان کے کسی بھی ادائیگی کے ذمے دار ہیں جسے زمین دار عائد کرنا مناسب خیال کرتا ہے۔ یہ نقطہ نظر جو قدرتی طور پر انگریز خیالات سے مطابقت رکھتا ہے تاکہ سماجی عمارت کے ستونوں کی طرح اراضی کے طبقہ امرا کی اہمیت اور ضرورت تسلیم کی جائے، گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کے تحت ستر سال ہوئے بنگال کے مشہور بندوبست استمراری[96] کی بنیاد بنایا گیا تھا، بندوبست جو ہنوز نافذ ہے لیکن جو حکومت اور اصل کاشتکار دونوں کے لیے بڑی بے انصافی لایا۔ ہندوستان کے اداروں کے ساتھ ساتھ بندوبست بنگال کی

پیدا کی ہوئی سماجی و سیاسی دونوں تکالیف کے گہرے مطالعے سے یہ رائے عام ہو گئی ہے کہ اصلی ہندو اداروں کے مطابق زمین کی جائیداد گرام سبھا کی ملکیت تھی جسے یہ اختیار تھا کہ کاشت کے لیے افراد کو زمین الاٹ کرے اور زمیندار اور تعلقہ دار اصل میں سرکاری افسروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھے جو اس لیے مقرر کیے جاتے تھے کہ گاؤں کے ذمے جو لگان واجب ہے اسے جمع کریں اور راجہ کو ادا کر دیں۔

یہ نقطہ نظر بڑی حد تک اراضی کے حق لگانداری اور مالگزاری بندوبست پر کافی اثر انداز ہوا ہے جو ان ہندوستانی صوبوں میں حالیہ برسوں میں عمل پذیر ہے جن کا براہ راست نظم و نسق انگریزوں نے سنبھال لیا ہے۔ بلاشرکت غیرے ملکیت کے حقوق کی، جن کا تعلقہ داروں اور زمینداروں نے دعویٰ کیا، ابتداء حکومت اور کاشت کاروں کی زمینوں کے غصب کو خیال کیا جاتا ہے اور ہر کوشش کی گئی ہے کہ اس سے زمین کے حقیقی کاشت کار اور ملک کی عام ترقی کے لیے بھیانک خواب کی طرح نجات حاصل کی جائے۔ لیکن چونکہ یہ درمیانی لوگ، خواہ ان کے حقوق کی ابتدا کچھ بھی ہو، اپنی حمایت میں تحریری ضابطے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے یہ ناممکن تھا کہ ان کے دعووں کو کسی حد تک قانونی تسلیم نہ کیا جاتا خواہ یہ عوام کے لیے تکلیف دہ، من مانے اور جابرانہ کیوں نہ ہوں۔ اودھ میں مقامی رجواڑوں کی کمزور عملداری میں ان جاگیردارانہ زمینداروں نے حکومت کے مطالبوں اور کاشتکاروں کے حقوق دونوں کو بہت کم کر دیا تھا اور جب اس مملکت کے حالیہ الحاق کے بعد یہ معاملہ نظر ثانی کے تحت آیا تو کمشنر جو فیصلہ کرنے کے ذمے دار تھے زمینداروں کے حقوق کی اصلیت کے سلسلے میں ان کے ساتھ بے حد سخت قضیے میں پھنس گئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں بے چینی پھیلی جس کی وجہ سے انہوں نے باغی سپاہیوں کا ساتھ دیا۔

ان لوگوں کی طرف سے جو اوپر بیان کی ہوئی پالیسی کی حمایت کرتے ہیں زمینداری کے بندوبست کا نظام یعنی اصلی کاشتکاروں کو اس طرح سمجھنا کہ انہیں زمین کی ملکیت کا حق حاصل ہے اور جو درمیانی آدمیوں کے حق سے برتر ہے جن

کے ذریعے حکومت زمین کی پیداوار کا اپنا حصہ حاصل کرتی ہے لارڈ کیننگ کے اعلان
کی مدافعت اس لیے کی جا رہی ہے کہ اودھ کے زمینداروں اور تعلقہ داروں کی
بھاری تعداد کی موجودہ حالت سے فائدہ اٹھایا گیا تاکہ زیادہ وسیع اصلاحات کے لیے
دروازہ کھولا جا سکے بمقابلہ ان کے جو عملی ہوتیں۔ اعلان میں جو حق ملکیت ضبط کیا گیا
ہے وہ صرف زمینداری یا تعلقہ داری کا حق ہے اور اس سے آبادی کا بہت ہی قلیل
حصہ متاثر ہوتا ہے، جو کسی طرح سے بھی اصلی کاشتکار نہیں۔

انصاف اور انسانیت کے کسی بھی سوال سے آزاد ہو کر لارڈ کیننگ کے اعلان
کے متعلق ڈربی کابینہ نے دوسری طرف جو نقطہ نظر پیش کیا ہے وہ ان عام اصولوں
کے بالکل مطابق ہے جن کی اہمیت کا دعویٰ ٹوری یا قدامت پرست پارٹی مستقل
حقوق کے تقدس اور اراضی میں اشرافی منافع کی تائید و حمایت کے سلسلے میں کرتی
ہے۔ اپنے ملک میں اراضی کے فائدے کے متعلق جب وہ بات کرتے ہیں تو وہ لگان
ادا کرنے والوں اور اصلی کاشت کاروں کے مقابلے میں ہمیشہ زمینداروں اور لگان
حاصل کرنے والوں سے اپنا مطلب منسوب کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ تعجب کی بات نہیں
ہے کہ وہ زمینداروں اور تعلقہ داروں کے مفادات کو خواہ ان کی اصلی تعداد کتنی ہی
کم ہو عوام کی اکثریت کے مفادات کے مساوی سمجھتے ہیں۔

یہاں انگلستان کے مقابلے میں حکومت ہند کے سامنے جو شدید دقتیں اور
مشکلات ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہندوستانی مسائل پر خیالات کو خالص انگریز
تعصبات یا جذبات متاثر کر سکتے ہیں جن کا اطلاق معاشرے کی ایسی صورت حال اور
چیزوں کی حالت پر کیا جاتا ہے جن کے ساتھ درحقیقت ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔
اودھ کے کمشنر سر جیمس اوٹرم کے اعتراضات کے خلاف اپنے اعلان کی پالیسی کی جو
صفائی لارڈ کیننگ نے اپنے مراسلے میں پیش کی ہے جسے آج شائع کیا گیا ہے وہ بہت
قائل کن ہے، اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کمشنر کی گزارشات پر اس حد تک
رضامند ہو گئے ہیں کہ اعلان میں معتدل جملہ شامل کر دیں جو اصل مسودے میں
موجود نہیں ہے جسے انگلستان ارسال کیا گیا ہے اور جس پر لارڈ ایلن برو کا مراسلہ [97]

مبنی ہے۔

لارڈ کیننگ کی یہ رائے کہ بغاوت میں اودھ کے زمینداروں کی شرکت کے
رویے کا جائزہ کس طرح لیا جائے سر جیمس اوٹرم اور لارڈ ایلن برو کی رائے سے
زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کی پوزیشن بالکل مختلف ہے نہ
صرف باغی سپاہیوں سے بلکہ باغی اضلاع کے باشندوں سے بھی جہاں عرصہ ہوا
برطانوی راج قائم ہو چکا تھا۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی طرح سلوک کے
مستحق ہیں جنہیں اس راہ کے لیے اشتعال دلایا گیا جس پر وہ چلے۔ لیکن ساتھ ہی وہ
اصرار کرتا ہے کہ یہ ان کے ذہن نشین کرایا جائے کہ بغاوت اپنے لیے سنگین نتائج
کے بغیر اختیار نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں بہت جلد علم ہو جائے گا کہ اعلان جاری کرنے کا
کیا اثر ہوا ہے اور آیا لارڈ کیننگ یا سر جیمس اوٹرم اس کے نتائج کی پیش بینی کرنے
میں سچائی کے قریب تھے۔

(کارل مارکس نے 25 مئی 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے
شمارے 5344 میں 7 جون 1858ء کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا)

فریڈرک اینگلز

ہندوستان میں بغاوت

پہلے دہلی اور پھر لکھنؤ میں یکے بعد دیگرے مقامی سپاہیوں کے غدر کے ہیڈکوارٹروں کی تسخیر میں زبردست فوجی کارروائیوں کے باوجود ہندوستان کو ٹھنڈا کرنا ابھی دور کی بات ہے۔ واقعی یہ لگ بھگ کہا جا سکتا ہے کہ معاملے کی حقیقی مشکل نے اپنے آپ کو عیاں کرنا شروع ہی کیا ہے۔ جب تک باغی سپاہی بڑی تعداد میں اکٹھے تھے، جب تک سوال محاصروں اور بڑے پیمانے پر شدید لڑائیوں کا تھا تو ایسی کارروائیوں کے لیے انگریز فوجوں کی زبردست برتری نے انہیں بہتر صورت حال فراہم کی۔ لیکن اس نئے کردار کی بدولت جسے جنگ اب اختیار کر رہی ہے یہ برتری غالباً بڑی حد تک ختم ہو جائے گی۔ لکھنؤ کی تسخیر سے اودھ نے اطاعت قبول نہیں کی اور اودھ کی اطاعت سے بھی ہندوستان ٹھنڈا نہیں ہوگا۔ اودھ کی ساری بادشاہت میں چھوٹی بڑی قلعہ بندیوں کی بھرمار ہے اور اگرچہ غالباً کوئی بھی ایک باقاعدہ حملے کی مزاحمت نہیں کرے گی لیکن اس کے باوجود یکے بعد دیگرے ان قلعوں کی تسخیر نہ صرف اجیرن عمل ہوگا بلکہ دہلی اور لکھنؤ کے بڑے شہروں کے خلاف کارروائیوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ نقصان پہنچائے گا۔

لیکن صرف اودھ کی بادشاہت ہی کو زیر اور ٹھنڈا کرنا ضروری نہیں ہے۔ شکست خوردہ سپاہی جو لکھنؤ سے باہر نکالے گئے تمام سمتوں میں بھاگے ہیں اور منتشر ہیں۔ ان کی ایک بڑی جماعت نے شمال میں روہیل کھنڈ کے پہاڑی اضلاع میں پناہ لے رکھی ہے جن پر ابھی تک باغیوں کا پورا قبضہ ہے۔ دوسرے مشرق کی طرف گورکھپور بھاگے ہیں۔ اس ضلع کو اگرچہ لکھنؤ تک کوچ کرتے وقت برطانوی فوج نے پار کیا تھا لیکن اب دوسری بار اسے پھر حاصل کرنا ضروری ہے۔ بہت سے باغی سپاہی جنوب کی طرف بندھیل کھنڈ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کارروائی کے مذکورہ طریقے کے متعلق بحثیں شروع ہو گئی ہیں، کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ قبل اس کے کہ ان کی لکھنؤ میں جمع شدہ جمعیت کے خلاف کارروائیوں کا رخ کیا جاتا آس پاس کے تمام اضلاع کو پہلے مطیع کر لیا جاتا جو باغیوں کو پناہ دے سکتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کارروائیوں کی اس اسکیم کو فوج نے ترجیح دی تھی۔ لیکن یہ سمجھنا مشکل ہے کہ جب انگریزوں کے پاس فوجوں کی تعداد محدود تھی تو آس پاس کے اضلاع پر ایسا قبضہ کیسے کرتے کہ وہ بھگوڑے سپاہیوں کو ان کے اندر داخل ہونے سے مانع رکھتے، جب آخرکار انہیں لکھنؤ سے باہر نکال دیا جاتا اور ساتھ ہی گورکھپور پر ان کی فتح کو غیر ضروری بنا دیا جاتا۔

لکھنؤ کی تسخیر کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں کا خاص حصہ بریلی میں پسپا ہو گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نانا صاحب وہاں تھے۔ اس شہر اور ضلع کے خلاف جو لکھنؤ کے شمال مغرب میں سو میل سے کچھ زیادہ دور ہے، یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ گرمیوں میں مہم شروع کی جائے اور آخری اطلاعات کے مطابق خود سرکالن کیمبل اس کی جانب کوچ کر رہے ہیں۔

لیکن اسی دوران میں مختلف سمتوں میں چھاپہ مار جنگ پھیل رہی ہے۔ اس وقت جب فوجی دستے شمال کی طرف بڑھ رہے ہیں باغی سپاہیوں کے بکھرے ہوئے جتھے گنگا پار کر کے وہاں پہنچ رہے ہیں، کلکتہ کے ساتھ رسل و رسائل میں گڑبڑ پیدا کر رہے ہیں اور اپنی غارت گری کی وجہ سے کاشت کاروں کو لگان ادا کرنے سے

معذور بنا رہے ہیں یا کم از کم ان کو ایسا نہ کرنے کا بہانہ فراہم کر رہے ہیں۔

بریلی کی تسخیر بھی ان برائیوں کا علاج کرنے کے بجائے ممکن ہے کہ انہیں بڑھا دے۔ اسی بے ترتیب جنگ و جدل میں مقامی سپاہیوں کا فائدہ ہے۔ وہ انگریز فوجوں کو کوچ کے دوران میں ایسی ہی شکست دے سکتے ہیں جیسی لڑائی میں انہیں انگریز دے سکتے ہیں۔ ایک انگریز کالم بیس میل یومیہ سے زیادہ مارچ نہیں کر سکتا۔ مقامی سپاہیوں کا دستہ چالیس میل طے کر سکتا ہے اور اگر دھکیلا جائے تو ساٹھ تک بھی۔ نقل و حرکت کی یہی صلاحیت مقامی سپاہیوں کے دستوں کو خاص وصف عطا کرتی ہے اور یہ اور آب و ہوا کو برداشت کرنے کی ان کی قوت اور کھانے پینے کی نسبتاً آسانیاں انہیں ہندوستان کی جنگ میں اٹل بناتی ہیں۔ انگریز فوج کا نقصان جنگی سرگرمیوں میں اور خاص کر گرمیوں کی مہم میں زبردست ہوتا ہے۔ ابھی سے جوانوں کی کمی بری طرح محسوس کی جا رہی ہے۔ یہ ضروری ہو سکتا ہے کہ بھاگتے ہوئے باغیوں کا تعاقب ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کیا جائے۔ اس مقصد کو یورپی فوج مشکل ہی سے پورا کر سکتی ہے جبکہ مارے مارے پھرنے والے باغیوں کا بمبئی اور مدراس کی مقامی رجمنٹوں سے رابطہ جو ابھی تک وفادار رہی ہیں نئی بغاوتیں پیدا کر سکتا ہے۔ باغیوں میں کسی نئے اضافے کے بغیر اب بھی وہ میدان جنگ میں ڈیڑھ لاکھ مسلح آدمیوں سے کم نہیں ہیں اور غیر مسلح آبادی انگریزوں کو کوئی امداد یا اطلاع نہیں دیتی۔ اور ساتھ ہی بنگال میں بارش کی کمی سے قحط کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے--- ایک ایسی آفت جو اس صدی میں انجانی ہے، اگرچہ پرانے زمانے میں اور انگریزوں کے قبضے کے بعد بھی شدید مصائب کا سرچشمہ رہی ہے۔

(فریڈرک اینگلز نے 1858ء میں مئی کے آخر میں تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5351 میں 15 جون 1858ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

فریڈرک اینگلز

ہندوستان میں برطانوی فوج

حال ہی میں ہمارے غیر محتاط ہم کار "لندن ٹائمز" کے مسٹر ولیم رسل تصویر کشی سے اپنی محبت کی بدولت مائل ہوئے کہ لکھنؤ کے تاخت و تاراج کیے جانے کا نقشہ دوسری مرتبہ اس طرح کھینچیں جسے دوسرے لوگ برطانوی کردار کے لیے قابل تعریف نہ سمجھیں گے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کو بھی کافی حد تک لوٹا گیا تھا اور قیصر باغ کے علاوہ شہر لکھنؤ نے بھی برطانوی سپاہی کو اس کی گزشتہ محرومیوں اور بہادرانہ کوششوں کا انعام دینے کے لیے دین دی۔ ہم مسٹر رسل کو نقل کرتے ہیں:

"ایسی کمپنیاں بھی ہیں جو فخر کر سکتی ہیں کہ ان کی صفوں میں ایسے سپاہی ہیں جن کے پاس ہزاروں پونڈ کی مالیت ہے۔ ایک جوان کے متعلق میں نے سنا کہ اس نے ایک افسر کو بڑے اطمینان سے قرض پیش کیا اتنی ہی رقم جو اس کپتان کا عہدہ خریدنے کے لیے درکار ہے، دوسروں نے اپنے دوستوں کو بڑی بڑی رقمیں بھیجی ہیں۔ قبل اس کے کہ یہ خط انگلستان پہنچے بہت سے ہیرے، زمرد اور نازک موتی قیصر باغ پر دھاوے

اور تاخت و تاراج کی کہانی نہایت پرسکون اور دلچسپ طریقے سے سنائیں
گے۔ یہ اچھا ہی ہے کہ ان کو پہننے والی حسیناؤں نے یہ نہیں دیکھا کہ
جگمگاتے ہوئے زیورات کیسے حاصل کیے گئے، اور نہ وہ مناظر دیکھے جن
میں یہ زر و جواہر چھینے گئے تھے...... ان میں سے بعض افسروں نے حقیقی
معنی میں دولت بٹور لی ہے...... یونیفارم کے کٹے پھٹے تھیلوں میں زیورات
کے بعض ایسے ڈبے ہیں جن میں اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کی جاگیریں موجود
ہیں اور دنیا کی ہر شکارگاہ یا مچھلی پکڑنے کے مقام میں آرام سے ماہی گیری
اور شکار کھیلنے کے لیے بنگلے۔"

تو لکھنؤ کی تسخیر کے بعد برطانوی فوج کی بے عملی کا یہ سبب ہے۔ لوٹ مار کے
لیے وقف نصف ماہ اچھی طرح صرف ہوا۔ افسر اور سپاہی جب شہر میں داخل ہوئے
تھے تو کنگال تھے اور جب باہر نکلے تو یکایک امیر بن گئے۔ وہ پہلے جیسے آدمی نہیں
رہے۔ اس کے باوجود ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنی سابق فوجی ڈیوٹی پر حاضر
ہوں، اطاعت، بے زبان فرمانبرداری، قواعد، عسرت اور لڑائی پھر اختیار کریں۔ لیکن
اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو فوج لوٹ مار کی غرض سے توڑ دی جاتی ہے ہمیشہ
کے لیے بدل جاتی ہے۔ کمان کا کوئی حکم، جنرل کی کوئی نیک نامی اسے پھر پہلے کی طرح
نہیں بنا سکتی۔ مسٹر رسل سے پھر سنئے:

"دولت سے جس طرح بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان کا مشاہدہ کرنا دلچسپ
ہے۔ لوٹ مار سے آدمی کے جگر پر کیسا اثر ہوتا ہے، اور چند ہیروں سے
اپنے خاندان میں، اپنے عزیز و اقارب میں کیسی زبردست تباہی آ سکتی
ہے...... سپاہی کی کمر کے گرد پیٹی کا وزن جو روپیوں اور سونے کی مہروں
سے بھری ہوئی ہے اسے یہ یقین دلاتا ہے کہ (گھر میں آرام وہ آزادی
کے) خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جا سکتا ہے تو پھر کوئی حیرت کی بات نہیں کہ
وہ "قطار باندھو، قطار باندھو!" کا برا مانتا ہے۔ دو لڑائیاں، مال غنیمت کے دو
حصے، دو شہروں کی لوٹ مار اور راستے میں چھوٹی موٹی چوریاں--- انسوں

نے ہمارے بعض جوانوں کو اتنا زیادہ مالدار بنا دیا ہے کہ وہ سپہ گری نہیں
کر سکتے۔"

چنانچہ ہم نے سنا ہے کہ تقریباً 150 افسروں نے سر کالن کیمبل کو اپنے استعفے
پیش کر دیئے ہیں--- ایک ایسی فوج میں عجیب و غریب کارروائی جس کے روبرو
دشمن ہے جس کے بعد کسی دوسری فوج میں چوبیس گھنٹے کے اندر جرمانہ اور سخت
ترین سزا ہوتی لیکن برطانوی فوج میں "ایک افسر اور شریف آدمی" کے لیے جو
یکایک مالدار ہو گیا ہو بہت موزوں عمل خیال کیا جاتا ہے۔ جہاں تک عام سپاہیوں کا
تعلق ہے تو ان کا حال مختلف ہے۔ لوٹ مار سے اور زیادہ لوٹ مار کی خواہش پیدا
ہوتی ہے۔ اور اگر اس مقصد کے لیے ہندوستانی زر و جواہر باقی نہیں رہے تو برطانوی
حکومت کے زر و جواہر کو کیوں نہ لوٹا جائے۔ چنانچہ مسٹر رسل کہتے ہیں:

"خزانے کی دو گاڑیوں میں مشتبہ گڑبڑ پائی گئی جن کے نگران یورپی
محافظ تھے۔ ان میں کچھ روپے غائب تھے۔ طلائے کے نازک فرائض انجام
دینے کے لیے خزانچی اب مقامی سپاہیوں کو ترجیح دے رہے ہیں!"

واقعی بہت اچھا ہے۔ اس جنگجو کے بے مثال نمونے یعنی برطانوی سپاہی کے
مقابلے میں ہندو یا سکھ زیادہ ضبط پسند، کم چرانے والا اور کم لٹیرا ہوتا ہے۔ لیکن ابھی
تک ہم نے ملازمت میں صرف ایک واحد برطانوی کو دیکھا ہے۔ اب ہم پوری
برطانوی فوج پر نظر ڈالیں جو اپنی اجتماعی حیثیت سے "لوٹ مار" کرتی ہے:

"ہر روز مال غنیمت میں اضافہ ہو رہا ہے اور تخمینہ لگایا گیا ہے کہ اس
کی فروخت سے 6 لاکھ پونڈ حاصل ہوں گے۔ کانپور کا شہر لکھنؤ کے مال
غنیمت سے بھرا پڑا ہے۔ اور اگر پبلک عمارتوں کو پہنچائے ہوئے نقصان،
نجی جائیداد کی تباہی، مکانات اور زمین کی قیمت میں کمی اور آبادی میں
گھٹنے کا تخمینہ لگایا جائے تو معلوم ہو گا کہ اودھ کے دارالسلطنت کو 50 یا
60 لاکھ پونڈ اسٹرلنگ کا نقصان پہنچا ہے۔"

چنگیز خاں اور تیمور کے قلماق جم غفیر جو شہر پر ٹڈیوں کی طرح چھا جاتے تھے

اور راستے میں ہر چیز کو ہڑپ کر لیتے تھے اس ملک کے لیے ان عیسائی، مہذب، عالی حوصلہ اور شریف برطانوی سپاہیوں کے دھاوے کے مقابلے میں باعث برکت رہے ہوں گے۔ اول الذکر کم از کم اپنے من موجی راستے پر جلد نکل جاتے تھے لیکن یہ باقاعدہ انگریز اپنے ساتھ مال غنیمت کے ایجنٹ لاتے ہیں، لوٹ مار کو ایک نظام میں تبدیل کر دیتے ہیں، لوٹ مار کو رجسٹر کرتے ہیں، نیلام میں اسے فروخت کرتے ہیں اور اس پر عقابی نظر رکھتے ہیں کہ برطانوی شجاعت کے اپنے مال غنیمت میں حق تلفی نہ ہو جائے۔ ہم اس فوج کی صلاحیتوں کو اشتیاق سے دیکھیں گے جس کا ڈسپلن بڑے پیمانے پر لوٹ مار کے اثرات سے ڈھیلا پڑ گیا ہے، ایک ایسے وقت جب گرم موسم کی مہم میں مارچیں ڈسپلن میں سخت ترین ضابطے کا مطالبہ کرتی ہیں۔

مگر ہندوستانی اس وقت تک باقاعدہ لڑائی کے لیے اور بھی کم چاق و چوبند ہوں گے جتنے وہ لکھنؤ میں تھے۔ لیکن یہ بنیادی سوال نہیں ہے۔ یہ جاننا کہیں اہم ہے کہ اگر باغی فرضی مزاحمت کرنے کے بعد جنگ کا مرکز پھر تبدیل کر دیں، مثلاً راجپوتانہ میں جس پر ابھی تک قابو نہیں پایا گیا ہے تو کیا ہو جائے گا۔ سر کالن کیمبل کو ہر جگہ محافظ فوجیں چھوڑنی پڑتی ہیں۔ ان کی باقاعدہ فوج گھٹ کر اس قوت کی نصف رہ گئی ہے جو ان کے پاس لکھنؤ سے پہلے تھی۔ اگر انہوں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا تو میدان جنگ کے لیے قابل استعمال کتنی قوت باقی رہے گی؟ گرم موسم ان کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ جون میں بارش سرگرم مہم کو روک دے گی اور باغیوں کو سانس لینے کا موقع مل جائے گا۔ وسط اپریل کے بعد جب موسم سخت ہو جاتا ہے بیماریوں سے یورپی سپاہیوں کا نقصان روز بروز بڑھے گا اور نوجوان جو ہندوستان میں گزشتہ سردیوں میں درآمد کیے گئے تھے آزمودہ کار ہندوستانی مہم کاروں کے مقابلے میں جو گزشتہ گرمیوں میں ہیولاک اور ولسن کے تحت لڑے تھے کہیں زیادہ تعداد میں موسم کا شکار ہوں گے۔ لکھنؤ یا دہلی کے مقابلے میں روہیل کھنڈ زیادہ فیصلہ کن نقطہ نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ باغیوں نے گھسان کی لڑائیوں کے لیے اپنی صلاحیت کافی کھو دی ہے لیکن اپنی موجودہ بکھری ہوئی شکل میں وہ کہیں زیادہ مضبوط ہیں اور انگریزوں کو اپنی فوج

مارچوں اور گرمیوں میں تباہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مزاحمت کے کئی نئے مرکزوں پر نظر ڈالیے۔ روہیل کھنڈ کو لیجیے جہاں پرانے مقامی سپاہی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ گھاگرا کے اس پار شمال مشرقی اودھ ہے جہاں اودھ والوں نے مورچے قائم کر لیے ہیں۔ کالپی ہے جو بندھیل کھنڈ کے باغیوں کے لیے اس وقت ارتکاز کے نقطے کی طرح کام آ رہا ہے۔ چند ہفتوں میں اگر جلد نہیں تو، اغلب ہے کہ ہم یہ سنیں کہ بریلی اور کالپی دونوں پر قبضہ ہو گیا۔ اول الذکر کی اہمیت نہیں کے برابر ہو گی اس لیے کہ اس میں کیمبل کی اگر ساری نہیں تو تقریباً ساری قابل استعمال قوت کھپ جائے گی۔ کالپی کی فتح زیادہ اہم ہو جائے گی جسے اب جنرل وہٹلاک سے خطرہ ہے جس نے ناگپور سے بندھیل کھنڈ میں باندے تک اپنے کالم کی رہنمائی کی ہے اور جنرل روز سے جو جھانسی کی طرف سے قریب آ رہا ہے اور جس نے کالپی کی فوج کے طلایہ کو شکست دی ہے۔ اس فتح سے کیمبل کی کارروائیوں کا گڑھ کانپور اس واحد خطرے سے آزاد ہو جائے گا جو اس کے سامنے ہے اور اس طرح شاید وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہاں سے جو فوجی آزاد ہوں ان میں سے اپنی باقاعدہ فوجوں کے لیے بڑی حد تک بھرتی کر سکیں۔ لیکن اس پر بہت شبہ ہے کہ اودھ کو صاف کرنے کے علاوہ اور کچھ کرنے کے لیے یہ کافی ہو۔

چنانچہ ہندوستان میں ایک نقطے پر انگلستان کی مرکوز کی ہوئی مضبوط ترین فوج تمام سمتوں میں پھر بکھری ہوئی ہے اور اسے اس سے زیادہ کام کرنا ہے جو وہ اطمینان سے کر سکتی ہے۔ گرمیوں کی دھوپ اور بارش میں موسم کی تباہ کاریاں ہولناک ہوں گی۔ ہندوستانیوں پر یورپیوں کی اخلاقی برتری خواہ کتنی ہی ہو لیکن اس میں مطلق شبہ نہیں کہ ہندوستانی گرمیوں میں گرمی اور بارش کا مقابلہ کرنے کی ہندوستانیوں کی جسمانی برتری انگریز فوجوں کی تباہی کا ذریعہ بن جائے گی۔ اس وقت بہت کم برطانوی فوجیں ہندوستان آنے والی ہیں اور جولائی اور اگست سے پہلے بڑی کمک بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لہٰذا اکتوبر اور نومبر تک کیمبل کے لیے صرف اس فوج کو جو تیزی سے گھٹتی جا رہی ہے اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔ اگر اس دوران میں باغی ہندوستانی

راجپوتانہ اور مرہٹھ واڑہ میں بغاوت کرانے میں کامیاب ہوگئے تو؟ اگر سکھ جن کی تعداد برطانوی فوج میں 80 ہزار ہے اور جو فتوحات کے اعزاز کے دعویدار ہیں اور جن کو انگریز بالکل پسند نہیں ہیں اٹھ کھڑے ہوئے تو؟

غالباً کم سے کم ایک اور مہم ہندوستان میں برطانیہ کو کرنی ہوگی، اور یہ انگلستان سے دوسری فوج کے بغیر انجام نہیں دی جا سکتی۔

(فریڈرک اینگلز نے لگ بھگ 4 جون 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5361 میں 26 جون 1858ء کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

ہندوستان میں محصولات

لندن کے جریدوں کے مطابق ہندوستانی مشترکہ سرمایہ کے حصص اور ریلوے تمسکات کا امتیاز یہ رہا ہے کہ وہ حال میں لندن کی منڈی میں پستی کی جانب حرکت کرتے رہے ہیں، جو اس پرجوش یقین کی صداقت کی تصدیق کرنے سے بہت دور ہے جو جان بل ہندوستانی چھاپے مار لڑائی کی صورت حال کے سلسلے میں دکھانا چاہتا ہے، اور جو کم سے کم ہندوستانی مالی ذرائع کے لوچ پن میں سخت عدم اعتمادی ظاہر کرتا ہے۔ جہاں تک ہندوستانی مالی ذرائع کا تعلق ہے تو دو متضاد خیالات پیش کیے جا رہے ہیں۔ ایک طرف یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں محصولات دنیا کے کسی بھی ملک کے مقابلے میں گراں اور جابرانہ ہیں، کہ زیادہ تر پریزیڈنسیوں میں اور خاص کر ان پریزیڈنسیوں میں جہاں برطانوی راج طویل ترین ہے کاشتکار، یعنی ہندوستانی عوام کی اکثریت، عام طور پر بڑھتے ہوئے افلاس اور پسماندگی کی حالت میں ہیں، کہ نتیجے میں ہندوستانی مالگزاری کو اس کی انتہائی حد تک بڑھا دیا گیا ہے اور چنانچہ اس کی مالیات بحال کرنا ناممکن ہے۔ اب یہ ذرا بے کلی پیدا کرنے والی رائے

ہے کیونکہ مسٹر گلیڈسٹن کے مطابق آنے والے چند برسوں تک صرف غیر معمولی ہندوستانی مصارف سالانہ تقریباً 2 کروڑ پونڈ اسٹرلنگ ہوں گے۔ دوسری طرف یہ دعویٰ کیا جاتا ہے (اور شماریاتی نقشوں کے سلسلے کے ذریعے بیان کو صحیح ثابت کیا جاتا ہے) کہ ہندوستان میں سب سے کم محصولات لگائے جاتے ہیں کہ اگر مصارف بڑھتے جا رہے ہیں تو آمدنی بھی بڑھائی جا سکتی ہے۔ یہ تصور کرنا صریحاً فریب ہے کہ ہندوستانی عوام نئے محصول برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مسٹر برائٹ نے جنہیں "بے کلی پیدا کرنے والے" نظریے کا انتہائی پرجوش اور بااثر نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے نئے گورنمنٹ آف انڈیا بل[98] کو دوسری بار پیش کرتے وقت مندرجہ ذیل بیان دیا:

"ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے لیے ہندوستانی حکومت کو زیادہ خرچ کرنا پڑا بہ نسبت اس کے جو ہندوستان کی آبادی سے بالجبر حاصل کیا گیا اگرچہ محصولات عائد کرنے میں اور ان کے وصول کرنے میں حکومت کسی بھی لحاظ سے محتاط نہیں رہی ہے۔ ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے لیے اسے 3 کروڑ پونڈ سے زیادہ خرچ کرنا پڑا کیونکہ مجموعی آمدنی اتنی ہی تھی اور خسارہ تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے جو سود کی بلند شرح پر قرضے حاصل کر کے پورا کیا گیا۔ اب ہندوستانی قرض کی رقم 6 کروڑ پونڈ ہے اور وہ بڑھتا جا رہا ہے اور حکومت کی ساکھ کم ہوتی جا رہی ہے۔ جزوی طور پر اس وجہ سے کہ ایک یا دو موقعوں پر اس نے قرضہ دینے والوں کے ساتھ دیانت داری کا سلوک نہیں کیا، اور اب آفتوں کے سبب سے بھی جنھوں نے حال ہی میں ہندوستان کو گھیر رکھا ہے۔ میں نے مجموعی آمدنی کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن چونکہ اس میں افیون کی آمدنی بھی شامل ہے تو اسے مشکل ہی سے عوام پر محصول کہا جا سکتا ہے۔ جو محاصل واقعی ان پر عائد کیے گئے انھیں میں 205 کروڑ پونڈ خیال کروں گا۔ تو اس 205 کروڑ پونڈ کا مقابلہ 6 کروڑ پونڈ سے نہیں کیا جائے جو ہمارے ملک میں جمع کیا گیا تھا۔ ایوان یہ یاد رکھے کہ ہندوستان میں بارہ دن کی محنت سونے یا چاندی کی اسی

مقدار سے خریدی جا سکتی ہے جو انگلستان میں ایک دن کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ 205 کروڑ پونڈ ہندوستان میں جتنی محنت خریدنے پر صرف کیے جائیں گے انگلستان میں اتنی ہی محنت حاصل کرنے کے لیے 30 کروڑ پونڈ کی رقم درکار ہوگی۔ مجھ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہندوستانی کی محنت کی کتنی قیمت ہے؟ تو اگر ہندوستانی کی محنت کی قیمت صرف 2 پنی یومیہ ہے تو یہ عیاں ہے کہ ہم اس سے اتنے محاصل ادا کرنے کی توقع نہیں کرتے گویا اس کی قیمت 2 شلنگ تھی۔ برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کی آبادی 3 کروڑ ہے۔ ہندوستان میں 15 کروڑ باشندے ہیں۔ یہاں ہم نے محصولات میں 6 کروڑ پونڈ اسٹرلنگ جمع کیے۔ ہندوستان میں ہندوستانی عوام کی دن کی محنت کو شمار کرتے ہوئے ہم نے 30 کروڑ پونڈ کی آمدنی جمع کی، یا وطن میں جتنا جمع کیا گیا اس سے پانچ گنا زیادہ۔ اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے کہ ہندوستان کی آبادی برطانوی سلطنت کی آبادی سے پانچ گنی زیادہ ہے تو لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان اور برطانیہ میں فی کس محاصل تقریباً یکساں ہیں۔ لہٰذا زیادہ مصیبت نہیں لادی گئی۔ لیکن انگلستان میں مشینوں اور بھاپ کی، نقل و حمل کے ذرائع کی اور ہر اس چیز کی جو سرمائے اور انسانی اختراع سے ایک قوم کی صنعت کی مدد کر سکتی ہے بے حساب طاقت ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے، وہاں سارے ہندوستان میں مشکل سے ایک اچھی سڑک ہے۔"

یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ ہندوستانی محصولات کا برطانوی محصولات سے مقابلہ کرنے کے اس طریقے میں کچھ گڑبڑ ہے۔ ایک طرف ہندوستانی آبادی ہے جو برطانیہ سے پانچ گنی زیادہ ہے، دوسری طرف ہندوستانی محاصل ہیں جو برطانیہ کے نصف کے برابر ہیں۔ لیکن مسٹر برائٹ نے کہا ہے کہ ہندوستانی محنت برطانوی محنت کے تقریباً ایک بارہویں کے برابر ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں 3 کروڑ پونڈ کے محصولات برطانیہ عظمیٰ میں 30 کروڑ پونڈ محصولات کے مطابق ہوں گے، 6 کروڑ پونڈ کی بجائے جو

واقعی وہاں جمع کیے گئے۔ تو اسے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے تھا؟ کہ ہندوستان کے لوگ اپنی عددی قوت کے تعلق سے اتنے ہی محاصل ادا کرتے ہیں جتنے برطانیہ عظمیٰ کے لوگ اگر یہ پیش نظر رکھا جائے کہ ہندوستان میں لوگ مقابلتاً مفلس ہیں اور 3 کروڑ پونڈ 15 کروڑ ہندوستانیوں پر اتنا ہی بھاری بوجھ ہیں جتنا 6 کروڑ پونڈ 3 کروڑ انگریزوں پر۔ چونکہ ان کا یہ مفروضہ ہے اس لیے جواب میں یہ کہنا واقعی گمراہ کن ہے کہ غریب لوگ اتنا ادا نہیں کر سکتے جتنا امیر کیونکہ یہ بیان دیتے وقت کہ ہندوستانی اتنا ہی ادا کرتے ہیں جتنا انگریز، ہندوستانی عوام کی متناسب مفلسی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایک اور سوال کیا جا سکتا ہے۔ یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ آیا ایک آدمی سے جو یومیہ 12 سینٹ کماتا ہے منصفانہ طور پر اتنی ہی آسانی سے ایک سینٹ ادا کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے جتنی سے دوسرا آدمی جو یومیہ 12 ڈالر کماتا ہے اور ایک ڈالر ادا کرتا ہے؟ تناسب کے اعتبار سے دونوں اپنی آمدنی کا ایک ہی مقسوم علیہ حصہ ادا کرتے ہیں لیکن محصول ان کی اپنی اپنی ضروریات پر بالکل مختلف تناسب سے اثر انداز ہوگا۔ اس کے باوجود مسٹر برائٹ نے ان معنوں میں سوال کو پیش نہیں کیا ہے اور اگر وہ ایسا کرتے تو ہندوستانی اور برطانوی محاصل کے درمیان مقابلے کی بہ نسبت ایک طرف برطانوی اجرتی مزدور اور دوسری طرف برطانوی سرمایہ دار کے درمیان محاصل کے بوجھ کا مقابلہ غالباً زیادہ واضح ہو جاتا۔ علاوہ ازیں وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستانی محصولات کے 3 کروڑ پونڈ میں سے 50 لاکھ پونڈ کی افیون کی آمدنی منہا کر دینا چاہیے کیونکہ اگر سچ کہا جائے تو یہ وہ ٹیکس نہیں تھا جو ہندوستانی عوام پر عائد کیا گیا بلکہ برآمدی چنگی تھی جو چین کے صرفے سے حاصل ہوئی تھی۔ پھر ہمیں اینگلو انڈین انتظامیہ کے عذر خواہ یہ یاد دلاتے ہیں کہ 106 کروڑ پونڈ کی آمدنی زمین کی مالگزاری یا لگان سے حاصل ہوئی جو قدیم زمانے سے اعلیٰ زمیندار کی حیثیت سے ریاست کی ملکیت رہی ہے اور کبھی بھی کاشتکار کی نجی دولت کا حصہ نہیں تھی اور درحقیقت اصلی محاصل میں شامل نہیں کی جاتی تھی، اسی طرح وہ لگان جسے برطانوی کسان برطانوی اشرافیہ کو ادا کرتے ہیں وہ برطانوی محاصل میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس

نقطہ نظر سے ہندوستانی محاصل کی صورت حال یہ ہے:

مجموعی رقم جو حاصل کی گئی	30000000 پونڈ
افیون کی آمدنی کا منہا	5000000 پونڈ
زمین کے لگان کا منہا	16000000 پونڈ
اصلی محاصل	9000000 پونڈ

پھر اسی 90 لاکھ پونڈ میں سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بعض اہم مدوں نے، جیسے ڈاک خانہ، اسٹامپ ڈیوٹی اور برآمدی چنگی، عوام الناس سے بہت کم تناسب سے وصول کیا۔ مسٹر ہینڈرکس اپنے ایک مقالے میں جو حال میں برطانوی شماریاتی انجمن کے سامنے پیش کیا گیا پارلیمانی اور دوسری سرکاری دستاویزوں کی بنا پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کل آمدنی میں سے جسے ہندوستانی عوام نے ادا کیا اس وقت محاصل سے یعنی عوام کی اصل آمدنی سے 20 فیصدی سے زیادہ حاصل نہیں کیے جاتے۔ کل آمدنی میں سے بنگال میں صرف 27 فیصدی، پنجاب میں صرف 23 فیصدی، مدراس میں صرف 21 فیصدی، شمال مغربی صوبوں میں صرف 17 فیصدی، بمبئی میں صرف 16 فیصدی اصلی محاصل سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

محاصل کی اوسط رقم کا ذیل میں تقابلی مطالعہ جو 1855—56ء میں ہندوستان اور برطانیہ کے ہر باشندے سے حاصل کی گئی مسٹر ہینڈرکس کے بیان سے اخذ کیا گیا ہے:

	فی کس آمدنی	اصلی محاصل
بنگال	5 شلنگ	ایک شلنگ 4 پنیس
شمال مغربی صوبے	3 شلنگ 5 پنیس	7 پنیس
مدراس	4 شلنگ 7 پنیس	ایک شلنگ
بمبئی	8 شلنگ 3 پنیس	ایک شلنگ 4 پنیس
پنجاب	3 شلنگ 3 پنیس	9 پنیس
برطانیہ	------	ایک پونڈ 10 شلنگ

دوسرے برسوں کے متعلق مختلف ممالک کے لیے جنرل بریگز نے قومی آمدنی میں ہر فرد کی اوسط ادائیگی کا ذیل میں تخمینہ کیا ہے:

انگلستان میں 1852ء	ایک پونڈ	19 شلنگ 4 پنس
فرانس میں	ایک پونڈ	12 شلنگ
پروشیا میں		19 شلنگ 3 پنس
ہندوستان میں 1854ء		3 شلنگ ساڑھے آٹھ پنس

ان بیانات سے برطانوی انتظامیہ کے عذرخواہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یورپ میں ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے جہاں، اگر ہندوستان کی نسبتاً غربت کو پیش نظر رکھا جائے تو عوام سے اتنا کم محصول لیا جاتا ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی محاصل کے تعلق سے نہ صرف رائیں متضاد ہیں بلکہ وہ حقائق بھی متضاد ہیں جن سے یہ رائیں اخذ کی گئی ہیں۔ ایک طرف ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ برائے نام ہندوستانی محاصل کی رقم نسبتاً چھوٹی ہے لیکن دوسری طرف ہم پارلیمانی دستاویزوں اور ہندوستانی امور کے عظیم ترین مستند لوگوں کی تحریروں سے شہادتوں کے ڈھیر لگا دیں گے جو شبہ سے بالا یہ ثابت کرتی ہیں کہ بظاہر یہ ہلکے محاصل ہندوستانی عوام الناس کی کمر توڑ رہے ہیں، اور ان کے حصول کے لیے ایسی مکروہ حرکتیں اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مثال کے طور پر جسمانی اذیت۔ لیکن کیا ہندوستانی قرض کے مسلسل اور تیز اضافے اور ہندوستانی خساروں کے اجتماع کے علاوہ کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت ہے؟ یقیناً اس پر بحث نہیں کی جائے گی کہ ہندوستانی حکومت قرضوں اور خساروں میں اضافہ کرنے کو ترجیح دیتی ہے کیونکہ وہ عوام کے وسائل کو بہت زیادہ اکھڑپن سے ہاتھ لگانے سے گریز کرتی ہے۔ وہ قرض کی راہ اختیار کرتی ہے کیونکہ اسے اپنی ضروریات پوری کرنے کا دوسرا راستہ نظر نہیں آتا۔ 1805ء میں ہندوستانی قرض کی رقم 25626631 پونڈ تھی، 1829ء میں وہ تقریباً 34000000 پونڈ ہو گئی، 1850ء میں 47151018 پونڈ اور اس وقت لگ بھگ 60000000 پونڈ ہے۔ بر سبیل تذکرہ ہم اس حساب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس قرض کو شامل نہیں

کرتے جو انگلستان میں لیا گیا ہے جس کی ادائیگی اس کمپنی کی آمدنی سے ہوتی ہے۔

سالانہ خسارہ جس کی رقم 1805ء میں تقریباً 25 لاکھ پونڈ تھی لارڈ ڈلہوزی کی انتظامیہ کے تحت اوسطاً 50 لاکھ پونڈ ہو گئی۔ مسٹر جارج کیمبل جن کا تعلق بنگال سول سروس سے ہے اور جو اینگلو انڈین انتظامیہ کے کٹر حامی ہیں 1852ء میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے:

"اگرچہ کسی مشرقی فاتح نے ہندوستان پر اپنا مکمل غلبہ، اتنی خاموشی سے، کلی طور پر اور بلامخالفت قبضہ حاصل نہیں کیا جتنا ہم نے، اس کے باوجود ہر ایک نے اپنے آپ کو ملک کی آمدنی سے مالدار کیا اور کئی فاتحوں نے اپنی افراط دولت میں سے خاصی رقمیں پبلک کی بہبود کے کاموں میں لگائیں...... ہم ایسا کرنے سے قاصر ہیں...... سارے مصارف کے بوجھ کی قیمت کسی طرح بھی کم نہیں ہوئی ہے (انگریز راج میں) اس کے باوجود ہمارے پاس زائد نہیں ہے۔"

محاصل کے بوجھ کا تخمینہ لگاتے وقت اس کی برائے نام رقم کو میزان میں بہت زیادہ شامل نہیں کرنا چاہیے، بہ نسبت اسے حاصل کرنے کے طریقے اور اسے استعمال کرنے کے رویے کے۔ اول الذکر ہندوستان میں قابل نفریں ہے اور مثال کے طور پر زمین کے محصول کی شاخ میں آمد کا زیادہ حصہ ضائع ہوتا ہے بہ نسبت اس کے جو حاصل ہوتا ہے۔ جہاں تک محصولات کے اطلاق کا تعلق ہے تو یہ کہنا کافی ہے کہ ان کا کوئی بھی حصہ افادۂ عامہ کی شکل میں عوام تک نہیں لوٹتا جو اور تمام ملکوں سے زیادہ ایشیائی ملکوں کے لیے ناگزیر ہے، اور یہ کہ جیسا مسٹر برائٹ نے بجا طور پر ارشاد فرمایا، کہیں بھی خود حکمراں طبقے کے لیے اتنے بیجا خرچ کی بہم رسانی نہیں ہے۔

(کارل مارکس نے 29 جون 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5383 میں 23 جولائی 1858ء کو اداریئے کی حیثیت سے شائع ہوا)

فریڈرک اینگلز

ہندوستانی فوج(99)

ہندوستان میں جنگ بتدریج بے ربط چھاپے مار لڑائی کی منزل میں داخل ہو رہی ہے جس کے متعلق ہم ایک بار سے زیادہ اس کے فروغ کے آئندہ ناگزیر اور انتہائی خطرناک دور کی طرح بتا چکے ہیں۔ باغی فوجیں گھمسان کی لڑائیوں، شہروں کی مدافعت اور مورچہ بند کیمپوں میں اپنی مسلسل شکستوں کے بعد بتدریج چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منتشر ہو گئیں جو دو سے لے کر چھ یا آٹھ ہزار تک جوانوں پر مشتمل ہیں۔ وہ بڑی حد تک ایک دوسرے سے آزاد رہ کر سرگرم رہتی ہیں لیکن ہمیشہ مختصر فوجی مہم کے لیے کسی بھی برطانوی دستے کے خلاف متحد ہونے کے لیے تیار رہتی ہیں جو انہیں الگ الگ ملتا ہے۔ لکھنؤ سے کچھ 80 میل دور سر کیمبل کی سرگرم باقاعدہ فوج کے آنے کے بعد ایک بھی ضرب کے بغیر بریلی سے دست کشی باغیوں کی خاص فوج کے لیے اس سلسلے میں موڑ کا نقطہ تھا۔ کالپی سے دست کشی مقامی سپاہیوں کی دوسری بڑی فوج کے لیے اتنی ہی اہم تھی۔ ہر معاملے میں کارروائیوں کے قابل دفاع مرکزی اڈے کو چھوڑ دیا گیا اور اس طرح فوج کے لیے لڑائی لڑنا ناممکن ہو گیا،

باغیوں نے چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بٹ کر بے قاعدگی سے پسپائی شروع کر دی۔ ان متحرک کالموں کو کارروائیوں کے مرکزی اڈے کے لیے بڑے شہروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جن اضلاع میں وہ حرکت کرتے ہیں وہاں وہ زندہ رہنے، ساز و سامان حاصل کرنے اور بھرتی کرنے کے ذرائع تلاش کر سکتے ہیں۔ جس طرح دہلی، لکھنؤ یا کالپی بڑی فوجوں کے لیے قیمتی تھا اسی طرح قصبہ یا بڑا گاؤں تنظیم نو کے مرکز کی طرح ہر ایک کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے جنگ سے دلچسپی کم ہو گئی۔ باغیوں کے مختلف کالموں کی نقل و حرکت کا تفصیل سے مطالعہ نہیں کیا جا سکتا اور تذکروں میں وہ الجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ برطانوی کمانڈروں کی کارروائیاں بڑی حد تک ناقابل تنقید بن گئیں کیونکہ اس حالت میں وہ شرائط نامعلوم ہیں جن پر ان کی کارروائیاں مبنی تھیں۔ کامیابی یا ناکامی اب بھی واحد کسوٹی ہے اور وہ یقینی سب سے زیادہ دھوکے باز ہیں۔

مقامی سپاہیوں کی نقل و حرکت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ لکھنؤ کی تسخیر کے بعد انہوں نے بے قاعدگی سے پسپائی کی--- کچھ جنوب مشرق میں، کچھ شمال مشرق میں، کچھ شمال مغرب میں۔ آخر الذکر سب سے مضبوط جماعت تھی جس کا تعاقب کیمبل نے روہیل کھنڈ میں کیا۔ باغی بریلی میں مرکوز ہو گئے تھے اور انہوں نے تشکیل نو کر لی تھی۔ لیکن انگریز آئے تو انہوں نے یہ جگہ بلامزاحمت چھوڑ دی اور پھر مختلف سمتوں میں پسپائی کی۔ پسپائی کے ان مختلف راستوں کی تفصیلات علم میں نہیں ہیں۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ایک حصہ نیپال کی سرحد پر پہاڑیوں کی طرف گیا اور ایک یا زیادہ کالموں نے غالباً مخالف سمت میں گنگا اور دوآبے (گنگا اور جمنا کے درمیان علاقہ) کی جانب مارچ کیا۔ لیکن جوں ہی کیمبل نے بریلی پر قبضہ کیا باغی جو مشرق کی طرف پسپا ہو گئے تھے اودھ کی سرحد پر چند جماعتوں کے ساتھ متحد ہو گئے اور انہوں نے شاہجہاں پور پر حملہ کر دیا جہاں ایک چھوٹی سی محافظ فوج رہ گئی تھی۔ اس دوران میں باغیوں کے مزید کالم تیزی سے اس سمت میں بڑھتے رہے۔ محافظ فوج کی خوش قسمتی سے بریگیڈیئر جنرل جونس کمک لے کر 11 مئی کو پہنچ گئے اور مقامی

سپاہیوں کو شکست دے دی۔ لیکن انہیں بھی ان کالموں سے کمک مل گئی جو شاہجہاں پور میں مرکوز ہو رہے تھے اور انہوں نے 15 تاریخ کو شہر پھر گھیر لیا۔ اسی دن کیمبل نے بریلی میں ایک محافظ فوج چھوڑی اور شاہجہاں پور مدد کرنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ لیکن صرف 24 مئی کو انہوں نے باغیوں پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ باغیوں کے مختلف کالم جنہوں نے اس داؤں میں تعاون کیا تھا پھر مختلف سمتوں میں منتشر ہوگئے۔

جس وقت کیمبل روہیل کھنڈ کی سرحد پر مصروف تھے اس وقت جنرل ہوپ گرانٹ جنوبی اودھ میں اپنی فوج کو آگے اور پیچھے مارچ کراتے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا، سوائے اس کے کہ گرمیوں کی ہندوستانی دھوپ سے ان کی فوجوں کا جانی نقصان ہوا۔ باغی ان کے لیے بہت پھرتیلے ثابت ہوئے۔ وہ ہر جگہ موجود رہتے تھے سوائے اس جگہ کے جہاں وہ انہیں تلاش کرتے تھے۔ اور جب جنرل ہوپ گرانٹ کو توقع ہوتی تھی کہ انہیں سامنے پائیں گے تو وہ پہلے سے اس کے عقب میں آ جاتے تھے۔ گنگا کے بہاؤ پر جنرل لوگارڈ دیناپور، جگدیش پور اور بکسر کے درمیان علاقے میں اسی قسم کے سائے کے تعاقب میں مصروف رہے۔ مقامی سپاہی انہیں مسلسل دوڑاتے رہے اور انہیں جگدیش پور سے علیحدہ کرنے کے بعد اس شہر کی محافظ فوج پر فوراً حملہ کر دیا۔ لوگارڈ واپس آ گئے اور تار کی ایک اطلاع کے مطابق 26 مئی کو فتح حاصل کر لی۔ اودھ اور روہیل کھنڈ کے کالموں اور ان باغیوں کے طریقہ کار میں یکسانیت عیاں ہے۔ لیکن لوگارڈ کی فتح مشکل ہی سے اہمیت کی حامل ہے۔ پست ہمت اور کمزور ہونے سے پہلے ایسے جتھوں کو متعدد بار ہرانا پڑتا ہے۔

چنانچہ مئی کے وسط سے شمالی ہند کی ساری باغی فوج نے بڑے پیمانے پر لڑنا بند کر دیا ہے، استثنا صرف کالپی کی فوج ہے۔ اس فوج نے نسبتاً تھوڑے وقت میں اس شہر میں کارروائیوں کا ایک مکمل مرکز منظم کر لیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء، بارود کے ذخیرے فراوانی سے تھے، کافی توپیں، یہاں تک کہ ڈھلائی خانے اور بندوقیں بنانے کی ورکشاپیں بھی تھیں۔ حالانکہ وہ کانپور سے 25 میل بھی دور نہیں

تھے لیکن کیمبل نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ انہوں نے دوآبے میں یا جمنا کے مشرقی پہلو میں ایک فوج سمیت ان کا محض مشاہدہ کیا۔ جنرل روز اور جنرل وہٹلاک ایک عرصے سے کالپی کی جانب کوچ کر رہے تھے۔ آخرکار جنرل روز پہنچ گئے اور کالپی کے سامنے کئی جھڑپوں کے بعد باغیوں کو شکست دے دی۔ اسی دوران میں جمنا کی دوسری طرف سے مشاہدہ کرنے والی قوت نے شہر اور قلعے پر بمباری شروع کر دی اور باغیوں نے یکایک دونوں خالی کر دیئے۔ انہوں نے اپنی آخری فوج کو آزاد کالموں میں تقسیم کر لیا۔ جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ کن راستوں سے گزرے۔ ہمیں صرف اتنا علم ہے کہ کچھ دوآبے میں گئے اور باقی گوالیار کی جانب۔

چنانچہ ہمالیہ سے لے کر بہار اور وندھیاچل تک اور گوالیار اور دہلی سے لے کر گورکھپور اور دیناپور تک کے علاقے میں سرگرم باغیوں کے گروہ بکھرے پڑے ہیں، بارہ ماہ کی جنگ کے تجربے کی بدولت وہ کسی حد تک منظم ہیں اور کئی شکستوں کے باوجود جن کا کردار غیر فیصلہ کن ہے اور اس حقیقت سے کہ انگریزوں نے ان سے کم فائدہ اٹھایا ہمت باندھ رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے تمام گڑھ اور کارروائیوں کے مرکز ان سے چھین لیے گئے ہیں۔ ان کے ذخیروں اور توپ خانے کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا ہے۔ تمام اہم شہر ان کے دشمنوں کے ہاتھ میں ہیں لیکن دوسری طرف اس وسیع و عریض علاقے میں انگریزوں کا شہروں کے علاوہ اور کسی جگہ پر قبضہ نہیں ہے اور کھلے رقبے میں صرف ان مقامات پر جہاں ان کے متحرک کالم موجود ہیں۔ وہ اپنے سبک رفتار دشمنوں کا پیچھا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن انہیں پکڑنے کی کوئی امید نہیں ہوتی اور سال کے مہلک ترین موسم میں انہیں جنگ کے اس ناک میں دم کرنے والے طریقے میں حصہ لینا پڑ رہا ہے۔ دیسی ہندوستانی اپنی گرمیوں میں دوپہر کی تمازت نسبتاً اطمینان سے برداشت کر سکتا ہے مگر سورج کی دھوپ میں تھوڑی دیر کے لیے رہنا یورپی کے لیے تقریباً یقینی موت ہے۔ ہندوستانی ایسے موسم میں چالیس میل مارچ کر سکتا ہے جبکہ دس میل کے بعد اس کا شمالی مخالف ہار کر بیٹھ

جاتا ہے۔ اس کے لیے گرم بارش اور دلدلی جنگل نسبتاً بے ضرر ہیں لیکن جب یورپی بارش کے موسم یا دلدلی مقامات پر جانفشانی کرتے ہیں تو پیچش، ہیضہ اور ملیریا میں لازمی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہمیں برطانوی فوج میں حفظانِ صحت کی حالت کا تفصیلی حال معلوم نہیں ہے لیکن جنرل روز کی فوج میں لوگوں کی اس تقابلی تعداد سے جو لو لگنے سے مرے اور جنہیں دشمن نے ہلاک کیا، اس رپورٹ سے کہ لکھنؤ کی حفاظتی فوج بیمار ہے، کہ 38 ویں رجمنٹ جو گزشتہ خزاں میں آئی تھی 1000 فوجیوں پر مشتمل تھی اور اب اس کی تعداد مشکل سے 550 ہے اور دوسرے اظہارات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ گرمیوں کی تمازت نے اپریل اور مئی میں ان نووارد آدمیوں اور جوانوں کو اپنا شکار بنایا جنھوں نے گزشتہ سال کی مہم میں دھوپ سے سنولائے ہوئے پرانے سپاہیوں کی جگہ لی تھی۔ کیمبل کے پاس جس طرح کے لوگ ہیں وہ نہ ہیولاک کے لوگوں کی طرح تیز رفتار مارچ کر سکتے ہیں اور نہ دہلی کی طرح بارش کے موسم میں محاصرے کر سکتے ہیں۔ اگرچہ برطانوی حکومت پھر بڑی کمک بھیجنے والی ہے لیکن یہ مشتبہ ہے کہ کمک اتنی کافی ہوگی کہ گرمیوں کی اس مہم میں مرنے کھپنے والوں کی جگہ لے سکے، ایسے دشمن کے خلاف جو انگریزوں سے اس وقت تک لڑنا نہیں چاہتا جب تک اس کے لیے شرائط انتہائی سازگار نہ ہوں۔

باغیوں کی جنگ نے فرانسیسیوں کے خلاف الجزائر کے بدوؤں کی لڑائی[(100)] جیسا کردار اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہندوستانی اتنے کٹر نہیں ہیں اور ان کی قوم گھڑسوار نہیں ہے۔ زبردست وسعت والے ہموار ملک میں آخر الذکر اہم ہے۔ ان میں کافی مسلمان ہیں جو ایک اچھی سوار فوج کی تشکیل کر سکتے ہیں لیکن خاص گھڑسوار قومیں ابھی تک بغاوت میں شامل نہیں ہوئی ہیں۔ ان کی فوج کی قوت پیدل فوج ہے، اور یہ بازو چونکہ میدان جنگ میں انگریز کا مقابلہ کرنے کے لیے موزوں نہیں ہے اس لیے میدان میں چھاپہ مار لڑائی کے وقت وہ رکاوٹ بن جاتی ہے۔ ایسے ملک میں چھاپہ مار جنگ کا زور سوار فوج ہے۔ جب انگریز بارش کے موسم میں جبریہ چھٹی لیں گے تو یہ ضرورت کس حد تک پوری کی جائے گی اسے دیکھنا باقی

ہے۔ یہ چھٹی مقامی لوگوں کو تنظیمِ نو کرنے اور اپنی فوجوں کی بھرتی کے لیے موقع فراہم کرتی ہے۔ سوار فوج کی تنظیم کے علاوہ دو اور اہم نکتے ہیں۔ جوں ہی سردیاں شروع ہوں گی صرف چھاپہ مار لڑائی سے کام نہیں چلے گا۔ سردی کا موسم ختم ہونے تک انگریزوں کو مصروف رکھنے کے لیے کارروائیوں کے مرکز، ذخیرے، توپ خانے، مورچے بند کیمپوں یا شہروں کی ضرورت ہے ورنہ قبل اس کے کہ اگلی گرمیاں اسے نئی زندگی بخشیں چھاپہ مار جنگ کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ غالباً دیگر اہم مقامات کی طرح گوالیار مناسب نقطہ ہے اگر وہ باغیوں کے واقعی قابو میں ہے تو۔ دوسرے، بغاوت کے مقدر کا دارومدار اسے وسعت دینے کی قابلیت پر ہے۔ اگر منتشر کالم روہیل کھنڈ کو پار کر کے راجپوتانہ اور مراٹھ واڑہ تک نہیں آ سکتے، اگر تحریک شمال مرکزی علاقے ہی تک محدود رہتی ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگلی سردیاں گروہوں کو منتشر کر دیں گی اور انہیں ڈکیتوں میں تبدیل کر دیں گی۔ اور باشندوں کے لیے جلد ہی گورے حملہ آوروں کے مقابلے میں وہ زیادہ قابلِ نفرت ہو جائیں گے۔

(فریڈرک اینگلز نے 6 جولائی 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5381 میں 21 جولائی 1858ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

انڈین بل(101)

دارالعوام میں تازہ ترین انڈین بل کی تیسری خواندگی منظور ہو گئی ہے، اور چونکہ دارالامرا ڈربی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف نہیں لڑے گا اس لیے لگتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ سورماؤں کی طرح نہیں مرتی۔ لیکن اس نے اپنے اقتدار کا مبادلہ اسی طرح کر لیا ہے جس طرح اسے حاصل کیا تھا یعنی کاروباری طریقے سے، حصوں میں۔ درحقیقت اس کی ساری تاریخ خرید و فروخت کی رہی ہے۔ اس نے ابتدا حاکمیت اعلیٰ کو خریدنے سے کی اور آخر میں اسے فروخت کر دیا۔ وہ گھمسان کی لڑائی میں نہیں بلکہ نیلام کرنے والے کے ہتھوڑے سے گری ہے، سب سے بڑی بولی لگانے والے کے ہاتھوں میں۔ 1693ء میں اس نے ڈیوک آف لیڈس اور دوسرے پبلک افسروں کو بھاری رقمیں دے کر تاج شاہی سے اکیس سال کے لیے چارٹر حاصل کیا۔ 1767ء میں اس نے شاہی خزانے کو 4 لاکھ پونڈ سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے اپنے اقتدار کی میعاد دو سال کے لیے بڑھوا لی۔ 1769ء میں اس نے ایسا ہی سودا پانچ سال کے لیے

کیا لیکن جلد ہی شاہی خزانہ طے شدہ ادائیگی لینے سے دستبردار ہو گیا اور کمپنی کو 4 فیصدی سود پر 1400000 پونڈ کا قرضہ دے دیا۔ اس کے عوض کمپنی اقتدار کے بعض اجزا سے محروم ہو گئی۔ مثلاً پارلیمنٹ کو گورنر جنرل اور چار کونسلر نامزد کرنے کا حق مل گیا، تاج شاہی کو لارڈ چیف جسٹس اور اس کے تین ججوں کے تقرر کا حق حوالے کر دیا اور کمپنی مالکان کے کورٹ کو ایک جمہوری ادارے سے اولیگارکی کے ادارے میں تبدیل کرنے پر راضی ہو گئی۔(102) 1858ء میں مالکان کے کورٹ میں اس نے سنجیدگی سے عہد کیا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکمرانی کے اختیارات تاج شاہی کو منتقل کرنے کی تمام آئینی "ذرائع" سے مزاحمت کرے گی مگر اب اس نے وہ اصول قبول کر لیا ہے اور اس بل پر راضی ہو گئی ہے جو کمپنی کے لیے تعزیری ہے لیکن اپنے خاص ڈائریکٹروں کو منافع اور عہدوں کی ضمانت حاصل کر کے۔ جیسا کہ شلر نے لکھا ہے: ہیرو کی موت سورج کے غروب ہونے سے ملتی جلتی ہے* تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا اخراج اس سمجھوتے سے زیادہ مشابہ ہے جو ایک دیوالیہ اپنے قرض خواہوں کے ساتھ کرتا ہے۔

اس بل کے تحت انتظامیہ کے بنیادی کارہائے منصبی کونسل میں سیکرٹری آف اسٹیٹ کو سپرد کر دیئے گئے ہیں جس طرح کلکتہ میں کونسل میں گورنر جنرل امور چلاتا ہے۔ یہ دونوں حکام--- انگلستان میں سیکرٹری آف اسٹیٹ اور ہندوستان میں گورنر جنرل--- یکساں طور پر اس کے مختار ہیں کہ اپنے مددگاروں کے مشورے کو نظر انداز کر دیں اور خود اپنے فیصلے پر عمل کریں۔ نیا بل سیکرٹری آف اسٹیٹ کو وہ تمام اختیارات بھی سپرد کرتا ہے جو آج کل بورڈ آف کنٹرول کا صدر خفیہ کمیٹی کی وساطت سے استعمال کرتا ہے یعنی وہ اختیار جس کے مطابق غیر معمولی حالات میں اپنی کونسل سے مشورہ کیے بغیر ہندوستان کو احکامات جاری کیے جا سکتے ہیں۔ اس کونسل کی تشکیل کرنے کے سلسلے میں یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ آخر کار اس کی نامزدگیوں میں تاج شاہی کی نامزدگیوں کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک واحد عملی

* شلر کا ڈرامہ "ڈاکو" ایکٹ 3، منظر 2۔ (ایڈیٹر)

ذریعے کی طرح استعمال کیا جائے۔ کونسل کے منتخبہ ممبر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر خود اپنے میں سے انتخاب کریں گے۔

چنانچہ آخرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کا نام اس کے مغز سے زیادہ زندہ رہے گا۔

آخری لمحے ڈربی کی کابینہ نے اقبال کیا کہ بل میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو منسوخ کرتی ہو جو کورٹ آف ڈائریکٹرز کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ وہ گھٹ کر اسٹاک ہولڈروں کی کمپنی کا پرانا کردار اختیار کر لیتی ہے جو کمپنی کے ان منافعوں کو تقسیم کرتا ہے جن کی ضمانت مختلف منظور شدہ قوانین کرتے ہیں۔ پٹ کے 1784ء کے بل نے بورڈ آف کنٹرول کے نام پر اپنی حکومت کو عملاً کابینہ کے زیر اثر کر دیا۔ 1813ء کے قانون نے سوائے چین کے ساتھ تجارت کے ان کی تجارتی اجارہ داری ختم کر دی۔ 1834ء کے قانون نے ان کا تجارتی کردار بالکل ختم کر دیا اور 1854ء کے قانون نے ان کے اقتدار کی آخری باقیات چھین لیں، پھر بھی ہندوستانی انتظامیہ کو ان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ تاریخ کی گردش نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو 1612ء میں جوائنٹ اسٹاک کمپنی میں تبدیل کی گئی تھی پھر اسے اس کی پرانی پوشاک پہنا دی جو اب بغیر تجارت کے تجارتی شرکت داری کی نمائندگی کرتی ہے اور ایک ایسی جوائنٹ اسٹاک کمپنی کی جس کے پاس کاروبار کے لیے فنڈ نہیں ہے بلکہ حاصل کرنے کے لیے صرف مقررہ کمپنی کا منافع ہے۔

انڈین بل کی تاریخ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جدید پارلیمانی قانون سازی کے کسی بھی دوسرے قانون کے مقابلے میں زیادہ ڈرامائی تبدیلیاں ہیں۔ جب سپاہیوں کی بغاوت پھوٹ پڑی تو برطانوی سماج کے تمام طبقوں نے ہندوستانی اصلاحات کے لیے آواز بلند کی۔ اذیتوں کی خبروں نے عوام کا غصہ بھڑکا دیا۔ مقامی مذہب میں حکومت کی مداخلت کی مذمت ہندوستان کے عام حکام اور بلند مرتبہ شہریوں نے بہ آواز بلند کی۔ ڈاؤننگ اسٹریٹ کے آلہ کار لارڈ ڈلہوزی کی غارت گر الحاق کی پالیسی، ایران اور چین میں قزاقانہ جنگیں جنھوں نے ایشیائی ذہن میں ہیجان پیدا کر دیا--- جنگیں جو پامرسٹن کے ذاتی حکم پر شروع کی گئیں اور جاری رکھی

گئیں--- ابتدا میں کمزور تدابیر جو انھوں نے اختیار کیں، نقل و حمل کے لیے دخانی جہازوں پر ترجیح دے کر بادبانی جہازوں کا انتخاب اور خاکنائے سوئز سے گزر کر نقل و حمل کرنے کی بجائے راس امید ہوتے ہوئے چکردار جہازرانی--- یہ سب مجتمع شکایتیں ہندوستانی اصلاحات کی پکار کی شکل میں پھٹ پڑیں--- کمپنی کی ہندوستانی انتظامیہ کی اصلاح، حکومت کی ہندوستانی پالیسی کی اصلاح۔ پامرسٹن نے عوامی پکار کو اپنی گرفت میں لے لیا لیکن انھوں نے اسے صرف اپنے مفاد میں حل کیا۔ کیونکہ حکومت اور کمپنی دیوالیہ ثابت ہوئی تھیں اس لیے کمپنی کو قربانی کا بکرا بنانا تھا اور حکومت کو قادر مطلق۔ کمپنی کے اقتدار کو محض اس وقت کے ڈکٹیٹر کو منتقل کرنا تھا یہ بہانہ کر کے کہ وہ پارلیمنٹ کے مقابلے میں تاج شاہی کی نمائندگی کر رہا ہے اور تاج شاہی کے مقابلے میں پارلیمنٹ کی، اور اس طرح اپنی واحد ذات میں دونوں کے اختیارات مرکوز کیے ہوئے تھا اگر ہندوستانی فوج ان کی پشت پر ہو، ہندوستانی خزانہ ان کے تابع اور ہندوستانی سرپرستی ان کی جیب میں تو پامرسٹن کی حیثیت ناقابل تسخیر ہو جاتی ہے۔

ان کا بل ایوان میں پہلی خواندگی میں بڑی شان سے منظور کر لیا گیا لیکن مشہور سازش کے بل سے [103] اور بعد میں ٹوریوں کے اقتدار حاصل کر لینے سے ان کا کیریئر ختم ہو گیا۔

سرکاری بنچوں پر بیٹھنے کے پہلے ہی دن ٹوریوں نے اعلان کیا کہ دارالعوام کی فیصلہ کن مرضی کی تنظیم کے پیش نظر ہندوستانی حکومت کمپنی سے تاج شاہی کو منتقل کرنے کی مخالفت کو وہ ترک کر دیں گے۔ لارڈ ایلن برو کا قانون ساز اسقاط [104] پامرسٹن کی بحالی جلد کرانے والا تھا جب لارڈ جان رسل نے ڈکٹیٹر کو سمجھوتے پر مجبور کرنے کے لیے پیش قدمی کی اور یہ تجویز کر کے حکومت کو بچا لیا کہ انڈین بل کو سرکاری مسودۂ قانون کی بجائے پارلیمانی قرارداد تصور کیا جائے۔ پھر اودھ کے متعلق لارڈ ایلن برو کے پیغام، ان کے اچانک استعفے اور وزارتی کیمپ میں بعد میں بدنظمی سے پامرسٹن نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ ٹوری پھر مخالفت کے ٹھنڈے سائے میں

پہنچ گئے جب انہوں نے اپنے اقتدار کے مختصر دور کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ضبطی کے خلاف خود اپنی پارٹی کی مخالفت کو ختم کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اس کے باوجود یہ بخوبی معلوم ہے کہ اس نازک حساب کتاب میں کس طرح گڑبڑ کی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کھنڈر پر بلند ہونے کی بجائے پامرسٹن اس کے نیچے دفن ہو گئے۔ سارے ہندوستانی مباحثوں کے دوران ایوان نے اس civis romanus[105] کی توہین کرنے سے بڑی تسکین حاصل کی۔ اس کی تمام چھوٹی بڑی ترمیمیں شرمناک طریقے سے مسترد کر دی گئیں۔ افغان جنگ، ایرانی جنگ اور چینی جنگ کے مکروہ حوالوں کی اس پر بارش کی گئی اور مسٹر گلیڈسٹن کی ترمیم، جو ہندوستانی سرحدوں کے باہر جنگ شروع کرنے کے وزیر امور ہند کے اختیار ختم کرتی ہے پامرسٹن کی گزشتہ خارجہ پالیسی پر ملامت کا عام ووٹ ثابت ہوئی، ان کی ہٹیلی مزاحمت کے باوجود زبردست اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ اگرچہ اس آدمی کا تختہ الٹ دیا گیا ہے لیکن اس کا اصول مجموعی طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ بورڈ آف کونسل کے مزاحم لوازمات سے جو دراصل پرانے کورٹ آف ڈائریکٹرز کا باتخواہ بھوت ہے عاملہ کے اقتدار پر کچھ پابندی عائد ہوئی ہے لیکن ہندوستان کے باقاعدہ الحاق نے اقتدار کو اس سطح تک بلند کر دیا ہے کہ اس کا توڑ کرنے کے لیے پارلیمانی ترازو میں جمہوری وزن کو ڈالنے کی ضرورت ہے۔

(کارل مارکس نے 9 جولائی 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے شمارے 5384 میں 24 جولائی 1858ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

فریڈرک اینگلز

ہندوستان میں بغاوت

گرم اور بارشی موسم گرما کے مہینوں میں ہندوستان میں مہم کو تقریباً مکمل طور پر ملتوی کر دیا گیا۔ سر کالن کیمبل نے گرمیوں کے شروع میں سخت کوششوں سے اودھ اور روہیل کھنڈ میں تمام اہم مورچے حاصل کرنے کے بعد بڑی عقلمندی سے اپنی فوجوں کو بارکوں میں رکھ دیا، کھلے علاقے باغیوں کے قبضے میں چھوڑ دیے اور اپنی سرگرمیاں اپنے رسل و رسائل قائم رکھنے تک محدود رکھیں۔ اودھ میں اس مدت میں جو واحد دلچسپ واقعہ رونما ہوا وہ سرہوپ گرانٹ کا مان سنگھ کی امداد کے لیے شاہ گنج پر حملہ تھا۔ وہ مقامی سردار ہے جس نے انحراف کا سودا کر کے حال ہی میں انگریزوں سے صلح کر لی ہے اور جسے اس کے سابق مقامی اتحادی گھیرے ہوئے تھے۔ یہ مہم محض ایک فوجی گلگشت ثابت ہوئی اگرچہ لو اور ہیضے سے انگریزوں کو بڑا نقصان ہوا ہو گا۔ مقامی فوجی لڑے بغیر منتشر ہو گئے اور مان سنگھ انگریزوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس مہم کی آسان کامیابی، اگرچہ اسے سارے اودھ کو اسی طرح آسانی سے زیر کرنے کا اشارہ نہیں سمجھا جا سکتا، ثابت کرتی ہے کہ باغی مکمل طور پر ناامید

ہو چکے ہیں۔ اگر انگریزوں کا مفاد اس میں تھا کہ موسم گرما میں آرام کریں تو باغیوں کا مفاد مطالبہ کرتا تھا کہ وہ انہیں زیادہ سے زیادہ پریشان کریں۔ لیکن سرگرم چھاپہ مار لڑائی منظم کرنے، دشمن کے مقبوضہ شہروں کے درمیان رسل و رسائل میں حائل ہونے، دشمن کے چھوٹے دستوں پر گھات لگانے، تاخت و تاراج کرنے والوں کو پریشان کرنے، کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی کو کاٹ دینے کی بجائے جس کے بغیر انگریزوں کا کوئی بھی بڑا شہر زندہ نہیں رہ سکتا مقامی فوجی لگان وصول کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں اور اپنے مخالفوں کی دی ہوئی فرصت سے مزے اٹھا رہے ہیں۔ اور اس سے بھی بدتر یہ کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ اور نہ انہوں نے اپنی قوتوں کو از سر نو منظم کرنے، گولہ بارود کے ذخیروں کو پھر بھرنے یا کھوئے ہوئے توپ خانے کی جگہ نیا توپ خانہ حاصل کرنے کے لیے ان چند خاموش دنوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ شاہ گنج پر حملہ گزشتہ شکستوں کے مقابلے میں ان میں اپنی قوتوں اور اپنے رہنماؤں پر اعتماد کی زیادہ کمی دکھاتا ہے۔ اسی دوران میں سرداروں کی اکثریت اور برطانوی حکومت کے درمیان خفیہ خط و کتابت ہو رہی ہے جو اودھ کی ساری سرزمین کو ہڑپ کرنا ناقابل عمل سمجھتی ہے اور اس کے لیے بالکل تیار ہے کہ معقول شرائط پر سابق مالکان اسے پھر حاصل کر لیں۔ چنانچہ اب جبکہ انگریزوں کی آخری کامیابی شبہ سے بالا ہے اودھ میں بغاوت سرگرم چھاپہ مار لڑائی کے دور سے گزرے بغیر اپنی موت آپ مرنا چاہتی ہے۔ جونہی زمینداروں کی اکثریت انگریزوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لے گی تو باغی جماعتیں ٹوٹ جائیں گی اور جنہیں حکومت سے بہت زیادہ خوف ہے ڈاکو بن جائیں گے جن کی گرفتاری کے لیے کسان خوشی سے مدد کریں گے۔

اودھ کے جنوب مشرق میں جگدیش پور کے جنگل ایسے ڈاکوؤں کے لیے ایک اڈا فراہم کرتے ہیں۔ بانس اور جھاڑیوں کے ان ناگزار جنگلوں پر باغیوں کے ایک دستے کا قبضہ ہے جس کا رہنما امر سنگھ ہے جو چھاپہ مار لڑائی میں زیادہ سرگرمی اور علم دکھا رہا ہے۔ وہ جہاں بھی موقع ملتا ہے انگریزوں پر حملہ کرتا ہے بجائے اس کے کہ خاموشی سے انتظار کرتا رہے۔ اگر جیسا کہ ڈر ہے اودھ کے باغیوں کا ایک حصہ قبل

اس کے کہ اسے اپنے اڈے سے باہر نکال دیا جائے اس کے ساتھ ہو جاتا ہے تو پھر انگریزوں کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔ یہ جنگل تقریباً آٹھ ماہ سے باغی دستوں کے لیے جائے پناہ کا کام دے رہے ہیں جو کلکتہ سے الٰہ آباد تک گرانڈ ٹرنک روڈ کو بہت غیر محفوظ بنائے ہوئے ہیں جو انگریزوں کے رسل و رسائل کا بنیادی ذریعہ ہے۔

مغربی ہندوستان میں جنرل رابرٹس اور کرنل ہومز گوالیار کے باغیوں کا ہنوز تعاقب کر رہے ہیں۔ گوالیار پر قبضہ کرنے کے وقت یہ بہت اہم سوال تھا کہ پسپا ہونے والی فوج کونسی سمت اختیار کرے گی کیونکہ پورا مراٹھ واڑہ اور راجپوتانہ کا ایک حصہ جونہی باقاعدہ فوجی دستوں کی مضبوط جماعت وہاں پہنچ کر غدر کا مرکز بنا لے بغاوت کے لیے تیار ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جنوب مغربی سمت میں گوالیار فوج کی پسپائی انتہائی اغلب داؤں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن باغیوں نے شمال مغربی سمت منتخب کی ہے جسے ہم پیش نظر رپورٹوں سے نہیں سمجھ سکتے۔ پہلے وہ جے پور پہنچے، پھر جنوب میں اودے پور کی جانب، مراٹھ واڑہ جانے والے راستے کو حاصل کرنے کے لیے۔ لیکن اس چکردار مارچ نے رابرٹس کو موقع دیا کہ وہ انہیں آن پکڑے اور کسی خاص کوشش کے بغیر مکمل طور پر انہیں شکست دے دے۔ اس جماعت کی باقیات جن کے پاس نہ توپیں ہیں، نہ تنظیم اور گولے بارود اور نہ ممتاز رہنما ایسے لوگ نہیں ہیں جو نئی بغاوتوں کو ترغیب دیں۔ اس کے برعکس لوٹ مار کی زبردست مقدار جسے وہ اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں اور جو ان کی نقل و حرکت میں حائل ہوتی ہے کسانوں میں حرص پیدا کر چکی ہے۔ ہر بچھڑا ہوا سپاہی مار ڈالا جاتا ہے اور وہ سونے کے سکوں کے وزن سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ اگر حالت اس حد تک پہنچ گئی ہے تو جنرل رابرٹس ان سپاہیوں کے آخری انتشار کا کام اطمینان سے ملک کی آبادی پر چھوڑ سکتا ہے۔ جب سندھیا کے خزانوں کو اس کے فوجیوں نے لوٹا تو انگریز ایک نئی بغاوت سے بچ گئے جو ہندوستان کے مقابلے میں زیادہ خطرناک علاقہ ہے کیونکہ مراٹھ واڑے میں بغاوت بمبئی کی فوج کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیتی۔

ایک نئی بغاوت گوالیار کے پڑوس میں ہوئی ہے۔ سندھیا کا ایک چھوٹا باج گزار مان سنگھ (اودھ کا مان سنگھ نہیں) باغیوں میں شامل ہو گیا اور اس نے پوڑی کی گڑھی پر قبضہ کر لیا لیکن اس جگہ پر انگریزوں کا محاصرہ ہے اور اس پر جلد ہی قبضہ کر لیا جائے گا۔

اسی دوران میں مفتوح علاقوں کو بتدریج نرم کیا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کے آس پاس سر لارنس نے مکمل طور پر اتنا سکون پیدا کر دیا ہے کہ کوئی بھی یورپی غیر مسلح اور بغیر محافظ کے بالکل محفوظ سفر کر سکتا ہے۔ معاملے کا راز یہ ہے کہ ہر گاؤں کے لوگ ہر جرم اور زیادتی کے لیے جس کا ارتکاب اس کی سرزمین پر ہو مجموعی طور سے ذمے دار قرار دیئے جائیں گے، کہ فوجی پولیس منظم کی گئی ہے اور سب سے اول یہ کہ کورٹ مارشل کا فوری فیصلہ ہر جگہ زوروں پر ہے جو مشرقی لوگوں کے لیے خاص طور پر مرعوب کن ہے۔ اس کے باوجود یہ کامیابی استثنا معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہمیں دوسرے علاقوں سے ایسی باتیں سننے میں نہیں آئی ہیں۔ روہیل کھنڈ اور اودھ میں، بندھیل کھنڈ اور کئی دوسرے بڑے صوبوں میں مکمل امن و امان قائم کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہو گا اور برطانوی فوج اور کورٹ مارشلوں کو کافی کام کرنا پڑے گا۔

لیکن اگر ایک طرف ہندوستان میں بغاوت کی وسعتیں گھٹی ہیں جس کی وجہ سے اس سے فوجی دلچسپی تقریباً جاتی رہی ہے تو ایک دور دراز جگہ پر افغانستان کی انتہائی سرحد پر ایک واقعہ رونما ہوا ہے جو مستقبل میں مشکلات بڑھانے کا باعث بن سکتا ہے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی کئی سکھ رجمنٹوں میں اپنے افسروں کو قتل کرنے اور برطانیہ کے خلاف بغاوت کرنے کی سازش دریافت ہوئی ہے۔ یہ سازش کتنی شاخ در شاخ ہے ہم نہیں بتا سکتے۔ شاید یہ محض مقامی معاملہ ہو جو سکھوں کے کسی معین گروہ میں اٹھ رہا ہو۔ لیکن ہم ایسی حالت میں نہیں ہیں کہ اس کا دعویٰ کر سکیں۔ بہرحال یہ انتہائی خطرناک علامت ہے۔ برطانوی فوج میں اس وقت تقریباً ایک لاکھ سکھ ہیں، اور ہم نے سنا ہے کہ وہ کتنے بے باک ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں آج وہ

انگریزوں کے لیے لڑ رہے ہیں لیکن کل ان کے خلاف لڑ سکتے ہیں، جیسے خدا کی مرضی ہو۔ وہ بہادر، جذباتی، بے کل ہوتے ہیں۔ دوسرے مشرقی لوگوں کے مقابلے میں وہ اچانک اور غیر متوقع من کی موج کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اگر ان میں بغاوت سنجیدگی سے ہو گئی تو انگریزوں کو اپنے قدم جمائے رکھنے کے لیے سخت کوشش کرنی پڑے گی۔ ہندوستان کے مقامی باشندوں میں سکھ ہمیشہ انگریزوں کے انتہائی خطرناک دشمن رہے ہیں۔ ماضی میں انہوں نے ایک نسبتاً مضبوط سلطنت قائم کر لی تھی۔ وہ برہمنیت کا ایک خاص فرقہ اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں سے نفرت کرتے ہیں۔ انہوں نے برطانوی "راج" کو انتہائی خطرے کی حالت میں دیکھا ہے۔ اسے بحال کرنے کے لیے انہوں نے بڑی دین دی ہے اور انہیں یقین ہے کہ اس کام میں ان کا کردار فیصلہ کن تھا۔ تو اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اس خیال کو دل میں جگہ دیں: وقت آ گیا ہے کہ برطانوی راج کی جگہ سکھ راج لے اور ایک سکھ شہنشاہ دہلی یا کلکتہ سے ہندوستان پر حکمرانی کرے؟ ہو سکتا ہے کہ سکھوں میں ابھی تک یہ خیال ہنوز پختہ نہ ہوا ہو، ہو سکتا ہے انہیں اتنی چالاکی سے تقسیم کیا گیا ہو کہ یورپی ان میں توازن قائم رکھتے ہوں تاکہ کسی بھی بغاوت کو آسانی سے دبا دیا جائے۔ لیکن یہ کہ یہ خیال ان میں موجود ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہر اس شخص کے ذہن میں صاف ہو گا جس نے دہلی اور لکھنؤ کے بعد سکھوں کے رویے کے تذکرے پڑھے ہیں۔

بہرحال وقتی طور پر برطانیہ نے ہندوستان کو پھر فتح کر لیا ہے۔ عظیم بغاوت کا شعلہ جسے بنگال فوج کے غدر نے بھڑکایا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی بجھ رہا ہے۔ لیکن اس دوسری فتح نے ہندوستانی عوام کے ذہنوں پر انگلستان کی گرفت نہیں بڑھائی ہے۔ برطانوی فوج کے ہاتھوں بدلہ لینے کے لیے ظلم جسے مقامی لوگوں سے منسوب پاجی پن کی مبالغہ آمیز اور غلط اطلاعات مزید اکساتی ہیں اور سلطنت اودھ ضبط کرنے کی کوشش، تھوک اور خردہ دونوں نے، فاتحوں کے لیے کوئی خاص پسندیدگی پیدا نہیں کی ہے۔ اس کے برعکس وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں عیسائی دخل گیروں کے خلاف نفرت زیادہ شدید ہے۔ اس وقت یہ نفرت

مجہول ہو سکتی ہے لیکن اس کے مفہوم اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جب خطرے کا یہ بادل سکھ پنجاب پر منڈلا رہا ہے۔ اور یہی سب کچھ نہیں ہے، ایشیا میں دو عظیم طاقتیں انگلستان اور روس اس وقت سائبیریا اور ہندوستان کے درمیان ایک ایسے نقطے پر پہنچ گئی ہیں جہاں روسی اور انگریز مفادات براہ راست ٹکرا سکتے ہیں۔ یہ نقطہ پیکنگ ہے۔ تب مغرب کی جانب ایشیا کے براعظم کے عرض کے آرپار جلد ایک لکیر کھنچے گی جس پر حریف مفادات کا یہ تصادم مسلسل ہوتا رہے گا۔ تب وقت اس کے لیے واقعی زیادہ بعید نہ ہوگا جب "سپاہی اور قزاق جیحون کے میدانوں میں ملیں" اور اگر یہ ملاقات ہوئی تو ڈیڑھ لاکھ دیسی ہندوستانیوں کے برطانوی مخالف جذبات کے بارے میں سنجیدہ طور پر سوچنے کی ضرورت ہوگی۔

(فریڈرک اینگلز نے تقریباً 17 ستمبر 1858ء کو تحریر کیا۔ "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے شمارے 5443 میں یکم اکتوبر 1858ء کو اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا)

کارل مارکس

"ہندوستانی تاریخ کا خاکہ" سے

1856ء اودھ کا الحاق کیونکہ نواب کی حکومت بری تھی۔ پنجاب کے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے عیسائیت قبول کر لی۔ ڈلہوزی دستبردار ہو گیا، فخریہ "رخصتی نوٹ" چھوڑتے ہوئے، منجملہ دوسری چیزوں کے نہریں، ریلیں، بجلی تار گھر تعمیر کیے گئے، آمدنی میں 40 لاکھ پونڈ کا اضافہ ہوا۔ اودھ کے الحاق کو چھوڑ کر، کلکتہ سے تجارت کرنے والے جہازوں سے باربرداری تقریباً دگنی ہو گئی، درحقیقت پبلک حساب کتاب میں خسارہ لیکن اس کی وجہ سماجی کاموں پر بھاری خرچ بتائی گئی۔ اس شیخی کے جواب میں سپاہیوں کی بغاوت (1857—59ء) ہوئی۔

1857ء سپاہیوں کی بغاوت: چند سالوں سے سپاہیوں کی فوج بہت غیر منظم تھی۔ اس میں 40 ہزار سپاہی اودھ کے تھے جو ذات اور قومیت کے رشتے سے جڑے ہوئے تھے۔ فوج میں ایک مشترک جذبہ، افسروں نے ایک رجمنٹ کی توہین کی تو باقی سب نے شکایت کی، افسر بے بس، ڈسپلن کی کمی، اکثر غدر کے کھلے اقدام جو

کم و بیش مشکل سے دبائے گئے، بنگال فوج کا رنگون پر حملہ[106] کرنے کے لیے سمندر پار کرنے سے بالکل انکار، اس کی جگہ سکھ رجمنٹوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت (1852ء) (یہ سب پنجاب کے الحاق کے بعد شروع ہوا---- 1849ء---- اودھ کے الحاق کے بعد بدتر ہو گیا---- 1856ء) لارڈ کیننگ نے اپنا نظم و نسق من مانے عمل سے چلایا۔ اس وقت تک مدراس اور بمبئی کے سپاہی قاعدے کے مطابق تمام دنیا میں خدمت کے لیے بھرتی کیے جاتے تھے، بنگالی صرف ہندوستان میں خدمت کے لیے۔ کیننگ نے بنگال میں "عام خدمت کی بھرتی" کا قاعدہ نافذ کیا۔ "فقیروں" نے اسے ذات پات ختم کرنے کی کوشش سمجھ کر اس کی مذمت کی۔

1857ء کی ابتدا، (پام کے) کارتوس حال ہی میں سپاہیوں میں تقسیم کیے گئے جنہیں سور اور گائے کی چربی سے چکنا کیا گیا تھا، فقیروں نے کہا کہ وہ صریحاً ہر سپاہی کا دھرم بھرشٹ کرنے کے لیے ہیں۔

چنانچہ سپاہیوں کی بیرک پور (کلکتہ کے قریب) اور رانی گنج (بنکورا کے قریب) میں بغاوتیں۔

26 فروری، سپاہی بغاوت بیرام پور میں (ہگلی دریا پر، مرشد آباد کے جنوب میں)، مارچ میں بیرک پور میں سپاہیوں کی بغاوت۔ یہ سب بنگال میں بزور طاقت کچل دیا گیا۔)

مارچ اور اپریل، انبالہ اور میرٹھ کے سپاہی اپنی بارکوں کو مسلسل اور خفیہ طور پر آگ لگاتے ہیں۔ اودھ اور شمال مغرب کے اضلاع میں فقیروں نے عوام کو انگلستان کے خلاف مشتعل کیا۔ نانا صاحب، بٹھور (گنگا پر) کے راجہ نے روس اور ایران کے ساتھ، دہلی کے شہزادوں اور اودھ کے سابق بادشاہ سے سازباز کی اور چربی لگے ہوئے کارتوسوں کی بدولت سپاہیوں میں گڑبڑ سے فائدہ اٹھایا۔

24 اپریل، لکھنؤ میں 48 ویں بنگالی (رجمنٹ)، 3 ویں دیسی سوار فوج، 7 ویں اودھ بے قاعدہ فوج نے بغاوت کر دی جسے سر ہنری لارنس نے انگریز فوج لا کر دبا دیا۔

میرٹھ میں (دہلی کے شمال مشرق میں) 11 ویں اور 20 ویں دیسی پیدل فوج نے انگریزوں پر حملہ کر دیا، اپنے افسروں کو گولی سے اڑا دیا، شہر کو آگ لگا دی، تمام انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا اور دہلی روانہ ہو گئی۔ دہلی میں: رات کے وقت بعض باغی دہلی میں داخل ہوئے، وہاں سپاہیوں نے علم بغاوت بلند کر دیا (54 ویں، 74 ویں، 38 ویں دیسی پیدل رجمنٹیں) انگریز کمشنر، پادری، افسر قتل کر دیے گئے۔ 9 انگریز افسروں نے اسلحہ خانے کی مدافعت کی، اسے بھک سے اڑا دیا (2 کام آئے) شہر میں دوسرے انگریز جنگلوں میں بھاگ گئے۔ مقامی لوگوں کے ہاتھوں یا سخت موسم کی وجہ سے اکثر جاں بحق ہوئے۔ بعض بخیر و خوبی میرٹھ پہنچ گئے جسے سپاہیوں نے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن دہلی باغیوں کے قبضے میں۔

فیروزپور میں 45 ویں اور 57 ویں دیسی رجمنٹوں نے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، 61 ویں انگریز رجمنٹ نے پیچھے دھکیل دیا۔ لیکن اس نے شہر کی لوٹ مار کی، اسے آگ لگا دی، دوسرے دن سوار فوج نے قلعہ سے نکال کر بھگا دیا۔

لاہور میں، میرٹھ اور دہلی کے واقعات کی خبریں سن کر جنرل کوربیٹ کے حکم پر سپاہیوں کو عام پریڈ کے لیے جمع کیا گیا اور نہتا کر دیا گیا (انگریز فوج نے گھیر لیا جس کے پاس توپیں تھیں)

20 مئی، (لاہور کی طرح) پشاور میں 64 ویں، 55 ویں، 39 ویں دیسی پیدل رجمنٹوں کو نہتا کر دیا گیا۔ پھر باقی دستیاب انگریزوں اور وفادار سکھوں نے نوشہرہ اور مردان کے گھرے ہوئے قلعوں کو آزاد کر لیا، اور مئی کے آخر میں انبالہ کے بڑے قلعہ کو جہاں قریب کے قلعوں سے آئی ہوئی کئی یورپی رجمنٹیں بطور محافظ فوجوں کے

جمع ہوگئی تھیں۔ یہاں جنرل اینسن کے تحت ایک فوج کا مرکز قائم کیا گیا... پہاڑی گڑھ شملہ انگریز خاندانوں سے بھرا ہوا تھا جہاں وہ موسم گرما میں مقیم تھے، اس پر حملہ نہیں کیا گیا۔

25 مئی، اینسن نے اپنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ دہلی تک مارچ کیا۔ 27 مئی کو وہ مرگیا اور اس کی جگہ سرہنری برنارڈ نے لے لی۔ 7 جون کو آخر الذکر میں جنرل ولسن کے تحت انگریزی دستے شامل ہوگئے (جو میرٹھ سے آئے تھے، انہوں نے مقامی سپاہیوں سے راستے پر بعض لڑائیاں لڑیں)

تمام ہندوستان میں بغاوت پھیل گئی۔ 20 مختلف مقامات میں بیک وقت سپاہیوں کی بغاوتیں اور انگریزوں کا قتل۔ خاص مناظر: آگرہ، بریلی، مراد آباد۔ سندھیا "انگریز کتوں" کا وفادار لیکن اس کی فوج نہیں۔ پٹیالہ کے راجہ نے ---- شرم کی بات ہے! ---- انگریزوں کی مدد کے لیے سپاہیوں کی بڑی تعداد بھیجی۔

میں پوری میں (شمال مغربی صوبے) ایک نوجوان وحشی لیفٹیننٹ دے کانتزف نے خزانے اور قلعے کو بچالیا۔ کانپور میں 6 جون 1857ء ناناصاحب (مقامی سپاہیوں 3 رجمنٹوں اور مقامی سوار فوج کی 3 رجمنٹوں کی کمان سنبھال لی جنہوں نے کانپور میں بغاوت کی، اور کانپور فوج کے کمانڈر سرہیو وہیلر کے پاس (انگریز) پیدل فوج کی صرف ایک بٹالین تھی اور اسے باہر سے تھوڑی سی کمک حاصل ہوئی تھی۔ وہ قلعہ اور بارکوں پر قابض رہا جہاں تمام انگریز لوگ، عورتیں اور بچے بھاگ کر آئے تھے) نے سرہیو وہیلر کا محاصرہ کرلیا۔

26 جون 1857ء، ناناصاحب نے پیشکش کی کہ اگر کانپور حوالے کردیا گیا تو تمام یورپی بخیر و عافیت پسپا ہوسکتے ہیں۔ 27 جون (وہیلر نے پیشکش قبول کرلی) بقیہ 400 کو کشتیوں پر سوار ہونے اور گنگا پر سفر کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ناناصاحب نے ان پر دونوں طرف سے گولی چلائی۔ ایک کشتی بھاگ نکلی۔ نشیب میں

اس پر حملہ کیا گیا، ڈبو دی گئی، ساری محافظ فوج کے صرف 4 آدمی بچ کر بھاگ سکے۔ ایک کشتی ریتیلے کنارے پر بری طرح پھنس گئی تھی، عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی، انہیں پکڑلیا گیا، کانپور لائے گئے، قیدیوں کی طرح بند رکھا گیا۔ 14 دن کے بعد (جولائی میں) باغی سپاہی فتح گڑھ (فوجی قلعہ فرخ آباد سے 3 میل) مزید انگریز قیدی وہاں لائے گئے۔

کیننگ کے حکم پر فوجیں مدراس، بمبئی اور لنکا سے بھیجی گئیں۔ 23 مئی کو نیل کے تحت مدراس سے کمک آئی اور بمبئی کی فوج دریائے سندھ کے کنارے لاہور روانہ ہوگئی۔

17 جون، سرپیٹرک گرانٹ (بنگال میں اینسن کی جگہ کمانڈر ان چیف) اور جنرل ہیولاک، ایجیٹن جنرل، کلکتہ پہنچے اور پھر فوراً آگے روانہ ہوگئے۔

6 جون، الہ آباد میں سپاہیوں نے بغاوت کردی، (انگریز) افسروں کا بیویوں اور بچوں کے ساتھ قتل عام کیا، قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جس کی مدافعت کرنل کیمپس کر رہے تھے جنہیں 11 جون کو کرنل نیل سے امداد ملی، کلکتہ سے مدراس کی بندوقچی فوج۔ آخر الذکر نے سارے سکھوں کو بھگایا، قلعہ پر قبضہ کرلیا، جگہ کی صرف انگریزوں نے حفاظت کی (راستے میں اس نے بنارس تسخیر کرلیا اور 37 ویں دیسی پیدل رجمنٹ کو شکست دی جو بغاوت کی پہلی منزل میں تھی۔ دیسی سپاہی بھاگ گئے) چاروں طرف سے (انگریز) فوجیں الہ آباد آنے لگیں۔

30 جون، جنرل ہیولاک الہ آباد آئے، کمان ہاتھ میں لی اور تقریباً ایک ہزار انگریزوں کو ساتھ لے کر کانپور کو کوچ کیا۔ 12 جولائی کو فتح پور میں دیسی سپاہیوں کو پیچھے دھکیل دیا، وغیرہ، کچھ اور فوجی اقدام۔

16 جولائی، ہیولاک کی فوج کانپور کے مضافات میں، ہندوستانیوں کو شکست دے

دی لیکن قلعہ بندی میں داخل ہونے میں بہت دیر ہوگئی۔ رات کے وقت نانا نے تمام انگریز قیدیوں کو قتل کر دیا۔ افسر، خواتین، بچے۔ پھر اسلحہ خانہ کو بھک سے اڑا دیا اور شہر چھوڑ دیا۔ 17 جولائی، انگریز فوج اس مقام میں داخل ہوئی۔ ہیولاک نے نانا کی پناہ گاہ بٹھور کوچ کیا، کسی مزاحمت کے بغیر اس پر قبضہ کر لیا، محل تباہ کر دیا، قلعہ کو بھک سے اڑا دیا اور پھر کانپور واپس مارچ کیا۔ وہاں انھوں نے مرکز کی حفاظت کرنے اور تھامے رکھنے کے لیے نیل کو چھوڑ دیا اور خود ہیولاک مدد کے لیے لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ وہاں سرہنری لارنس کی کوششوں کے باوجود ریزیڈنسی کے علاوہ سارا شہر باغیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔

30 جون، ساری محافظ فوج نے پڑوس میں باغیوں کی ایک جماعت کے خلاف کوچ کیا، پسپا کر دی گئی، ریزیڈنسی میں پناہ لی، یہ جگہ محاصرے میں تھی۔

4 جولائی، سرہنری لارنس کا انتقال (2 جولائی کو بم پھٹنے سے زخمی ہوئے) کرنل انگلیز نے کمان سنبھال لی۔ وہ تین ماہ تک سنبھالے رہے کبھی کبھی محاصرہ توڑ کر محاصرین پر حملہ کر کے۔ ہیولاک کی کارروائیاں[107] آخر الذکر کی کانپور میں واپسی کے بعد سرجیمس اوٹرم فوج کی بڑی تعداد کے ساتھ ان کے شریک ہوگئے اور انھوں نے مختلف باغی ضلعوں کی کئی علیحدہ رجمنٹوں کی کمکیں روانہ کیں۔

19 ستمبر، ہیولاک، اوٹرم اور نیل کی کمان میں ساری فوج نے گنگا کو پار کیا، انھوں نے عالم باغ پر حملہ کیا، لکھنؤ سے 8 میل دور اودھ کے بادشاہوں کے گرما محل پر قبضہ کیا۔

25 ستمبر، لکھنؤ پر آخری بار جھپٹ ماری گئی، ریزیڈنسی پہنچے جہاں متحدہ فوج کو تنگ محاصرے میں دو ماہ اور ٹھہرنا پڑا (جنرل نیل شہر میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ اوٹرم کا بازو شدید طور پر زخمی ہوگیا۔)

20 ستمبر، دہلی پر قبضہ کر لیا گیا، جنرل ولسن کی رہنمائی میں چھ دن کی لڑائی کے بعد ہڈسن آگے آگے گھوڑے پر محل میں داخل ہوا، بوڑھے بادشاہ اور ملکہ (زینت محل) کو گرفتار کیا۔ انھیں جیل میں بند کر دیا گیا، اور ہڈسن نے خود اپنے ہاتھوں سے (گولی مار کر) شہزادوں کی جان لی۔ دہلی میں محافظ فوج جما دی گئی اور وہ خاموش ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد کرنل گریٹ ہیڈ دہلی سے آگرہ گئے جس کے قریب انھوں نے ہولکر کی راجدھانی اندور کے باغیوں کی ایک بڑی جماعت کو شکست دی۔

10 اکتوبر، انھوں نے آگرہ تسخیر کر لیا، پھر کانپور روانہ ہوئے جہاں وہ 26 اکتوبر کو پہنچے۔ اسی دوران میں اعظم گڑھ، چھترا (ہزاری باغ کے قریب)، کھجوا اور دہلی کے ارد گرد دیہات میں کپتان بوئیلیو، میجر انگلش، پیل (آخر الذکر بحری بریگیڈ کے ساتھ، منظر عمل پر پہنچنے والے پروین اور فین کے سوار وطن سے کمک، رضاکاروں کی رجمنٹیں بھی) اور شاورز کے تحت انگریز فوج نے باغیوں کو شکست دی۔ اگست میں سرکالن کیمبل نے کلکتہ کی کمان سنبھال لی اور بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاری کرنے لگے۔

19 نومبر 1857ء، سرکالن کیمبل نے لکھنؤ کی ریزیڈنسی میں محصور محافظ فوج کو آزاد کیا (سرہنری ہیولاک 24 نومبر کو مر گئے) لکھنؤ سے۔

25 نومبر 1857ء، کالن کیمبل کانپور روانہ ہوگئے، یہ شہر پھر باغیوں کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

6 دسمبر 1857ء، کانپور کے سامنے کالن کیمبل کی فاتحانہ لڑائی۔ باغی بھاگ گئے، شہر کو ویران چھوڑ گئے، ان کا تعاقب کیا گیا اور سرہوپ گرانٹ نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ پٹیالہ میں کرنل سیٹن اور مین پوری میں میجر ہڈسن نے

باغیوں کو شکست دی- اور کئی دوسرے مقامات پر-

27 جنوری 1858ء دہلی کے بادشاہ کو ڈاز کے تحت کورٹ مارشل میں لایا گیا، وغیرہ- "مجرم" (مغل شاہی خاندان کا نمائندہ جو 1526ء میں قائم ہوا تھا!) کی حیثیت سے سزائے موت- اس سزا کو رنگون میں عمر قید بہ عبور دریائے شور میں تبدیل کر دیا گیا- سال کے آخر میں انہیں رنگون منتقل کر دیا گیا-

سر کالن کیمبل کی 1858ء کی مہم: 2 جنوری کو انہوں نے فرخ آباد اور فتح گڑھ کو تسخیر کر لیا، اپنے آپ کو کانپور میں جما لیا جہاں انہوں نے ہر جگہ سے تمام دستیاب فوجیں، رسد اور توپیں بھیجنے کا حکم جاری کیا- باغی لکھنؤ کے گرد جمع ہو گئے تھے جہاں سر جیمس اوٹرم انہیں روکے ہوئے تھے- کئی دوسرے حادثوں کے بعد 15 مارچ کو لکھنؤ پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا (کالن کیمبل اور سر جیمس اوٹرم وغیرہ کی رہنمائی میں)، شہر کی لوٹ مار جہاں مشرقی فن کے خزانے جمع ہیں- 21 مارچ کو لڑائی ختم- آخری توپ 23 تاریخ کو داغی گئی- بریلی کی طرف باغیوں کا فرار جن کے رہنما شہزادہ فیروز بخت، دہلی کے بادشاہ کے بیٹے، بٹھور کے نانا صاحب، فیض آباد کے مولوی اور اودھ کی بیگم حضرت محل تھے-

25 اپریل 1858ء کیمبل نے شاہجہاں پور پر قبضہ کر لیا- بریلی کے پاس موثر نے باغیوں کا حملہ پسپا کر دیا- 6 مئی کو محاصرے کی توپیں بریلی پر آگ برسانے لگیں اور جنرل جونس مراد آباد پر قبضہ کرنے کے بعد مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گئے- نانا اور ان کے حامی بھاگ گئے، بریلی پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا گیا- اسی دوران میں شاہجہاں پور کو جو باغیوں سے گھرا ہوا تھا جنرل جونس نے آزاد کرا لیا- لوگارڈ کے ڈویژن پر لکھنؤ سے کوچ کے وقت حملہ کیا گیا، کنور سنگھ کی رہنمائی میں باغیوں کے ہاتھوں سخت شکست کھائی- تھوڑے عرصے بعد فیض آباد کے مولوی مارے گئے اور اس سے پہلے سر ہوپ گرانٹ نے بیگم کو شکست دے دی جو نئی فوج جمع کرنے گھاگرا دریا بھاگ

گئی تھیں-

1858ء کے وسط جون میں، باغیوں کو تمام مرکزوں میں شکست ہوئی- مشترکہ اقدام کے نااہل- لیڈروں کے گروہوں میں بٹے ہوئے، انگریزوں کی منقسم فوجوں پر سخت دباؤ ڈالتے ہوئے- اقدام کے مرکز: بیگم، دہلی کے شہزادے اور نانا صاحب کے پرچم-

وسطی ہندوستان میں سر ہیو روز کی دو ماہ (مئی اور جون) کی مہم نے بغاوت پر آخری ضرب لگائی-

جنوری 1858ء روز نے راحت گڑھ، فروری میں ساگر اور گڑھ کوٹ پر قبضہ کر لیا، پھر جھانسی کو مارچ کیا جہاں رانی* ڈٹی ہوئی تھی-

یکم اپریل 1858ء تانتیا ٹوپی کے خلاف سخت اقدام، نانا صاحب کے چچازاد بھائی جنہوں نے جھانسی کو بچانے کے لیے کالپی سے کوچ کیا تھا- تانتیا کو شکست ہوئی-

4 اپریل کو جھانسی تسخیر کر لیا گیا، رانی اور تانتیا ٹوپی فرار ہو گئے، انگریزوں کا کالپی میں انتظار کیا- اس کی طرف کوچ کرتے ہوئے-

7 مئی 1858ء شہر کونچ میں دشمن کی طاقتور جماعت نے روز پر حملہ کیا- روز نے اسے نمایاں طور پر شکست دے دی-

16 مئی 1858ء روز نے کالپی سے چند میل دور، باغیوں کا محاصرہ کیا-

22 مئی 1858ء کالپی کا محاصرہ توڑنے کے لیے باغیوں نے بے دھڑک اقدام کیا- انہیں بری طرح شکست ہوئی، بھاگ گئے-

* لکشمی بائی- (ایڈیٹر)

23 مئی 1858ء روز نے کالپی پر قبضہ کر لیا۔ اپنے سپاہیوں کو آرام کرانے کے لیے جو موسم گرما (کی مہم) سے تھک گئے تھے وہاں چند دن ٹھہرے۔

2 جون نوجوان سندھیا (انگریزوں کے وفادار کتے) کو اسی کی فوج نے شدید لڑائی کے بعد گوالیار سے نکال دیا اور اس نے آگرہ بھاگ کر جان بچائی۔ روز نے گوالیار پر کوچ کیا۔ باغیوں کے سربراہ جھانسی کی رانی اور تانتیا ٹوپی نے

19 جون اس کے خلاف ـــــ لشکر پہاڑی (گوالیار کے سامنے) پر لڑائی کی، رانی ماری گئی، کافی قتل عام کے بعد اس کی فوج منتشر ہو گئی، گوالیار انگریزوں کے ہاتھوں میں۔

جولائی، اگست، ستمبر 1858ء کے دوران سر کالن کیمبل، سر ہوپ گرانٹ اور جنرل والپول زیادہ ممتاز باغیوں کے تعاقب اور ان تمام قلعوں پر قبضہ کرنے میں مصروف رہے ہیں جن پر اختیار بحث طلب تھا۔ بیگم آخری بار لڑائیاں لڑیں، پھر نانا صاحب کے ساتھ راپتی دریا کے پار انگریزوں کے وفادار کتے، نیپال کے جنگ بہادر کے علاقے میں بھاگ گئیں۔ اس نے انگریزوں کو اجازت دے دی کہ وہ اس کے ملک میں باغیوں کا تعاقب کریں۔ چنانچہ "پرجوش لٹیروں کے آخری گروپ منتشر ہو گئے۔" نانا اور بیگم پہاڑیوں میں چلے گئے اور ان کے حامیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

1859ء کا آغاز تانتیا ٹوپی کی چھپنے کی جگہ کا کھوج لگا لیا گیا، اس پر مقدمہ چلا اور پھانسی دی گئی۔ نانا صاحب کے متعلق "کہا جاتا ہے" کہ نیپال میں انتقال کر گئے۔ بریلی کے خان کو پکڑ لیا گیا اور گولی مار دی گئی۔ لکھنؤ کے مامو خاں کو عمر قید کی سزا دی گئی۔ دوسروں کو جلاوطن کر دیا گیا یا مختلف میعادوں کے لیے قید کیے گئے۔ باغیوں کی اکثریت نے ـــــ ان کی رجمنٹیں توڑ ڈالی گئی تھیں ـــــ ہتھیار ڈال دیے اور

رعیت بن گئے۔ اودھ کی بیگم نیپال میں کٹھمنڈو میں مقیم رہیں۔ اودھ کی سرزمین کی ضبطی، جسے کیننگ نے اینگلو انڈین حکومت کی جائیداد ہونے کا اعلان کیا! سر جیمس اوٹرم کی جگہ اودھ کا چیف کمشنر سر رابرٹ منٹگمری کو بنا دیا گیا۔

ایسٹ انڈیا کا خاتمہ: اسے جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی توڑ ڈالا گیا۔

دسمبر 1857ء پامرسٹن انڈین بل۔ فروری 1858ء میں بورڈ آف ڈائریکٹرز کے شدید احتجاج کے باوجود پہلی خواندگی منظور ہو گئی، لیکن لبرل کابینہ کی جگہ ٹوری نے لے لی۔

19 فروری 1858ء ڈزرائیلی کا انڈین بل نامنظور کر دیا گیا۔

2 اگست 1858ء لارڈ اسٹینلی کا انڈین بل منظور ہو گیا اور اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ۔ اب ہندوستان وکٹوریا "عظمیٰ" کی سلطنت کا ایک صوبہ ہے!

(کارل مارکس نے انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں تحریر کیا)

خط و کتابت

مارکس کی طرف سے اینگلز کو

(15 اگست 1857ء)

...... مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دہلی کے سلسلے میں انگریز جیسے ہی بارش کا موسم جائے گا پسپا ہونا شروع کر دیں گے۔ اس کی پیش گوئی کرتے وقت میں نے اپنی ذمے داری کا خطرہ مول لیا کیونکہ "ٹریبیون" میں مجھے فوجی ماہر کی حیثیت سے تمہاری نمائندگی کرنی تھی۔ قابل توجہ، اس مفروضے پر کہ تازہ ترین اطلاعات صحیح ہیں......

دہلی پر قبضے کی پیہم افواہیں خود کلکتہ کی حکومت پھیلا رہی ہے، اور جیسا کہ میں ہندوستانی اخبارات سے سمجھتا ہوں ان سے مدراس اور بمبئی پریذیڈنسیوں میں امن و امان قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ خط کے ساتھ میں تمہیں بطور تفریح دہلی کا نقشہ بھیج رہا ہوں لیکن اسے تم مجھے واپس بھیج دینا۔

اینگلز کی طرف سے مارکس کو

(رائڈ، 24 ستمبر 1857ء)

...... ہندوستان کے متعلق بات چیت کرنے کی تمہاری خواہش اس خیال کے بالکل مطابق ثابت ہوئی جو میرے ذہن میں پیدا ہوا کہ غالباً تم اس سارے معاملے کے بارے میں میری رائے سننا پسند کرو گے۔ ساتھ ہی مجھے یہ موقع مل گیا کہ نقشہ سامنے رکھ کر تازہ ترین ڈاک کے مواد کا مطالعہ کروں اور یہ ہے نتیجہ جس پر میں پہنچا۔

گنگا کے وسطی اور بالائی علاقے میں برطانوی پوزیشنیں اس قدر بکھری ہوئی ہیں کہ فوجی نقطۂ نظر سے واحد صحیح تدبیر یہ ہے کہ اس علاقے میں علیحدہ علیحدہ اور محصور محافظ فوجوں سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے بعد ہیولاک کی فوج اور دہلی فوج آگرے میں جمع ہو جائیں۔ آگرے اور گنگا کے جنوب میں پڑوسی مرکزوں کو اور گوالیار کو (وسط ہند کے راجوں کی خاطر) تھامے رکھنے کے لیے جیسے الٰہ آباد، بنارس اور دیناپور مقامی محافظ فوجوں اور کلکتہ کی محفوظ فوج کی مدد حاصل کی جائے۔ اس دوران میں عورتوں اور نہ لڑنے والی آبادی کا انخلا دریا کے بہاؤ کی طرف کے علاقے میں کرنا ہے تاکہ فوج پھر زود اثر ہو جائے، متحرک اکائیوں کے ذریعے قرب و جوار پر قابو پا سکے اور ذخیرے جمع کرے۔ اگر آگرے کو قبضے میں نہیں رکھا جا سکتا ہے تو کانپور پسپا ہونا یا الٰہ آباد تک بھی۔ مگر اس آخر الذکر مرکز کی آخر وقت تک مدافعت کرنی چاہیے کیونکہ یہ گنگا اور جمنا کے درمیان کے علاقے کے لیے کلید ہے۔

اگر آگرے کو تھاما رکھا جا سکتا ہے اور بمبئی کی فوج آزادی سے استعمال کی جا سکتی ہے تو بمبئی اور مدراس کی فوجیں احمد آباد اور کلکتہ کے عرض البلد کے ساتھ ساتھ جزیرہ نما پر قبضہ کر سکتی ہیں اور شمال کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے کالم

بھیج سکتی ہیں۔ بمبئی کی فوج اندور اور گوالیار سے گزرتی ہوئی آگرے تک اور مدراس کی فوج ساگر اور گوالیار سے گزرتی ہوئی آگرے تک اور جبل پور سے گزرتی ہوئی الہ آباد تک۔ آگرے تک نقل و حمل کے دوسرے راستے پنجاب سے نکلتے ہیں بشرطیکہ آخر الذکر پر قبضہ برقرار رہے اور کلکتہ سے دیناپور اور الہ آباد سے گزرتے ہوئے۔ چنانچہ نقل و حمل کے چار راستے ہوں گے، اور سوائے پنجاب کے پسپائی کے تین راستے ـــــ کلکتہ، بمبئی اور مدراس تک۔ آگرے میں جنوب کی فوج مرکوز کرنے سے وسط ہند کے راجوں کو مطیع کرنے اور کوچ کی ساری راہ پر بغاوت کو دبانے میں مدد ملے گی۔

اگر آگرے پر قبضہ نہیں رکھا جا سکتا تو مدراس کی فوج کو سب سے پہلے الہ آباد کے ساتھ نقل و حمل کے مستقل راستے قائم کرنے چاہئیں اور پھر الہ آباد کی فوج کے ساتھ آگرے پسپا ہو جانا چاہیے، جبکہ بمبئی کی فوج گوالیار پسپائی کرے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کی فوج کو صرف نچلے لوگوں میں سے بھرتی کیا گیا ہے اور اسی لیے وہ اتنی قابل اعتبار ہے۔ بمبئی میں ہر بٹالین میں 150 یا زیادہ ہندوستانی ہیں اور وہ خطرناک ہیں کیونکہ وہ دوسروں کو بغاوت کرنے پر اکسا سکتے ہیں۔ اگر بمبئی کی فوج میں بغاوت ہو سکتی ہے تو وقتی طور پر ہمیں تمام فوجی پیشین گوئیوں کو خدا حافظ کہنا پڑے گا۔ صرف جس بات کا یقین ہے وہ کشمیر سے لے کر راس کماری تک زبردست قتل عام ہے۔ اگر بمبئی کی صورت حال ایسی ہے کہ باغیوں کے خلاف فوج کو استعمال نہیں کیا جا سکتا تو پھر کم از کم مدراس کے کالموں کو جو ناگپور سے آگے پیش قدمی کر چکے ہیں کمک پہنچانی چاہیے اور جتنی جلد ہو سکے الہ آباد یا بنارس سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔

موجودہ برطانوی پالیسی کی حماقت جو یکی اعلیٰ کمان کے مکمل فقدان کا نتیجہ ہے منظرعام پر خاص کر دو باہمی تکمیلی چیزوں کی شکل میں آ رہی ہے: اول، اپنی قوتوں کو تقسیم کر کے وہ بے شمار بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی چوکیوں کی شکل میں خود اپنی ناکہ بندی کرانے کا موقع دے رہے ہیں۔ اور دوم، وہ اپنے واحد متحرک کالم کو دہلی کے

قریب جما رہے ہیں جہاں وہ نہ صرف کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہے۔ جس جنرل نے دہلی کوچ کرنے کا حکم دیا اس کا کورٹ مارشل ہونا چاہیے اور اسے پھانسی پر لٹکانا چاہیے کیونکہ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا جس کا علم ہمیں بس حال ہی میں ہوا کہ انگریزوں نے پرانی دفاع کو اتنا زیادہ مضبوط کر لیا تھا کہ شہر پر قبضہ صرف باقاعدہ محاصرے سے کیا جا سکتا ہے جس میں 15 ہزار سے 20 ہزار تک لوگ حصہ لیں یا اس سے بھی زیادہ اگر اس قلعہ بندی کی مدافعت اچھی طرح کی جانے والی ہے۔ اب جبکہ وہ وہاں موجود ہیں سیاسی وجوہات کی بنا پر وہاں قیام کرنے پر مجبور ہیں: پسپائی شکست کے مترادف ہوگی لیکن اس کے باوجود وہ مشکل ہی سے اس سے اجتناب کر سکتے ہیں۔

ہیولاک کی فوج نے بہت کچھ کیا ہے۔ آٹھ دن میں 136 میل کی مسافت طے کرنا اور ایسی آب و ہوا اور ایسے موسم میں چھ یا آٹھ لڑائیاں لڑنا انسانی برداشت سے باہر ہے۔ لیکن اس کی فوج تھک گئی ہے اس لیے کانپور کے گرد چھوٹے چھوٹے فاصلوں پر مہموں میں جب اس کی طاقت مزید کم ہو جائے گی تو غالباً اس کی بھی ناکہ بندی کر دی جائے گی یا پھر اسے الہ آباد لوٹنا پڑے گا۔

از سر نو فتح کی حقیقی راہ گنگا کی وادی کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف ہے۔ خاص بنگال پر آسانی سے قبضہ رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے عوام بہت گر گئے ہیں۔ صرف دیناپور کے قریب ہی واقعی خطرناک علاقہ شروع ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دیناپور، بنارس، مرزاپور اور خاص کر الہ آباد انتہائی اہم ہیں۔ الہ آباد سے انگریز پہلے دو آبے (گنگا اور جمنا کے درمیان) کی تسخیر کر سکتے ہیں اور دونوں دریاؤں پر شہروں کو، پھر اودھ کو اور پھر باقی کو۔ مدراس اور بمبئی سے آگرے اور الہ آباد تک راستے محض ثانوی کارروائی کے راستے ہو سکتے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح اہم ترین بات ارتکاز ہے۔ جو کمک گنگا کو بھیجی گئی ہے وہ مکمل طور پر منتشر ہے۔ ابھی تک ایک آدمی بھی الہ آباد نہیں پہنچا ہے۔ شاید یہ ناگزیر ہو تاکہ یہ چوکیاں مستحکم کی جائیں یا ایسا نہیں ہے۔ ہر صورت میں دفاعی چوکیوں کی تعداد

کم سے کم کر دینا چاہیے کیونکہ میدان میں کارروائیوں کے لیے قوتوں کو مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کالن کیمبل جن کے متعلق ابھی تک ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ دلیر ہیں، اپنے آپ کو جنرل کی حیثیت سے ممتاز بنانا چاہتے ہیں تو انہیں ہر قیمت پر متحرک فوج تعمیر کرنا چاہیے، خواہ وہ دہلی چھوڑتے ہیں یا نہیں۔ اور جہاں بھی 25 سے 30 ہزار یورپی سپاہی ہیں صورت حال اتنی مایوس کن نہیں ہو سکتی کہ وہ کم از کم 5 ہزار جوانوں کو کوچ کے لیے جمع نہ کر سکے جن کے نقصانات دوسری چوکیوں کی محافظ فوجوں سے پورے کیے جا سکتے ہیں۔ صرف تبھی کیمبل سمجھیں گے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کے دوبدو کس قسم کا مدمقابل ہے۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ احمق کی طرح دہلی کے پاس آ کر وہاں ٹھہرے گا اور اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ یومیہ 100 کی شرح سے اس کے آدمی مر رہے ہیں اور اسے اور بھی زیادہ "شجاعت" سمجھے گا۔ وہ وہیں جما رہے گا یہاں تک کہ وہ سب ہلاک ہو جائیں۔ دلیر حماقت کا آج بھی چلن ہے۔

شمال میں میدانی جنگ کے لیے قوتوں کا ارتکاز، مدراس کی اور اگر ممکن ہے بمبئی کی زبردست امداد —— صرف ان کی ضرورت ہے۔ اگر نربدا کے کنارے کنارے مرہٹہ شہزادے خلاف بھی ہو جائیں تو یہ اہم نہیں ہو گا اس حقیقت کی وجہ سے کہ ان کی فوجیں تو باغیوں کے ساتھ مل چکی ہیں۔ ہر صورت میں جو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ اکتوبر کے آخر تک جمے رہا جائے جب یورپ سے نئی کمک آئے گی۔

لیکن اگر بمبئی کی دوسری دو رجمنٹوں نے بغاوت کر دی تو یہ سارے مسئلے کا فیصلہ کر دے گی کیونکہ منظر سے حکمت عملی اور طریقہ کار غائب ہو جائیں گے۔

اینگلز کی طرف سے مارکس کو

(3، ایڈورڈ پلیس، جرسی، 29 اکتوبر 1857ء)

...... دیسی سپاہیوں نے دہلی کے قلعہ کے اندر احاطے کی مدافعت بری طرح سے کی ہو گی۔ اہم بات سڑکوں پر لڑائی تھی جہاں دیسی فوج آگے بھیجی گئی۔ چنانچہ اصل محاصرہ 5 سے 14 تاریخ تک رہا۔ اس کے بعد محاصرہ نہیں رہا۔ اس کے لیے وقت کافی تھا کہ غیر محفوظ دیواروں میں بحری توپوں سے 300 سے 400 گز کے فاصلے سے جو 5 یا 6 تاریخ کو پہنچ گئی تھیں شگاف ڈال دیے جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیواروں پر توپیں بری طرح چلائی گئیں ورنہ انگریز ان کے نزدیک اتنی جلد نہ پہنچتے......

اینگلز کی طرف سے مارکس کو

(31 دسمبر 1857ء)

پیارے مور!

میں نے ہندوستانی خبروں والے اخبار سارے شہر میں تلاش کیے۔ دو دن ہوئے میں تمہیں اپنے "گارڈین" بھیج چکا ہوں۔ مجھے "گارڈین"، "اگزامنر"(108) اور "ٹائمز" کے وہ شمارے نہیں ملے اور ہیلفیلڈ کے ہاں بھی نہیں ہیں۔ میرا خیال تھا کہ تم نے منگل کو مضمون ختم کر لیا ہو گا۔ موجودہ حالات میں بھی مضمون نہیں لکھ سکتا اور یہ بات مجھے اور بھی ستاتی ہے کہ چار ہفتوں میں یہ میری پہلی سہ پہر ہے

جب مجھے دوسرے اشد معاملات کو نظرانداز کیے بغیر اسے لکھنے کا موقع ملا تھا۔ مستقبل میں جتنی جلد ممکن ہو فوجی مضامین کے متعلق اپنے فیصلے سے مجھے مطلع کر دینا۔ اس وقت ہر چوبیس گھنٹے میرے لیے بہت زیادہ وقت ہے۔

بہرحال اطلاعات بہت قلیل ہیں اور ہر چیز کانپور سے کلکتہ تار برقی کی خبروں پر مبنی ہے اس لیے واقعات پر تبصرہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ خاص نکات ذیل میں ہیں۔ کانپور سے لکھنؤ (عالم باغ) کا فاصلہ 40 میل ہے۔ ہیولاک کی تیز رفتار مارچیں ظاہر کرتی ہیں کہ ہندوستان میں 15 میل بڑا کوچ ہے جس پر کافی وقت صرف ہوگا۔ چنانچہ کالن کیمبل کو بس دو یا تین مارچیں کرنا ہے اور اسے ہر صورت میں کانپور چھوڑنے کے تیسرے دن عالم باغ پہنچنا چاہیے جب اچانک حملہ کرنے کے لیے دن کی کافی روشنی ہوگی۔ اسی لیے سے کالن کے کوچ کو دیکھنا چاہیے۔ مجھے تاریخیں یاد نہیں ہیں۔ دوسرے، ان کے پاس تقریباً 7 ہزار آدمی ہیں (یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کے پاس اور زیادہ ہیں مگر کلکتہ اور کانپور کے درمیان کوچ انتہائی برا رہا ہوگا اور بہت لوگ مرگئے ہوں گے) اور اگر انہوں نے اودھ والوں کو 7 ہزار آدمیوں سے شکست دے دی (جن میں عالم باغ اور لکھنؤ کی محافظ فوجیں بھی شامل ہیں) تو یہ کوئی کمال نہیں ہوگا۔ ہندوستان کے کھلے میدان میں 5000—7000 کی انگریزی فوج کے متعلق ہمیشہ یہ سمجھا گیا ہے کہ وہ ہر جگہ جا سکتی ہے اور ہر چیز کر سکتی ہے۔ وہ مخالفین کو فوراً شکست دے سکتی ہے۔ اس سیاق و سباق میں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اودھ والے اگرچہ گنگا کی وادی میں سب سے زیادہ جنگجو ہیں لیکن ڈسپلن، اتصال، اسلحہ وغیرہ کے لحاظ سے مقامی سپاہیوں سے کہیں کمتر ہیں کیونکہ وہ کبھی بھی یورپی تنظیم کے براہ راست تحت نہیں رہے ہیں۔ لہٰذا خاص لڑائی بھاگتے جانے اور لڑتے جانے کی تھی یعنی جھڑپیں جن میں اودھ والوں کو ایک چوکی سے دوسری چوکی دھکیل دیا گیا۔ یہ درست ہے کہ انگریز روسیوں کی طرح یورپ میں بدترین پیدل فوج ہیں، لیکن انہوں نے کرائمیا کی جنگ سے سیکھ لیا ہے اور ہر صورت حال میں انہیں اودھ والوں کے مقابلے میں یہ عظیم برتری حاصل تھی کہ جھڑپوں کی ان کی لائن کو مناسب

اور باقاعدہ طور پر ان قطاروں کی امداد مل رہی تھی، سب کچھ ایک کمانڈر کے تحت تھا اور واحد مقصد کی خاطر تھا۔ ان کے مقابلے میں ان کے حریف حسب معمول ایشیائی طریقے سے بے ترتیب غولوں میں منتشر ہوگئے اور ہر ایک محاذ پر زور لگانے لگا جس کی نہ تو صحیح دفاع تھی اور نہ محفوظ فوج اور ہر غول کی کمان اپنے اپنے قبیلے کے سردار کے ہاتھ میں تھی اور قبیلے ایک دوسرے سے بے تعلق رہ کر سرگرم عمل تھے۔ اس سے انگریزوں کو آسان نشانے مل گئے۔ اسے پھر دہرانا چاہیے کہ ابھی تک ہم نے ایسی ایک بھی مثال نہیں سنی ہے کہ ہندوستان میں کوئی بھی باغی فوج ایک تسلیم شدہ سربراہ کے تحت باقاعدہ قائم کی گئی ہو۔ لڑائی کی نوعیت کے متعلق اطلاعات کا کوئی ذکر نہیں ہے اور فوج کے استعمال کے متعلق کوئی تفصیلات نہیں ہیں، لہٰذا میں مزید کچھ مطلق نہیں کہہ سکتا (خاص کر یادداشت سے)......

مارکس کی طرف سے اینگلز کو

(14 جنوری 1858ء)

.... تمہارا مضمون اسلوب اور طرز کے لحاظ سے شاندار ہے اور "Neue Rheinische Zeitung"[109] کے بہترین دنوں کی یاد دلاتا ہے۔ جہاں تک ونڈھم کا تعلق ہے تو وہ بہت ہی برا جنرل ہوسکتا ہے لیکن اس وقت اسے بدقسمتی کا سامنا کرنا پڑا —— جو ریڈان میں اس کی خوش قسمتی تھی —— کہ لڑائی میں اس نے رنگروٹوں کی کمان کی۔ عام طور پر میری رائے یہ ہے کہ یہ دوسری فوج جسے انگریزوں نے ہندوستانیوں کے لیے وقف کر دیا ہے —— اس کا ایک بھی سپاہی واپس نہیں لوٹے گا —— بہادری، خود کفالتی اور مستعدی کے نقطۂ نظر سے پہلی فوج کا کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتی جس کا تقریباً صفایا ہوگیا۔ جہاں تک فوجیوں پر

آب و ہوا کے اثر کا تعلق ہے میں نے صحیح تخمینوں کے ذریعے مختلف مضامین میں دکھایا ہے---- جب تک کہ میں وقتی طور پر فوجی محکمہ چلاتا رہا---- کہ بتائی ہوئی سرکاری انگریز اطلاعات کے مقابلے میں موت کی شرح غیر متناسب طور سے زیادہ ہے۔ جب آدمیوں اور طلائی سکوں کا مسلسل نکاس انگریزوں کے لیے خرچیلا بن رہا ہے تو ہندوستان اب ہمارا بہترین اتحادی ہے......

مارکس کی طرف سے اینگلز کو

(9 اپریل 1859ء)

......ہندوستانی مالی ابتری کو ہندوستانی بغاوت کا اصلی نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ ایک عام تباہی ناگزیر ہوتی ہے بشرطیکہ ان طبقات پر محصولات عائد کیے گئے جو ابھی تک انگلستان کے پکے حامی ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر اس سے کوئی بڑی امداد نہیں ملے گی۔ بات یہ ہے کہ مشینری چلائے رکھنے کے لیے جان بل کو سال بہ سال 40 سے 50 لاکھ نقدی میں ہندوستان میں ادا کرنا پڑیں گے اور اس طرح بالواسطہ اپنا قومی قرضہ پھر سلسلے وار تناسب کے مطابق بڑھانا ہوگا۔ واقعی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مانچسٹر کے سوتی کپڑے کی ہندوستانی منڈی کے لیے قیمت کہیں زیادہ مہنگی پڑے گی۔ فوجی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق 200000 تا 260000 دیسی لوگوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں 80000 یورپی رکھے جائیں گے اور کئی برسوں تک۔ اس کا خرچہ لگ بھگ 2 کروڑ پونڈ ہوگا جبکہ کل آمدنی محض 205 کروڑ پونڈ ہوگی۔ علاوہ ازیں بغاوت نے 5 کروڑ پونڈ مستقل قرضے کا اضافہ کر دیا ہے یا ولسن کے تخمینے کے مطابق 30 لاکھ کا مستقل سالانہ خسارہ۔ اس کے علاوہ جب تک کہ وہ چالو ہوں ریلوں سے سالانہ 20 لاکھ پونڈ کی ضمانت اور مستقل طور پر ایک چھوٹی سی رقم اگر ان کی کل آمدنی 5

فیصدی تک نہ پہنچے۔ ابھی تک ہندوستان کو (سوائے ریلوے کی ایک چھوٹی سی لائن کے جو تیار ہے) اس سے کچھ نہیں ملا ہے سوائے اس کے کہ برطانوی سرمایہ داروں کو ان کے سرمائے کے بدلے 5 فیصدی ادا کرنے کا اعزاز۔ لیکن جان بل اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے یا اسے اسی کے سرمایہ داروں نے دھوکا دیا ہے۔ ہندوستان برائے نام ادا کرتا ہے، درحقیقت جان بل ہی ادا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اسٹیلی کے قرضے کا بڑا حصہ صرف انگریز سرمایہ داروں کو 5 فیصدی ادا کرنے پر صرف ہوا ان ریلوں کے لیے جنہیں انہوں نے ابھی تک تعمیر کرنا بھی شروع نہیں کیا ہے۔ اور آخر میں افیون کی آمدنی کے 40 لاکھ پونڈ کو چین کے ساتھ معاہدہ[110] سے خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ ہر صورت میں اجارہ داری لڑھکنے والی ہے اور خود چین میں افیون کی کاشت جلد بڑھنے والی ہے۔ افیون کی آمدنی کا دارومدار صرف اس حقیقت پر تھا کہ وہ خلاف قانون برآمد و درآمد کی جاتی تھی۔ میری رائے میں ہندوستانی جنگ کے مقابلے میں رواں ہندوستانی مالی تباہی زیادہ مہیب معاملہ ہے......

تشریحی نوٹ

(1) یہ مضمون "ہندوستان میں برطانوی راج" مارکس نے ان مباحثوں کے سلسلے میں لکھا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کے متعلق دارالعوام میں ہوئے تھے۔ مضمون "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" اخبار میں شائع ہوا۔

"نیویارک ڈیلی ٹریبیون" 1841ء سے 1924ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس کے بانی ہوریس گریلی ایک ممتاز امریکی صحافی اور سیاست دان تھے اور وہ چھٹی دہائی تک امریکی صحافی اور سیاست دان تھے اور وہ چھٹی دہائی تک امریکی وہگوں کے بائیں بازو کا ترجمان تھا جو بعد میں ری پبلکن پارٹی کا ترجمان بن گیا۔ پانچویں اور چھٹی دہائیوں میں اس کے خیالات ترقی پسند تھے اور اس نے غلامی کے خلاف استوار رویہ اختیار کیا۔ کئی ممتاز امریکی مصنف اور صحافی اس سے وابستہ تھے۔ چارلس ڈانا جن پر یوٹوپیائی سوشلزم کا خاصا اثر تھا پانچویں دہائی کے آخر میں اس کے مدیروں میں سے ایک تھے۔

اخبار سے مارکس کا تعلق اگست 1851ء سے ہوا اور یہ سلسلہ دس سال سے بھی زیادہ مارچ 1862ء تک جاری رہا۔ مارکس کی درخواست پر اینگلز نے بھی "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے لیے کئی مضامین لکھے۔ مارکس اور اینگلز نے جو مضامین "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے لیے تحریر کیے ان میں بین الاقوامی اور اندرونی پالیسی، مزدور طبقے کی تحریک، یورپی ممالک کی معاشی ترقی،

نوآبادیاتی طبقے کی تحریک، یورپی ممالک کی معاشی ترقی، نوآبادیاتی توسیع، مظلوم اور ماتحت ملکوں میں قومی تحریک آزادی وغیرہ کے بنیادی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ یورپ میں رجعت پرستی کے دور میں مارکس اور اینگلز نے سرمایہ دار سماج کے عیوب، اس کے ناقابل مصالحت تضادات اور بورژوا جمہوریت کی بندشوں کی ٹھوس مثالوں کی مدد سے پردہ دری کرنے کی غرض سے اس امریکی اخبار سے فائدہ اٹھایا جو وسیع پیمانے پر پڑھا جاتا تھا۔

بعض موقعوں پر "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے مدیروں نے مارکس اور اینگلز کے مضامین کے ساتھ بڑی آزادی کا سلوک برتا اور ان میں سے کئی مضامین کو بلا نام کے اداریوں کی شکل میں شائع کیا۔ ایسی بھی مواقع آئے جب انھوں نے متن میں تبدیلیاں کیں اور مضامین پر من مانی تاریخیں لکھیں۔ اس کے خلاف مارکس نے مسلسل احتجاج کیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں معاشی بحران کی وجہ سے جس کا اثر اخبار کے مالی حالات پر بھی پڑا تھا مارکس مجبور ہوگئے کہ 1857ء کی خزاں میں اپنے مضامین کی تعداد کم کر دیں۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے شروع میں "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے ساتھ مارکس کی وابستگی بالکل ختم ہوگئی۔ اس کی غالب وجہ یہ تھی کہ غلاموں کے مالک جنوب کے ساتھ مصالحت کر لینے کے حامی اخبار پر چھا گئے تھے اور انھوں نے اس کی پرانی ترقی پسند پالیسی کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

(2) ترک سوال سے مارکس کی مراد مشرق وسطیٰ میں عظیم طاقتوں کی خصومتیں ہیں جو سلطنت عثمانی خاص کر اس کے بلقان میں مقبوضات پر اپنا اثر بڑھانے کے لیے آپس میں دست و گریباں تھیں۔ آخرکار اس رقابت کا نتیجہ ایک طرف روس اور دوسری طرف برطانیہ، فرانس، ترکی اور سارڈینیا کے درمیان 1853-56ء کی مشرقی یا کرائمیا کی جنگ میں نکلا۔ کرائمیا کی جنگ کا فیصلہ کن نقطہ بحیرہ اسود کے روسی بحری اڈے سیواستوپول کا محاصرہ تھا جو گیارہ ماہ تک جاری رہا اور سیواستوپول کے ہتھیار ڈالنے پر ختم ہوا۔ لیکن سیواستوپول میں

روسی محافظ فوج کی ہٹیلی مدافعت نے اینگلو فرانسیسی ترک قوتوں کو کمزور کر دیا۔ وہ اس قابل نہیں رہیں کہ حملہ آور ہوتیں۔ جنگ 1856ء میں پیرس کے امن کے معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد ختم ہوگئی۔

سارڈینیائی سوال 1853ء میں اس وقت کھڑا ہوا جب آسٹریا نے پیومونٹ (سارڈینیا) سے سفارتی تعلقات ختم کر دیے۔ کیونکہ آخرالذکر نے 1848-49ء کی قومی تحریک آزادی اور 6 فروری 1853ء کو میلان کی مسلح بغاوت کے شرکا کو پناہ دی تھی جو لمبارڈی (تب آسٹریا کے ماتحت) سے ہجرت کر کے وہاں آئے تھے۔

سوئس سوال سے مارکس کا مطلب وہ تصادم ہے جو آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے درمیان اس لیے پیدا ہوا کہ 6 فروری 1853ء کو میلان میں ناکام مسلح بغاوت کے بعد اٹلی میں آسٹریا کے مقبوضہ اضلاع خاص کر لمبارڈی سے اطالوی تحریک آزادی کے شرکا نے سوئٹزرلینڈ کے ضلع تیسن میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

(3) حوالہ دارالعوام میں اس مسودۂ قانون پر بحث سے ہے جس کا تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کے نئے چارٹر سے تھا جس کا 1833ء کا پرانا چارٹر ختم ہوگیا تھا۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی جو 1600ء میں قائم ہوئی تھی، ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی پالیسی کا آلہ تھی۔ ہندوستان کی فتح جو 19 ویں صدی کی وسط میں مکمل ہوگئی تھی کمپنی کے نام پر برطانوی سرمایہ داروں نے کی تھی جسے ابتدا ہی سے ہندوستان اور چین کے ساتھ تجارت میں اجارہ داری حاصل تھی۔ کمپنی ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کی نگرانی و حکمرانی کرتی تھی۔ دفتری حکام مقرر کرتی تھی اور ٹیکس وصول کرتی تھی۔ چارٹروں میں اس کی تجارتی اور نظم و نسق کی مراعات معین کی جاتی تھیں جن کی تجدید میعادی طور پر پارلیمنٹ کیا کرتی تھی۔ 19 ویں صدی میں کمپنی کی تجارت کی اہمیت کم ہوگئی۔ 1813ء میں پارلیمنٹ کے ایک قانون نے اسے ہندوستان میں اپنی

تجارتی اجارہ داری سے محروم کر دیا۔ اس کی اجارہ داری چائے میں اور چین کے ساتھ تجارت میں برقرار رہی۔ 1833ء کے چارٹر کے مطابق کمپنی کی باقی تجارتی مراعات بھی ختم ہوگئیں اور 1853ء کے چارٹر نے ہندوستان پر حکمرانی کرنے کی اس کی اجارہ داری بھی کم کر دی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو زیادہ تر برطانوی تاج شاہی کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ اس کے ڈائریکٹر حکام کا تقرر کرنے کے حق سے محروم ہوگئے۔ ڈائریکٹروں کی تعداد 24 سے گھٹا کر 18 کر دی گئی جن میں سے 6 تاج شاہی نامزد کرتا تھا۔ بورڈ آف کنٹرول کے صدر کا درجہ ہندوستان کے سیکرٹری آف اسٹیٹ کے برابر کر دیا گیا۔ ہندوستان میں برطانوی مقبوضات پر علاقائی نگرانی کمپنی کے اختیار میں 1858ء تک جاری رہی جب وہ ختم کر دی گئی اور حکومت کو براہ راست تاج شاہی کا ماتحت بنا دیا گیا۔

(4) بورڈ آف ڈائریکٹرز: ایسٹ انڈیا کمپنی کا انتظامی ادارہ جس کے اراکین کمپنی کی باا ثر شرکاء اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کے ممبروں میں سے سالانہ منتخب کیے جاتے تھے جن کے کمپنی میں 2 ہزار پونڈ سے کم حصص نہیں ہوتے تھے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کا دفتر لندن میں تھا اور انہیں حصص داروں کے عام جلسے (مالکان کا کورٹ) میں منتخب کیا جاتا تھا اور کم از کم ایک ہزار پونڈ کے حصص داروں کو رائے دینے کا حق تھا۔ کورٹ کو 1853ء تک ہندوستان میں وسیع اختیارات حاصل تھے۔ جب 1858ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی توڑ دی گئی تو اسے بھی ختم کر دیا گیا۔

(5) ایسٹ انڈیا کمپنی کے نئے چارٹر پر جون 1853ء میں پارلیمنٹ میں مباحثے کے دوران بورڈ آف کنٹرول کے صدر چارلس وڈ نے دعویٰ کیا کہ ہندوستان پھول پھل رہا ہے۔ اپنے نکتے کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے دہلی کی ہم عصر حالت کا مقابلہ اس وقت سے کیا جب 1739ء میں ایرانی حملہ آور نادر شاہ (قلی خان) نے اسے تہس نہس اور تباہ کر دیا تھا۔

(6) ہپٹارکی (سات بادشاہوں کی حکومت) برطانوی تاریخ میں یہ اصطلاح انگلستان میں اس سیاسی نظام کو بتاتی ہے جو ازمنہ وسطیٰ کی ابتدا میں رائج تھا جب ملک 7 اینگلو سیکسن بادشاہوں میں بٹا ہوا تھا (چھٹی یا آٹھویں صدی) مارکس اس اصطلاح کو مسلمانوں کی تسخیر سے پہلے دکن کی جاگیری تقسیم کے لیے تشبیہ کی طرح استعمال کرتے ہیں۔

(7) Laissez Faire, Laissez Allers آزاد تجارت کے بورژوا ماہرین اقتصادیات کا فارمولا جو آزاد تجارت اور معاشی رشتوں میں ریاست کی عدم مداخلت کی وکالت کرتے تھے۔

(8) مارکس نے دارالعوام کی ایک سرکاری رپورٹ نقل کی ہے جو 1812ء میں شائع ہوئی تھی۔ اقتباس کیمبل کی کتاب "جدید ہندوستان: شہری حکومت کے نظام کا خاکہ" سے ہے جو لندن سے 1852ء میں شائع ہوئی تھی۔

(9) "شاندار" انقلاب: یہ اصطلاح انگریز بورژوا تاریخ دانوں نے 1688ء کی اقتدار کی ہڑپ کے لیے استعمال کی تھی جس نے جیمس دوئم کا تختہ الٹ دیا جس کی حامی زمیندار رجعت پرست اشرافیہ تھی اور آرنج کے ولیم سوم کو اقتدار سپرد کیا جس کے رابطے زمیندار کاروباری اور چوٹی کے تجارتی حلقوں سے تھے۔ 1688ء کی اقتدار کی ہڑپ نے پارلیمنٹ کے اختیارات بڑھا دیے جو بتدریج ملک کے اقتدار کا اعلیٰ ادارہ بن گیا۔

(10) سات سالہ جنگ (1756-63ء) یورپی طاقتوں کے دو اتحادوں یعنی اینگلو پروشیائی اور فرانسیسی روسی آسٹریائی کے درمیان جنگ۔ جنگ کے خاص اسباب میں سے ایک انگلستان اور فرانس کے درمیان نوآبادیاتی اور تجارتی رقابت تھی۔ بحری لڑائیوں کے علاوہ آخر الذکر دو طاقتوں کے درمیان جنگ و جدال ان کی امریکی اور ایشیائی نوآبادیوں میں بھی ہوا۔ مشرق میں جنگ کا خاص اڈا ہندوستان تھا جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی فرانس اور اس کے باج گزار راجوں کی مخالف تھی جس نے اپنی فوجی قوت کافی بڑھالی تھی اور جنگ سے

فائدہ اٹھا کر کئی ہندوستانی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ سات سالہ جنگ کے نتیجے میں فرانس ہندوستان میں اپنے سارے مقبوضات کھو بیٹھا (صرف پانچ ساحلی شہر اس کی نگرانی میں رہے جن کی قلعہ بندیاں وہ ختم کرنے پر مجبور ہو گیا) انگلستان کی نوآبادیاتی طاقت کافی بڑھ گئی۔

(11) جیمس مل، "برطانوی ہندوستان کی تاریخ": اس کتاب کی پہلی اشاعت 1818ء میں ہوئی تھی۔ یہ اقتباس 1858ء کی اشاعت سے ہے۔ جلد 5، کتاب 6، صفحات 60 اور 65۔ بورڈ آف کنٹرول کے فرائض منصبی کا اوپر کا حوالہ بھی مل کی کتاب سے دیا گیا ہے۔ (1858ء کی اشاعت، جلد 4، کتاب 5، صفحہ 395)

(12) جیکوبن دشمن جنگ: وہ لڑائی جو انگلستان نے 1793ء میں انقلابی فرانس کے خلاف شروع کی تھی جب ایک انقلابی جمہوری گروپ، جیکوبن فرانس میں صاحب اقتدار تھا۔ انگلستان نے یہ جنگ نپولین کی سلطنت کے خلاف بھی جاری رکھی۔

(13) اصلاحی بل: جس نے دارالعوام کے ممبر منتخب کرنے کا طریقہ بدلا۔ جون 1832ء میں منظور کیا گیا۔ اس بل کا مقصد زمیندار اور مالی اشرافیہ کی سیاسی اجارہ داری کم کرنا اور صنعتی بورژوازی کے نمائندوں کو پارلیمنٹ میں پہنچانے میں مدد کرنا تھا۔ پرولتاریہ اور پیٹی بورژوازی جو اصلاحات کی جدوجہد میں پیش پیش تھے، لبرل بورژوازی سے دھوکا کھا گئے اور انتخابی حقوق حاصل نہیں کیے۔

(14) مارکس نے ملک گیری کی جنگیں گنائی ہیں جو برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں لڑیں تاکہ ہندوستانی علاقوں پر قبضہ جمایا جائے اور اپنی خاص حریف --- فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کو کچلا جائے۔

کرناٹک کی جنگ مختلف وقفوں کے ساتھ 1746ء سے 1763ء تک جاری رہی۔ فریقین جنگ --- برطانوی اور فرانسیسی نوآبادکاروں --- نے ریاست کے مقامی دعویداروں کی حمایت کی آڑ میں کرناٹک پر قابض کرنا چاہا۔ انگریز

جنھوں نے جنوری 1761ء میں جنوبی ہند کے خاص فرانسیسی گڑھ پانڈیچری پر قبضہ کرلیا تھا آخرکار جیت گئے۔

1756ء میں برطانوی حملے سے بچنے کے لیے بنگال کے نواب نے جنگ شروع کی اور کلکتہ پر قبضہ کرلیا جو شمال مشرقی ہندوستان میں برطانوی اڈا تھا۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج نے کلائیو کے زیر کمان اس شہر پر پھر قبضہ کرلیا۔ بنگال میں فرانسیسی قلعہ بندیاں توڑ دیں اور 23 جون 1757ء کو پلاسی میں نواب کو ہرا دیا۔ بنگال میں جو انگریزوں کا باج گزار بن گیا تھا' 1763ء میں مسلح بغاوت کو کمپنی کے ہاتھوں کچل دیا گیا۔ بنگال کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے بہار پر بھی قبضہ کرلیا جو نواب بنگال کی حکمرانی میں تھا۔ 1803ء میں انگریزوں نے اڑیسہ کی تسخیر مکمل کرلی جو کئی مقامی جاگیری ریاستوں پر مشتمل تھا جنہیں کمپنی اپنا ماتحت بنائے ہوئے تھی۔

92-1790ء اور 1799ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے خلاف جنگیں چھیڑیں جس کا حکمران ٹیپو سلطان انگریزوں کے خلاف پچھلی مہموں میں حصہ لے چکا تھا اور جو برطانوی نوآبادیاتی نظام کا کٹر دشمن تھا۔ ان میں سے پہلی جنگ میں میسور نے اپنا آدھ علاقہ کھو دیا جس پر کمپنی اور اس کے پٹھو راجوں نے قبضہ کرلیا۔ دوسری جنگ میسور کی مکمل شکست اور ٹیپو سلطان کی موت پر ختم ہوئی۔ میسور باج گزار ریاست بن گئی۔

باج گزاری نظام یا نام نہاد امداد کے اقرارنامے وہ طریقہ تھا جس کے ذریعے ہندوستانی ریاستوں کے فرمانروا ایسٹ انڈیا کمپنی کے باج گزار بن جاتے تھے۔ زیادہ تعداد میں ایسے اقرار نامے تھے جن کے تحت راجوں کو اپنے علاقے میں کمپنی کی فوج کا خرچ برداشت کرنا (امداد کرنا) پڑتا تھا اور ایسے معاہدے جن کے مطابق راجوں کو سخت شرائط پر قرضے لینا پڑتا تھا' اگر انہیں پورا نہیں کیا جاتا تھا تو ان کی ریاستیں ضبط کرلی جاتی تھیں۔

(15) 42-1838ء کی پہلی اینگلو افغان جنگ جسے برطانیہ نے چھیڑا۔ اس کا مقصد

افغانستان کی تسخیر تھی لیکن برطانوی نوآبادکاروں کو منہ کی کھانی پڑی۔

1843ء میں برطانوی نوآبادکاروں نے سندھ پر قبضہ کرلیا۔ 42-1838ء کی اینگلو افغان جنگ کے دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے دھمکیاں اور تشدد اختیار کیا تاکہ سندھ کے جاگیری حکمراں برطانوی فوج کو ان کے علاقوں سے گزرنے کی اجازت دے دیں۔ اس سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ نے 1843ء میں مطالبہ کیا کہ مقامی جاگیری راجے اپنے آپ کو کمپنی کا باج گزار اعلان کردیں۔ باغی بلوچی قبائل کو کچلنے کے بعد سارے علاقے کو برطانوی ہند میں ملحق کرلیا گیا۔

سکھوں کے خلاف 46-1845ء اور 49-1848ء کی برطانوی مہموں کے بعد پنجاب کو فتح کرلیا گیا۔ 17 ویں صدی کے آخر میں سکھ دھرم کی مساوات کی تعلیمات (ہندو دھرم اور اسلام میں توافق پیدا کرنے کی ان کی کوشش) ہندوستانی جاگیرداروں اور افغان حملہ آوروں کے خلاف کسان تحریک کا نظریہ بن گئیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا سکھوں میں سے ایک جاگیردارانہ گروپ ابھرا جس کے نمائندے سکھ ریاست کے سربراہ تھے۔ 19 ویں صدی کے آغاز میں انہوں نے سارا پنجاب اور پڑوسی علاقے اس میں ملحق کرلیے۔ 1845ء میں برطانوی نوآبادکاروں نے سکھ اشرافیہ میں سے غداروں کی حمایت حاصل کرلی اور سکھوں سے تصادم مشتعل کیا اور 1846ء میں سکھ ریاست کو باج گزار بنالیا۔ 1848ء میں سکھوں نے بغاوت کی لیکن 1849ء میں انہیں مکمل طور پر مطیع کرلیا گیا۔ پنجاب کی فتح کے بعد سارا ہندوستان برطانوی مقبوضہ بن گیا۔

(16) ٹامس منرو' "انگلستان اور ایسٹ انڈیا کے درمیان تجارت پر مباحثہ: نوع بنوع اعتراضات کا جواب جو اس کے خلاف کیے جاتے ہیں۔ (لندن' 1621ء)

(17) جوزیا چائلڈ' "ایک رسالہ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے تجارت ساری بیرونی تجارتوں میں سب سے زیادہ قوی ہے" لندن 1681ء

مصنف کے فرضی نام "محب وطن" سے شائع ہوا۔

(18) جان پولیکسفن "انگلستان اور ہندوستان اپنی اپنی صنعتی پیداواروں میں بے جوڑ ہیں" ایک رسالے کو جواب جس کا عنوان ہے: "ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت پر مضمون" لندن، 1697ء۔

(19) برما کی تسخیر برطانوی نوآبادکاروں نے 19 ویں صدی کی ابتدا میں شروع کی۔ 26-1824ء کی پہلی برمی جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج نے آسام صوبے پر قبضہ کرلیا جو بنگال اور ساحلی اضلاع اراکان اور تیناسیرم کے درمیان واقع ہے۔ دوسری برمی جنگ (1852ء) میں انگلینڈ کا صوبے پیگو پر قبضہ ہوگیا۔ چونکہ دوسری برمی جنگ ختم ہونے کے بعد امن کے کسی عہدنامے پر دستخط نہیں ہوئے تھے اس لیے 1853ء میں برما کے خلاف ایک نئی مہم کی توقع تھی اور برما کے نئے بادشاہ نے جس نے اقتدار فروری 1853ء میں حاصل کیا تھا پیگو کی تسخیر تسلیم نہیں کی تھی۔

(20) ڈکنسن "دفترشاہی کے تحت حکومت ہند" لندن و مانچسٹر، 1853ء ہندوستانی اصلاح کی انجمن نے شائع کی۔ شمارہ 6۔

(21) سترہویں صدی کے وسط میں مرہٹوں نے مغل شہنشاہوں کے غلبے کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی جس سے سلطنت مغلیہ پر بڑی ضرب پڑی اور اس کے زوال میں معاونت ملی۔ اس جدوجہد سے ایک آزاد مرہٹہ ریاست وجود میں آئی جس کے جاگیری حکمرانوں نے جلد ہی ملک گیری کی جنگیں شروع کر دیں۔ 17 ویں صدی کے آخر میں اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے مرہٹہ ریاست کمزور ہوگئی لیکن 18 ویں صدی کے شروع میں پھر اس نے مرہٹہ ریاستوں کے مضبوط وفاق شکل اختیار کرلی۔ ہندوستان کی قیادت کے لیے مرہٹہ جاگیری حکمرانوں نے افغانوں کا مقابلہ کیا اور 1661ء میں منہ توڑ شکست کھائی۔ ہندوستان پر برتری حاصل کرنے اور جاگیری حکمرانوں کے اندرونی جھگڑوں کے سبب سے اپنی طاقت کو کھو کر مرہٹہ ریاستیں ایسٹ انڈیا کمپنی کا شکار

ہوگئیں جس نے 5-1803ء کی جنگ میں انھیں ماتحت بنالیا۔

(22) زمین داری اور رعیت واری نظام: 18 ویں صدی کے آخر اور 19 ویں صدی کے اوائل میں برطانوی حکام نے ہندوستان میں نافذ کیے۔ زمیندار جنھیں عظیم مغلوں کے عہد میں زمین کی وراثت کا حق حاصل تھا جب تک وہ مظلوم کسانوں سے جمع کیے ہوئے لگان کا ایک حصہ حکومت کو ادا کرتے رہتے تھے انھیں برطانوی حکومت نے "استمراری زمینداری" کے 1793ء کے قانون کے تحت زمین کا مالک بنا دیا اور اس طرح زمیندار انگریز نوآبادکار حکام کے حامی طبقہ بن گئے۔ جوں جوں برطانیہ کی حکمرانی ہندوستان میں وسیع ہوئی زمینداری نظام کی توسیع ذرا ترمیم شدہ شکل میں کی گئی۔ نہ صرف بنگال، بہار اور اڑیسہ میں بلکہ دوسرے علاقوں میں بھی جیسے صوبہ متحدہ، صوبہ وسط اور مدراس صوبے کا ایک حصہ۔ جن علاقوں میں یہ نظام نافذ کیا گیا رعیت جو پہلے کسان برادری کے مساوی اراکین تھے اب زمینداروں کے مزارع بن گئے۔

رعیت واری نظام کے تحت جو 19 ویں صدی کے شروع میں جاری کیا گیا تھا مدراس اور بمبئی پریذیڈنسیوں میں رعیت کو سرکاری زمین کا قابض کہا گیا جسے اپنے قطعے کا محصول ادا کرنا لازمی تھا جسے ہندوستان کا برطانوی انتظامیہ من مانے طور پر مقرر کرتا تھا۔ ساتھ ہی رعیت کو اس زمین کے مالک کسان کہا جاتا تھا جسے وہ لگان پر لیتے تھے۔ قانونی لحاظ سے اس متضاد زمینی محصول کے نظام کا نتیجہ یہ نکلا کہ زمینی محصول اتنا زیادہ مقرر کیا گیا کہ کسان اسے ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔ وہ ہمیشہ بقایوں میں پھنسے رہنے لگے اور ان کی زمین بتدریج منافع خوروں اور سود خوروں کے ہتھے چڑھ گئی۔

(23) چیپمن "ہندوستان کی کپاس اور تجارت، برطانیہ عظمیٰ کے مفاد کے تعلق سے، بمبئی پریذیڈنسی میں ریلوے نقل و حمل پر رائے کے ساتھ" (لندن: 1851ء، صفحہ 91)

(24) کیمبل، "جدید ہندوستان: شہری حکومت کے نظام کا خاکہ" (لندن، 1852ء

صفحات 60-59

(25) عنوان 1857ء کے لیے مارکس کی نوٹ بک میں اندراج کے مطابق ہے۔

(26) مصنف کا اشارہ ہے شاہ اودھ کی معزولی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں اودھ کے الحاق کی جانب جسے برطانوی حکام نے موجود اقرارناموں کی خلاف ورزی کر کے 1856ء میں عملی جامہ پہنایا۔

(27) مصنف کا اشارہ ہے 57-1856ء کی اینگلو ایرانی جنگ کی طرف جو 19 ویں صدی کے وسط میں ایشیا میں برطانیہ کی جارحانہ نوآبادیاتی پالیسی کی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔ ریاست ہرات پر قابض ہونے کی ایرانی حکمرانوں کی کوشش جنگ کا بہانہ بنی۔ اس زمانے میں ریاست کی راجدھانی ہرات ایک تجارتی چوراہا اور فوجی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے ایک اہم مرکز تھا۔ اس لیے وہ ایران جسے اس مسئلے پر روس کی حمایت حاصل تھی اور افغانستان جس کی ہمت افزائی برطانیہ کرتا تھا کے درمیان تنازعہ کی جڑ بنی ہوئی تھی۔ جب اکتوبر 1856ء میں ایرانی فوج نے ہرات کی تسخیر کی تو برطانوی نوآبادکاروں نے اس کا بہانہ بنا کر ایران میں فوجی مداخلت کی تاکہ ایران اور افغانستان دونوں کو محکوم بنایا جائے۔ ایران کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی فوج ہرات بھیجی۔ لیکن اس وقت 59-1857ء میں ہندوستان میں قومی آزادی کے لیے مسلح بغاوت شروع ہوگئی اور برطانیہ ایران سے فوراً امن کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگیا۔ معاہدے کے تحت جس پر پیرس میں دستخط ہوئے مارچ 1857ء میں ایران ہرات پر اپنے تمام دعوؤں سے دست بردار ہوگیا۔ 1863ء میں ہرات کو امیر افغانستان کی سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔

(28) 59-1857ء کی بغاوت: برطانوی راج کے خلاف قومی آزادی کے لیے ہندوستانی عوام کی بغاوت، اس سے پہلے برطانوی نوآبادکاروں سے کئی مسلح جھڑپیں ہوچکی تھیں جنھوں نے نوآبادیاتی استحصال کے ظالمانہ طریقوں کے خلاف ہندوستانی آبادی کے تمام حلقوں کی عام نفرت کی شکل اختیار کرلی۔

بھاری محصولات کا بوجھ، ہندوستانی کسانوں کی لوٹ کھسوٹ اور کچھ جاگیردارانہ پرتوں کی جائیداد کی بے دخلی، آزاد ہندوستانی علاقوں کا الحاق کرنے کی پالیسی، محصول وصول کرنے کے لیے اذیتیں اور نوآبادیاتی تشدد کا بول بالا، ہندوستانی عوام کی قدیم روایات اور رسوم کی جانب نوآبادکاروں کی بالکل بے اعتنائی۔ بغاوت 1857ء کی بہار میں (تیاریاں 1856ء کی گرمیوں میں شروع ہوگئی تھیں) بنگالی فوج کی ان رجمنٹوں میں پھٹ پڑی جو شمالی ہندوستان میں مقیم تھیں۔ (سپاہی اینگلو انڈین فوج کے تنخواہ دار تھے جنہیں مقامی آبادی سے 18 ویں صدی کے وسط سے بھرتی کرنا شروع کیا گیا تھا۔ برطانوی حملہ آوروں نے انہیں ہندوستان کو فتح کرنے اور مفتوحہ صوبوں میں اقتدار قائم کرنے کے لیے استعمال کیا) سپاہی اس علاقے کے فوجی حکمت عملی کے مرکزوں اور توپ خانوں پر قابض تھے۔ اسی لیے وہ مسلح بغاوت کے فوجی قلب بن گئے۔ انہیں خاص کر اونچی ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے بھرتی کیا گیا تھا۔ سپاہیوں کی فوج بنیادی طور پر ہندوستانی کسانوں کی بے چینی کی عکاسی کرتی تھی۔ جو زیادہ تر سپاہیوں کو فراہم کرتے تھے اور شمالی ہندوستان (خاص کر اودھ) کی جاگیری اشرافیہ سے ایک حصہ جس کے افسروں سے سپاہیوں کا قریبی تعلق تھا۔ عوامی بغاوت جس کا مقصد غیر ملکی حکمرانی کا تختہ الٹنا تھا شمالی اور وسط ہند کے وسیع علاقوں میں پھیل گئی۔ خاص طور پر دہلی، لکھنؤ، کانپور، روہیل کھنڈ، وسطی ہندوستان اور بندیل کھنڈ میں بغاوت کی خاص محرک قوت کسان اور شہروں کے غریب دستکار تھے لیکن قیادت جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی جن کی اکثریت نے اس وقت غداری کی جب 1858ء میں نوآبادکاروں نے وعدہ کیا کہ ان کے مقبوضات انہیں کے ہاتھ میں رہیں گے۔ بغاوت کی ناکامی کا بنیادی سبب واحد قیادت اور کارروائیوں کے عام منصوبے کی کمی تھی جس کا سرچشمہ بڑی حد تک ہندوستان میں جاگیردارانہ عدم اتحاد، نسلیاتی طور پر بیچ میل آبادی اور ہندوستانی عوام میں مذہب اور ذات پات کی

تقسیم تھا۔ انگریزوں نے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ بغاوت کو کچلنے میں انہیں ہندوستانی جاگیرداروں کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی۔ کافی فوجی اور تکنیکی برتری دوسرا اہم سبب تھا۔ اگرچہ بغاوت میں ملک کے بعض حصے براہ راست شریک نہیں ہوئے (پنجاب، بنگال اور جنوبی ہند میں اسے پھیلنے سے روکنے میں انگریز کامیاب رہے) لیکن اس کا اثر سارے ہندوستان پر ہوا اور برطانوی حکام مجبور ہوگئے کہ وہ ملک میں نظام حکومت کی اصلاح کریں۔ ایشیا کے دوسرے ملکوں کی تحریک آزادی کے ساتھ مربوط ہو کر ہندوستانی بغاوت نے نوآبادکاروں کی پوزیشن کمزور کر دی۔ خاص طور پر اس نے افغانستان، ایران اور کئی دوسرے ایشیائی ملکوں میں ان کے جارحانہ منصوبوں کو کئی برسوں تک کے لیے ملتوی کروایا۔

(29) حوالہ ہے 58-1856ء میں چین کے ساتھ نام نہاد افیون کی دوسری جنگ کا۔ بہانہ اکتوبر 1856ء میں کینٹن میں برطانیہ اور چینی حکام کے درمیان انگریزوں کا مشتعل کردہ تصادم تھا۔ یہ تصادم اس وقت ہوا جب چینی حکام نے چینی جہاز "ایرو" کے عملے کو گرفتار کیا جس پر برطانوی جھنڈا تھا اور جو ناجائز طور پر افیون لے جا رہا تھا۔ چین میں لڑائیاں وقفوں سے جون 1858ء تک جاری رہیں اور ظالمانہ تین تسن کے معاہدے کے بعد ختم ہوئیں۔

(30) حوالہ ہے فورٹ ولیم کا۔ انگریزوں کا قلعہ جو کلکتہ میں 1696ء میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کا نام اس وقت کے انگلستان کے بادشاہ آرنج کے ولیم سوم کے اعزاز میں رکھا گیا۔ جب انگریزوں نے بنگال کو 1757ء میں فتح کرلیا تو حکومت کی عمارتیں اس قلعے میں آگئیں اور اس کا نام "حکومتِ بنگال" اور بعد میں "حکومتِ ہند" ہوگیا۔

(31) ٹائمز: ممتاز انگریزی قدامت پرست روزنامہ اخبار۔ لندن میں 1785ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔

(32) جزیرہ نمائے آئی بیریا کی جنگ 14-1808ء جس میں فرانس اور برطانیہ نے اسپین

اور پرتگال کی سرزمین پر آئی بیریا کے جزیرے نما میں لڑی۔ سارے جزیرے نما میں بیک وقت جنگ شروع ہوگئی جس میں اسپین اور پرتگال کے عوام نے فرانسیسی قبضے کے خلاف اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ اسپین کے عوام کی جدوجہد نے نپولین اول کے سیاسی اور فوجی منصوبوں کو ناکام بنانے میں مدد کی۔ روس میں 1812ء میں وہ زبردست ناکامی کے بعد اسپین سے اپنی فوج ہٹانے پر مجبور ہوگیا۔

(33) مصنف غالباً اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ برطانیہ کے دارالعوام کے ممبر پارلیمنٹ کے گرما کے اجلاسوں میں اپنی پارلیمانی ذمے داریوں کے مقابلے میں ذاتی مصروفیتوں اور تفریح کو اکثر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسپیکر اکثر تقریباً خالی ایوان سے مخاطب ہوتا ہے۔

(34) حوالہ ہے مونتسکیو کی کتاب "روما کی عظمت اور زوال کے اسباب پر غور و خوض" کا جس کی پہلی اشاعت 1734ء میں آمسٹرڈام سے بغیر مصنف کے نام کے ہوئی اور گبن کی کتاب "سلطنت روم کے زوال اور تباہی کی تاریخ" جس کا پہلا ایڈیشن لندن میں 88-1776ء میں نکلا۔

(35) مصنف حوالہ دیتے ہیں ٹوریوں کا۔ برطانیہ کی بڑے جاگیری اور مالیاتی اشرافیہ کی پارٹی۔ ٹوری پارٹی 17 ویں صدی میں قائم ہوئی اور اس نے ہمیشہ رجعت پسند اندرونی پالیسی کی وکالت کی اور برطانیہ کے نظام حکومت کے دقیانوسی اداروں کی ثابت قدمی سے پاسبانی کی۔ اس نے ہر جمہوری تبدیلی کی مخالفت کی۔ جب برطانیہ میں سرمایہ داری کا ارتقا ہوا تو ٹوریوں کا سابق سیاسی اثر بتدریج ختم ہوگیا اور پارلیمنٹ میں ان کی اجارہ داری بھی۔ 1832ء کی اصلاحات نے اس اجارہ داری پر پہلی ضرب لگائی جس نے صنعتی بورژوازی کے نمائندوں کے لیے پارلیمنٹ کے دروازے کھول دیئے۔ 1846ء میں اناج کے قوانین کی تنسیخ نے جو زمینداروں کے لیے مفید تھے برطانیہ کی پرانی جاگیری اشرافیہ کو معاشی طور پر کمزور بنا دیا اور اس سے پارٹی میں پھوٹ پڑ

گئی- چھٹی دہائی کے وسط میں ٹوری پارٹی منتشر ہونے لگی- اس کی طبقاتی ساخت بدل گئی اور وہ جاگیری اشرافیہ اور بڑے سرمایہ داروں کے اتصال کی عکاسی کرنے لگی- اس طرح چھٹی دہائی کے آخر میں اور ساتویں دہائی کے آغاز میں ٹوری پارٹی سے برطانیہ کی کنسرویٹو پارٹی ابھری-

(36) 1773ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان میں تین گورنر ہوتے تھے- کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں- ہر ایک کی ایک کونسل تھی جو کمپنی کے پرانے ملازمین پر مشتمل تھی- 1773ء کے "ریگولیٹنگ ایکٹ" نے کلکتہ کے گورنر کے تحت چار پر مشتمل کونسل مقرر کی جس کا لقب اب بنگال کا گورنر جنرل ہو گیا- گورنر جنرل اور کونسل کو اب کمپنی نہیں بلکہ قاعدے کے مطابق برطانوی حکومت پانچ سال کی مدت کے لیے نامزد کرتی تھی اور اس مدت سے پہلے کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی سفارش پر صرف بادشاہ انہیں برطرف کر سکتا تھا- ساری کونسل کے لیے اکثریت کی رائے لازمی تھے- اگر رائے برابر برابر ہوتی تو گورنر جنرل کا ووٹ فیصلہ کن ہوتا تھا- گورنر جنرل بنگال، بہار اور اڑیسہ کے شہری اور فوجی انتظامیہ کا نگراں تھا اور مدراس اور بمبئی پریزیڈنسیوں کا بھی کنٹرول کرتا تھا جو جنگ اور امن سے متعلق امور میں اس کے ماتحت تھیں- مخصوص معاملات میں آخرالذکر خود فیصلہ کر سکتی تھیں- 1784ء کے ایکٹ کے تحت بنگال کی کونسل تین ممبروں تک محدود کر دی گئی جن میں سے ایک کمانڈر ان چیف ہوتا تھا- 1786ء کے ضمنی ایکٹ کے تحت غیر معمولی حالات میں گورنر جنرل کو اختیار تھا کہ اپنی کونسل کے بغیر خود اقدام کرے اور کمانڈر انچیف کے فرائض منصبی سنبھال لے- 1833ء کے ایکٹ کے مطابق بنگال کا گورنر جنرل بنگال کا گورنر ہوتے ہوئے ہندوستان کا گورنر جنرل بنا دیا گیا- اس کی کونسل پھر چار ممبروں پر مشتمل ہو گئی اور کمانڈر انچیف کا پانچویں ممبر کی حیثیت سے اضافہ کیا جا سکتا تھا- گورنر جنرل اور اس کی کونسل کو سارے برطانوی ہند کے لیے قوانین بنانے کا اختیار دے دیا گیا-

بمبئی اور مدراس کی حکومتیں اس اختیار سے محروم کر دی گئیں- ان کے گورنروں کی کونسلیں دو ممبروں پر مشتمل تھیں- 1853ء کے ایکٹ کے تحت چار ممبروں کی کونسل کے علاوہ جس کے فرائض منصبی عاملہ ادارے کی طرح تھے بڑی قانون ساز کونسل موجود تھی جو گورنر جنرل، کمانڈر انچیف، بنگال کے چیف جسٹس اور اس کے تین ججوں میں سے ایک پر مشتمل تھی- (حوالہ ہے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کے تحت کونسل کا)

(37) عنوان مارکس کی 1857ء کی نوٹ بک کے اندراج کے مطابق ہے-

(38) بورڈ آف کنٹرول 1784ء کے قانون "ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانیہ کے ہندوستانی مقبوضات کی بہتر حکومت کے بارے میں" کے تحت قائم کیا گیا تھا- بورڈ 6 ممبروں پر مشتمل تھا جنہیں بادشاہ خفیہ کونسل سے نامزد کرتا تھا- بورڈ کا صدر کابینہ کا ممبر ہوتا تھا- دراصل ہندوستان کے لیے سیکریٹری آف اسٹیٹ اور ہندوستان کا اعلیٰ حکمراں بورڈ آف کنٹرول کے فیصلے جس کا دفتر لندن میں تھا ہندوستان ایک خفیہ کمیٹی کے ذریعے پہنچائے جاتے تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے تین اراکین پر مشتمل تھی- اس طرح 1784ء کے ایکٹ نے ہندوستان میں حکومت کا دوہرا نظام قائم کیا- بورڈ آف کنٹرول (برطانوی حکومت) اور بورڈ آف ڈائریکٹرز (ایسٹ انڈیا کمپنی) 1858 میں بورڈ آف کنٹرول کو توڑ دیا گیا-

(39) اکتوبر 1854ء کے شروع میں اتحادیوں نے پیرس میں یہ افواہ پھیلائی کہ سیواستوپول پر قبضہ ہو گیا ہے- اس جھانسے کو فرانس، برطانیہ، بلجیم اور جرمنی کے سرکاری پریس نے شائع کر دیا لیکن چند دن کے بعد فرانسیسی اخبار اس رپورٹ کی تردید کرنے پر مجبور ہو گئے-

(40) "دی بامبے ٹائمز" انگریزی روزنامہ جو بمبئی سے 1838ء میں شائع ہونا شروع ہوا-

(41) "دی پریس" ٹوری ہفتہ وار جو لندن سے 1853ء سے 1866ء تک شائع ہوتا

رہا۔

(42) "لے پے" فرانسیسی روزنامہ جو پیرس سے 1849ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ دوسری سلطنت کے وقت (70-1752ء) وہ نپولین سوم کا نیم سرکاری ترجمان تھا۔ اس کا ضمنی نام "ژورنال دے لامپائر" تھا۔

(43) "دی مارننگ پوسٹ" قدامت پرست روزنامہ اخبار جو لندن سے 1772ء سے 1937ء تک شائع ہوتا رہا۔ 19 ویں صدی کے وسط میں وہ وگ عناصر کے دائیں بازو کا ترجمان تھا جو پامرسٹن کے حامی تھے۔

(44) ساراگوسا اسپین میں ایبرو دریا پر ایک شہر۔ جزیرہ نمائے آئی بیریا کی جنگ میں ساراگوسا نے 9-1808ء میں محاصر فرانسیسی فوج کے خلاف بہادری سے مدافعت کی۔ (ملاحظہ ہو نوٹ 32 بھی)

(45) ڈینیوب کے جھگڑے سے مارکس کی مراد 1856ء میں پیرس کانگریس میں اور بعد میں سفارتی جدوجہد ہے جو مولداویا اور والاخیا کی ڈینیوبی ریاستوں کو جو ترکی کے قبضے میں تھیں متحد کرنے کے سوال سے ہے۔ اس امید میں کہ بوناپارٹ کے خاندان شاہی کا ایک فرد ان کا سربراہ ہوگا۔ فرانس نے مشورہ دیا کہ یورپ میں شاہی خاندانوں کے کسی غیر ملکی شہزادے کی حکمرانی کے تحت ریاستیں ایک واحد ریاست رومانیہ میں متحد ہو جائیں۔ فرانس کی حمایت روس، پروشیا اور ساڈینیا نے کی۔ ترکی کی حمایت جو اتحاد کا مخالف اس لیے تھا کہ رومانیہ کی ریاست سلطنت عثمانیہ کے جوئے کو ہٹانے کی کوشش کرے گی، آسٹریا اور برطانیہ نے کی۔ آخرکار کانگرس نے مقامی دیوانوں کے انتخابات کے ذریعے رومانیائی آبادی کے جذبات معلوم کرنے کی ضرورت تسلیم کر لی۔ انتخابات ہوئے لیکن جعلسازیوں کی بدولت اتحاد کے مخالف مولداویا کے ایوان میں کامیاب ہوگئے۔ اس پر فرانس، روس، پروشیا اور سارڈینیا نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ انتخابات منسوخ کر دیئے جائیں۔ ترکی نے جواب دینے میں تاخیر کی۔ چنانچہ ان ملکوں نے اگست 1857ء میں اس سے اپنے

سفارتی تعلقات قطع کر لیے۔ جھگڑے کو نپولین سوم کے توسط سے طے کر لیا گیا جس نے برطانوی حکومت کو آمادہ کر لیا کہ وہ فرانس کے منصوبے کی مخالفت نہ کرے جو مساوی طور پر برطانیہ کے لیے بھی مفید تھا۔ ریاستوں میں انتخابات منسوخ کر دیئے گئے لیکن نیا انتخاب مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہا۔ دو ریاستوں کو متحد کرنے کا سوال خود رومانیہ کے لوگوں نے 1859ء میں حل کیا۔

(46) جرمنی کے ہولشتائن و شلیزوِیگ کی ریاستوں پر چند صدیوں تک ڈنمارک کے بادشاہ کی حکمرانی رہی۔ 8 مئی 1852ء کو لندن کے معاہدے پر جو ڈنمارک کی بادشاہت کی سالمیت کی ضمانت کرتا تھا روس، آسٹریا، برطانیہ، فرانس، پروشیا اور سویڈن نے ڈنمارک کے نمائندوں کے ساتھ دستخط کیے جو ان علاقوں کی خود حکومتی کا حق تسلیم کرتا تھا لیکن ان پر ڈنمارک کے بادشاہ کی اعلیٰ حکمرانی بھی محفوظ رہتی تھی۔ مگر معاہدے کے باوجود ڈنمارک کی حکومت نے 1855ء میں ایک آئین شائع کیا جس نے ڈنمارک کی حکمرانی کے تحت ان جرمن علاقوں کی آزادی اور خود حکومتی ختم کر دی۔ اس کے جواب میں جرمن پارلیمنٹ نے فروری 1857ء میں ایک فرمان منظور کیا جس میں ان علاقوں میں آئین نافذ کرنے کے خلاف احتجاج کیا گیا لیکن غلطی سے صرف ہولشتائن اور لائن برگ کا نام درج کیا اور شلیزوِیگ کو چھوڑ دیا۔ ڈنمارک نے اس سے فائدہ اٹھایا اور شلیزوِیگ کو اپنے مقبوضہ علاقے کی طرح شامل کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کے خلاف نہ صرف شلیزوِیگ کی آبادی نے احتجاج کیا جو ہولشتائن سے جدا ہونا نہیں چاہتی تھی بلکہ پروشیا، آسٹریا اور برطانیہ نے بھی جو ڈنمارک کے اقدام کو لندن معاہدے کی خلاف ورزی خیال کرتے تھے۔

(47) 1857ء کے متعلق مارکس کی نوٹ بک میں ایک اندراج کے مطابق مضمون "ہندوستان میں اذیت رسانی کی تفتیش" انہوں نے اگست میں لکھا تھا۔ لیکن

بعض انجانے اسباب کی بنا پر "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" نے مضمون "ہندوستانی بغاوت" کے بعد اسے شائع کیا جس کے متعلق وہ یہاں حوالہ دے رہے ہیں اور جس کو مارکس نے 4 ستمبر کو لکھا۔

(48) نیلی کتاب برطانوی پارلیمینٹ اور محکمہ خارجہ کے شائع شدہ مواد اور دستاویزوں کا عام عنوان۔ انھیں "نیلی کتاب" اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا سرورق نیلا ہوتا ہے۔ وہ 17 ویں صدی سے شائع کی جا رہی ہیں اور ملک کی معاشی اور سفارتی تاریخ کا بنیادی سرکاری ریکارڈ ہیں۔ مصنف نے یہاں "ایسٹ انڈیا" نامی "نیلی کتاب" کا حوالہ دیا ہے جو لندن سے 57-1855ء میں شائع ہوئی تھی۔

(49) "مدراس میں اذیت کے واقعات کی تحقیقات کے لیے کمیشن کی رپورٹ" لندن 1855ء۔

(50) کلکٹر ہندوستان میں ضلع کا انگریز افسر اعلیٰ۔ اسے غیر محدود اختیارات حاصل تھے۔ اس کے ہاتھ میں خاص ٹیکس کلکٹر، انتظامیہ اور عدالت اعلیٰ کے اختیارات مرکوز تھے۔ کلکٹر کی حیثیت سے وہ ٹیکس نہ ادا کرنے والوں کو عدالت میں پیش کرتا تھا۔ جج کی طرح انھیں سزا دیتا تھا اور انتظامیہ کے نمائندے کی حیثیت سے اس سزا کو پورا کراتا تھا۔

(51) اگرامانت آریوستو کی نظم "اورلاندو فیوریوزو" میں حبشی بادشاہ۔ اگرامانت نے جو شارلمان کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے پیرس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور شہر کی دیواروں کے قریب اپنی فوج مرکوز کی ہے۔ یہاں مارکس "اورلاندو فیوریوزو" کے اس مصرعے کا حوالہ دیتے ہیں "اگرامانت کے کیمپ میں اختلافات ہیں" جو عام طور پر اختلافات ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(52) "ڈیلی نیوز" برطانوی لبرل اخبار، صنعتی بورژوازی کا ترجمان۔ لندن سے 1846ء سے 1930ء تک شائع ہوتا رہا۔

(53) "مفصلات" انگریزی زبان کا لبرل ہفتہ وار جو ہندوستان میں 1845ء سے شائع

ہوا۔ پہلے میرٹھ میں اور پھر آگرے اور امبالے میں۔

(54) مصنف ایسٹ انڈیا کمپنی کے 1853ء کے چارٹر کا حوالہ دے رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو نوٹ 3)

(55) واندی (مغربی فرانس کے ایک صوبہ) میں فرانسیسی شاہ پرستوں نے پسماندہ کسانوں سے فائدہ اٹھا کر 1793ء میں انقلاب دشمن بغاوت کرائی تھی۔ ری پبلکن فوج نے جس کے سپاہی "نیلے" کے نام سے مشہور تھے، اسے کچل دیا۔

ہسپانوی چھاپے مار 14-1808ء میں فرانسیسی حملہ آوروں کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد کے دوران ہسپانوی عوام کی چھاپے مار لڑائی کے شریک۔ کسان جنھوں نے حملہ آوروں کی ڈٹ کر مزاحمت کی، چھاپے ماروں کی متحرک قوت تھے۔

سربیائی اور ہرواتی فوجوں نے 49-1848ء کے انقلاب میں ہنگری اور آسٹریا کی انقلابی تحریک کو کچلنے میں حصہ لیا۔ فرانسیسی حکومت کے 25 فروری 1848ء کے قانون کے تحت انقلابی عوام کو کچلنے کے لیے موبائل گارڈ قائم کیا گیا۔ اس کے دستے جو زیادہ تر بے طبقاتی عناصر پر مشتمل تھے جون 1848ء میں پیرس کے مزدوروں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے استعمال کیے گئے۔ جنرل کاوینیاک نے وزیر دفاع کی حیثیت سے مزدوروں کے قتل عام کی ذاتی طور پر رہنمائی کی۔

10 ویں دسمبر والے: بوناپارٹ پرست خفیہ جماعت جو 1849ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس میں زیادہ تر بے طبقاتی عناصر، سیاسی مہم پرست، عسکریت پرست وغیرہ شامل تھے۔ اس کے ممبروں نے لوئی بوناپارٹ کو 10 دسمبر 1848ء کو (نام کی بنیاد یہی ہے) فرانسیسی ری پبلک کا صدر منتخب ہونے میں مدد دی اور 2 دسمبر 1851ء کو اقتدار کی جھپٹ میں حصہ لیا جس کے نتیجے میں لوئی بوناپارٹ کے شہنشاہ فرانس ہونے کا اعلان کر دیا گیا جو 1852ء میں نپولین سوم کہلایا۔ وہ ری پبلکوں کو بڑے پیمانے پر دبانے کے منتظم تھے اور خاص کر

1848ء کے انقلاب کے شرکا کو۔

(56) مصنف حوالہ دے رہے ہیں افیون کی پہلی جنگ (1839-42ء) کا۔ چین کے خلاف برطانیہ کی جارحانہ جنگ جس نے چین کو مقبوضہ بنا دینے کی ابتدا کی۔ چینی حکام نے کینٹن میں افیون کا ذخیرہ تباہ کر دیا جس کے مالک بیرونی تاجر تھے۔ یہ واقعہ جنگ کا بہانہ بنا۔ پسماندہ جاگیردارانہ چین کی شکست سے فائدہ اٹھا کر برطانوی نوآبادکاروں نے اس پر نان کنگ کا معاہدہ (29 اگست 1842ء) لاد دیا جس نے برطانوی تجارت کے لیے 5 چینی بندرگاہیں (کینٹن، اموئے، فوچو، ننگ تو اور شنگھائی) کھول دیں۔ ہانگ کانگ کے جزیرے کو برطانیہ کے "مستقل قبضے" میں دے دیا اور چین کو تاوان جنگ کی بڑی رقم ادا کرنی پڑی۔ 1843ء میں ایک ضمنی معاہدے کی رو سے چین نے غیرملکیوں کو زائد علاقائی حقوق دیئے۔

(57) مصنف حوالہ دے رہے ہیں کینٹن پر بیمانہ بمباری کا جو چین میں برطانوی سپرنٹنڈنٹ جان بورنگ کے حکم سے کی گئی تھی۔ اس سے شہر کے مضافات میں تقریباً 5 ہزار مکانات تباہ ہوئے۔ یہ بمباری افیون کی دوسری جنگ (1856-58ء) کی تمہید تھی۔ (نوٹ 29 دیکھئے)

امن سوسائٹی بورژوا مجہول امن پسند تنظیم جو لندن میں کوئیکروں نے 1816ء میں قائم کی تھی، اسے آزاد تجارت کے حامیوں کی زبردست حمایت حاصل تھی جو سمجھتے تھے کہ اگر امن قائم رہا تو برطانیہ آزاد تجارت کے ذریعے اپنی صنعتی برتری کا بہتر استعمال کرے گا اور اس طرح اسے معاشی و سیاسی فضیلت حاصل ہوگی۔

1845ء میں الجزائر میں مسلح بغاوت کو کچلنے کے دوران جنرل پیلیسے نے جو بعد میں فرانس کا مارشل بنا حکم دیا کہ آگ لگا کر دھوئیں سے ان ایک ہزار عرب باغیوں کو دم گھوٹ کر مار ڈالا جائے جو پہاڑی غاروں میں چھپے ہوئے تھے۔

(58) حوالہ ہے کائیس جولیس سیزر کی کتاب (Commentarie de bello Gallico) کا --- جو واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے کتاب 8 سے تعلق رکھتا ہے جسے سیزر کے سابق وکیل اور دوست ہرٹیس نے تحریر کیا ہے جس نے گال کی جنگ کے متعلق اس کے نوٹ تحریر کرنا جاری رکھے۔

(59) مارکس کا اشارہ ہے چارلس پنجم کے ہدایت نامہ کی طرف جسے جرمن پارلیمنٹ نے 1532ء میں ریگنس برگ میں منظور کیا۔ یہ قانون اپنی انتہائی سختی کے لیے بدنام تھا۔

(60) بلیکسٹن، (Commentyaris on the Laws of Englands)، جلدیں 1-4، پہلا ایڈیشن، لندن 1765-69ء۔

(61) موتسارٹ کا اوپیرا "سیرال سے اغوا" ایکٹ 3، منظر 6، اوسمن کا گایا ہوا آریا۔

(62) انجیل کی حکایت کے مطابق اسرائیلیوں نے جریکو کی دیواریں اپنے بگلوں کی زوردار آوازوں سے گرا دیں۔

(63) "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" کے مدیروں نے جنہوں نے یہ فقرہ درج کیا اپنے نامہ نگار ہنگری کے ادیب اور صحافی پولسی کی جانب اشارہ کیا ہے جو ہنگری میں 1848ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد امریکہ چلے گئے تھے۔ وہ بین الاقوامی مسائل پر تبصرے تحریر کیا کرتے تھے۔

(64) مارکس غالباً "کلکتہ گزٹ" کا حوالہ دے رہے ہیں۔ یہ انگریزی اخبار کلکتہ سے 1784ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سرکاری ترجمان تھا۔

(65) مصنف حوالہ دے رہے ہیں پہلی 1838-42ء کی اینگلو افغان جنگ کا جسے برطانیہ نے اس پر مسلط ہونے کے لیے شروع کی تھی۔ اگست 1839ء میں برطانیہ نے کابل پر قبضہ کر لیا لیکن ایک بغاوت کی وجہ سے جو نومبر 1841ء میں ہوئی اسے جنوری 1842ء میں پسپا ہونا پڑا۔ برطانوی فوج ہندوستان کی طرف لوٹی اور پسپائی بے ہنگم بھگدڑ پر ختم ہوئی۔ 4 500 برطانوی سپاہیوں

اور 12 ہزار بمیر بنگاہ میں سے ہندوستانی سرحد تک بس ایک پہنچا۔

(66) مصنف حوالہ دے رہے ہیں نپولین کے فرانس کے خلاف 1809ء میں شیلڈے دریا کے دہانے پر برطانیہ کی بحری مہم کا۔ جزیرہ والخیرین پر قبضہ کرنے کے بعد برطانیہ مزید اقدام نہیں کر سکا اور 10 ہزار جوانوں میں سے بھوک اور بیماریوں سے تقریباً 10 ہزار سے ہاتھ دھونے کے بعد پسپا ہونے پر مجبور ہوا۔

(67) "دی مارننگ اڈورٹائزر" برطانوی روزنامہ جو لندن سے 1794ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ 19 ویں صدی کی چھٹی دہائی میں وہ ریڈیکل بورژوازی کا ترجمان بن گیا۔

(68) "دی فرینڈ آف انڈیا" برطانوی اخبار جو 1818ء سے سیرامپور میں چھپنا شروع ہوا۔ چھٹی دہائی میں یہ ہفتہ وار ہو گیا۔ اس کا رجحان بورژوا لبرل تھا۔

(69) "دی ملٹری اسپیکٹیٹر" برطانوی فوجی ہفتہ وار جو لندن میں 1857ء سے 1858ء تک چھپتا رہا۔

(70) "دی بامبے کوریر" برطانوی حکومت کا اخبار، ایسٹ انڈیا کمپنی کا ترجمان، 1790ء سے جاری ہوا۔

(71) پوربی مغربی بنگال کی فوجوں کے سپاہی۔

(72) یہ جدول جو مارکس نے مرتب کی غالباً دیئے ہوئے مضمون کے ساتھ نیویارک بھیجی گئی تھی لیکن مدیروں نے اخبار کے اسی شمارے میں علیحدہ شائع کی۔

(73) مصنف کا اشارہ ہے کرائمیا کی جنگ کی جانب۔ 5 نومبر 1854ء کو انکرمان کے مقام پر روسی فوج نے اینگلو فرانسیسی ترک اتحادی فوجوں پر جوابی حملہ کیا تاکہ سیواستوپول کے خلاف تیارشدہ حملے کو روک دیا جائے۔ روسی سپاہیوں کی بہادری کے باوجود اینگلو فرانسیسی ترک فوجوں نے لڑائی جیت لی۔

(74) 25 اکتوبر 1854ء کو بالاکلاوا میں روسی اور اتحادی فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کو اپنی برتر پوزیشن کے باوجود

سواروں کا ایک بریگیڈ ضائع ہو گیا۔

(75) "دی بامبے گزٹ" ہندوستان میں برطانوی اخبار جو 1791ء میں قائم ہوا۔

(76) "گلوب" برطانوی روزنامے "گلوب اینڈ ٹریولر" کا مختصر نام جو لندن سے 1803ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ وہ وہگ ترجمان تھا اور جب وہگ اقتدار میں ہوتے تھے تو حکومت کا اخبار بن جاتا تھا۔ 1866ء سے قدامت پرستوں کا ترجمان۔

(77) مصنف 1833ء کے پارلیمانی قانون کا حوالہ دے رہے ہیں جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو چین میں تجارت کی اجارہ داری سے محروم کر دیا اور تجارتی ایجنسی کی حیثیت سے اسے ختم کر دیا۔ پارلیمنٹ نے کمپنی کے ہاتھ میں نظم و نسق کے فرائض منصبی چھوڑے رکھے اور اس کا چارٹر 1853ء تک بڑھا دیا۔

(78) "دی فینکس" ہندوستان میں برطانوی حکومت کا اخبار۔ کلکتہ سے 1856ء سے 1861ء تک شائع ہوتا رہا۔

(79) 1858ء کے متعلق مارکس کی نوٹ بک میں اندراج کے مطابق عنوان۔

(80) مصنف حوالہ دیتے ہیں 56-1853ء میں کرائمیا کی جنگ کا۔ الما کے مقام پر لڑائی 20 ستمبر 1854ء میں ہوئی اور اتحادی فوج کامیاب رہی۔

(81) حوالہ ہے 56-1853ء میں کرائمیا کی جنگ کا۔ 18 جون 1855ء کو سیواستوپول کی قلعہ بندیوں کے تیسرے مورچے پر اتحادیوں کے غیر مکمل حملے کے وقت بریگیڈ کی کمان ونڈھم کے ہاتھ میں تھی۔

(82) 1858ء کے متعلق مارکس کی نوٹ بک میں اندراج کے مطابق عنوان۔

(83) حوالہ ہے 42-1838ء میں پہلی اینگلو افغان جنگ کا۔ (نوٹ 65 دیکھئے)

(84) اینگلز حوالہ دیتے ہیں قدیم قسم کی قلعہ بندی کا جو برما کے شہروں اور چھاؤنیوں کے گرد کھڑی کی جاتی تھی۔

(85) باداخوز کی ہسپانوی گڑھی جو فرانس کے ہاتھ میں تھی۔ 6 اپریل 1812ء کو اس پر ویلنگٹن کی قیادت میں انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔

سان سیباستین کی ہسپانوی گڑھی پر جو فرانس کے قبضے میں تھی 31 اگست 1813ء کو حملہ کیا گیا۔

(86) حوالہ ہے اس اعلان کا جسے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے 3 مارچ 1858ء کو جاری کیا تھا۔ اس کے مطابق مملکت کی جاگیروں کے ساتھ ان جاگیری زمینداروں اور تعلقہ داروں کی زمینیں برطانوی حکام نے ضبط کر لیں جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا تھا لیکن برطانوی حکومت نے جو تعلقہ داروں کی حمایت حاصل کرنا چاہتی تھی کیننگ کے اعلان کا مطلب بدل دیا۔ تعلقہ داروں سے وعدہ کیا گیا کہ ان کی زمینیں واجب تعظیم ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے بغاوت کے ساتھ غداری کی اور برطانیہ سے جا ملے۔

اعلان کا تنقیدی تجزیہ مارکس نے اپنے مضامین "اودھ کا الحاق" اور "لارڈ کیننگ کا اعلان اور ہندوستان میں زمین کی ملکیت" میں کیا ہے۔

(87) اپنی فوج کی اچھی تنظیم کے باوجود جو برطانیہ کے خلاف بڑی بہادری سے لڑی۔ سکھوں کو 18 دسمبر 1845ء کو مُدکی گاؤں (فیروز پور کے نزدیک) 21 دسمبر 1845ء کو فیروز شاہ میں اور 28 جنوری 1846ء کو علی وال (لدھیانہ کے قریب) لڑائیوں میں شکست ہوئی۔ چنانچہ سکھ 1845ء-1846ء کی پہلی اینگلو سکھ جنگ ہار گئے۔ شکست کی خاص وجہ اعلیٰ کمان کی غداری تھی۔

(88) 1858ء کے متعلق مارکس کی نوٹ بک کے مطابق عنوان دیا گیا ہے۔

(89) مارکس نے اودھ کے متعلق گورنر جنرل کیننگ کے اعلان (نوٹ 86 ملاحظہ ہو) کے ایک حصے کو نقل کیا ہے جو 8 مئی 1858ء کو "ٹائمز" میں شائع ہوا۔

(90) حوالہ ہے پولینڈ میں جو روسی سلطنت کا حصہ تھا۔ 1830ء-1831ء کی بغاوت کو روسی رجعت پرستوں کے ہاتھوں کچلنے کا۔

(91) حوالہ ہے 1848-49ء کی آسٹریائی اطالوی جنگ کا جس میں سارڈینیا کے بادشاہ چارلس البرٹ کی فوج نے نووارا (شمالی اٹلی) کی جنگ میں 23 مارچ 1849ء کو منہ توڑ شکست کھائی۔

(92) اودھ سلطنت مغلیہ کا حصہ تھا لیکن 18 ویں صدی کے وسط میں اودھ میں مغل نائب سلطنت درحقیقت آزاد حکمران ہو گیا۔ انگریزوں نے 1765ء میں اودھ کو ضمنی ریاست میں تبدیل کر دیا جو برطانیہ کے ماتحت تھی۔ عملاً سیاسی طاقت برطانوی ریذیڈنٹ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس صورت حال کے باوجود اودھ کے حکمران خود کو خود مختار بادشاہ کہتے تھے اور انگریز بھی اکثر انہیں بادشاہ ہی کی طرح مخاطب کرتے تھے۔

(93) 1801ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور اودھ کے نواب کے درمیان کیے ہوئے معاہدے کے مطابق ہندوستان کے گورنر جنرل ویلزلی نے قرضے کی ادائیگی میں ناکامی کے بہانے سے نواب کے نصف مقبوضات ملحق کر لیے۔ ان میں گورکھپور، روہیل کھنڈ اور گنگا اور جمنا دریاؤں کے درمیان کا کچھ علاقہ شامل تھا۔

(94) "نیویارک ڈیلی ٹریبون" کے مدیر جنھوں نے مارکس کے مضمون میں اس عبارت کا اضافہ کیا ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ اور اودھ کے چیف کمشنر اوٹرم کے درمیان خط و کتاب کا حوالہ دیتے ہیں جو اودھ کے متعلق کیننگ کے اعلان سے (نوٹ 86 ملاحظہ ہو) تعلق رکھتی تھی اور جو اس اخبار میں 5 جون 1858ء کو شائع ہوئی تھی۔

(95) 19 ویں صدی کے وسط میں تقریباً تمام ہندوستان برطانوی راج کے تحت تھا۔ کشمیر، حیدر آباد کا ایک حصہ، راجپوتانہ، میسور اور چند دوسری چھوٹی ریاستیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی باج گزار تھیں۔

(96) حوالہ ہے 1793ء کے قانون کا جو "استمراری زمینداری کے متعلق" تھا جسے ہندوستانی گورنر جنرل کارنوالس نے جاری کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو نوٹ 22)

(97) 19 اپریل 1858ء کو اپنے ایک مراسلے میں بورڈ آف کنٹرول کے صدر لارڈ ایلن برو نے اودھ کے متعلق لارڈ کیننگ کے اعلان (ملاحظہ ہو نوٹ 86) کا تنقیدی طور پر حوالہ دیا۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ لارڈ ایلن برو کے

مراسلے کو برطانوی سیاسی حلقوں نے ناپسند کیا، انھیں استعفا دینا پڑا۔

(98) حوالہ ہے اس مسودۂ قانون کا جسے ڈربی کی وزارت نے مارچ میں پارلیمنٹ میں پیش کیا تھا اور جو جولائی 1858ء میں منظور ہوا۔ مسودۂ قانون "ہندوستان میں بہتر حکومت کے لیے ایکٹ" کے عنوان سے قانون بن گیا۔ اس قانون کے مطابق ہندوستان پوری طرح تاج شاہی کا ماتحت ہو گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی توڑ دی گئی اور اس کے حصص داروں کو 30 لاکھ پونڈ بطور معاوضہ دے دیا گیا۔ منسوخ شدہ بورڈ آف کنٹرول کے صدر کی جگہ سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند آ گیا اور اس کا مشاورتی ادارہ۔ انڈین کونسل ہندوستان کے گورنر جنرل کا نام وائسرائے رکھا گیا اور عملاً وہ لندن میں سیکرٹری آف اسٹیٹ کی مرضی کا عامل ہو گیا۔ اپنے مضمون "انڈین بل" میں مارکس نے اس قانون کا تنقیدی تجزیہ کیا ہے۔

(99) 1858ء کے متعلق مارکس کی نوٹ بک کے مطابق عنوان ہے۔

(100) حوالہ ہے ان نوآبادیاتی جنگوں کا جنھیں فرانسیسی نوآبادکاروں نے الجزائر میں 19 ویں صدی کی چوتھی اور آٹھویں دہائیوں میں چھیڑا تھا تاکہ اس ملک کو مفتوح کیا جائے۔ الجزائر پر فرانسیسی حملہ طویل تھا اور عرب آبادی نے اس کی سخت مزاحمت کی۔ فرانسیسی نوآبادکاروں نے جنگ میں بڑی بے رحمی سے کام لیا۔ 1847ء تک الجزائر کی تسخیر بنیادی طور پر مکمل ہو گئی لیکن آزادی کے لیے الجزائر کے عوام کی جدوجہد جاری رہی۔

(101) 1858ء کے متعلق مارکس کی نوٹ بک کے مطابق عنوان ہے۔

(102) مصنف 1773ء کے "پابندیوں کے قانون" کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس قانون نے ان حصص داروں کی تعداد میں کمی کر دی جنھیں کمپنی کے امور میں حصہ لینے اور بورڈ آف ڈائریکٹرز منتخب کرنے کا حق تھا۔ قانون کے تحت کم از کم ایک ہزار پونڈ والے حصص دار حصص داروں کے جلسے میں ووٹ کے حقدار تھے۔ پہلی بار ہندوستان کے گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے ممبروں کو

انفرادی طور پر پانچ سال کے لیے نامزد کیا گیا اور انھیں کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی سفارش پر صرف بادشاہ برطرف کر سکتا تھا۔ بعد میں گورنر جنرل اور اس کی کونسل کو کمپنی نامزد کرنے لگی۔ 1773ء کے قانون کے تحت کلکتہ میں ایک سپریم کورٹ قائم کیا گیا جو لارڈ چیف جسٹس اور تین ججوں پر مشتمل تھا۔

(103) غیر ملکیوں کے متعلق مسودۂ قانون (یا سازش کا مسودۂ قانون) پامرسٹن نے 8 فروری 1858ء کو دارالعوام میں پیش کیا تھا۔ یہ فرانسیسی حکومت کے دباؤ پر کیا گیا (پامرسٹن نے مسودۂ قانون 5 فروری کو پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا) اس مسودۂ قانون کے تحت ہر وہ شخص جو سلطنت متحدہ میں رہتا ہے خواہ وہ برطانوی باشندہ ہو یا غیر ملکی اگر برطانیہ یا کسی دوسرے ملک میں کسی شخص کو قتل کرنے کے مقصد سے سازش منظم کرنے یا حصہ لینے میں مجرم پایا جائے تو برطانوی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جائے اور اسے سخت سزا دی جائے۔ بڑے پیمانے پر احتجاجی تحریک کے دباؤ سے دارالعوام نے مسودۂ قانون مسترد کر دیا اور پامرسٹن کو استعفا دینا پڑا۔

(104) ڈربی کابینہ کے اقتدار میں آنے کے بعد بورڈ آف کنٹرول کے صدر لارڈ ایلن برو کو اختیار دیا گیا کہ حکومت ہند کو بہتر بنانے کے لیے اصلاح کا مسودۂ قانون مرتب کریں۔ لیکن ان کے مسودۂ قانون سے حکومت کو تشفی نہیں ہوئی کیونکہ ہندوستانی کونسل کو منتخب کرنے کا نظام بے حد پیچیدہ تھا۔ مسودۂ قانون کی سخت مخالفت کی گئی اور اسے مسترد کر دیا گیا۔

(105) "Civis romanus sum" (میں روما کا شہری ہوں) 25 جون 1850ء کو دارالعوام میں تقریر کرنے کے بعد یہ عرفی نام پامرسٹن کو دیا گیا تھا جو تاجر پیسیفکو کے متعلق تھا۔ برطانوی بحریے کے اقدام کو جائز قرار دیتے ہوئے جو ایک پرتگالی نسل کے برطانوی شہری کو بچانے کے لیے یونان بھیجا گیا تھا (جس کا گھر ایتھنز میں جلا دیا گیا تھا) پامرسٹن نے اعلان کیا کہ رومی شہریت کے

فارمولے civis romanus sum کی طرح جو قدیم روم کے شہروں کے لیے عالمی عزت کی ضمانت کرتا تھا برطانوی شہریت کو بھی برطانوی شہریوں کی جہاں بھی وہ ہوں سلامتی کی ضمانت کرنا چاہیے۔ پامرسٹن کی قومی جارحانہ تقریر کا انگریز بورژوازی نے گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔

(106) حوالہ ہے 1852ء کی اینگلو برمی جنگ کا۔ (ملاحظہ ہو نوٹ 19)

(107) یہ اور اگلے صفحات جن کا حوالہ مارکس اپنے نوٹوں کے متن میں دیتے ہیں رابرٹ سویل کی تصنیف "قدیم ترین زمانے سے معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کے 1858ء میں خاتمے تک ہندوستان کی تجزیاتی تاریخ" سے ہیں جو لندن سے 1870ء میں شائع ہوئی تھی۔

(108) "اکزامنر" انگریز بورژوا لبرل ہفتہ وار، لندن میں 1808ء سے 1881ء تک شائع ہوتا رہا۔

(109) "Neue Rheinische Zeitung, Organ der Demokratie" روزنامہ جو کولون سے یکم جون 1848ء تا 19 مئی 1849ء شائع ہوتا رہا۔ اس کے مدیر کارل مارکس تھے۔ ادارتی بورڈ میں اینگلز بھی شامل تھے۔ یہ اخبار جمہوری تحریک کے پرولتاری بازو کا ترجمان تھا۔ اس نے عوام کو متحرک کرنے اور انقلاب دشمنی کے خلاف متحد اور جدوجہد کرنے میں بڑا رول ادا کیا۔

اداریے جو جرمن اور یورپی انقلاب کے بنیادی مسائل کی جانب اخبار کے رویے کی عکاسی کرتے تھے عام طور پر مارکس اور اینگلز لکھا کرتے تھے۔ پولیس کی عقوبت کے باوجود اخبار نے انقلابی جمہوریت پسندوں اور پرولتاریہ کے مفاد میں جرات آمیز رویہ اختیار کیا۔ مارکس کی جلاوطنی اور دوسرے مدیروں پر تشدد کی وجہ سے اخبار بند ہوگیا۔

(110) مصنف غیر مساوی تین تسن کے معاہدے کا حوالہ دے رہے ہیں جس پر برطانیہ اور چین نے 1858ء میں دستخط کیے تھے۔ اس نے 1856-58ء کی افیون کی دوسری جنگ ختم کر دی۔ معاہدے کے مطابق بیرونی تجارت کے

لیے دریائے یانگ تسے کے کنارے، منچوریا میں، تائیوان اور ہائنان جزائر میں اور تین تسن میں نئی بندرگاہیں کھول دی گئیں۔ پیکنگ میں مستقل غیر ملکی سفارتی نمائندوں کو رہنے کی اجازت دی گئی۔ غیر ملکیوں کو یہ حق ملا کہ وہ آزادی سے سارے ملک میں سفر کر سکیں اور سمندر اور دریاؤں میں جہازرانی کریں۔ عیسائی مشنریوں کی سلامتی کی ضمانت کی گئی۔

ناموں کا اشاریہ

آ،الف

آپا صاحب --- ریاست کے راجہ (1839-48ء)

ارسطو (384 تا 322 قبل مسیح) قدیم یونان کے عظیم فلسفی۔ فلسفے میں مادیت اور عینیت کے بین بین رہے۔ غلام مالکوں کے طبقے کے نظریہ داں۔

اسٹینلے (Stanley)، ایڈورڈ ہنری، ڈربی کے ارل (1826-93ء) انگریز مدبر، ٹوری، ساتویں اور آٹھویں دہائیوں میں قدامت پرست، پھر لبرل، وزیر برائے امورِ نوآبادیات (1858ء، 1882-85ء)، وزیر برائے امورِ ہند (1858-59ء)، وزیرِ خارجہ (1866-68ء، 1874-78ء)

اسٹیوارٹ (Stewart)، ڈونلڈ مارٹن (1824ء تا 1900ء) برطانوی فوجی افسر، بعد میں فیلڈ مارشل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

اسمتھ (Smith) رابرٹ ورنن (1800-73ء) انگریز مدبر، وِگ، پارلیمنٹ کے ممبر، بورڈ آف کنٹرول کے صدر (1855-58ء)

اسمتھ (Smith) جان مارک فریڈرک (1790ء تا 1874ء) انگریز جنرل، انجینئر۔

اکبر ثانی ہندوستان کے مغل شہنشاہ (1806ء تا 1837ء)

آکلینڈ (Auckland) جارج ایڈن، ارل (1784ء تا 1849ء) انگریز مدبر، وِگ، ہندوستان کے گورنر جنرل (1836-42ء)

امر سنگھ کنور سنگھ کے بھائی جو ان کی وفات (اپریل 1858ء) کے بعد اودھ میں ہندوستانی بغاوت کے شرکا کے لیڈر بن گئے۔

انگلش (English) فریڈرک (1816-78ء) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، ہندوستان میں بغاوت کے (1857-59ء) وقت لکھنؤ کے محاصرے اور تسخیر میں حصہ لیا۔

انگلیز (Inglis) جان ایرڈلے ولموٹ (1814-62ء) برطانوی کرنل، 1857ء سے جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔ 1857ء کے جولائی اور ستمبر میں لکھنؤ میں انگریز فوج کے کمانڈر۔

اوٹرم (Outram) جیمس (1803-63ء) انگریز جنرل، لکھنؤ میں ریزیڈنٹ (1854-56ء) 1857ء میں اینگلو ایرانی جنگ میں انگریز فوج کی کمان کی، اودھ کے چیف کمشنر رہے (1857-58ء)، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

اورلینس خاندان --- فرانسیسی شاہی سلسلہ سلاطین (1830-48ء)

اورنگ زیب (1618ء تا 1707ء)--- ہندوستان کے مغل شہنشاہ (1658ء تا 1707ء)

اوسکر اول (1799ء تا 1859ء)--- ناروے اور سویڈن کا بادشاہ۔

ایش برنہم (Ashburnham)، ٹامس (1807-72ء) انگریز جنرل۔ 1857ء میں چین میں فوجی مہم کے کمانڈر جنہیں ہندوستانی بغاوت کے پیشِ نظر ہندوستان بلا لیا گیا۔

ایلزبتھ اول (1533ء تا 1603ء)--- انگلستان کی ملکہ (1558ء تا 1603ء)

ایلگن (Elgin)، جیمس بروس، ارل (1811-63ء) برطانوی سفارتی کارکن۔ 1857-58ء اور 1860-61ء میں نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے چین بھیجے گئے، ہندوستان کے وائسرائے (1862ء-1863ء)

ایلن برو (Ellenborough)، ایڈورڈ لا، ارل (1790ء تا 1871ء) برطانوی مدبر اور

پارلیمنٹ کے رکن، ٹوری، ہندوستان کے گورنر جنرل (1842-44ء)، فرسٹ لارڈ آف ایڈ مرلٹی (1846ء)، ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے صدر (1858ء)

اینسن (Anson)، جارج (1797ء تا 1857ء) ہندوستان میں برطانوی فوج کے کمانڈر انچیف (1856-57ء)

ایونس (Evans)، جارج ڈی لیسی (1787ء تا 1870ء) انگریز جنرل، کرائمیا کی جنگ میں لڑے، لبرل سیاست داں، پارلیمنٹ کے ممبر۔

ب

برائٹ (Bright)، جان (1811-89ء) انگریز کارخانہ دار اور بورژوا سیاست کی شخصیت، آزاد تجارت کے ایک رہنما، اناج کے قانون کی مخالفت لیگ کا بانی۔ 19 ویں صدی کی ساتویں دہائی کے شروع میں لبرل پارٹی میں بائیں بازو کے رہنما، لبرل کابیناؤں میں وزارتی عہدوں میں فائز رہے۔

برنارڈ (Barnard)، ہنری ولیم (1799ء تا 1857ء) انگریز جنرل۔ 1854-55ء میں کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا۔ 1857ء میں ہندوستانی بغاوت کے وقت دہلی کا محاصرہ کرنے والی فوج کے کمانڈر۔

بریرٹن (Brereton)--- ہندوستان میں انگریز افسر، پنجاب کے ضلع لدھیانہ میں کمشنر (1855ء)

بریگز (Briggs)، جان (1785ء تا 1875ء) انگریز جنرل۔ 1801ء سے 1830ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم، ایسٹ انڈیا کمپنی کے مالکان کے کورٹ کے رکن، آزاد تجارت کے حامی، ہندوستان اور ایران کے متعلق متعدد کتابوں کے مصنف و مترجم۔

بلیکٹ (Blackett)، جان (1821-56ء) برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر۔

بلیک سٹن (Blackstone)، ولیم (1723-80ء) انگریز قانون داں، آئینی بادشاہت کے علم بردار۔

بوچیر (Bourchier)، جارج (1821-98ء) برطانوی افسر۔ ہندوستان کی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

بورنگ (Bowring)، جان (1792ء تا 1872ء) انگریز سیاسی شخصیت، بینتھم کے چیلے، آزاد تجارت کے حامی، استعماری مقبوضات میں افسر، کینٹین میں قونصل (1847-52ء) ہانگ کانگ کے گورنر، سپہ سالار اور نائب امیرالبحر (1854-57ء)، چین میں سفارتی فرائض منصبی انجام دئے اور تجارت کی نگرانی کی، چین سے افیون کی دوسری جنگ (1856-58ء) شروع کرنے میں مدد کی۔

بوئیلیو (Boileau)--- برطانوی فوجی افسر، ہندوستان کی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

بہادر شاہ ثانی (1767ء تا 1862ء) آخری مغل شہنشاہ جنہیں انگریزوں نے معزول کر دیا تھا۔ لیکن 1857ء میں جب ہندوستان میں تحریک آزادی بڑھی تو باغیوں نے ان کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ستمبر 1857ء میں دہلی کی تسخیر کے بعد انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے برما میں جلاوطن کر دیا۔ (1858ء)

بہادر، جنگ (1816-77ء) 1846ء سے نیپال کے حکمراں۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

بیلفیلڈ (Belfield)، جیمس--- مانچسٹر میں اینگلز کے دوست۔

بیلی (Baillie)، ہنری جیمس--- انگریز سرکاری افسر، بورڈ آف کنٹرول کے سیکرٹری۔

بینٹنک (Bentinck)، لارڈ ولیم (1774ء تا 1839ء) انگریز مقبوضات میں افسر، ہندوستان کے گورنر جنرل (1828-35ء)

پ

پامرسٹن (Palmerston)، ہنری جان ٹیمپل، وائی کاؤنٹ (1784ء تا 1865ء) برطانوی

وزیراعظم، اپنے کیریر کے آغاز میں ٹوری، 1830ء سے وِگ لیڈر، اس پارٹی کے دائیں بازو کے عناصر کی حمایت کی، وزیر خارجہ (1830-34ء، 1835-41ء، 1846-51ء)، وزیر داخلہ (1856-55ء) اور وزیراعظم (1855-58ء، 1859-65ء)

پٹ (Pitt)، ولیم جونیر (1759ء تا 1806ء) انگریز مدبر، ٹوری پارٹی کے لیڈر، وزیراعظم (1783ء تا 1801ء، 1804-06ء)

پرندور سنگھ --- ایک ہندوستانی راجہ۔

پروبن (Probyn)، ڈائیٹن میکناٹن (سال پیدائش 1833ء) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، 1857-59ء میں ہندوستانی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا، پنجاب سوار فوج کی کمان کی۔

پولیکسفن (Pollexfen)، جان (پیدائش غالباً 1638ء) انگریز تاجر، معاشی مسائل پر مصنف ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری ختم کرنے کے حامی۔

پیٹن (Paton)، جان اسٹیفورڈ (1821-89ء) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، پہلی اور دوسری اینگلو سکھ جنگوں میں حصہ لیا۔ ہندوستانی بغاوت کچلی۔

پیل (Peel)، ولیم (1824-58ء) انگریز فوجی افسر، بحری بریگیڈ کے رہنما کی حیثیت سے ہندوستان کی بغاوت کچلی۔

ت

تانتیا ٹوپی (غالباً 1814ء تا 1859ء) طباع مرہٹہ جنرل، ہندوستانی بغاوت کے رہنماؤں میں سے ایک۔ کانپور، کالپی اور گوالیار کے علاقوں میں باغی دستوں کی رہنمائی کی۔ 1859ء میں ان کے ساتھ غداری کی گئی اور مار ڈالا گیا۔

توتلی بن، ایڈوارڈ ایوانووچ (1818-84ء) ممتاز روسی فوجی انجینئر، جنرل، سیواستوپول کی جری مدافعت منظم کرنے والوں میں سے ایک۔

تیمور (1336ء تا 1405ء) وسطی ایشیا کے سپہ سالار اور فاتح۔

ٹ

ٹیپو سلطان (1750ء تا 1799ء) میسور کے سلطان (1782-99ء) 18 ویں صدی کی نویں اور دسویں دہائیوں میں ہندوستان میں انگریزوں کی ملک گیری کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں۔

ج

جارج اول (1660ء تا 1727ء) برطانیہ عظمیٰ کے بادشاہ (1714ء-1727ء)

جارج دوم (1683ء تا 1760ء) برطانیہ عظمیٰ کے بادشاہ (1727ء-1760ء)

جارج سوم (1738ء تا 1860ء) برطانیہ عظمیٰ کے بادشاہ (1760ء تا 1860)

جونس (Jones)، جان (1811-78ء) ایک انگریز افسر۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت ایک بریگیڈ کی کمان کی۔

جیکب (Jacob)، جارج لے گران (1805-81ء) انگریز کرنل، بعد میں جنرل، 1857ء میں اینگلو ایرانی جنگ میں اور پھر ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

چ

چارلس اول (1600-49ء) انگلستان کے بادشاہ (1620-49ء) سترھویں صدی میں بورژوا انقلاب کے دوران گردن مار دی گئی۔

چارلس پنجم (1500-58ء) اسپین کے بادشاہ، شہنشاہ مقدس سلطنت روم (1519-56ء)

چارلس دہم (1757ء تا 1836ء) فرانس کے بادشاہ (1824-30ء)

چارلس، لوڈو یگ یوگین (1826-72ء) سویڈن کے ولی عہد، بعد میں سویڈن کے بادشاہ، چارلس پندرہواں (1859-72ء)

چائلڈ (Child)، جوزیا (1630-99) انگریز معاشیات داں، مالک بینک، تاجر، زرپرست۔ 1681-83ء اور 1686-88ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے صدر۔

چنگیز خاں (1155ء تا 1227ء کے قریب) مشہور منگول فاتح، منگول سلطنت کے بانی۔

چیپمن (Chapman)، جان (1801-54ء) انگریز صحافی، بورژوا ریڈیکل، ہندوستان میں اصلاحات کے حامی۔

چیمبرلین (Chamberlain)، نیویل بولس (1820ء تا 1902ء) برطانوی جنرل، بعد میں فیلڈ مارشل، پہلی اینگلو افغان جنگ (1838-42ء) اور دوسری اینگلو سکھ جنگ (1848-49ء) میں لڑے، پنجاب کی بے ترتیب فوج کے کمانڈر (1854-58ء)، ہندوستان کی بغاوت کچلنے میں حصہ لیا۔ مدراس فوج کے کمانڈر انچیف (1876-81ء)

ح

حضرت محل --- بیگم اودھ، 1857-59ء کی بغاوت میں اودھ میں باغیوں کی رہنمائی کی۔

د

دلیپ سنگھ (1837-93ء)--- پنجاب کے مہاراجہ (1843-49ء)، رنجیت سنگھ کے چھوٹے بیٹے۔ 1854ء سے انگلستان میں قیام کیا۔

دے کانتزوف (De Kantzow)--- انگریز افسر، ہندوستانی میں بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ڈ

ڈاز (Dawes)--- انگریز فوجی افسر۔ بہادر شاہ ثانی پر عدالت کے صدر تھے۔

ڈربی (Derby)، ایڈورڈ جارج جیوفرے اسمتھ اسٹینلے (1799ء تا 1869ء)--- برطانوی مدبر، ٹوریوں کے لیڈر، 19 ویں صدی کے دوسرے نصف میں قدامت پرست پارٹی کے رہنما۔ وزیراعظم (1852ء، 1858-59ء، 1866-68ء)

ڈزرائیلی (Disraeli)، بنجامن، بیکنس فیلڈ کے ارل (1804-81ء) برطانوی مدبر اور مصنف، ایک ٹوری لیڈر، 19 ویں صدی کے آخری نصف میں قدامت پرست پارٹی کے رہنما، وزیر مالیات (1853ء، 1858-59ء، 1866-68ء)، وزیراعظم (1868ء اور 1874-80ء)

ڈکنسن (Dickinson)، جان (1815-76ء) انگریز اہلِ قلم، آزاد تجارت کے حامی، ہندوستان کے متعلق کئی کتابوں کے مصنف، ہندوستانی انجمن اصلاح کے بانیوں میں سے ایک۔

ڈلہوزی (Dalhousie)، جیمس انڈریو ریمزے، مارکوس (1812-60ء) برطانوی مدبر، ہندوستان کے گورنر جنرل (1848-56ء)، نوآبادیاتی مقبوضات کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا۔

ڈینر (Danner)، لوئیزا کرسٹینا کاؤنٹیس (1815-74ء) ڈنمارک کے بادشاہ فریڈرک ہفتم کی بیوی جو شاہی خاندان سے نہ تھی۔

ر

رابرٹس (Roberts)، ہنری (1800-60ء) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

رسل (Russell)، جان (1792ء تا 1878ء) برطانوی مدبر، وگوں کے رہنما، وزیراعظم

(1846-52ء، 1865-66ء)، وزیر خارجہ (1852-53ء، 1859-65ء)، خفیہ کونسل کے صدر (1854-55ء)

رسل (Russell)، ولیم ھاورڈ (1820ء تا 1907ء) انگریز صحافی، "ٹائمز" کے جنگی نامہ نگار۔

رنبیر سنگھ --- کشمیر کے راجہ، ہندوستانی بغاوت کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

روز (Rose)، ہیو ہنری (1801-85ء) انگریز جنرل، بعد میں فیلڈ مارشل کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا۔ ہندوستانی بغاوت کچلی۔

ریڈ (Reed)، ٹامس (1796ء تا 1883ء) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ریفلس (Raffles)، ٹامس اسٹیمفورڈ (1781ء تا 1826ء) انگریز نوآبادیاتی افسر، 1811-16ء میں جاوا کے لیفٹیننٹ گورنر، "جاوا کی تاریخ" کے مصنف۔

ریگلن (Raglan)، فٹزرائے جیمس ہنری سومرسیٹ، بیرن (1788ء تا 1855ء) برطانوی فیلڈمارشل، 1854-55ء میں کرائمیا میں سالارِ اعظم۔

ریناڈ (Renaud)، (انتقال 1857ء) انگریز فوجی افسر، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ز

زینت محل آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ثانی کی بیوی۔

س

سالتیکوف، الیکسی دمتریوچ، ڈیوک (1806-59ء) روسی سیاح، ادیب اور فنکار، 1841-43ء اور 1845-46ء میں ہندوستان کا سفر کیا۔

سلیمن (Sleeman)، ولیم ہنری (1788ء تا 1856ء) انگریز استعماریت کار عہدیدار،

فوجی افسر، بعد میں جنرل، پھر گوالیار میں (1843-49ء) اور لکھنؤ (1849-54ء) میں ریزیڈنٹ۔

سمپسن (Simpson) --- انگریز کرنل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا، الہ آباد میں فوج کی کمان کی۔

سمپسن (Simpson)، جیمس (1792ء تا 1868ء)۔ انگریز جنرل، فروری تا جون 1855ء میں اسٹاف کمانڈر، بعد میں کرائمیا میں سالارِ اعظم۔

سندھیا، عالی جاہ جیاجی (بھاگیرتھ راؤ) (سال پیدائش غالباً 1835ء) 1853ء سے ریاست گوالیار کے مرہٹہ حکمراں۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

سیٹن (Seaton)، ٹامس (1806-76ء) انگریز کرنل، بعد میں جنرل، 1822ء سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

سیزر، گائیس جولیس (100 تا 44 قبل مسیح) روم کا مشہور جنرل اور مدبر۔

ش

شاورز (Showers) --- انگریز فوجی افسر، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے کے وقت بریگیڈ کی کمان کی اور دہلی اور آگرے کی کاروائیوں میں حصہ لیا۔

شلر (Schiller)، فریڈرخ (1759ء تا 1805ء) عظیم جرمن شاعر اور ڈرامہ نویس۔

شور (Shore)، جان ٹائن ماؤتھ (1751ء تا 1834ء) برطانوی نوآبادکار افسر، ہندوستان کے گورنر جنرل (1793-98ء)۔

ف

فاکس (Fox)، چارلس جیمس (1749ء تا 1806ء) برطانوی مدبر، وگوں کے لیڈر، وزیر

خارجہ (1782ء، 1783ء، 1806ء)

فرڈیننڈ شہزادہ --- ملاحظہ ہو فریڈرک فرڈیننڈ۔

فریڈرک شہزادہ (1792ء تا 1863ء) ڈنمارک کے شہزادہ۔

فریڈرک ہفتم (1808-63ء) ڈنمارک کے بادشاہ (1848-63ء)

فرینکس (Franks)، تامس ہارٹ (1808-62ء) انگریز جنرل، دوسری اینگلو سکھ جنگ میں حصہ لیا اور ہندوستان میں بغاوت کو کچلنے میں شرکت کی۔

فیروز بخت --- بہادر شاہ ثانی کے رشتے دار، ہندوستانی بغاوت کے رہنماؤں میں سے ایک۔ مالوے اور اودھ میں باغیوں کی رہنمائی کی۔

فین (Fane)، والٹر (1828-85ء) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، پنجاب کی سوار فوج میں خدمت کی، ہندوستان میں بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ق

قلی خان ملاحظہ ہو نادر شاہ۔

ک

کانوالس (Carnwallis) چارلس، مارکوئیس (1738ء تا 1805ء) برطانوی رجعت پرست سیاست داں، ہندوستان کے گورنر جنرل (1786-93ء 1805ء) جب آئرلینڈ کے وائسرائے تھے (1798ء تا 1801ء، 1805ء) تو اس ملک میں بغاوت (1798ء) کو کچل ڈالا۔

کاوینیاک (Cavaignac) لوئی ایژین (1802-57ء) فرانسیسی جنرل اور سیاست داں، الجزائر کی تسخیر (1831-48ء) میں حصہ لیا۔ اپنے مظالم کی وجہ سے بدنام۔ مئی 1848ء میں وزیر جنگ کی حیثیت سے پیرس کے مزدوروں کی بغاوت کو بے

رحمی سے کچلا۔

کرامویل (Cromwell) آلیور (1599ء تا 1658ء) 17 ویں صدی میں انگریز بورژوا انقلاب میں بورژوازی اور بورژوازی زدہ اشرافیہ کے رہنما۔ 1653ء سے کامن ویلتھ کے لارڈ پروٹیکٹر۔

کلائیو (Clive) رابرٹ (1725-74ء) بنگال کے گورنر (60 -1757ء اور 1765-67ء) ہندوستان کی تسخیر کے سلسلے میں انتہائی بے رحم انگریز نوآبادکار۔

کمیٹی (Kmety) دیورو (1810-65ء) ترک جنرل، پیدائشی ہنگریائی۔ کرائمیا کی جنگ میں ڈینیوب پر ترک فوج کے کمانڈر (1853-54ء) اور پھر قفقاز میں (1854-65ء)

کنور سنگھ (سال وفات 1858ء) ہندوستانی بغاوت میں اودھ کے باغیوں کے رہنما۔

کوبیٹ (Cobbet) ولیم (1763ء تا 1835ء) انگریز سیاست داں اور اہلِ قلم۔ پیٹی بورژوا ریڈیکلزم کے ممتاز مبلغ، برطانوی سیاسی نظام کو جمہوری بنانے کی وکالت کی۔ 1802ء میں "کوبیٹ کا سیاسی رجسٹر" ہفتہ وار شائع کرنا شروع کیا۔

کوڈرنگٹن (Codrington) ولیم جان (1804-84ء) انگریز جنرل، کرائمیا میں انگریز فوج کے کمانڈر انچیف (1855-56ء)

کوربیٹ (Corbett) اسٹوارٹ (سال وفات 1865ء) انگریز جنرل، ہندوستان میں بغاوت (1857-59ء) کو کچلنے میں حصہ لیا۔

کیمبل (Campbell) انگریز افسر۔ ہندوستان میں بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

کیمبل (Campbell) جارج (1824-92ء) ہندوستان میں انگریز افسر، بعد میں پارلیمنٹ کے ممبر (1875-92ء) لبرل، ہندوستان کے متعلق متعدد کتابوں کے مصنف۔

کیمبل (Campbell) کالن، بیرن کلائیڈ (1792ء تا 1863ء) برطانوی جنرل، بعد میں فیلڈ مارشل، دوسری اینگلو سکھ جنت (1848 -49ء) کرائمیا کی جنگ (1854-55ء) میں حصہ لیا اور ہندوستان میں بغاوت کے وقت برطانوی فوج

کے کمانڈر انچیف۔

کیننگ (Canning) چارلس جان، ارل (62-1812ء) انگریز مدبر، ٹوری، بعد میں پیل کے حامی، ہندوستان کے گورنر جنرل (1856ء-1862ء) ہندوستان میں 59-1857ء کی بغاوت کو کچلنے کے منتظم۔

گ

گارنیئے پاژے (Garnier-Pages) ایتین ژوزف لوئی (41-1801ء) فرانسیسی سیاست داں، بورژوا جمہوریت پسند۔ 1830ء کے انقلاب کے بعد ری پبلکی حزب اختلاف کی رہنمائی کی۔ پارلیمنٹ کے ممبر (34-1831ء، 41-1835ء)

گارنیئے پاژے (Garnier-Pages) لوئی آنتواں (78-1803ء) فرانسیسی سیاست داں، معتدل بورژوا ری پبلکی، 1848ء میں عارضی حکومت کے رکن۔

گبن (Gibbon) ایڈورڈ (94-1737ء) انگریز بورژوا تاریخ داں، "سلطنت روم کے زوال اور تباہی کی تاریخ" کے مصنف۔

گرانٹ (Grant) پیٹرک (95-1804ء) برطانوی جنرل، بعد میں فیلڈ مارشل مدراس فوج کے کمانڈر انچیف (61-1856ء) ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔ 1857ء میں مئی سے اگست تک ہندوستان میں کمانڈر انچیف۔

گرانٹ (Grant) جیمس ہوپ (75-1808ء) برطانوی جنرل۔ 42-1840ء میں چین کے خلاف افیون کی پہلی جنگ میں اینگلو سکھ جنگوں (46-1845ء، 49-1848ء) میں اور ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

گریٹ ہیڈ (Greathead) ولیم ولبرفورس ہیرلیس (78-1826ء) انگریز فوجی افسر، انجینئر، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

گرینول (Granville) جارج لیوی سن گوویر، ارل (91-1815ء) انگریز مدبر، وہگ بعد میں لبرل پارٹی کے رہنماؤں میں سے ایک، وزیر خارجہ (52-1851ء، 74-1870ء، 85-1880ء) وزیر برائے امورِ نو آبادیات (70-1868ء، 1886ء)

گلیڈ سٹن (Gladstone) ولیم ایوارٹ (98-1809ء) برطانوی سیاست داں، ٹوری، بعد میں پیل کے حامی، 19 ویں صدی کے دوسرے نصف میں لبرل پارٹی کے لیڈر۔ وزیرِ مالیات (55-1852ء، 1859-1866ء) اور وزیرِاعظم (74-1868ء، 85-1880ء، 1886ء، 94-1892ء)

گوئٹے (Goethe) یوہان ولف گانگ (1749ء تا 1832ء) مشہور جرمن شاعر اور فلسفی۔

ل

لارنس (Lawrence) ہندوستان میں ایک انگریز افسر۔

لارنس (Lawrence) ہنری منٹگمری (57-1806ء) برطانوی جنرل، نیپال میں ریزیڈنٹ (46-1843ء) پنجاب کے انتظامیہ کے بورڈ کے صدر (53-1849ء) اودھ کے چیف کمشنر (1857ء) ہندوستانی بغاوت کے وقت لکھنؤ میں برطانوی فوج کی کمان کی۔

لارنس (Lawrence) جان لیرڈ میر (79-1811ء) ہندوستان میں نو آبادیاتی برطانوی انتظامیہ میں بڑے عہدیدار، پنجاب کے چیف کمشنر (57-1853ء) ہندوستان کے وائسرائے (69-1864ء)

لارنس (Lawrence) جارج سینٹ پیٹرک (84-1804ء) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔ راجپوتانہ میں ریزیڈنٹ (64-1857ء)

لکشمی بائی (1835ء تا 1858ء) ریاست جھانسی کی رانی، قومی سورما، ہندوستان میں بغاوت کی ایک رہنما، باغی دستوں کی رہنمائی کی اور میدانِ جنگ میں کام آئیں۔

لوگارڈ (Lugard) ایڈورڈ (98-1810ء) انگریز جنرل۔ اینگلو ایرانی جنگ (57-1856ء) میں اور ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

لوئی فلپ (1773ء تا 1850ء) اور لینس کے ڈیوک، فرانس کے بادشاہ (48-1830ء)

لوئی نپولین ملاحظہ ہو نپولین سوم۔

لیڈس (Leeds) ٹامس اوسبرن، 1689ء سے مارکوئیس کارمارتھن، 1694ء سے

ڈیوک (1631ء تا 1712ء) انگریز سیاست داں، ٹوری، وزیراعظم (1674-79ء)
اور (1690-95ء) 1695ء میں پارلیمنٹ نے ان پر رشوت ستانی کا الزام لگایا۔

لیسی ایونس ملاحظہ ہو ایونس، جارج ڈی لیسی۔

م

مارلبرو (Marlborough) جان چرچل، ڈیوک (1650ء تا 1722ء) انگریز جنرل،
ہسپانوی جانشینی کی لڑائی میں برطانوی فوج کے سالارِ اعظم۔

ماموخاں ہندوستانی بغاوت کے وقت لکھنؤ علاقے میں اودھ کے باغیوں کے رہنما۔

مان سنگھ ہندوستانی راجہ جو اگست 1858ء میں باغیوں میں تھے لیکن 1859ء کے
شروع میں بغاوت کے مشہور رہنما تانتیا ٹوپی کے ساتھ دغا کی۔

مان سنگھ سلطنت اودھ کے ایک بڑے جاگیردار، ہندوستانی بغاوت میں انگریز
نوآبادکاروں کے حلیف۔

محمد علی شاہ: شاہ اودھ (1837-42ء)

مری (Murray) چارلس (1806ء تا 1895ء) انگریز سفارتی کارکن، مصر میں قونصل
(1846-53ء) تہران میں سفیر (1854-59ء)

مغلِ اعظم ہندوستانی شہنشاہوں کا خاندان (1526ء تا 1858ء)

مِل (Mill) جیمس (1773ء تا 1836ء) برطانوی بورژوا، معاشیات داں اور فلسفی
"برطانوی ہندوستان کی تاریخ" کے مصنف۔

مُن (Mun) ٹامس (1571ء تا 1641ء) انگریز تاجر، معاشیات داں، تجارتی نظریہ زر
کے قائل اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں میں سے ایک۔

منٹگمری (Montgomery) رابرٹ (1809-87ء) 1858ء میں انگریز افسر، اودھ کے
چیف کمشنر، 1859-65ء میں پنجاب کے گورنر۔

منئے (Minie) کلود ایتین (1804-79ء) فرانسیسی فوجی افسر اور ہتھیاروں کے موجد،
ایک نئی قسم کی بندوق ایجاد کی۔

موتسارٹ (Mozart) ولف گانگ اماڈیئس (1756-91ء) آسٹریا کے عظیم موسیقی
نگار۔

موگز (Mogs) انگریز فوجی افسر، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

مولوی احمد شاہ (انتقال 1858ء) غدر کے ایک ممتاز رہنما، عوامی مفادات کے ترجمان،
اودھ میں بغاوت کی رہنمائی، لکھنؤ کی مدافعت میں جرأت اور وفاداری سے
پیش پیش رہے۔ جون 1858ء میں انہیں دغابازی سے قتل کر دیا گیا۔

مولیئر (Moliere) ژان باتست (پوکلیس) (1622-73ء) عظیم فرانسیسی ڈرامہ نگار۔

مونٹسکیو (Montesquieu) شارل دی (1689ء تا 1755ء) فرانسیسی بورژوا ماہر
عمرانیات، معاشیات داں، مصنف اور آئینی بادشاہت کے نظریے داں۔

میسن (Mason) جارج ہنری مونک، (1825-57ء) جودھپور میں مقیم انگریز افسر،
ہندوستانی بغاوت میں مارے گئے۔

ن

نادر شاہ (قلی خان) (1688ء تا 1747ء) ایران کے بادشاہ (1736ء-1747ء)
1738-39ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔

نارتھ (North) فریڈرک (1732-92ء) انگریز مدبر، ٹوری، وزیر مالیات (1767ء)
وزیراعظم (1770-82ء) پورٹ لینڈ کی مخلوط حکومت (فاکس نارتھ کابینہ) میں
وزیر داخلہ۔

ناصرالدین (1831-96ء) شاہ ایران (1848-96ء)

ناناصاحب (پیدائش غالباً 1824ء) ہندوستانی جاگیردار، آخری پیشوار باجی راؤ دوم کے
لے پالک بیٹے، بغاوت کے ایک رہنما۔

نپولین اول بوناپارٹ (1769ء تا 1821ء) شہنشاہ فرانس (1804ء-1814ء اور 1815ء)

نپولین سوم (لوئی نپولین بوناپارٹ) (1808-73ء) نپولین اول کا بھتیجا، دوسری ری
پبلک کے صدر (1848-51ء) شہنشاہ فرانس (1852-70ء)

نصیرالدین حیدر (انتقال 1837ء) شاہ اودھ (1827-37ء)

نکلسن (Nicholson) جان (1821-57ء) انگریز جنرل پہلی اینگلو افغان جنگ اور
دوسری اینگلو سکھ جنگ میں حصہ لیا، ہندوستانی بغاوت کے وقت دہلی پر حملہ

کرتے وقت ایک انگریز دستے کی کمان کی (1857ء)

نکولس اول (1796ء تا 1855ء) روس کے شہنشاہ (1852-55ء)

نیپیر (Napier) چارلس جیمس (1782ء تا 1853ء) برطانوی جنرل، نپولین اول کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔ 1842-43ء میں اس فوج کی کمان کی جس نے ہندوستان میں سندھ کو تسخیر کیا۔ 1843-47ء میں سندھ کے گورنر۔

نیل (Neill) جیمس جارج اسمتھ (1810-57ء) انگریز جنرل، کرائمیا کی لڑائی میں لڑے۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت کانپور میں سخت تشدد کیا۔

و

واجد علی شاہ: شاہ اودھ (1847-56ء)

وارین (Warren) چارلس (1798ء تا 1866ء) انگریز فوجی افسر، 1858ء سے جنرل، 1816-19ء اور 1830-38ء میں ہندوستان میں فوجی خدمت کی۔ کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا۔

والپول (Walpole) رابرٹ (1808-76ء) انگریز فوجی افسر، بعد میں جنرل، کورفو جزیرے میں فوجی خدمت کی۔ (1847-56ء) ہندوستانی بغاوت کے وقت بریگیڈ کی کمان کی۔

والتیئر (Voltaire) (فرانسو ماری، اروییے) (1694ء تا 1778ء) مشہور فرانسیسی فلسفی، مصنف اور تاریخ داں، مطلق العنانی اور کیتھولک مذہب کے خلاف لڑے۔

وان کورٹلانڈٹ (Van Contlandt) ہنری چارلس (1815-88ء) انگریز جنرل۔ 1832-39ء میں سکھ حکومت کی فوجی ملازمت کی۔ پہلی اور دوسری اینگلو سکھ جنگوں میں انگریزوں کی طرف سے حصہ لیا۔ ہندوستانی بغاوت کچلی۔

وائن (Vaughan) جان لوتھر (سال پیدائش 1820ء) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

وڈ (Wood) چارلس (1800-85ء) انگریز مدبر، وِگ، وزیر خزانہ (1846-52ء) بورڈ آف کنٹرول کے صدر (1852-55ء) فرسٹ لارڈ آف ایڈمرلٹی

(1855-58ء) وزیر برائے امور ہند (1859-66ء) لارڈ پریوی سیل (1870-74ء)

وڈبرن (Woodburn) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

وکٹوریا (1819ء تا 1901ء) برطانیہ عظمٰی کی ملکہ (1837ء تا 1901ء)

ولسن (Wilson) آرچڈیل (1803-74ء) انگریز جنرل، ہندوستانی بغاوت کے وقت فوجی دستوں کی رہنمائی کی جنہوں نے دہلی کو محصور کیا تھا اور اس پر دھاوا بولا تھا اور لکھنؤ پر قبضے کے وقت توپ خانے کی کمان کی تھی۔

ولسن (Wilson) جیمس (1805-60ء) انگریز بورژوا ماہر معاشیات اور سیاست داں، آزاد تجارت کے حامی، رسالے "اکونومسٹ" کے بانی اور مدیر، پارلیمنٹ کے ممبر، وزیر برائے مالیات (1853ء-1858ء)

ولسن (Wilson) (انتقال 1857ء) انگریز کرنل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ولیم سوم پرنس آف آرنج (1650ء تا 1702ء) نیدرلینڈ کے حکمراں (1672ء تا 1702ء) اور انگلستان کا بادشاہ (1689ء تا 1702ء)

ولیم چہارم (1765ء تا 1837ء) برطانیہ عظمٰی کا بادشاہ (1830ء-1837ء)

ولیمس (Williams) ولیم فینویک، بارونٹ کارس (1800-83ء) انگریز جنرل۔ 1855ء میں کرائمیا کی جنگ میں کارس کی مدافعت کی رہنمائی کی۔ پارلیمنٹ کے ممبر (1856-59ء) وولوچ کے حفاظتی دستے کی کمان کی۔

ونڈھم (Windham) چارلس ایش (1810-70ء) انگریز جنرل، 1854-56ء میں کرائمیا کی جنگ میں حصہ لیا، لاہور میں برطانوی فوج کے کمانڈر، ہندوستانی بغاوت کچلی۔

وہٹلاک (Whitlock) جارج کارنش (1798ء تا 1868ء) انگریز جنرل 1818ء سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی۔ ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

وہیلر (Wheeler) ہیومیسی (1789ء تا 1857ء) انگریز جنرل، 1838-39ء اینگلو افغان جنگ میں حصہ لیا اور اینگلو سکھ جنگوں میں بھی، کانپور کی حفاظتی فوج کے کمانڈر (1856ء-1857ء) اور ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ویلزلی (Wellesley) رچرڈ کولی، مارکوئیس (1760ء تا 1842ء) برطانوی مدبر، پارلیمنٹ کے ممبر، ہندوستان کے گورنر جنرل (1798ء تا 1805ء) وزیرِ خارجہ (1809-12ء)

ھ

ھارڈنگ (Hardinge) ھنری، وائی کاؤنٹ، (1785ء تا 1856ء) برطانوی فیلڈ مارشل اور مدبر ٹوری، ہندوستان کے گورنر جنرل (1844-48ء) اور 1852ء سے 1856ء تک ہندوستان میں انگریزی فوجوں کے کمانڈر انچیف۔

ھاگ (Hogg) جیمس وایر (1790ء تا 1876ء) انگریز سیاست داں، پارلیمنٹ کے ممبر، 1846-47ء اور 1852-53ء میں بورڈ آف ڈائرکٹرس کے صدر، ہندوستان کی کونسل کے رکن (1858ء-1872ء)

ھڈسن (Hodson) ولیم اسٹیفن رائیکس (1821-58ء) برطانوی فوجی افسر، 1845ء سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے کام لیا۔ ہندوستانی بغاوت کے وقت سوار فوج کی کمان کی، دہلی اور لکھنؤ کی تسخیر میں حصہ لیا۔ اپنی بے رحمی کے لیے بدنام تھا۔

ھولکر تکاجی (سال پیدائش لگ بھگ 1836ء) ریاست اندور کے مرہٹہ حکمراں، ہندوستانی بغاوت کے وقت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

ھومز (Holmes) جان (1808-78ء) انگریز کرنل، بعد میں جنرل، پہلی اینگلو افغان جنگ میں (1838-42ء) اور ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ھیولاک (Havelock) ہنری (1795ء تا 1857ء) برطانوی جنرل، ہندوستانی بغاوت کو کچلنے میں حصہ لیا۔

ھیوم (Hume) جوزف (1777ء تا 1855ء) برطانوی سیاست داں، بورژوا ریڈیکلوں کے رہنما، پارلیمنٹ کے ممبر۔

ھیویٹ (Hewit) انگریز جنرل، 1857ء میں ہندوستانی بغاوت کے وقت میرٹھ میں محافظ فوج کے کمانڈر۔

ضمیمہ 1:

کارل مارکس

صنعتی سرمایہ کا آغاز

یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں سیاسی حکمرانی کے علاوہ چائے کی تجارت کرتی تھی اور اسی طرح چین کے ساتھ بھی اس کی عام طور پر تجارت تھی اور اس نے یورپ کو اشیائے تجارت لانے اور وہاں سے لے جانے کے لیے ٹرانسپورٹ کی بلاشرکت غیرے اجارہ داری حاصل کی لیکن ہندوستان کی ساحلی تجارت، جزیروں کے درمیان اور اندرونی تجارت بھی کمپنی کے افسران اعلیٰ کی اجارے دار تھیں۔ نمک، افیون، ڈلی اور دوسری اشیائے تجارت کی اجارے داریاں دولت کی لامحدود کانیں تھیں۔ افسران خود قیمتیں مقرر کرتے تھے اور بے چارے ہندیوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے۔ گورنر جنرل خود اس نجی کاروبار میں حصہ لیتا تھا۔ اس کے پٹھوؤں کو ایسی شرائط پر ٹھیکے دیئے جاتے تھے جن کے ذریعہ وہ کیمیاگروں سے بھی زیادہ بہتر طریقے سے، بلاکسی چیز کے سونا حاصل کر لیتے تھے۔ ایک دن میں بڑی بڑی رقموں کی بارش ہو جاتی تھی اور ابتدائی ذخیرۂ زر ایک پیسہ لگائے بغیر ہوتا تھا۔ وارین ہیسٹنگز پر مقدمہ اس بات کی کثیر تعداد مثالیں پیش کرتا ہے۔ یہ رہی ایک مثال: سالیوان نامی ایک انگریز کو افیون کا ٹھیکہ اس وقت دیا گیا جب وہ سرکاری کام سے ہندوستان کے ایسے حصے کو جا رہا تھا جو افیون کے علاقے سے بہت دور تھا۔ سالیوان نے اپنا ٹھیکہ ایک اور انگریز بین (Binn) کے ہاتھ 40 ہزار پونڈ اسٹرلنگ میں بیچ دیا اور ٹھیکے کے آخری خریدار اور اس کی تکمیل کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ بہرحال اس کو زبردست فائدہ ہوا۔ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی ہوئی دستاویزوں میں سے ایک کے مطابق کمپنی اور اس کے ملازمین کو 66-1707ء کے

دوران ہندوستانیوں سے ساٹھ لاکھ پونڈ اسٹرلنگ بطور نذرانہ ملے۔ 70-1769ء کے دوران انگریزوں نے سارا چاول خرید کر اور اس کو بہت بڑی قیمتوں کے سوا بیچنے سے انکار کر کے ایک مصنوعی قحط پیدا کر دیا۔[1]

("سرمایہ" کی جلد اول کے باب 24 سے اقتباس)

[1] 1866ء میں صرف اڑیسہ کے صوبے میں دس دس لاکھ سے زیادہ ہندی قحط کا شکار ہو گئے۔ بہرحال بھوکوں مرنے والے لوگوں کے ہاتھ ضروریات زندگی کی چیزیں اونچی قیمتوں سے بیچ کر ہندوستانی سرکاری خزانے کو بھرنے کی کوشش کی گئی۔

ضمیمہ 2:

فریڈرک اینگلز

حفاظتی تجارتی پالیسی اور آزاد تجارت

.... تحفظ کے زیر سایہ دخانی مشینوں کے ذریعہ جدید صنعتی پیداوار کے سسٹم نے 18 ویں صدی کے آخری تہائی حصے کے دوران برطانیہ میں جنم لیا اور پروان چڑھا اور جیسے درآمدی برآمدی محاصل کا تحفظ کافی نہ ہو، فرانسیسی انقلاب کے خلاف لڑائیوں نے برطانیہ کو نئے صنعتی طریقوں کی اُجارے داری کے حصول میں مدد دی۔ بیس سال سے زیادہ مدت تک برطانوی بحری بیڑے نے برطانیہ کے صنعتی رقیبوں کو اُن کی نوآبادیاتی منڈیوں سے کاٹ رکھا اور یہ منڈیاں برطانوی تجارت کے لیے زبردستی کھول دیں۔ جنوبی امریکی نوآبادیوں کا اپنے یورپی حکمراں ملکوں سے علیحدہ ہونا[1] برطانیہ کا سب سے زیادہ دولت مند فرانسیسی اور ڈچ نوآبادیوں کو فتح

[1] اسپین کی وسطی اور جنوبی امریکہ کی نوآبادیوں نے ہسپانوی نوآبادیاتی جوئے کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد کے نتیجے میں خودمختاری حاصل کی۔ تحریک آزادی کی جدوجہد کے پہلے دور میں (15-1810ء) ری پبلکیں (وینزویلا وغیرہ) وجود میں آئیں۔ لیکن آپس کے نفاق اور چوٹی کے کریول امیروں کے عوام سے الگ ہونے کی وجہ سے ہسپانوی تسلط تقریباً سبھی جگہ بحال ہو گیا۔ 1816ء سے خودمختاری کی جدوجہد کی نئی منزل شروع ہوئی جس کے نتیجے میں سابق ہسپانوی مقبوضات کی جگہ میکسیکو، وسطی امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ (جو بعد کو پانچ چھوٹی ری پبلکوں میں تقسیم ہو گئی)، کولمبیا (جو بعد کو وینزویلا، کولمبیا اور ایکواڈور میں تقسیم ہوئی)، بولیویا اور ارجنٹائن (جلد ہی اس سے اوروگوائے الگ ہو گیا) پاراگوائے، پیرو اور چلی کی خودمختار ری پبلکیں قائم ہو گئیں۔ 1825ء میں حکومت برطانیہ نے لاطینی امریکہ کے ملکوں کو تسلیم کر لیا تو اس کی وجہ بڑی حد تک یہ تھی کہ انگریز بورژوازی کو اس بات سے دلچسپی تھی کہ وہ لاطینی امریکہ کے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

کرلینا[1] اور رفتہ رفتہ ہندوستان پر قابض ہونا' ان سب باتوں نے ان بڑے بڑے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات بڑھا کر ان کو اپنے زیر اثر کرلے جس میں ان ملکوں میں ہسپانوی تسلط حائل ہوتا تھا۔ اس وقت برطانوی وزیر خارجہ کیننگ کو یہ امید تھی کہ لاطینی امریکی ملکوں کے نئے بازار برطانیہ میں تجارتی و صنعتی ترقی کے ضمانت دار ہوں گے۔

[1] برطانیہ اور فرانس کے درمیان لڑائیاں جو ان کے نوآبادیاتی مفادات کے ٹکراؤ کی وجہ سے ہوئیں' 17ویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی تھیں اور 18ویں صدی میں بھی زوروں کے ساتھ فرانسیسی بورژوا انقلاب تک جاری رہیں۔ اس زمانے میں ان ملکوں کے نوآبادیاتی مقبوضات کی تقسیم یوں تھی: ویسٹ انڈیز میں جمائیکا' بارباڈوس اور کئی دوسرے جزائر انگریزوں کی ملکیت تھے اور فرانس کے پاس سان ڈومینگو کا مغربی حصہ' مارٹینیکا اور گواڈے لوپ تھے۔ شمالی امریکہ میں برطانیہ کے تحت بحر اٹلانٹک کے ساحل سے لے کر ایلیگنیز پہاڑوں تک کا علاقہ تھا اور فرانسیسیوں کے پاس کناڈا اور لوئزیانا تھے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے مضبوط مرکز مدراس' بمبئی اور کلکتہ تھے اور فرانس کے پاس کارومنڈل کے ساحلی علاقے اور بنگال میں بہت ہی مضبوط مرکز پانڈیچری اور چندر نگر وغیرہ تھے۔ سات سالہ جنگ (1756-63ء) کے بعد سمندر اور نوآبادیوں میں شکست کی وجہ سے فرانس کو کناڈا' افریقہ میں سینی گال اور ویسٹ انڈیز میں متعدد جزیروں سے ہاتھ دھونا پڑا' جن میں بحیرۂ کیریبین کا گریناڈا بھی شامل تھا۔ ہندوستان میں اس کے پاس صرف پانچ ساحلی شہر رہ گئے جن کی قلعہ بندی توڑ دی گئی اور فصیلیں ڈھادی گئیں۔ برطانیہ فرانس کی ساری نوآبادیاں ہتھیا لینے کے بعد مدتوں تک سب سے بڑی بحری اور نوآبادیاتی طاقت بنا رہا۔

سات سالہ جنگ (1756-63ء) یورپ کی ریاستوں کے دو اتحادوں (برطانوی' پروشیائی اور فرانسیسی' روسی' آسٹریائی) کے درمیان جنگ۔ اس جنگ کا ایک بنیادی سبب برطانیہ اور فرانس کے درمیان نوآبادیاتی اور تجارتی رقابت تھا۔ بحری جنگوں کے علاوہ' ان ریاستوں کی امریکی اور ایشیائی نوآبادیوں میں زیادہ تر لڑائیاں ہوئیں۔ مشرق میں جنگی کارروائیوں کا خاص مرکز ہندوستان تھا جہاں فرانسیسیوں اور ان کے پٹھو مقامی راجاؤں کے مدمقابل برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی تھی جس نے اپنی فوجی طاقت کافی بڑھالی تھی اور اس سات سالہ جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے بعض ہندوستانی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ اس لڑائی کے نتیجے میں فرانس ہندوستان میں اپنے سارے مقبوضات سے ہاتھ دھو بیٹھا سوائے پانچ ساحلی شہروں کے جن کی قلعہ بندی کو ڈھانے کے لیے اس کو مجبور کیا گیا۔ اب برطانیہ کی نوآبادیاتی طاقت کافی بڑھ گئی۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

علاقوں کی آبادی کو برطانوی اشیائے تجارت کا گاہک بنا دیا۔ اس طرح برطانیہ نے اس تحفظ میں' جس کا استعمال وہ اپنی اندرونی منڈی کے لیے کرتا تھا اس آزاد تجارت کا اضافہ کیا جو اس نے غیر ملکی منڈیوں پر مسلط کیا جہاں بھی وہ کر سکتا تھا۔ اور ان دونوں سسٹموں کے سازگار اختلاط کی وجہ سے 1815ء میں جنگ کے خاتمے پر برطانیہ نے صنعت کی ساری اہم شاخوں میں اپنے کو درحقیقت عالمی تجارت کا اجارے دار پایا۔

(اپریل' مئی 1888ء میں انگریزی میں لکھا گیا اور خود مصنف کا جرمن ترجمہ رسالہ Die Neue Zeit کے شمارہ 7 میں جولائی 1888ء میں شائع ہوا اور پھر انگریزی ہفتہ وار Labour Standard میں اگست 1888ء میں چھپا' اور کارل مارکس کے پمفلٹ "آزاد تجارت" (بوسٹن 1888ء) میں بھی شائع ہوا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

1780-84ء کی برطانیہ اور ہالینڈ کی جنگ کا سبب یہ تھا کہ ہالینڈ برطانیہ کی امریکی نوآبادیوں کے ساتھ اس وقت تجارت کر رہا تھا جب یہ نوآبادیاں اپنی خودمختاری کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ ہالینڈ کو قطعی شکست دی گئی۔ اس نے ہندوستان میں اپنے اہم ترین مقبوضات کھو دیے اور اس بات پر مجبور ہوئے کہ انگریزوں کو آزادی کے ساتھ انڈونیشیا کے اندرونی سمندروں میں آنے جانے کی اجازت دیں۔ 18ویں صدی کے فرانسیسی بورژوا انقلاب کے بعد برطانیہ اور فرانس کے درمیان زبردست کشمکش کا ایک مقصد ہالینڈ کی سابق ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملکیت تھی جس کو 1800ء میں ختم کر کے براہ راست ریاست میں شامل کرلیا گیا تھا۔ 1811ء میں برطانیہ نے انڈونیشیا پر قبضہ کرلیا اور اس پر 1816ء تک قابض رہا۔ جنوب مشرقی ایشیا میں نوآبادی مقبوضات کی حد بندی کے بارے میں برطانیہ اور ہالینڈ کے درمیان جھگڑے مختتم طور پر 1824ء کے معاہدۂ لندن سے ہی ختم ہوئے۔

تخلیقات کی تاریخی کتب

کتاب	مصنف
جامع تاریخ ہند	محمد حبیب، خلیق احمد نظامی
تاریخ لاہور	کنہیا لال
قدیم تاریخ ہند	وی۔ اے سمتھ / پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن
فسانہ سلطنت مغلیہ	منوچی / سید ظفر علی خان
بلوچ قوم (قدیم عہد سے عصر حاضر تک)	ڈاکٹر شاہ محمد مری
جنگ آزادی 1857ء (دو خفیہ روزنامچے)	جیون لال / معین الدین حسن خان
تاریخ عالم پر ایک نظر (حصہ اول، دوم، سوم)	جواہر لال نہرو
احمد شاہ ابدالی	گنڈا سنگھ
دارا شکوہ	قاضی عبدالستار
مولانا عبدالکلام آزاد (معاصرین کی نظر میں)	مرتب۔ پروفیسر امجد علی شاکر
نادر شاہ	لارنس لاک ہارٹ
سلطان محمود غزنوی	پروفیسر محمد حبیب
تاریخ پنجاب	سید محمد لطیف
تاریخ لاہور	سید محمد لطیف
مولانا آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست	محمد فاروق قریشی
پاکستان قیام اور ابتدائی حالات	سری پرکاش
ہندی مسلم تہذیب	قاضی جاوید
ہندوستان	ول ڈیورانٹ
تلاش ہند	جواہر لال نہرو
میری کہانی	جواہر لال نہرو

علی پلازہ، 3 مزنگ روڈ، لاہور فون: 7238014
E-mail: takhleeqat@yahoo.com

Designed by: (Angles) Khawaja Afzal